جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۲۵ : ۳۶

220

رِیاضُ التفسیر

(متن قرآن، اصول تفسیر، تاریخ تفسیر)

برائے

ایم۔ اے اسلامیات

از

پروفیسر محمد سرور ایم۔ اے (عربی) ایم۔ اے اسلامیات بی ایڈ

ناشر

ملک نذیر احمد پروپرائٹر تاج بُک ڈپو

اردو بازار لاہور

67482
15554

بارِ اوّل .. .. .. سنہ ۱۹۶۸ء

قیمت .. .. .. بارہ ۱۲ روپے

تعداد ۵۰۰

مطبع .. .. .. رشید آرٹ پریس لاہور

ناشر .. .. .. ملک نذیر احمد

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
	اصولِ تفسیر (الفوز الکبیر)	۹
۱	شاہ ولی اللہ دہلوی کے حالاتِ زندگی	۱۱
۲	تصانیف	۱۶
۳	الفوز الکبیر	۲۶
۴	قرآن مجید کی صحیح تفہیم کے لیے جن علوم کا جاننا ضروری ہے	۳۰
۵	اصول تفسیر کی تعریف	۴۰
۶	ناسخ و منسوخ	۴۲
۷	محکم و متشابہ	۴۷
۸	اعجاز القرآن	۵۳
۹	اسباب نزول	۵۹
۱۰	علم المخاصمہ	۶۴
۱۱	المشرکین	۶۴
۱۲	منافقین	۷۴
۱۳	یہود	۷۸
۱۴	نصاریٰ	۸۵
۱۵	علم الاحکام	۹۱
۱۶	علم تذکیر بآلاء اللہ	۹۷

Marfat.com

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱۷	علم تذکیر بایام اللہ	۱۰۱
۱۸	علم تذکیر بموت	۱۰۴
۱۹	غریب القرآن	۱۱۱
۲۰	مقطعات	۱۱۵
۲۱	طبقات مفسرین	۱۱۶
۲۲	اسرائیلیات	۱۲۴
۲۳	تعریض	۱۲۸
۲۴	کنایہ	۱۲۹
۲۵	حذف	۱۳۱
۲۶	ابدال	۱۳۳
۲۷	مجاز عقلی	۱۳۷
۲۸	شرک	۱۳۸
۲۹	تبع تابعین	۱۴۰
۳۰	توجیہ	۱۴۱
۳۱	الفوز الکبیر کے اہم مباحث پر تبصرہ	۱۴۳
۳۲	بدائع اسلوب القرآن	۱۴۹
	مطالعہ متن قرآن	۱۵۵
	سورۃ المائدہ	
۳۳	تمہید، نام اور وجہ تسمیہ	۱۵۷

Marfat.com

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۳۴	زمانہ نزول	۱۵۸
۳۵	شان نزول	۱۵۹
۳۶	مباحث	۱۶۱
۳۷	اجمالی مطالب	۱۶۳
۳۸	اہم آیات کی تفسیر و تشریح	۱۸۴
	سورۃ الانعام	
۳۹	تمہید - نام اور وجہ تسمیہ	۲۷۸
۴۰	زمانہ نزول	۲۷۹
۴۱	شان نزول	۲۸۰
۴۲	مباحث	۲۸۱
۴۳	اجمالی مطالب	۲۸۲
۴۴	اہم آیات کی تفسیر و تشریح	۳۰۸
	سورۃ الاعراف	
۴۵	تمہید - نام اور وجہ تسمیہ	۳۵۶
۴۶	مباحث	۳۵۷
۴۷	اجمالی مطالب	۳۵۹
۴۸	اہم آیات کی تفسیر و تشریح	۳۸۵
	سورۃ الانفال	
۴۹	تمہید - نام اور وجہ تسمیہ	۴۰۱

Marfat.com

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۵۰	تاریخی پس منظر	۴۰۲
۵۱	مباحث	۴۰۷
۵۲	اجمالی مطالب	۴۰۸
۵۳	اہم آیات کی تفسیر و تشریح	۴۲۰
۵۴	سورۃ التوبہ (تمہید، نام بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ)	۴۵۶
۵۵	زمانہ نزول و اجزاء سورت	۴۵۷
۵۶	غزوۂ تبوک	۴۵۸
۵۷	مسائل و مباحث	۴۶۰
۵۸	اجمالی مطالب	
۵۹	اہم آیات کی تفسیر و تشریح	۴۸۷
۶۰	تاریخ ادب تفسیر (جامع البیان فی تفسیر القرآن)	۵۸۳
۶۱	تفسیر القرآن العظیم	۵۸۸
۶۲	روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثانی	۵۹۱
۶۳	فی ظلال القرآن	۵۹۵
۶۴	تفسیر مظہری	۶۰۸
۶۵	الکشاف عن حقائق التنزیل و عیون الاقاویل فی وجوہ التاویل	۶۱۰
۶۰	تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل معروف بہ تفسیر بیضاوی	۶۱۹
۶۱	مدارک التنزیل وحقائق التاویل	۶۲۵
۶۲	تفسیر جلالین	۶۲۷

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

کتاب "ریاض التفسیر" پیش خدمت ہے۔

اس کو تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلے باب میں اصول تفسیر سے متعلق جتنے سوالات امتحانی نقطۂ نظر سے اہم ہو سکتے ہیں۔ ان کے جوابات تفصیل سے درج کر دیئے گئے ہیں۔

دوسرا باب نصاب قرآن کی تمام سورتوں (سورۃ مائدہ، انعام، اعراف، انفال اور توبہ) سے متعلق ہے ہر سورۃ کے نام کی وجہ تسمیہ زمانہ نزول، تاریخی پس منظر، مسائل و مباحث اور اجمالی مطالب پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد ہر سورۃ کی اہم آیات کی تفسیر و تشریح درج کر دی گئی ہے۔ ان کا ترجمہ و تشریح اتنی آسان اور جامع ہے کہ دوسری تفاسیر کو دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ لیکن ساتھ ساتھ اختصار کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے۔

مندرجہ ذیل تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر

۲۔ تفسیر بیضاوی

۳۔ تفسیر حقانی

۴۔ تفسیر ماجدی

۵۔ تفہیم القرآن

Marfat.com

امتحانی نقطۂ نظر سے تمام سورتوں سے متعلقہ اہم سوالات کے جوابات بالتفصیل درج کر دیئے گئے ہیں۔

تیسرا باب تاریخ ادب تفسیر سے متعلق ہے اس میں تمام اہم تفاسیر کے مؤلفین کے حالاتِ زندگی اور ان کی تفاسیر کی امتیازی خصوصیات پر شذرات قلمبند کر دیئے گئے ہیں۔

اُمید ہے کہ یہ کتاب ایم۔اے اسلامیات کے خصوصاً ان طلباء کے لیے جن کے پاس وقت کی قلت ہے کے لیے رہبر کامل ثابت ہوگی اور اس کو پڑھنے کے بعد پہلے پرچے سے متعلق کسی اور کتاب کو پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

سوالات و جوابات کی ترتیب میں نہایت عمیق الفکری، دقیق النظری اور عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے۔

اگر اساتذہ یا اور لوگ اس کتاب میں کسی قسم کی کمی بیشی یا اضافہ کی ضرورت محسوس کریں تو ان کے مشورے شکریہ کے ساتھ قبول کئے جائیں گے۔

بندہ آثم
محمد سرور

Marfat.com

اصول التفسیر

الفوز الکبیر

Marfat.com

Marfat.com

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال ۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے حالاتِ زندگی اور علوم دینیہ کی خدمات پر مفصل اور مدلل تبصرہ کیجئے۔ سالانہ ۱۹۶۱ء

۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات اور ان کی خدمات علوم دینیہ پر روشنی ڈالئے اور "الفوز الکبیر" پر مختصر نوٹ لکھیئے۔ سالانہ ۱۹۵۶ء

۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی علمی خدمات پر روشنی ڈالئے اور "الفوز الکبیر" پر شذرہ لکھیئے۔ سالانہ ۱۹۶۴ء

جواب:- خاندان شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ اس لئے آپ کا خاندان فاروقی کہلاتا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کے آباؤ اجداد کس زمانے میں ملک عرب سے نکل کر پہلے ملک عجم اور پھر دہلی میں وارد ہوئے۔ آپ نے اپنا شجرہ نسب "انفاس العارفین" میں لکھا ہے۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی چھٹی یا پانچویں پشت ہی نے ترک وطن اختیار کیا ہوگا۔ کیونکہ ساتویں آٹھویں پشت کے ناموں میں عجمیت پائی جاتی ہے۔ بہرحال آپ کے آباؤ اجداد کے ہندوستان میں پہنچنے کے بارے میں کوئی معین تاریخ نہیں بتائی جا سکتی۔ آپ کا خاندان شروع سے ہی ارشاد و ہدایت سے دین کی خدمت کرتا رہا مگر اس کے ساتھ ہی جہاد اور فن جنگ کی بھی قابلیت رکھتا تھا۔ چنانچہ آپ کے دادا الشیخ وجیہہ الدین رحمۃ اللہ علیہ عالم دین ہونے کے علاوہ ایک بہادر مجاہد

Marfat.com

بھی تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہے۔ عالمگیر کی فوج جب شاہ شجاع کے بالمقابل صف آرا ہوئی تو اس میں یہ بزرگ بھی شامل تھے۔ شجاع کی فوج میں کئی مست ہاتھی تھے، جن کے حملوں سے اورنگ زیب کی فوج تتر بتر ہو گئی۔ صرف چار سپاہی اپنی جگہ پر ڈٹے رہے۔ ان میں شیخ موصوف بھی تھے۔ انہوں نے کمال دلیری و جانبازی سے ایک بڑے مست ہاتھی کا مقابلہ کیا۔ ہاتھی شیخ صاحب کو گھوڑے سمیت سونڈ میں لپیٹ کر پٹکنا چاہتا تھا کہ انہوں نے تلوار کے ایک وار سے اس کی سونڈ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ہاتھی زخمی حالت میں غضبناک ہو کر اپنی ہی فوج پر پلٹ پڑا۔ جس سے شاہ شجاع کے لشکر میں افراتفری اور بھگدڑ مچ گئی اور میدان اورنگ زیب عالمگیر کے ہاتھ رہا۔ شیخ صاحب کی اس دلیری پر اورنگ زیب عالمگیر کو اتنی مسرت ہوئی کہ ان کی کمر میں اپنے ہاتھ سے تلوار باندھی اور منصب میں اضافہ کرنا چاہا مگر شیخ صاحب کی قناعت پسند طبیعت نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے جو مہم دکن بھیجی گئی اس میں بھی آپ کا نام مجاہدین کی فہرست میں تھا۔ خود شاہ صاحب ان کی نسبت "ماثر الاجداد" میں یہ فقرہ سپرد قلم فرماتے ہیں کہ "شاہ وجیہ الدین بکمال تقوی و شجاعت موصوف بودند"

شیخ وجیہ الدین کے فرزند اور شاہ ولی اللہ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم عہد عالمگیری کے جید عالم، سچے صوفی اور قناعت پسند بزرگ تھے۔ انہوں نے بھی خاندانی روایات کے مطابق تعلیم و ارشاد سے دین کی شمع کو روشن رکھا۔ ان کی درسگاہ سے ہند و بیرون ہند کے طالبہ علم دین کی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے اور اس سے مستفید ہوتے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے جب اکابر علماء سے "فتاوی عالمگیری" مرتب کرائی تو اس پر نظر ثانی کی خدمت آپ ہی کے سپرد ہوئی تھی۔

ولادت اور نام شاہ عبدالرحیم کی ساٹھ سال کی عمر تک کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں تین فرزند عطا فرمائے ان میں سب سے بڑے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کی ولادت اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے چار سال

Marfat.com

قبل ۴ رشوال ۱۱۱۴ھ ہجری بمطابق ۱۲ فروری ۱۷۰۳ء علیسوی میں ہوئی۔ "انفاس العارفین" میں لکھا ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کعکی[1] رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بشارت کی بناء پر والدین نے آپ کا نام قطب الدین رکھا لیکن بعد میں آپ کے اخلاقِ فاضلہ اور اطوارِ پسندیدہ کو دیکھ کر سب نے آپ کو ولی اللہ کہنا شروع کر دیا۔ یہ نام اس قدر مقبول ہوا کہ والدین کا رکھا ہوا نام کسی کو بھی یاد نہ رہا اور نہ اس نام سے اب کوئی آپ کو جانتا ہی ہے۔ صرف آپ کے تذاکر حیات اور تحفہ اثنا عشریہ کے دیباچہ میں یہ نام مذکور اور محفوظ ہے۔

تعلیم و تربیت

سلف صالحین کے دستور کے مطابق جب آپ کی عمر پانچ برس کی ہوئی تو والد بزرگوار نے سبق پڑھانا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے آپ کی تعلیم قرآن مجید کے پڑھنے سے شروع کی گئی۔ آپ نے اپنی عمر کے ساتویں سال تک قرآن مجید کو ختم کر لیا۔ پھر آپ نے فارسی پڑھنا شروع کر دی اور اسی سال آپ کے والد نے آپ کو نماز سکھا کر اس کی پابندی کی تلقین کی۔ پھر اسی سال آپ نے روزہ رکھنا بھی شروع کر دیا۔ جیسا کہ آپ کی خود نوشت سوانح عمری موسوم "الجزء اللطیف" سے ظاہر ہوتا ہے۔ جب آپ کی عمر دس برس کی ہو گئی تو آپ نہ صرف فارسی کی نوشت و خواند میں مہارت پیدا کر چکے تھے۔ بلکہ عربی کی صرف و نحو پر بھی عبور حاصل کر لیا تھا۔ اور آپ شرح ملا جامی جو نحو کی ایک معرکۃ الآراء کتاب ہے ختم کر چکے تھے۔ جب آپ کی عمر چودہ سال کو پہنچی تو آپ ان تمام کتب کے پڑھنے سے فارغ ہو چکے تھے۔ جو آپ کے عہد میں درجہ تکمیل کی۔ انتہائی منزل خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے کچھ طب اور تصوف کی کتابیں بھی پڑھ لی تھیں۔ غرض نو عمری ہی میں آپ نے معقولات و منقولات پر پوری دستگاہ حاصل کر لی۔ حدیث۔ تفسیر۔ فقہ۔ معانی۔ کلام۔ ادب۔ فلسفہ اور منطق کے علاوہ طب ہیئت ریاضی میں آپ کو مہارت تامہ حاصل ہو گئی۔

---

[1] عوام الناس اسے کاکی بولتے اور لکھتے ہیں۔ صحیح کعکی ہے۔ تفصیل کا موقع نہیں۔

Marfat.com

شادی میں عجلت اور اس کے وجوہات

پندرھویں سال جب آپ نے تحصیلِ علم سے فراغت پائی تو آپ کے والدِ ماجد نے آپ کی شادی بھی کردی۔ شاہ صاحب خود اس کے متعلق "الجزء اللطیف" میں لکھتے ہیں کہ والد ماجد نے اس بارے میں بہت عجلت فرمائی۔ یہاں تک کہ انہوں نے سسرال والوں سے اس کارِ خیر کو انجام دینے کا تقاضا کیا تو ان لوگوں نے سامانِ شادی تیار نہ ہونے کا عذر کیا۔ اس پر والد ماجد نے اصرار فرمایا اور لکھ بھیجا کہ میرا یہ اصرار اور یہ عجلت بے وجہ نہیں لہٰذا یہ مبارک کام بلا تاخیر ہو جانا چاہیئے۔ اس عجلت کا راز اس طرح ظاہر ہوا کہ شادی کے کچھ دنوں بعد میری ساس کا انتقال ہو گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد میری اہلیہ کے نانا وفات پا گئے۔ اس طرح چند دنوں کے بعد عم بزرگوار شیخ ابوالرضا کے صاحبزادے فخر عالم اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ یہ صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ ماجدہ (جو شاہ صاحب کی سوتیلی ماں تھیں) رحلت کر گئیں۔ اس اثنا میں والد ماجد کو مختلف امراض نے آ گھیرا اور وہ بھی ہمارے سر پر سے اُٹھ گئے۔ جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں ان کی جلدی کرنے میں یہی راز تھا۔

علم باطن کی تکمیل

آپ نے علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل اپنے والد ماجد ہی سے کی تھی۔ آپ کے والد بزرگوار جس طرح علوم ظاہری میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اسی طرح ان کو علوم باطنی اور تصوف سے بھی بہرہ وافی حاصل تھا۔ چنانچہ آپ نے شادی کے ایک سال بعد اپنے والد ماجد کے ہاتھ بیعت کی اور ان کی نگرانی میں اذکار و اشغال صوفیہ میں مصروف رہے۔ اس طرح جب آپ کے ظاہر اور باطن کی تکمیل ہو چکی تو آپ کے والد ماجد نے ایک بہت بڑے پیمانہ پر خواص و عوام کی دعوت کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو اپنے فرزندِ ارجمند کے تکمیلِ علوم پر بہت خوشی ہوئی ہوگی۔

والد ماجد کا انتقال

آپ کے فارغ التحصیل ہونے کے دو ہی سال بعد

Marfat.com

جب کہ آپ کی عمر سترہ سال کی ہو آپ کے والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ آپ کے والد ماجد نے آپ کو اپنا خلیفہ برائے تلقین وارشاد مقرر فرمایا اور حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ "میرے بعد اس کے ہاتھ کو میرا ہی ہاتھ سمجھو"۔ چنانچہ والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ مدرسہ رحیمیہ (جس کی بنیاد آپ کے والد ماجد نے رکھی تھی) کی مسند درس وتدریس پر رونق افروز ہوئے اور پورے بارہ سال تک علوم دینیہ اور عقلی علوم (منطق وفلسفہ) کی تعلیم وتدریس میں مشغول رہے۔

سفرِ حج بارہ سال تک درس وتدریس میں مشغول رہنے کے بعد ۱۱۴۳ھ ہجری میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ شاہ صاحب کا یہ سفر کوئی معمولی سفر نہیں تھا۔ ایک طرف ذرائع آمد ورفت کا فقدان تھا۔ دوسری طرف قتل وغارت گری کی وارداتِ عام تھیں۔ ایسی حالت میں حج بیت اللہ شریف کا دُور دراز سفر اختیار کرنا اور خطراتِ راہ کو قطعاً خیال میں نہ لانا آپ کے شوق وافر اور عزیمت صادقہ کا واضح ثبوت ہے۔

مشائخ حرمین سے استفادہ اور دوبارہ حج کرنا ۱۱۴۳ھ ہجری کا حج کرنے کے بعد آپ ایک سال تک حرمین شریفین میں اقامت پذیر رہے۔ اس اثنا میں آپ مشائخ حرمین شریفین سے استفادہ حدیث کرتے رہے۔ آپ کا زیادہ تر قیام مدینہ منورہ میں رہا۔ آپ نے شیخ ابوطاہر مدنی سے جو اس زمانے کے متبحر عالم تھے۔ حدیث کا باقاعدہ درس لیا اور ان سے سند حاصل کی۔ شیخ موصوف آپ کی ذہانت وفراست کے بڑے مداح تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "ولی اللہ لفظ کی سند مجھ سے لیتا ہے اور معنی کی سند میں اس سے لیتا ہوں"۔ مدینہ منورہ سے واپس ہو کر آپ نے دوبارہ ۱۱۴۴ھ ہجری کا حج کیا۔

مراجعت وطن ۱۱۴۵ھ ہجری کے اوائل میں آپ نے وطن کا رُخ کیا۔ پورے چھ مہینے آپ کو راستہ میں لگ گئے اور ۱۴ رجب بروز

جمعہ ۱۱۴۵ھ ہجری بخیریت تمام واپس گھر پہنچے اور دلی میں رونق افروز ہوئے۔

مشاغل حرمین شریفین سے واپسی کے بعد آپ نے اوقات عزیز کو تین اہم مشاغل میں صرف کرنے کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔

۱۔ صبح کے اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر دوپہر تک حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔

۲۔ حدیث کے علاوہ وقتاً فوقتاً دین حق کے حقائق و دقائق اور معرفت و تصوف کے اسرار و غوامض پر تقریر فرما کر سامعین کو مستفیض فرمایا کرتے۔

۳۔ تیسرا سب سے اہم مشغل آپ کا یہ تھا کہ جو وقت ان دونوں مشاغل سے بچ رہتا اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیتے بلکہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے۔ اس کا نتیجہ آپ کی وہ جلیل القدر تصانیف ہیں جو تا قیامت آپ کو زندہ جاوید رکھیں گی۔ ان تصنیفات ہی کے ذریعے آپ نے مسلمان قوم کو پستی کے عمیق گڑھوں سے نکالنے کی کوشش کی اور ان کو راہ راست پر چلنے کی ہدایت کی تاکہ پھر وہی عظمت و شوکت حاصل ہو جائے جو دور اوّل میں مسلمانوں کو تھی۔

وفات آپ تقریباً چالیس سال تک دینی تعلیم و تدریس وعظ و نصیحت اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے اور باقتضائے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۱۱۷۶ھ ہجری بمطابق ۱۷۶۳ء عیسوی میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اپنے فرزندان ارشد اور علمی تصانیف سے وہ باقیات صالحات چھوڑ گئے جن کے فیوض و برکات کی نہریں اب تک جاری ہیں اور تا قیامت جاری رہیں گی (انشاء اللہ العزیز)

تصانیف مثل مشہور ہے کہ درخت ہمیشہ اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح شاہ صاحب کی شخصیت و کردار کی ان کی تصانیف عکاسی کرتی ہیں۔ جس طرح ہم کسی شخص کی تعریف میں یہ کہتے ہیں کہ وہ بڑا طبیب حاذق ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے دست شفا عطا فرمایا ہے تو اس کا سب سے بہتر ثبوت یہ

Marfat.com

ہوگا کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ روزانہ سینکڑوں مریض دوسرے اطباء سے مایوس ہوکر اس در کے پاس آتے ہیں۔ اور شفایاب ہوکر چلے جاتے ہیں۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنا اچھا کہا ہے۔ "مشک آن است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"۔ چنانچہ اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب کا پایۂ علم و فضل اور تجدد و دینی آپ کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے۔

آپ کی تصانیف ایک سو سے زائد بتائی جاتی ہیں مگر ان میں سے نصف نایاب ہیں یہ سب کتب عربی اور فارسی میں ہیں۔ اُس وقت برِصغیر ہندوستان کی علمی زبان فارسی تھی۔ افغانستان، ایران، ترکستان کی عام زبان بھی فارسی تھی۔ فارسی کے بعد عربی کی تحصیل کی جاتی تھی۔ شاہ صاحب نے افادہ عام کی غرض سے جو کتابیں لکھیں وہ فارسی میں ہیں۔ ذیل میں آپ کی تصانیف کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے جو عام طور پر ملتی ہیں:-

۱- ترجمہ قرآن مجید "فتح الرحمٰن" فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ہے جو دوسرے تراجم سے کئی ایک خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہے۔ ہندوستان بھر میں یہ سب سے پہلا ترجمہ ہے اس کے بعد آپ کے فرزندانِ ارشد شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے بالترتیب بامحاورہ اور لفظی ترجمہ قرآن کا اردو زبان میں کیا۔ اس طرح عام مسلمانوں کو ان کے رب تبارک و تعالیٰ کے کلام کے معانی و مطالب سے روشناس کیا۔ "فتح الرحمٰن" صرف ترجمہ ہی نہیں بلکہ جا بجا اختصار کے ساتھ جامع اور پر معنی الفاظ میں تشریحات بھی ہیں۔

گو سرزمین ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ سے قائم تھی۔ لیکن اس سے قبل کلام اللہ کو کسی بھی دوسری زبان میں منتقل نہیں کیا گیا تھا۔ یہ مبارک خدمت کاتبِ تقدیر نے شاہ صاحب کی قسمت میں ہی لکھی تھی۔ اس کتاب کے شائع ہوتے ہی ایک تہلکہ مچ گیا۔ آپ پر قاتلانہ حملہ بھی کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس ترجمہ سے مسلمانوں بالخصوص اور عوام بالعموم کے لئے

Marfat.com

قرآن فہمی کے دروازے کھل گئے۔ یہ آپ کی ایک بہت بڑی خدمت دین شمار کی جاتی ہے۔

۲۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر فارسی زبان میں اصول التفسیر پر نہایت جلیل القدر تصنیف ہے باوجود مختصر الحجم ہونے کے اس قدر جامع ہے کہ قرآن پاک کے مطالب و معانی کو ٹھیک طور پر سمجھنے کے لئے جن باتوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ سب کی سب اس میں آگئی ہیں۔ الغرض ساری کی ساری کتاب فہم قرآن کے اصول سمجھانے کے لئے محققانہ طرز پر چھوٹے بیش قیمت مقالات کا مجموعہ ہے اس کے تراجم عربی اور اردو میں ہو چکے ہیں۔

۳۔ تاویل الاحادیث عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ قرآن مجید نے جن انبیاء کرام کے حالات بیان کئے ہیں۔ ان کو ایک انوکھے پیرایہ میں ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ انبیاء کے مکذبین اور منکرین پر جو عذاب وقتاً فوقتاً نازل ہوئے ان کی نوعیت طبعی واقعات کی تھی۔ اور ان کا ظہور اسباب مادیہ کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ اسی طرح معجزات کے بارے میں بڑی عمدہ بحث کی ہے۔

۴-۵ درس حدیث کی معاون کتابیں مسوّیٰ۔ مصفّیٰ۔ یہ دونوں موطا امام مالک کی شرحیں ہیں۔ اول الذکر عربی میں اور دوسری فارسی میں لکھی گئی ہے۔ شاہ صاحب جس طریقے سے درس حدیث دیا کرتے تھے یہ دونوں کتب اس کا نمونہ ہیں۔

۶۔ حجۃ اللہ البالغہ عربی زبان میں نہایت جلیل القدر تصنیف ہے۔ جس کو شاہ صاحب کی تصانیف میں

میں شاہکار کا درجہ حاصل ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے پہلی جلد میں فلسفۂ تعلیمات اسلام اور فلسفۂ تشریح کے وہ اصول بیان کئے ہیں جن کو پڑھ کر اسرارِ دین سمجھنے کے لئے قاری کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور بعض نہایت قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہیں دوسری جلد میں تمام احکام شرعیہ جملہ تعلیماتِ اسلامیہ متعلق عقائد و اعمال و اخلاق پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے یہ ایک ایسی عدیم المثال کتاب ہے جس کی نظیر دنیائے اسلام میں موجود نہیں۔ امام غزالی کی کتاب "احیاء علوم الدین" کی طرح علماء و خواص میں بے حد مقبول و ہر دلعزیز ہے۔

۷۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فارسی زبان میں تحریر کی گئی ہے اس کا مضمون خلافت شیخین (ابوبکر صدیق رضؓ و عمر فاروق رضؓ) کا اثبات اور شیعہ سنی کے اختلاف کو دور کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں خلافت کی حقیقت۔ اسلام میں نظریۂ سیاست و حکمرانی، عمرانِ ذکارن کے اصول، حضرت عمر فاروق رضؓ کے مجتہدات اور ان کے فیصلوں کی اہمیت وغیرہ پر قابلِ قدر بحثیں ہیں۔

۸۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین شیخین کی فضیلت و بزرگی پر فارسی زبان میں بہترین کتاب ہے۔

۹۔ شرح تراجم بخاری بعض اوقات عنوان اور اس حدیث میں جو اس کے ذیل میں لکھی گئی ہوتی ہے بظاہر مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ اس الجھن اور دقت کو رفع کرنے کے لئے آپ نے یہ مختصر سا رسالہ قلمبند کیا۔

Marfat.com

۱۰- الجزء اللطیف | فارسی زبان میں آپ کی خود نوشت سوانح عمری ہے۔

۱۱- انسان العین | اس رسالہ میں آپ نے اپنے مشائخ حرمین شریفین کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۲- سرور المحزون | سیرۃ النبی صلعم پر ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔

۱۳- انفاس العارفین | فارسی زبان میں ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ اس میں آپ نے اپنے بزرگوں کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

۱۴- تحفۃ الموحدین | فارسی زبان میں ہے۔ توحید کے موضوع پر بڑے اچھوتے انداز سے بحث کی ہے۔ اور شرک کے عقائد و اعمال کی برائی اور تردید کی ہے۔

۱۵- التفہیمات الالٰہیہ | یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اکثر حصہ تصوف اور طریقت سے متعلق ہے۔ ایک جگہ مسلمانوں کے ہر ایک طبقہ کو جُدا جُدا مخاطب کر کے ہر ایک کو اس کے غیر اسلامی عقائد پر نہایت بے باکی اور جرأت کے ساتھ متنبہ کیا ہے۔ بالفاظ دیگر اس کتاب میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کر دیا ہے۔

۱۶-۱۷ البدور البازغۃ، الخیر الکثیر | دونوں کتب عربی زبان میں ہیں ان دونوں میں تصوف کے حقائق و معارف اور جس کو اہل معرفت "علم الاسرار" کہتے ہیں کا بیان ہے۔

۱۸- الطاف القدس | تصوف کے اصل مقصد حاصل کرنے کا

Marfat.com

جو مخصوص طریقہ خود شاہ صاحب کے قلب مبارک پر الہام کے طور پر القاء کیا گیا اس کی تفصیل اس کتاب میں ملتی ہے۔ فارسی زبان میں ہے۔

۱۹۔ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین عربی زبان میں ہے اس میں جو بشارتیں آنحضرت صلعم نے آپ کو اور آپ کے بعض نسبی اور روحانی بزرگوں کو دی ہیں۔ جمع کر دیا گیا ہے۔

۲۰۔ فیوض الحرمین اس چھوٹی سی کتاب میں ان فیوض و برکات کا ذکر ہے جو آپ کو روحانی طور پر حرمین شریفین میں رہ کر حاصل ہوئے۔

الغرض علوم شرعیہ میں شاید ہی کوئی علم ہو گا جس پر شاہ صاحب کی کوئی نہ کوئی گراں مایہ تصنیف موجود نہ ہو۔ شاہ صاحب کا شمار ان مصنفین میں ہوتا ہے جن کی کتابیں تعداد اور پایہ دونوں لحاظ سے قابلِ قدر ہوں۔

خدماتِ دینیہ پر ایک نظر آپ اورنگ زیب عالمگیر کے آخری ایام میں پیدا ہوئے اور دس سلاطین کا زمانہ پا کر شاہ عالم ثانی کے عہد میں انتقال فرمایا۔ یہ دور یعنی بارھویں صدی ہجری مسلمانوں کے سیاسی زوال اور ذہنی انحطاط کا زمانہ تھا۔ تاریخ ہند میں ایسا پُر آشوب دور شاید ہی کوئی گزرا ہو۔ ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ آپ نے ساداتِ بارہ کے اقتدار و تسلط کو بھی دیکھا جن کے مظالم کا شکار صرف عوام ہی نہ تھے۔ بلکہ سلاطینِ مغلیہ پر بھی انہوں نے ظلم کے پہاڑ توڑے۔ مرہٹوں کا عروج اور زوال بھی آپ کی آنکھوں دیکھی بات تھی۔ سکھوں کی سفاکیاں بھی آپ کے زمانہ میں عروج پر

Marfat.com

تحقیں۔ نادر شاہ کا دہلی پر حملہ اور باشندگان دہلی کا قتلِ عام آپ کے چشم دید واقعات ہیں۔ ایرانی اور تورانی امراء کی باہمی رسہ کشی آپ ہی کے زمانہ میں زوروں پر تھی۔ انگریز اپنے قدم جما چکا تھا۔ اور اپنے اثرات کو برابر بڑھا رہا تھا۔ ان حالات نے مسلمانوں کے عقائد و اعمال و اخلاق کو بالکل تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اسلام کی کشتی سخت خطرے میں تھی اور اس کے وقار و اقتدار کو از سرِ نو قائم کرنے کے لئے بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔

۱۵۵۷۱

ان حالات میں آپ نے اسلامی احیاء کے کام کا آغاز کیا۔ آپ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اسلام کو زندگی کے ایک ہمہ گیر پروگرام کی حیثیت سے قوم کے سامنے پیش کیا اور اس پروگرام کے مطابق نہایت حکمت، دانشمندی اور حسن توازن کے ساتھ اپنے کام کا آغاز کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸ویں صدی عیسوی کے بعد سے جو بھی اصلاحی تحریک ہندوستان میں اٹھی اس پر آپ کے فکر کی چھاپ نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ کوششیں جو راہ اعتدال پر قائم نہ رہ سکیں انہیں بھی اگر کہیں سے تحریک حاصل ہوئی تو وہ آپ ہی کی فکر تھی۔ ایک ایماندار مؤرخ مجبور ہے کہ ان ڈھائی سو سالوں کو شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کا دور قرار دے۔ آپ نے اس بات کی کوشش کی کہ امت قرآن اور حدیث سے دوبارہ وابستہ ہو۔ مسلمانوں کی تاریخ اور اسلام کے گہرے مطالعہ سے آپ نے اس حقیقت کو پالیا تھا۔ کہ نہ کلامی مباحث مسلمانوں میں حرکت پیدا کر سکتے ہیں نہ محض زہد و تصوف کی کرامات انہیں کسی بڑے کام کے لئے تیار کر سکتی ہیں جو چیز مسلمانوں میں زندگی کی حرارت اور ہمہ گیر حرکت پیدا کر سکتی ہے۔ وہ صرف قرآن اور سنت ہے۔

67187

یہی وجہ تھی کہ آپ نے قرآن پاک کا فارسی میں ترجمہ فرمایا۔ حدیث اور

علومِ حدیث کی ترویج کی اور احادیث نبوی صلعم کے ذریعے احکام دین کی حکمتوں کو بلکہ دین کے پورے نظام کو واضح کیا یہ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے اور اسی خدمت کا نتیجہ تھا کہ اس امّت میں دوبارہ اپنی اصل بنیادوں سے استواری کی کیفیّت پیدا ہوئی۔ اس طرح ہندوستان کے تاریک حالات میں آپ نے مسلمانوں کا ربط قرآن و حدیث کے ساتھ قائم کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ایسی مخلص و مجاہد جماعت تیار ہو گئی جس نے وہ کارنامے سرانجام دیئے جو جنگ و جہاد بالسیف سے ممکن نہیں تھے۔ آپ ہمہ تن تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں مشغول رہے اور متواتر قوم کی اصلاح کرتے رہے۔ اس امر کا ذکر آپ اپنی کتاب "تفہیمات الٰہیہ" میں یوں فرماتے ہیں کہ "اگر یہ شخص (شاہ ولی اللہ) ایسے زمانہ میں ہوتا جس کے اسباب کا تقاضا ہوتا کہ لوگوں کی اصلاح جنگ کرنے سے ہو گی تو میں پوری طرح جنگ کے لئے کھڑا ہو جاتا اور جنگ کی ایسی سپہ سالاری کرتا کہ رستم و اسفندیار وغیرہ بھی ہیچ ہو جاتے بلکہ وہ تو میرے طفیلی ہوتے مجھ سے مدد مانگتے اور میری پیروی کرتے۔"

اصلاحی کارنامے آپ کی تصنیفات کا ایک بڑا حصّہ اس مکروہ خانہ جنگی کو ختم کرنے اور ہر ایک فریق کو اس کے افراط و تفریط پر متنبہ کر کے اصل حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے لکھا گیا مقلدین و غیر مقلدین کے تفرقہ و انتشار کو مٹانے اور انہیں ایک مرکز پر متحد کرنے کے لئے آپ نے قرآن کو اصل الاصول ٹھہرایا۔ آپ نے "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا" کے قرآنی پیغام کو قوم کے تمام امراض کا مداوا سمجھا۔ آپ نے عوام کو قرآنی تعلیمات پر دورِ اوّل کی طرح تدبّر کرنا سکھایا۔ اس کے ذریعے زندگی کے جملہ امور و معاملات میں ہدایت حاصل کرنے کا طریقہ سمجھایا۔ اس کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا اور ان اہم امور کو

Marfat.com

سرانجام دینے کے لئے مومنین صالحین کی ایک جماعت تیار کر دی۔

۲۔ دوسرا عظیم ترین فتنہ جس میں کم و بیش ہندوستان کا ہر ایک شخص مبتلا تھا وہ سنی شیعہ کا جھگڑا تھا۔ چنانچہ آپ نے دونوں فرقوں کی اصلاح کے لئے "ازالۃ الخفاء" جیسی معرکۃ الآرا محققانہ کتاب لکھی جو اپنے موضوع میں نہایت جلیل القدر تصنیف ہے۔ اس کو اگر شیعہ اصحاب تعصب سے دور رہ کر پڑھیں تو ان کی غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں اگر کوئی سنی اس کا مطالعہ کرے تو اس کی بے جا شدت اور حدت کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر دونوں فریق کی افراط و تفریط کا شافی علاج اس کتاب میں ہے۔

۳۔ اعتدال اور جامعیت شاہ صاحب کی تصانیف میں ملتی ہے فقر کے تقریباً تمام مسالک انہوں نے اپنے سامنے رکھے اور اعتدال کی راہ پیش کی۔ تصوف کے جتنے بھی سلسلے ہندوستان میں جاری تھے ان میں سے بیشتر سے آپ نے خود استفادہ کیا اور جو تعلیمات پائی گئیں ان میں سب کی روح کو سمو لیا۔ جامعیت کا ایک فطری تقاضا اعتدال پسندی ہوتی ہے جو امام صاحب کی تعلیمات میں ہمیں بدرجہ اتم ملتی ہے۔

۴۔ آپ نے ایک جدید علم الکلام کی بنیاد بھی رکھی اور یہ علم الکلام اس علم الکلام سے بنیادی طور پر مختلف ہے جس کی ترتیب یونانی فکر کے زیر اثر معتزلہ اور فلاسفۂ اسلام کے ہاتھوں ہوئی بلکہ ایک حد تک اشاعرہ کے علم الکلام سے بھی یہ مختلف ہے۔ یہ وہ علم الکلام ہے جس میں قرآن کے طرز استدلال کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اس میں اس طریقے کو اختیار کیا گیا ہے جو مشکوٰۃ نبوت سے ہمیں ملتا ہے۔ سیدھی سادھی دلیلیں، دل میں اتر جانے والی باتیں، دماغ کو مطمئن کر دینے والے استدلال، روزمرہ کے حقائق سے استشہاد۔ نہ اس میں فلسفیانہ موشگافیاں ہیں اور نہ لایعنی اور لاطائل

بحثیں۔ اس میں ذہنی عیاشی کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ خیالی قسم کی غیر حقیقی بحثوں سے بھی یہ پاک ہے۔ یہ وہ علم الکلام ہے۔ جس کا موضوع زندگی کے بنیادی حقائق و مسائل ہیں۔ یہ زندگی سے ہی متعلق ہے۔ زندگی سے ہی مربوط ہے۔ اور زندگی ہی کی حقیقتوں کو استعمال کرتا ہے۔

۵۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اسلام کو ایک اجتماعی نظام، ایک مکمل دین اور ایک ہمہ گیر ضابطہ زندگی کی حیثیت سے پیش کیا۔ آپ کے پیش نظر زندگی کے پورے نظام کی اصلاح تھی۔ اس کے محض کسی ایک پہلو کی نہیں۔ آپ نے زندگی کی تمام وسعتوں کے لئے اسلام کی ہدایات کو واضح کیا۔ آپ کی تصانیف کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فلسفے سے لیکر عبادت کے مسائل تک، نجی زندگی سے لیکر سیاست و معیشت اور تمدن کے ارتقاء کے اصولوں تک، فقہ کے مسائل سے لیکر تصوف کے حقائق تک، تمام پر آپ نے بحث کی ہے اور ان کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ اس حیثیت سے نہایت جلیل القدر اور بے حد مفید تصنیف ہے۔ اس کی بڑی خوبی یہی ہے کہ تمام حقائق و معارف کو سائنٹفک طریقے پر بیان کیا گیا ہے۔

۶۔ آپ نے ایک نظام تعلیم و تربیت بھی قائم کیا۔ آپ نے محض خیالات پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ایک ادارہ اور مرکز علم قائم کیا جہاں سے ان خیالات کی اشاعت ہو سکے۔ جہاں ملک کے گوشے گوشے سے لوگ آئیں ان خیالات کو حاصل کریں اور پھر اپنے دائرہ اثر میں جا کر ان کو پھیلائیں اور فروغ دیں۔ آپ نے انسانوں کا ایسا گروہ تیار کیا۔ جس نے ملک کے ہر حصے میں اس پیغام کو پہنچایا۔

اس کے ساتھ ساتھ ملک کے اجتماعی حالات پر آپ نے غیر معمولی اثر ڈالا۔ ملک کے ایک ایک طبقہ کو پکارا۔ اجتماعی زندگی پر تنقید کی۔ علماء سے کہا تم اپنا فرض پورا کرو۔ اہل سیاست سے کہا تم اپنی قوم کو کہاں لے جا رہے ہو؟ امراء سے کہا تمہاری یہ دولت کس کام آئے گی؟ اگر تم اس کو دین کی سربلندی

Marfat.com

کے لئے استعمال نہیں کرتے ہو؟ عوام سے کہا کہ اٹھو اور خدا کے راہ کے سپاہی بنو۔ اپنے فرائض کو پہچانو اور دین کو اجتماعی زندگی میں قائم کرنے کی جدوجہد کرو۔ ملک کے ہر طبقہ کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر آپ نے دین کی دعوت پہنچائی اور جب آپ نے دیکھا کہ ملک کے اہل سیاست اس دعوت پر لبیک نہیں کہہ رہے ہیں اور مسلمانوں کی یہ حکومت ہاتھ سے نکلتی نظر آرہی ہے تو آپ نے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی کہ وہ ہندوستان آئے اور یہاں آکر اسلامی حکومت قائم کرلے۔ آپ نے اس کو ہندوستان کے مسلمانوں سے کلی تعاون کا یقین دلایا۔ آپ کے مکتوبات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ملک کی سیاست میں غیرمعمولی دلچسپی لی اور یہاں کے معاملات کو سدھارنے میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی آپ ہی کی دعوت پر ہندوستان آیا اور اس نے آکر ہندوؤں کی سرکوبی کی۔

المختصر شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی علوم دینیہ کی خدمات کے لئے وقف کردی تھی۔ ہر تصنیف میں امت مسلمہ کی رہنمائی کی اور ہر ممکن کوشش کی کہ امت راہ راست پر گامزن ہوجائے اور اس میں وہی خصائص پیدا ہوجائیں جو دور اول میں تھے۔ آپ نے اسلام کے نظام حیات کے مکمل تصور کو اپنی کتابوں "حجۃ اللہ البالغۃ" اور "البدور البازغۃ" میں پیش کیا۔ قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کرکے امت مسلمہ کے لئے جو قرآن مجید سے منہ موڑے ہوئے دریا کے جہالت وضلالت کے عمیق گڑھوں میں غرق تھی نجات اور فلاح کا سامان کردیا۔

الفوز الکبیر | الفوز الکبیر کا پورا نام "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب نہایت

Marfat.com

زبان میں ہے۔ اس کے تراجم عربی اور اردو میں ہو چکے ہیں۔ باوجود صغیر الحجم ہونے کے اس قدر جامع ہے کہ قرآن پاک کے معانی و مطالب کو ٹھیک طور پر سمجھنے کے لئے جن باتوں کا ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ وہ سب کی سب اس میں آ گئی ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کو اوّلاً تو بہت سے مفسرین نے سمجھا ہی نہیں اگر سمجھا ہے تو تفسیر قرآن لکھتے وقت ان کو پیشِ نظر نہیں رکھا یہی وجہ ہے کہ اکثر مقامات میں وہ قرآن مجید کی آیاتِ بیّنات کے اصل مفہوم سے بہت دُور جا پڑے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ساری کی ساری کتاب فہم قرآن کے اصول و ضوابط سمجھانے کے لئے محققانہ طرز پر اچھوتے بیش قیمت مقالات کا مجموعہ ہے۔ شاہ صاحب اس کتاب کے بارے میں خود یوں فرماتے ہیں۔ "جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید کے فہم کا دروازہ مجھ پر کھول دیا تو میں نے چاہا کہ بعض نکاتِ مفیدہ کو ایک مختصر رسالہ میں جمع کر دوں اور ضبطِ تحریر میں لے آؤں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے الطاف بے پایاں سے امید ہے کہ محض ان قواعد کو سمجھنے سے وہ طلبہ کے لئے کتاب اللہ کے معانی و مطالب کے فہم کے لئے ایک وسیع راستہ کھول دے گا۔ جو لوگ اپنی عمریں تفاسیر کے مطالعہ میں صرف کر دیتے ہیں اور مفسرین سے پڑھتے ہیں وہ اس کتاب کی ترتیب و انضباط سے زیادہ مستفید ہو سکیں گے۔

اہم عنوانات "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" پانچ ابواب میں منقسم ہے۔ پہلے باب میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید پانچ علوم پر مشتمل ہے:۔ (۱) علم الاحکام یعنی بندوں کے لئے دین و دنیا میں جو امور ضروری اور نافع ہیں۔ ان کا بیان کرنا۔ جن کے تحت فرض، واجب، مستحب کی تمام اقسام شامل ہیں اور جو چیزیں مضر ہیں ان کے ضرر کے درجہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے روکنا جس کے تحت حرام، مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی

کی اقسام آجاتی ہیں۔

(۲) علم مباحثہ یا علم مخاصمہ گمراہ فرقوں کے عقائد باطلہ کو بیان کر کے دلائل سے ان کی تردید کی ہے۔ پھر ان کو راہِ حق پر چلنے کی دعوت دی ہے۔ قرآن مجید کے مخاطب چار گمراہ فرقے میں یہود، عیسائی، مشرکین اور منافقین ہیں۔ قرآن مجید کے بیشتر حصہ میں ان فرقوں کا ذکر آتا ہے۔

(۳) علم التذکیر بآلاء اللہ آسمانوں، زمینوں اور جملہ مخلوقات کی پیدائش اور کائنات میں ودیعت کردہ انعامات کا بیان فرمانا جس کا مقصد حق تعالیٰ کی قدرت و ربوبیت کی معرفت کے بعد اس کی اطاعت و بندگی پر انسانوں کو آمادہ کرنا ہے۔

(۴) علم التذکیر بایام اللہ ان واقعات و حوادث کا بیان جن میں حق تعالیٰ نے مطیعین اور فرمانبرداروں کی خوبیاں اور انعامات و جزا کا اور نافرمانوں اور سرکشوں کی برائیاں اور ان پر دنیوی اور اخروی عذاب و سزا کا ذکر فرمایا۔

(۵) علم التذکیر بالموت انسان بلکہ تمام عالم کے فنا کے احوال بیان کرنا کہ انسان اور عالم کی ابتداء آفرینش کیونکر ہوئی پھر اس پر کس طرح موت طاری ہوتی ہے۔ اور اس دنیوی موت کے بعد کیا احوال و کیفیات اس پر پیش آئیں گی۔ حشر و نشر، حساب کتاب، وزن اعمال، جزا و سزا کا بیان اسی قسم میں آجاتا ہے۔

دوسرے باب میں فہم قرآن میں دشواریوں کے اسباب اور ان کے حل بیان کئے گئے ہیں۔ دشواریوں کے بنیادی اسباب مثلاً محکم و متشابہ آیات میں تمیز، ناسخ و منسوخ کی پہچان اور ان پر کامل دسترس حاصل کرنے کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ غریب الفاظ کی شرح کرنے، آیاتِ قرآنیہ کی ہیئت ترکیبی

Marfat.com

ابدال محذوفات۔ تعریضات۔ استعارات۔ کنایات اور مجاز عقلی کی وضاحت مثالوں کے ذریعے کی گئی ہے۔ تیسرے باب میں قرآن کے اسلوب بدیع پر بحث ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ شعر و قصائد کے پڑھنے اور سننے سے انسان کیوں محظوظ ہوتا ہے۔ اس میں طبعی کشش کیلئے کون سی چیز ہوتی ہے۔ اشعار و قصائد کی ساخت اور آیات قرآنیہ کے نظم و توازن میں جو فرق ہے اسے بیان کیا گیا ہے۔ اعجاز قرآن پر عمدہ بحث کی ہے۔

چوتھے باب میں فن تفسیر کا بیان ہے۔ صحابہ اور تابعین کی تفسیر میں اختلاف کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مفسرین قرآن کو سات گروہوں میں تقسیم کیا ہے:۔ (۱) محدثین کا گروہ (۲) متکلمین کا گروہ (۳) اصولیین کا گروہ (۴) علمائے نحو اور لغت کا گروہ (۵) ادیبوں کا گروہ (۶) قاریوں کا گروہ (۷) صوفیوں کا گروہ۔ ہر گروہ نے قرآن مجید کی تفسیر و تشریح اپنے انداز کے مطابق کی ہے۔

آیات قرآنیہ سے احکام کا استنباط، توجیہہ، تاویل کا بالتفصیل اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔ آیات مقطعات (حروف مقطعات) کے معانی بڑے عمدہ طریقے سے کئے ہیں۔

پانچویں باب میں نوادرات قرآن پر بحث ہے۔ اس میں قرآن مجید کی تمام سورتوں کے نام۔ اور مشکل کلمات کی تشریح کی ہے۔ ان کے بارے میں شاہ صاحب کا فیصلہ ہے کہ جب تک یہ نوادرات ذہن میں محفوظ نہ ہوں تب تک تفسیر میں غور و خوض ممنوع ہے۔

اس باب کو بعد میں خود شاہ صاحب نے "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" سے علیحدہ ایک مستقل کتابی صورت دے دی اور اس کا نام فتح الکبیر رکھ دیا۔

Marfat.com

سوال :۔ قرآنِ کریم کی صحیح تفہیم کے لئے کن علوم کا جاننا ضروری ہے اس پر ایک واضح ست نذرہ قلمبند کیجئے ۱۹۵۸ء

جواب :۔ قرآن مجید کو صحیح طور پر سمجھنے کا معاملہ ایسا آسان نہیں ہے کہ ہر شخص اس پر طبع آزمائی کرنے لگے۔ اس کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے کچھ شرائط اور اصول ہیں جن کو حاصل کر لینے کے بعد ہی ایک شخص قرآن مجید میں غور و تدبّر اور فکر و تامّل کا اہل ہو سکتا ہے۔ حضور صلعم کا فرمان ہے کہ "مَنْ فَسَّرَ بِرَأْيِهِ فَقَدْ كَفَرَ" (جس نے اپنی رائے سے تفسیر کی وہ کافر ہو گیا) ایک اور روایت میں ہے "مَنْ فَسَّرَ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" ۔ جس نے بغیر علم کے تفسیر کی اس کو چاہیئے کہ اپنا مقام جہنم میں بنا لے (مسند امام احمد حنبل رح)

قرآن مجید عمل اور ایمان کے لئے نہایت آسان ہے اس کے احکام اور نواہی نہایت صاف اور واضح ہیں۔ اس میں نہ کسی فلسفہ کی ضرورت ہے نہ کسی منطق کی، نہ کسی غور و فکر کی حاجت ہے نہ کسی تدبّر و تامّل کی۔ بس جن چیزوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے روکا ہے۔ اس سے رُک جاؤ اور جن باتوں کا حکم دیا ان پر عمل کرتے جاؤ۔ یہی نجات کے لئے کافی ہے۔

فہم قرآن کے لئے دو بنیادی چیزیں ضروری ہیں :۔ (أ) علوم و فنون (ب) عمل و کردار۔ ان دونوں کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

عربیّت قرآن کو سمجھنے کے لئے پہلی اور ابتدائی شرط عربیّت ہے۔ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور اس کے اوّلین مخاطب عرب ہی تھے۔ قرآن میں خود متعدد مواقع پر اس کا اظہار کیا گیا ہے۔

(۱) إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (ہم نے اس کو عربی قرآن بنا کر نازل کیا۔ (۲) بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ (کھول کر بیان کرنے والی عربی زبان میں اتارا ہے (۳) وَهَٰذَا كِتَابٌ مُصَدِّقٌ لِسَانًا عَرَبِيًّا

Marfat.com

(اور یہ ایک کتاب ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور عربی زبان میں ہے)

امام مالکؒ نے فرمایا میرے پاس اگر کوئی ایسا شخص لایا جائے جو قرآنِ حکیم کی تفسیر کرتا ہو اور عربیت نہ جانتا ہو تو میں اس کو سزا دوں گا۔ فہم قرآن کے لئے عربی زبان جاننا اوّلین شرط ہے۔

ذوقِ لسانی فہم قرآن کے لئے صرف عربی دانی کافی نہیں بلکہ عربیت کا صحیح ذوق بھی درکار ہے اور یہ ذوق محض مقامات حریری۔ دیوان متنبی، دیوان حماسہ یا ایم۔ اے عربی کورس پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لئے ایک مدت دراز درکار ہے ذوق سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو عربی کلام پڑھتے وقت وہی لذت و سرور حاصل ہو۔ جو اس کو خود اپنی زبان کا اچھا شعر سن کر حاصل ہوتا ہے۔ عربی کے تمام محاورات، ان کے مواقع استعمال سے پورا واقف ہو۔ ایک مفہوم کو مختلف طریقوں سے بیان کر سکتا ہو۔

بعض اوقاتِ کسی کلام میں کوئی لفظ محذوف ہوتا ہے۔ اس بناء پر مختلف معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اہل زبان کے نزدیک اس کا صرف ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے اور وہاں وہی مراد ہوتا ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحؒ کا مشہور واقعہ ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ اپنے ایک پشاوری مرید سے فرمایا جس کو دہلی میں رہتے ہوئے ایک مدت ہو گئی تھی۔ "میاں ذرا صراحی اٹھا لانا اور دیکھنا پیٹ پکڑ کر اٹھانا" سمجھدار مرید نے کیا کیا ایک ہاتھ سے صراحی کی گردن پکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے اپنا پیٹ پکڑا اور اس شان سے صراحی حضرت شیخ کے سامنے لا کر رکھ دی۔

اس واقعہ سے زبان دانی اور ذوقِ زبان کا فرق معلوم ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

پشاوری مزید عرصہ سے دہلی میں رہنے کے باعث اُردو کا زبان دان ضرور ہوگیا تھا لیکن زبان کے ذوق سے بالکل بے بہرہ تھا۔ ورنہ اسے معلوم ہوتا کہ حضرت مرزا کے جملہ "پیٹ پکڑ کر اٹھانا" میں اگرچہ یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ پیٹ کس کا ہوگا۔ صراحی کا یا خود اس کا اپنا۔ تاہم اہلِ زبان کے نزدیک اس کا صرف ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے اور وہ ہے "صراحی کا پیٹ" اور اس کو جاننے کے لئے محض زبان دانی کافی نہیں بلکہ ذوقِ لسانی بھی درکار ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بار ڈاکٹر نے ایک مریض کے تیمارداروں کو ہدایت کی کہ دوا ہلا کر پلانا۔ تیماردار ڈاکٹری زبان کے رمز سے آشنا نہ تھے انہوں نے مریض کو ہلا کر دوائی پلانی شروع کر دی دوسرے دن جب ڈاکٹر نے مریض [illegible] ت دریافت کی تو مریض نے کہا کہ مرض تو آفاقہ ہے مگر دوا مجھ کو خوب ہلا ہلا کر پلائی جاتی ہے اسلئے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

ذوقِ عربیت سالہا سال کی عرق ریزی، محنت، کاوش، ذہانت اور بہترین ذہنی و دماغی صلاحیتوں کے کام میں لانے کے بعد ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

علم النحو اس لئے کہ اعراب ہی پر معانی کا دارومدار ہے اور اعراب ہی سے کلام کا صحیح مفہوم سمجھا جا سکتا ہے۔ ادنیٰ فرق سے زمین و آسمان کا فرق ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک اعرابی نے ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے سنا اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ وہ رسولُہٗ کو رفع کے ساتھ پڑھنے کی بجائے رسولِہٖ زیر کے ساتھ پڑھ رہا تھا۔ اس طرح آیت کا مفہوم بالکل فاسد ہو جاتا ہے اور بجائے اس کے کہ آیت کے یہ معنی ہوں کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری اور بیزار ہے یہ معنی بن جاتے ہیں کہ اللہ مشرکین اور اپنے رسول سے بیزار اور بری ہے (العیاذ باللہ) اس آیت کو غلط طریقہ سے سن کر اعرابی کہنے لگا

Marfat.com

کیونکہ اس دین کو اختیار کیا جائے جس میں اللہ اپنے رسول سے بلے نیاز اور بری ہے۔ اسی بناء پر ابوالاسود دوئلی نے علم نحو کے اصول مرتب کئے۔

بالفاظ دیگر اعراب پر ہی عربی زبان کا دارومدار ہے اور ان کے سمجھنے اور کامل عبور و دسترس حاصل کرنے کے بغیر کوئی شخص قرآن سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ اس علم کا جاننا بہت ضروری ہے۔

علم صرف علم صرف ہی کے ذریعے کلمات اور صیغوں کا علم ہو سکتا ہے اور جب تک کہ انسان یہ نہ جانے کہ یہ صیغہ کونسا ہے اور اس کی تصریف و تحلیل کیا ہے تو وہ کلام کی مراد اور معنے کیسے سمجھ سکتا ہے۔ فہم قرآن کیلئے اس علم کا جاننا بہت ضروری ہے ورنہ انسان اصل مطالب و معانی سے بھٹکتا پھرے گا۔

علم الاشتقاق اصل مادہ لغت معلوم نہ ہونے پر کلمہ کے معنی سمجھنا ممکن نہیں فہم قرآن کے لئے علم الاشتقاق ضروری ہے کیونکہ بعض اوقات لفظ کی صورت یکساں ہوتی ہے۔ لیکن اختلاف مادہ کی وجہ سے معنی میں عظیم تفاوت ہو جاتا ہے۔

علم الحدیث آیات قرآنی کا صحیح مفہوم سنت کے بغیر متعین نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن کو سمجھنے کی کوشش میں سنت سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے تو قرآن میں جتنے احکام ہیں۔ ان پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ مثلاً قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے۔

"واقیموا الصلوٰۃ" یعنی نماز قائم کرو اگر سنت سے اس کے معانی و مطالب سمجھنے کی مدد نہ لی جائے تو اس حکم کی تعمیل میں عجیب قسم کا انتشار نظر آئے گا۔ صلوٰۃ کے لغوی معنے دعا، سلامتی اور عبادت گاہ کے ہیں۔ پس جس طرح ہم نماز میں ادا کرتے ہیں۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا۔ حدیث و سنت ہی اس کے ادا کرنے کے طریقے بتاتی ہے۔ اسی طرح

Marfat.com

نمازوں کی تعداد قرآن مجید میں کہیں نہیں ملتی۔ یہ سب کچھ ہمیں حضور اکرم صلعم کی سُنّت سے ملتا ہے۔ یہی حال زکوٰۃ حج اور دوسرے ارکان کا ہے۔ ان کی تعمیل صرف اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب طریقِ کار معلوم ہو اور طریقِ کار کا پتہ ہمیں سنّت سے چلتا ہے۔

تیمّم کا جب حکم نازل ہُوا تو ایک صحابی رضؓ نے مٹی میں اپنے آپ کو خوب لوٹ پوٹ کیا اور اپنا حلیہ ہی بگاڑ لیا۔ جب حضور اکرم صلعم کو پتہ چلا تو آپ نے اسے تیمم کرنے کا طریقہ بتایا۔

الغرض قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے سُنت کا جاننا بہت ضروری ہے۔ اور سنّت کا پتہ ہمیں علم الحدیث سے چلتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا کہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ (احزاب) (بے شک تمہارے لئے رسُول اللہؐ بہترین نمونہ ہیں (زندگی گذارنے کے لحاظ سے) جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے)

حدیث قرآن مجید کی عملی تشریح ہے۔ اس علم کے بغیر کوئی شخص بھی فہم قرآن حاصل نہیں کر سکتا۔

علم ناسخ و منسوخ شریعت میں بہت سے احکام منسوخ کئے گئے ہیں اور ان کے قائم مقام دوسرے احکام مقرر کئے ہیں۔ احکام کلام اللہ کی نوعیت معلوم کرنے کیلئے علم ناسخ و منسوخ پر عبور و دسترس حاصل کرنا اشد ضروری ہے۔

علم فقہ احکام شرعیہ سے متعلق تفصیلی جزئیات اور فروع کا علم جاننے کے لئے علم فقہ پر مہارت ہونا فہم قرآن کے لئے لازمی ہے۔

علم معانی علم البیان علم البدیع ان علوم کے بغیر نہ تو ترکیب کلام سے ان معانی کا ادراک ہو سکتا ہے

Marfat.com

جن پر کلمات دلالت کرتے ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی خصوصیات کلام اور تعبیر کے محاسن اور قرآن کی بلاغت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

علم اسبابُ نزول والقصص اس لئے کہ اسباب نزول اور واقعات متعلقہ کے علم کے بغیر آیات کا مفہوم سمجھنا نہایت ہی مشکل امر ہے۔ اگر واقعات کا علم ہوگا تو فہم قرآن میں آسانی ہو جائے گی۔ ورنہ ادھر اُدھر بھٹکتا پھرے گا اور مختلف معانی و مطالب کرتا پھرے گا۔

علم الحساب کیونکہ قرآن میں علم میراث بھی ہے اور میراث میں حساب کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بلکہ حساب مسائل میراث کیلئے مدار ہے۔

ان علوم کے علاوہ اور بھی بعض علوم تفہیم قرآن اور اس کی تفسیر کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں (i) علم الکلام (ii) علم تاریخ (iii) علم جغرافیہ اس لئے کہ جن واقعات کو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کے مقامات کو جاننا بھی ضروری ہے (iv) علم السیرۃ یعنی حضور اکرمؐ کی سیرت اور آپ کے صحابہ کے حالاتِ زندگی کا جاننا اس سے فہم قرآن میں مدد ملتی ہے۔ (v) علم القرأت۔ (vi) علم حقائق موجودات (vii) علم منطق وغیرہ قرآن فہمی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایک لفظ دیکھ کر ہی اس کی تفسیر نہ کی جائے۔ بلکہ اس سلسلے میں پورے قرآن پر بھی نظر کر لی جائے کیونکہ (القرآن یُفسّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا) قرآن کا بعض حصہ بعض کی خود تفسیر کرتا ہے۔ نیز ہر ہر جگہ کے سیاق وسباق پر نظر بھی ضروری ہے پس اگر یہ سب امور ملحوظ رہیں گے۔ تو انشاء اللہ قرآن فہمی کے دروازے کھل جائیں گے اور اللہ تبارک وتعالیٰ غیب سے مدد کریں گے۔ اس جگہ یہ بات بھی زیرِ غور

Marfat.com

رہے کہ قرآنِ حکیم رسائل اور اخبار یا کتاب کی شکل میں لکھا لکھایا نازل نہیں ہوا بلکہ اس کا اندازِ بیان خطیبانہ اور مقررانہ ہے اور اہلِ علم اور اربابِ ذوق طرزِ تحریر اور طرزِ تقریر کے فرق کو خوب جانتے ہیں۔ اس لیے فہم قرآن کے لیے یہ امر بھی ضروری ہے۔

اقوالِ صحابہؓ کا جاننا فہم قرآن کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلعم سے بالمشافہ علم حاصل کیا وہ کلام اللہ کے معانی و مطالب کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اس لیے ان کے اقوال کا علم فہم قرآن کے لیے لازمی ہے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی بعض فہم قرآن میں مشہور تھے اور لوگوں کا مرجع خاص بنے ہوئے تھے مثلاً خلفائے راشدین، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم۔

اتقاء کا ہونا اتقاء سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص روحانی اعتبار سے اس بات کی صلاحیت رکھتا ہو کہ کلامِ الٰہی کو سن کر اس کا اثر قبول کر سکے۔ یہ ظاہر ہے کہ دوا کتنی ہی مفرح اور مقوی ہو لیکن اگر جسم تندرست نہیں ہے اور معدہ و جگر کے فاسد ہونے کی وجہ سے قوتِ ہاضمہ بے کار ہو چکی ہے تو وہ دوا اپنا اثر نہیں کر سکتی بلکہ بسا اوقات مضر نتائج کے پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے قاری میں اتقاء کا ہونا اشد ضروری ہے۔ قرآن مجید نے اپنے آپ کو ھدیٰ، بشریٰ، تذکرہ اور نور کہا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ فرما دیا گیا ہے کہ یہ صرف ان لوگوں کے لیے ہی ہدایت ہے جو ہدایت کے طلبگار ہوں جو مومن و مسلم ہوں اور طہارت و پاکیزگی کی زندگی بسر کرتے ہوں۔

Marfat.com

فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ۚ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (البقرۃ) یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ان پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے جو غائب چیزوں پر ایمان لاتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور ہم نے جو رزق ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں)

دوسرے مقام پر ایمانداروں اور بے ایمانوں میں فہم قرآن اور اس کے اثرات کے اعتبار سے جو فرق ہے۔ بالکل صراحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ ھُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھُدًی وَّ شِفَآءٌ ؕ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَقْرٌ وَّ ھُوَ عَلَیْھِمْ عَمًی ؕ اُولٰٓئِکَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّکَانٍۢ بَعِیْدٍ (حٰمٓ السجدۃ) ترجمہ (اے نبیؐ آپ کہہ دیجئے کہ قرآن مجید ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی ہے اور وہ ان پر اندھا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو دور کے فاصلے سے پکارے جاتے ہیں) بالفاظ دیگر فہم قرآن کے لیے متقی اور مطہر ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید کی رُو سے متقی وہ ہے جس کے اعتقاد صحیح ہوں۔ اعمال درست ہوں۔ مصائب میں ثابت قدم رہے بقدر ہمت و طاقت دوسروں کی ہمدردی کرنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ سوائے پاکیزہ لوگوں کے اسے (قرآن) کوئی چھو نہیں سکتا۔ (لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ) اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فہم قرآن کے لیے طہارت نفس کا ہونا کتنا ضروری ہے۔

Marfat.com

اصوات و لہجات عرب کا علم عربیت اور اس سے متعلقہ علوم و فنون کے ساتھ فہم قرآن کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان تمام لہجوں اور آوازوں سے واقفیت پیدا کی جائے۔ جو نزولِ قرآن کے وقت عرب میں مستعمل تھے۔ اور پھر اس کا سراغ لگایا کہ قرآن ان میں سے کس کس لہجہ اور آواز پر نازل ہوا ہے۔ ورنہ اس علم کے بغیر فہم قرآن کی کوشش گمراہی کا سبب بن جائے گی۔ لبسا اوقات ال کو جس کے معنے شروع میں کسی لفظ کے آنے کے بعد تاکید اور ضرور کے ہو جاتے ہیں۔ عرب لوگ کھینچ کر بولتے ہیں جس کے معنی نہیں کے ہیں۔ جو اس علم کا حامل ہو گا۔ وہی صحیح معنے کر سکے گا۔ ورنہ ہاں کو نہیں اور نہیں کا ہاں ہونا ضروری ہے۔ جس کی خرابی ظاہر ہے۔

الغرض صحیح تفہیم کے لیے ضروری ہے کہ مذکورہ بالا علوم پر کامل دستگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ روحانی اعتبار سے بھی اس امر کا اہل ہو اور اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو قرآنی تعلیمات کے مطابق بسر کرتا ہو اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگتا رہے کہ اے اللہ تو مجھے اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ بے شک علم اسی صورت میں نفع دے سکتا ہے جب عمل بھی اس کے مطابق ہو۔ حضور اکرم صلعم یہی دعا فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَّ عَمَلًا مُتَقَبَّلًا (اے اللہ میں آپ سے نفع آور علم کا سوال کرتا ہوں اور ایسے عمل کا جو تیرے نزدیک مقبول ہو۔

سوال: آپ کے نزدیک فہم قرآن کے نقطۂ خیال سے "الفوز الکبیر" کا کون سا باب زیادہ ضروری اور جاذب توجہ ہے؟ ۱۹۶۷ء

جواب: شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر"

Marfat.com

صرف اسی وجہ سے تصنیف کی تھی۔ تاکہ قرآن مجید کے سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ساری کتاب میں آپ نے اصُول تفسیر پر بحث کی ہے اور ان تمام دشواریوں کو قلمبند کیا ہے۔ جو فہم قرآن کے سلسلہ میں قاری قرآن کے سامنے آتی ہیں۔ آپ نے ان دشواریوں کے حل بڑے عمدہ طریقے سے بیان کئے ہیں۔ جن کو پڑھ کر فہم قرآن کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

یہ کتاب ان لوگوں کے لیے زیادہ مفید ہے جنہوں نے تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے اس کے پڑھنے سے ان کے سامنے وہ تمام اسرار و رموز کھل جاتے ہیں۔ جو ایک مبتدی کے لیے ممکن نہیں ہیں۔

ویسے تو فہم قرآن کے نقطۂ خیال سے ساری کی ساری کتاب نہایت مفید ہے۔ لیکن اس کا باب دوئم بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس باب میں آپ نے قرآن مجید کے معانی و مطالب مخفی ہونے کی وجوہات پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ کبھی تو ناسخ و منسوخ کی وجہ سے قاری اس کے اصل مطالب و معانی تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اس کو ان دونوں میں تمیز و پہچان نہیں ہوتی۔ کبھی اسباب نزول معلوم نہ ہونے کی وجہ سے آیات کا صحیح مفہوم متعین نہیں کر سکتا جیسا کہ سورۃ انفال کے سمجھنے کے لئے پہلے جنگ بدر کے واقعات۔ اسباب و نتائج کا علم ضروری ہے۔ اگر قاری کو ان واقعات کا سرے سے علم نہیں تو اس کے لیے سورۃ انفال کی آیات کو صحیح طور پر سمجھنا ناممکن ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ آیات قرآنی میں کوئی غیر معروف لفظ استعمال ہوا ہوتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اشعار عرب کا مطالعہ کیا جائے اور معلوم کیا جائے کہ وہ یہ لفظ کس معانی میں استعمال کرتے تھے پھر ان تفاسیر کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ جو صحابہ کرام رض اور تابعین نے سپرد قلم کیں کیونکہ وہ قرآن مجید کے

معانی و مطالب کو بہتر طریقے سے سمجھتے تھے۔ اوّلین مخاطب قرآن مجید وہی ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے تفسیر عبداللہ بن عباسؓ کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ آپ نے اس باب میں بتایا ہے کہ بعض اوقات کلام کا اصلی مطلب کسی لفظ کے محذوف ہونے، موخر و مقدم، ابدال، تشابہات، تعریضات، کنایات، مجاز عقلی کی وجہ سے پوشیدہ رہتا ہے اگر ان سب میں کامل دسترس و عبور حاصل ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اصل مطالب و معانی معلوم نہ ہو سکیں۔ الغرض یہ باب فہم قرآن کے سلسلے میں بڑی رہنمائی کرتا ہے اور مشکلات کا حل تجویز کرتا ہے۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھیے صفحہ نمبر ۴۲

سوال:۔ اصولِ تفسیر کی تعریف کیجئے؟ اور بعض اہم اصولِ تفسیر بیان کیجئے؟ ۱۹۶۳ء

جواب:۔

اصولِ تفسیر کی تعریف تفسیر کے معنی بیان کرنا یا کھولنا کے ہیں۔ تفسیر کی تعریف ابو حیان الاندلسی نے اس طرح کی ہے۔ "وہ ایک ایسا علم ہے جس میں قرآن مجید کے الفاظ کی کیفیّت نطق سے، الفاظ کے مدلولات اس کے احکام افرادی و ترکیبی اور ان کے ان معانی سے جن پر الفاظ بحالت ترکیب محمول کیے جاتے ہیں بحث کی جاتی ہے۔ اور ان کے علاوہ چند اور تتمات بھی ہیں جن کا علم مفسر کے لیے ضروری ہے۔"

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی اس قول کی یوں شرح فرماتے ہیں۔ "ابو حیان کے اس قول میں "علم" جنس ہے۔ اور اس کے بعد جو قیود آئی ہیں وہ بمنزلہ فصل ہیں چنانچہ قرآن مجید کے الفاظ کی کیفیت نطق سے مراد علم قرأت ہے اور مدلولات سے مراد انہیں الفاظ قرآن کے مدلولات ہیں اس کا مصداق متن علم لغت ہے جس کے بغیر الفاظ قرآن کے مدلولات کا علم حاصل نہیں ہو سکتا احکام افرادی و ترکیبی سے مراد اس کے لیے علم تصریف، بیان اور بدیع کی ضرورت ہے معانی سے مراد یہ ہے

Marfat.com

کہ مفسّر کو معانی پر الفاظ کی دلالتِ حقیقی اور دلالت مجازی سے واقفیت ہو کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترکیب اپنے ظاہر کے اعتبار سے کسی چیز کا اقتضاء کرتی ہے۔ لیکن اس کے لیے کوئی مانع ہوتا ہے۔ تو اب لفظ سے کوئی معنی مجازی، مراد لینے پڑتے ہیں۔ مرچہ تتمات سے مراد یہ ہے کہ مفسّر کو نسخ اور سبب نزول وغیرہ کا علم ہونا چاہیئے تاکہ قرآن میں جو باتیں مبہم ہیں وہ معلوم ہو سکیں۔

پھر اصولِ تفسیر سے یہ مُراد ہو گا کہ قرآن مجید کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے جن جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کو اچھی طرح جاننا۔ تفسیر کے لیے صرف ان متعلقہ علوم کا جان لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لیے سب سے بڑی شرط ایمان باللہ بھی ہے۔ کیونکہ جب تک مفسّر اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان نہ رکھتا ہو وہ قرآن مجید کے اصل معانی و مطالب تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح سنّت پر پورا ایمان رکھتا ہو تاکہ سنّت کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کر سکے۔ کیونکہ سنّت قرآن مجید کی تشریح و تفسیر ہے۔

اہم اصول مفسّر قرآن کے لیے لازم ہے کہ مندرجہ ذیل امور کو پیشِ نظر رکھے۔

۱۔ ہر آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ رض کی روایت کردہ تفسیر کے مطابق ہو یا تفسیر مرفوع اور اقوالِ صحابہ رض سے ماخوذ ہو۔

۲۔ سیاق و سباق کے مطابق ہو۔

۳۔ قواعد عربیہ اور اہلِ لسان کے استعمال کے موافق ہو۔

۴۔ اصولِ شریعت اور ان تمام قواعد کے مطابق ہو جو دین میں مقرر و ثابت ہیں اور جن پر اعتقاد و ایمان لازم ہے۔

۵۔ مقاصد قرآن کے ماتحت ہو۔

شیخ جلال الدین سیوطی رح فرماتے ہیں کہ تفسیر کے لیے پندرہ

Marfat.com

علوم ضروری ہیں اور کسی شخص کو قرآن کی تفسیر کا حق نہیں جب تک کہ وہ ان تمام علوم میں ماہر نہ ہو۔

سب سے اولین شرط یہ ہے کہ مفسر قرآن عربیت سے پوری طرح واقف ہو ورنہ وہ آیات قرآنی کو غلط معانی پہنا دے گا۔

حضرت مجاہد کا قول ہے "جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ کی کتاب کے متعلق کلام کرے اگر وہ لغات عرب کو نہیں جانتا"

حضرت حسن بصری رح کا قول ہے "جو شخص عربیت سے ناواقف ہے وہ بسا اوقات ایک آیت پڑھتا ہے اور اسی طرح کسی لفظ کو پڑھتا ہے وہ اس کے لیے باعث ہلاکت بن جاتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید اپنی نسبت آسان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس نے خود علم کے اعتبار سے لوگوں میں تفریق کی ہے ارشاد ہے۔

لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (اس کو وہی لوگ جانتے ہیں جو احکام کا استنباط کر سکتے ہیں) بہرحال قرآن مجید کی تشریح و تفسیر کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بہت سے علوم و فنون پر دسترس حاصل کرنا ضروری ہے پھر کہیں جا کر قرآن مجید کی تفسیر و تشریح کرنے کا انسان اہل ہو سکتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیے صفحہ نمبر ۳۰

سوال :- مندرجہ ذیل عنوانات پر نوٹ لکھیے؟

• ناسخ و منسوخ - محکم و متشابہ - اعجاز القرآن - اسباب نزول -

جواب :-

ناسخ و منسوخ | اصول تفسیر میں معرفت ناسخ و منسوخ کا مسئلہ

Marfat.com

ایک اہم اور مشکل ترین مسئلہ ہے۔ متقدمین نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحؒ لکھتے ہیں کہ خاص اس موضوع پر اتنے لوگوں نے تصنیفات کی ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ کسی ایسے شخص کے لیے کلام اللہ کی تفسیر کرنا جائز نہیں جو ناسخ و منسوخ کی معرفت نہ رکھتا ہو۔ حضرت علی رضؓ نے کسی قاضی سے پوچھا تم ناسخ و منسوخ کو جانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا تم خود بھی ہلاک ہو گئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کر دو گے۔

نسخ لغت میں کسی چیز کے ازالہ یا مٹا دینے اور نقل و تحویل کر دینے کو کہتے ہیں۔ محاورات عرب میں ہے نَسَخَتِ الرِّیحُ اٰثَارَ الْقَوْمِ (یعنی ہوا نے قوم کے نشانات مٹا دیے)

اصطلاحِ شریعت میں نسخ کے معنی یہ ہیں کہ کسی حکم شرعی سابق کو رفع کر کے اس کے قائم مقام دوسرا حکم مقرر کرنا جیسے کہ خود ارشادِ خداوندی اس معنی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا یعنی جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اسے فراموش کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر (دوسری آیت) یا اس جیسی لے آتے ہیں۔

پس حقیقت نسخ یہ ہے کہ حکم سابق جو عند اللہ ایک معین اور محدود وقت کے ساتھ مقید تھا اس کی مدت کے ختم ہونے پر دوسرے حکم مؤید کا مقرر کر دینا ہے جیسے کوئی طبیب حاذق کسی مریض کے لئے علاج کے شروع میں ایک نسخہ تجویز کرتا ہے اور بوقت تجویز یہ جانتا ہے کہ اس مریض کے لیے اس نسخہ کا استعمال مثلاً ایک ہفتہ کرانا ہے ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد طبیب اس کی جگہ دوسرا نسخہ شروع کر

Marfat.com

دیتا ہے تو طبیب کا یہ پہلا نسخہ تبدیل کرنا اس بناء پر نہیں کہ اس کو اس پر یقین نہیں رہا اور اس میں کوئی خرابی یا نقصان ہے یا وہ نسخہ ثانی کے فائدہ سے پہلے غافل تھا۔ اب اس کے فائدہ پر مطلع ہوا ہے۔ بلکہ مریض کی حالت کے مطابق نسخہ میں بھی تبدیلی کرتا ہے۔ حالت اولی عود کرانے پر اس کو پھر وہ پہلا ہی نسخہ استعمال کرایا جائے گا۔ اسی طرح احکام شرعیہ میں نسخ اور تبدیلی بھی حق تعالیٰ کی کمال حکمت ہے۔

ناسخ و منسوخ کی شناخت میں بہت سے اختلافات ہیں اس کا سب سے بڑا اسباب متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا اختلاف ہے۔

بعض نے تو ۵۰۰ آیات کو منسوخ قرار دیا ہے لیکن حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ صرف پانچ آیات کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔

نسخ دو طرح سے ہوسکتا ہے اول یہ کہ کسی آیت کو کسی آیت کے ناسخ کہنے سے اگر مراد یہ لی جائے کہ منسوخ آیت کا حکم زائل ہو چکا اور اب اس پر عمل کرنا قطعی طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ تو اس معنی کے اعتبار سے قرآن مجید میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے دوسرا یہ کہ بر سبیل مجاز، تخصیص عام۔ یا تعیین مدت یا تفصیل اجمال پر نسخ کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے نسخ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ علمائے اسلام جو نسخ بولتے ہیں سو اس سے ان کی دوسرے معنی ہی مراد ہوتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ایک مقام پر آتا ہے۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ یعنی اگر اللہ کے علاوہ قرآن مجید کسی اور کی طرف سے نازل ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پایا جاتا۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ قرآن مجید کا کوئی حصہ ایک دوسرے سے متضاد نہیں۔ ایک آیت دوسری آیت سے اس وقت منسوخ خیال کی جاتی ہے۔ جب دو آیات متضاد ہوں۔ اس امر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مرفوع حدیث بھی نہیں جس میں آپ نے کسی آیت کو منسوخ فرمایا ہو۔ بالفاظ دیگر فہم قرآن کیلئے حضور

Marfat.com

مفردات قرآن کے معانی ضروری ہیں۔ اسی طرح استنباط احکام کے لیے کہ کسی چیز کے متعلق قرآن مجید میں جتنے احکام آئے ہیں۔ ان سب کو اکٹھا کرکے باہمی تناسب و توازن پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور یہ معلوم کرنا کہ کونسا حکم کس زمانے کے لیے ہے۔ ایک کا مورد و محل کیا ہے اور دوسرے کا کیا؟ ایک کا منشا کیا ہے اور دوسرے سے کیا مراد ہے؟ مثلاً قرآن مجید میں ایک مقام پہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ انہیں کفار کے ہاتھوں سے جو اذیت پہنچے، اس پر صبر کرنا چاہیئے۔ مگر دوسرے مواقع میں نہایت پر زور طریقہ پر جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم (توبہ) اے نبی آپ کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کیجئے اور ان پر سخت ہو جایئے دوسری جگہ ارشاد ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ (اے مومنو! تم ان کفار سے جنگ کرو جو تم سے قریب ہیں اور چاہیئے کہ وہ تم میں سختی محسوس کریں) نتیجہ یہ نکلا کہ مفسرین نے آیت صبر علی الایذا اور آیات جہاد میں تعارض دیکھ کر آیات جہاد کو آیات صبر کے لئے ناسخ کہا ہے۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ صبر کرنے کا حکم اس زمانہ میں تھا۔ جب مسلمان کمزور تھے اور وہ کفار کو ترکی بہ ترکی جواب نہیں دے سکتے تھے۔ مگر جب خدا نے ان کو طاقت و قوت عطا فرمادی اور وہ جنگ کے قابل ہو گئے تو انہیں جہاد کا حکم دے دیا گیا۔ اس بناء پر ان دونوں آیات کے ملا دینے سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں۔ (۱) اگر مسلمان کمزور ہوں تو انہیں کفار کے مصائب پر صبر کرنا چاہیئے اور اندرونی طور پر کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ قوی ہو جائیں (۲) جب مسلمان قوی ہو جائیں تو انہیں جہاد کرنا چاہیئے۔ اب خاموش بیٹھے رہنا اور کفار کے مصائب برداشت کرنا ان کے لئے ناجائز ہے۔

Marfat.com

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی آیت میں کوئی حکم بیان کیا جاتا ہے اور اسکے بعد کوئی دوسری آیت آتی ہے جس میں کسی خاص موقع و محل کے اعتبار سے تخصیص کی جاتی ہے۔ بعض حضرات اس تخصیص پر بھی نسخ کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ مثلاً عدت کے متعلق ایک آیت ہے

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ (البقرہ) یعنی وہ لوگ جو تم میں سے مر جائیں اور بیویاں چھوڑیں ان پر اپنی بیویوں کے لیے وصیت کرنا ہے کہ سال بھر تک ان کو فائدہ دیں اور گھر سے نہ نکالیں اس سے عدت وفات کی مدت ایک برس ثابت ہوتی ہے۔

دوسری آیت ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ) یعنی تم میں سے جو مر جائیں اور بیویاں چھوڑیں تو بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک (بطور عدت) روکے رکھیں۔ پھر وہ جب اس مدت کو پورا کر لیں تو پھر جو کار خیر ہو کریں ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عدت وفات ایک سال نہیں بلکہ چار ماہ دس دن ہے۔ اب ان دونوں آیات میں تعارض دیکھ کر بعض ارباب تفسیر نسخ کے قائل ہو گئے ہیں حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں نسخ نہیں ہے۔ پہلی آیت میں شوہروں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی وفات کے وقت اپنے ورثا کو اس بات کی وصیت کر جائیں کہ اگر ان کی بیویاں سال بھر تک گھر میں رہنا چاہیں تو انہیں رہنے دیا جائے۔ اس مدت میں وہ اپنے مستقبل کے متعلق خود فیصلہ کر لیں گی۔ جہاں تک عدت کا معاملہ ہے تو وہ دوسرے شخص سے چار ماہ دس دن کی مدت گزارنے کے بعد ہی نکاح کر سکتی ہیں (بشرطیکہ حاملہ نہ ہوں)

Marfat.com

المختصر قرآن مجید کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے علم ناسخ و منسوخ پر کامل عبور
حاصل کرنا بہت ضروری ہے ورنہ آیات قرآنی کے معانی و مطالب کی غلط مراد
تک پہنچنے کا خطرہ ہے۔

محکم و متشابہ آیات قرآنیہ سے اس امر کی تصریح ہوتی ہے کہ کلام اللہ کا بعض حصہ محکم ہے اور بعض حصہ متشابہ جیسے کہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے۔ هُوَ الَّذِىٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (آل عمران)
وہی خدا ہے جس نے آپ پر کتاب اُتاری اس میں آیات محکمات ہیں جو کتاب کی اصل ہیں (مدار احکام شرعیہ ہیں) اور کچھ آیات متشابہات ہیں۔

محکمات محکم کی جمع ہے محکم وہ ہے جس میں لفظاً اور معنی کی حیثیت سے کوئی شک و شبہ وارد نہ ہو پس محکم کو اس وجہ سے محکم کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے بیان میں مضبوط ہوتا ہے اور دوسرے کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس سے صرف وہی معانی مراد لئے جا سکتے ہیں جس معنی میں وہ کہا گیا ہوتا ہے۔

متشابہات متشابہ کی جمع ہے اور یہ شبہ سے مشتق ہے۔ متشابہ آیات سے وہ آیات مراد ہیں جن سے بیک وقت دو معنے مراد لیے جا سکتے ہیں اور ظاہر کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہوتا جس میں سے کسی ایک معنی کے حق میں فیصلہ کیا جا سکتا ہو۔

فقہاء اور مفسرین نے محکم و متشابہ کے مفہوم کی وضاحت مختلف تعبیر اور عنوانات کے ساتھ کی ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ کے نزدیک محکم اس کو کہا جاتا ہے جس کی مراد معلوم ہو خواہ الفاظ کی دلالت اپنے مفہوم پر ظاہر ہونے اور واضح ہونے کی وجہ سے یا تاویل کے ذریعہ اور متشابہ وہ ہے جس کا علم خداوند تعالیٰ نے اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے۔

Marfat.com

اور اپنے بندوں میں اس کا قطعی اور یقینی علم کسی کو عطا نہیں کیا۔ جیسے قیام ساعت، خروج دجال کا وقت، اور مقطعات قرآن یعنی وہ حروف ہجائیہ جو سورتوں کی ابتداء میں آتے ہیں مثلاً الم۔ الر۔ طہ۔ حم وغیرہم۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ محکم وہ ہے جس کا ایک مفہوم متعین ہو اور کسی تاویل کے ذریعے متعدد احتمالات کا اس میں امکان نہ ہو جیسے آیت اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ اور متشابہ اس کے بالمقابل اس کو کہا جائے گا۔ جس میں مختلف معانی کا امکان اور متعدد احتمالات ہوں۔ جمہور قول اوّل ہی کو پسند کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے متشابہات کی تفسیر خود اس طرح کی ہے کہ اس کا مفہوم سوائے حق تعالیٰ کے اور کسی کو یقینی اور قطعی طور پر حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿آل عمران﴾ ترجمہ۔ بہر حال وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی (ٹیڑھا پن) ہے وہ کلام اللہ میں سے اس کے جو متشابہ ہے درپے ہوتے ہیں، فتنہ کو تلاش کرتے ہوئے اور اس کی تاویل کو چاہتے ہوئے اور حالانکہ متشابہ کی تاویل سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں رسوخ (پختگی) رکھنے والے ہیں وہ (یوں) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس پر کہ ہر ایک (محکم و متشابہ) ہمارے رب کی طرف سے ہے اور (ان چیزوں سے) سوائے عقل رکھنے والے لوگوں کے نصیحت قبول نہیں کرتے۔

اس آیت نے یہ بات واضح کر دی کہ متشابہات کی تحقیق کے درپے ہونا زائغین اور کج رفتار لوگوں کا طریقہ ہے اور جو لوگ علماء ربانیین و راسخین

Marfat.com

فی العلم ہیں۔ وہ اللہ کے حوالے کر کے اپنی سعادت خیال کرتے ہیں اور کوئی معنی متعین نہیں کرتے چہ جائیکہ کسی فاسد معنی اور اصولِ شریعت کے خلاف تاویل کو اختیار کریں۔

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اسی آیت (ھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ کو وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ تک) کو تلاوت فرمایا اور اس کے بعد فرمایا ۔ فَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ سَمَّاھُمُ اللّٰہُ فَاحْذَرُوْھُمْ" یعنی اے عائشہ رضؓ! جب تو دیکھے ان لوگوں کو جو متشابہات میں غور و خوض کرتے ہیں۔ اور اس کی تحقیق کے درپے ہوتے ہیں تو (جان لینا کہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے نام معین کر دیا ہے (یعنی ان کو زائغین اور کج رفتار فرمایا ہے) تو اس قسم کے لوگوں سے پرہیز کرنا۔

ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضؓ سے روایت تخریج کی ہے فرمایا نُؤْمِنُ بِالْمُحْکَمِ وَنَدِیْنُ بِہٖ وَنُؤْمِنُ بِالْمُتَشَابِہِ وَلَا نَدِیْنُ بِہٖ یعنی ہم محکم پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں (کیونکہ اس کے مکلف ہیں) اور ایمان رکھتے ہیں متشابہ پر لیکن اس پر عمل نہیں کرتے (کیونکہ ہمیں اس کا مکلف نہیں کیا گیا)

مسند دارمی میں سلیمان بن یسار سے منقول ہے کہ ایک شخص صبیغ نامی حضرت عمر فاروق رضؓ کے زمانہ میں مدینہ منورہ آیا اور لوگوں سے متشابہات قرآن کے بارے میں تحقیق و تفتیش کرتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس کو طلب فرمایا اور اس کی آمد سے پہلے ہی کھجور کی چھڑیاں منگوا کر رکھ لیں اس کی حاضری پر دریافت فرمایا کہ تو

Marfat.com

کون ہے؟ اس نے بتایا کہ میں عبداللہ بن صبیغ ہوں۔ حضرت عمر فاروق نے اس کو زدوکوب شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ خون آلود ہوگیا اور ابوموسیٰ اشعری رضؓ کے پاس فرمان بھیجا کہ کوئی شخص مسلمانوں میں سے اس کے پاس بھی نہ بیٹھے۔

اقسامِ متشابہات

(۱) متشابہات قرآنیہ میں ایک نوع تو ان متشابہات کی ہے جن کے کوئی معنی دلالت لغت اور وضع عربیہ کے اعتبار سے معلوم اور معین ہی نہیں جیسے مقطعات قرآنی الم۔ الر۔ کھیعص وغیرہ خدا ہی خوب جانتا ہے کہ ان حروف سے اس کی مراد کیا ہے۔

(۲) متشابہات کی قسم ثانی وہ آیات ہیں جن کے معنی وضع عربی کے اعتبار سے معلوم اور مفہوم ہیں۔ لیکن اس کی حقیقی مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک کیا ہے۔ اس تک انسانی عقل و فکر کی رسائی نہیں جیسے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (رحمٰن عرش پر مستوی ہے) يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے) يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ (وہ دن کہ جس میں پنڈلی سے (حجاب کو) کھولا جائے گا۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (وہ کسی چیز کا انتظار نہیں کر رہے ہیں بجز اس کے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے پاس بادلوں کے سائبانوں میں آجائے)

الغرض اس طرح وہ تمام آیاتِ قرآنیہ جو اللہ کی صفات متشابہ پر مشتمل ہیں اہل حق کا مسلک ان میں یہ ہے کہ ظاہر پر ایمان لانا ضروری ہے بغیر اس تحقیق و بحث کے کہ اللہ کا ہاتھ کیسا ہے

Marfat.com

اور اس کی استواء کس کیفیت کے ساتھ ہے؟

حضرت امام مالک سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ عرش پر کس طرح مستوی ہے؟ تو جواب میں فرمایا ؛ "الکیفیۃ غیر معقول والاستواء غیر مجہول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ" یعنی کیفیت استواء سمجھی نہیں جا سکتی۔ استواء معلوم ہے اور اس پر ایمان لانا لازم ہے اور اس کے متعلق سوال (تحقیق) کرنا بدعت ہے۔

(۳) بعض دفعہ آیت قرآنی بالکل واضح ہوتی ہے لیکن اس میں اشتباہ صرف اس وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک ہی ضمیر بیک وقت دو مختلف اسموں سے متعلق ہو سکتی ہے اور دونوں کے مواقع مساوی ہوتے ہیں۔ مثلاً جیسا کہ ایک شخص نے کہا تھا۔ اما ان الامیر امرنی ان العن فلانا لعنہ اللہ یعنی امیر نے مجھے حکم دیا ہے کہ فلاں شخص پر لعنت کروں اللہ اس پر لعنت کرے "اللہ اس پر لعنت کرے" یہ ٹکڑا ایسا ہے جس کا تعلق حکم دینے والے یعنی امیر سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس شخص پر بھی جس پر لعنت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پھر حقیقت میں مراد کون ہے؟ سو اس کا تمام تر انحصار کہنے والے کی نیت پر ہے بظاہر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح قرآنی آیات میں بعض دفعہ ضمائر کے اصل مرجع معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔

(۴) کبھی اشتباہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ آیت میں کوئی ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہو جس کے دو معنے ہو سکتے ہوں اور دونوں معانی کی حیثیت مساوی ہو مثلاً اس آیت میں لا مستم النساء

Marfat.com

(یعنی تم نے عورتوں کو چھوا) لفظ لمس صرف چھونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور جماع کے معنی میں بھی۔ ان دونوں معانی کی حیثیت اتنی برابر کی ہے کہ جب تک کوئی قرینہ موجود نہ ہو یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے کہ کس مقام پر کون سے معنے مراد ہیں۔

(۵) کبھی اشتباہ کا سبب یہ بھی ہو جاتا ہے کہ کلام کے دو لفظوں پر جو قریب و بعید ہوں عطف کا احتمال ہو مثلاً وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ (تم مسح کرو اپنے سروں کا اور اپنے پاؤں کا) اگر لفظ اَرْجُلِكُمْ کو زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر پاؤں پر مسح کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر اَرْجُلَكُمْ زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر انہیں دھونا چاہیئے اگر اَرْجُلِكُمْ قریب کے لفظ پر عطف ہو تو پاؤں پر مسح کرنا چاہیئے اور اگر دور کے لفظ وُجُوهَكُمْ پر عطف ہے۔ تو دھونا چاہیئے۔

(۶) اسی طرح اگر جملہ کے کسی لفظ یا فقرہ کے بارے میں یہ طے نہ ہو سکے کہ وہ اپنے ماقبل پر عطف کیا گیا ہے یا اس کی حیثیت علیحدہ جملہ کی ہے اس وقت بھی اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے اور بغیر قرینہ کے مفہوم متعین نہیں کیا جا سکتا مثلاً وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ (آل عمران) (یعنی اس کی تاویل سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور وہ لوگ جو علم میں راسخ ہو چکے ہیں) اس آیت میں وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کی حیثیت جملہ میں غیر متعین ہے جتنا یہ احتمال ہے کہ اس کا اللہ پر عطف ہے۔ اتنا ہی احتمال اس کا یہ بھی ہے کہ یہاں سے پھر نئے

Marfat.com

سرے سے کلام شروع کیا گیا ہے۔ بہرحال قسم ۳-۴-۵-۶ میں اتنی گنجلک اور الجھن نہیں ہوتی۔ جتنی کہ قسم ۱-۲ میں ہے۔ اول الذکر اقسام سے متعلق متشابہات آیات کی تشریح و تفسیر عام طور پر مل جاتی ہے۔ ذرا اتنی بات ہوتی ہے کہ مفسرین قرآن میں معانی و مطالب کے لحاظ سے فرق و اختلاف ہو جاتا ہے۔ لیکن قسم ۱-۲ کے متعلق تو تحقیق و کرید کرنے سے انسان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ پھر ان آیات کے متعلق عجیب عجیب تاویلیں کرنے لگ جاتا ہے۔ جن سے قرآن نے منع کیا ہے۔ حضور اکرم صلعم کا فرمان ہے کہ پہلی امتوں کو ان کی قیل و قال نے تباہ کر دیا۔ اس وجہ سے سوالات کم ہونے چاہیئے۔ جس قدر قرآن حکم دیتا ہے۔ اس پر عمل ہونا چاہیئے۔ اور جن چیزوں سے عمل و عقیدہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا ان کو چھوڑ دینا چاہیئے۔

اعجاز القرآن

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (بنی اسرائیل) یعنی اے نبیؐ! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام جن و انس اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کوئی کلام لے آئیں تو ہرگز نہ لا سکیں گے۔ اس جیسا اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔

اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید ایک معجزہ ہے اور اس کے مانند کوئی کلام پیش کرنا طاقت بشریہ سے خارج ہے اگر تمام عالم بھی متحد و متفق ہو جائے اور کوشش کرے تو بھی یہ ممکن نہیں۔

دوسری جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید کی صداقت میں تردد کرنے والے گمراہوں کو مقابلہ کی دعوت دی۔ چنانچہ فرمان ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ

Marfat.com

رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ وَادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ (البقرہ) یعنی اگر تم کسی شک و شبہ اور تردد میں پڑے ہوئے ہو۔ اس چیز کی طرف سے جس کو ہم نے اپنے (خاص) بندے پر نازل کیا تو پھر تم بھی کوئی سورت (یا ٹکڑا) اس کلام جیسا بنا لاؤ۔ خدا کو چھوڑ کر اپنے مددگاروں کو ملا لو۔ اگر تم سچے ہو۔

اس کے بعد خود ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُہَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَۃُ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ (البقرہ) یعنی تم ایسا نہیں کر سکو گے اور ہرگز ایسا نہیں کر سکو گے (قرآن مجید کے مثل کوئی سورت نہیں بنا سکتے) پس تم اس آگ سے ڈرو۔ جس کا ایندھن (کافر) لوگ اور پتھر ہیں۔

یہ دعوت (فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ) عرب کے ان فصحاء بلغاء اور مایہ ناز شعراء اور خطباء کو دی گئی تھی۔ جن کا بچہ بچہ شعر گوئی اور گہوارہ فصاحت و بلاغت ہی میں تربیت یافتہ تھا۔ دو تم جب ہر چند کوشش اور طرح طرح کی تدبیروں کے باوجود بھی قرآن کے مانند کوئی مختصر سا کلام بھی بنانے سے عاجز رہی تو عقلاً یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ قرآن اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے معجزہ یعنی دلیل نبوت ہے۔ اور دنیا کو اس نے اپنے مقابلے سے عاجز کر دیا ہے اگر ذرا امکان بھی ہوتا تو وہ لوگ اپنی اسلام دشمنی اور حضور ؐ سے غایت درجہ عناد و بغض رکھنے کی وجہ سے قرآن کے مقابلہ سے پیچھے ہٹنے والے نہ ہوتے لیکن ہر چند اپنی جدوجہد اور اپنی امکانی کوششوں سے تھک چکنے کے بعد سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ پایا اور قرآن مجید پر بے معنی اعتراضات

Marfat.com

کرنے لگے۔ چنانچہ کبھی کہنے کہ قرآن کہانت ہے کبھی اسے اشعار کا مجموعہ کہتے اور کبھی اسے جادو اور سحر کا نام دیتے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید مختلف اعتبارات سے معجزہ ہے۔ ان میں سے ایک قرآن کا مخصوص اور منفرد اسلوب بھی ہے۔ اہلِ عرب چند مخصوص میدانوں میں اپنی جولانی طبع کا مظاہرہ کیا کرتے تھے اور انہیں میدانوں میں ایک دوسرے پر فوقیت اور برتری کے بھی طلبگار رہتے تھے۔ یہ مخصوص میدان قصائد، خطبات، مکتوبات اور محاورات کے میدان تھے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ ان چار اسالیب کے علاوہ نہ تو کسی اسلوب سے واقف تھے اور نہ کوئی نیا اسلوب پیدا کر سکتے تھے۔ اس صورت حال کے پیش نظر آنحضرت صلعم جو عربوں کے نزدیک ناخواندہ مشہور تھے۔ ان کے معینہ اور معلومہ اسالیب سے مختلف ایک نیا اسلوب پیدا کر لینا بلاشبہ ایک معجزہ تھا۔

یہ تو قرآن مجید کے اعجاز کا ایک پہلو ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی وجوہ اعجاز ہیں۔ مثلاً بغیر کسی سابقہ واقفیت کے گزشتہ ملتوں کے صحیح احکام اور اقوام رفتہ کے مصدقہ حالات بیان کرنا بھی معجزہ نہیں تو اور کیا تھا؟ اسی طرح آئندہ واقعات کے متعلق حرف بحرف صحیح اطلاعات دینا بھی صرف معجزہ ہی نہیں۔ بلکہ معجزات کا ایک سلسلہ تھا۔ ان کے علاوہ اعجاز قرآن کی ایک وجہ اس کی بلاغت و فصاحت ہے۔ جہاں تک انسانی مقدور کی رسائی ناممکن ہے۔ قاضی عیاض اپنی کتاب شفا میں فرماتے ہیں کہ اعجاز قرآن کی صورتیں تو بہت ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے البتہ وہ انواع جو اکثر وجوہ اعجاز کے لئے جامع ہیں چار ہیں:

۱۔ قرآن کریم کی حسنِ تالیف، کلمات و آیات کا باہمی ارتباط و تناسب اور اس کا وہ معیار فصاحت و بلاغت جس نے دنیا کو عاجز کر دیا۔ میدانِ

Marfat.com

بلاغت کے عرب شہسواروں نے ذلت و عاجزی کے گھٹنے ٹیک دیئے۔

۲۔ نظم قرآنی کا وہ عجیب و غریب اور نرالا طرز جو عرب نظم و نثر کے اسلوب اور طرز سے جدا اور ممتاز نظر آتا ہے۔ عرب کے شعراء و بلغاء اور خطباء نظم قرآنی کو انواع نظم و نثر سے مختلف پاکر متحیر تھے کہ یہ طرز بیان اور انداز کلام آخر کس معیار پر ہے؟

۳۔ امم سابقہ اور گزرے ہوئے زمانوں کے ان واقعات کو بیان کرنا جن کو ایک ناخواندہ شخص تو درکنار بہت سے خواص اور احبار اہل کتاب بھی نہ جانتے تھے۔ ایسے گزرے ہوئے واقعات نادرہ کو اس اعلان کے ساتھ بیان کرنا کہ یہ واقعات ثابت اور برحق ہیں اور تبارک و تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی کیے گئے ہیں۔ قرآن کا کھلا ہوا اعجاز ہے بلکہ قرآن کریم نے تو ان واقعات کو تحقیق و تثبیت کے رنگ میں پیش کیا۔ جن میں خود اہل کتاب اختلاف کرتے تھے جیسے کہ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ یعنی بے شک یہ قرآن بنو اسرائیل سے اکثر وہ واقعات جن میں وہ خود اختلاف کرتے ہیں بیان کرتا ہے۔

۴۔ غیب کی خبروں اور آنے والے واقعات کے بیان پر مشتمل ہونا اور جو ہر آنے والی خبر جو قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ اس کا اسی طرح ظہور پذیر ہونا۔ قرآن نے جن جن واقعات کی خبر دی وہ صبح صادق کی روشنی کی طرح دنیا کی نگاہوں کے سامنے آ کر رہے۔

شعرائے عرب اور خصوصاً شعرائے قریش کا دستور تھا کہ ہر صبح وہ خانہ کعبہ کے گرد بیٹھتے اور اپنا تازہ کلام سناتے اور داد تحسین حاصل کرتے۔ ایک روز ایک صحابی نے چپکے سے خانہ کعبہ کی دیوار پر قرآن شریف کی سب سے چھوٹی سورت سورۂ کوثر لکھ دی کہ دیکھیں کلام

Marfat.com

عرب کے ناقدین اور حجاز و قریش کے فصحاء و بلغاء اس کے متعلق کیا رائے ظاہر کرتے ہیں۔ جب صبح ہوئی اور شعراء جمع ہوئے اور لوگوں کی نظر سورۃ کوثر کی طرف گئی۔ شعراء نے اس دن اپنا کلام سنانا پسند نہ کیا اور دیر تک وہ اس مختصر سی صورت کی بلاغت و فصاحت اور اس کی دلآویزی اور دلربائی پر غور کرتے رہے۔ پھر ان کا سب سے بڑا شاعر آگے بڑھا اور اس سورت کے نیچے یہ الفاظ لکھ دیئے۔ مَا هٰذَا قَولُ الْبَشَر یعنی یہ تو کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔

الغرض عوام ہی نہیں بڑے بڑے شعراء نے بھی جب قرآن حکیم کی زبان سنی تو اپنی زبان بھول گئے اور ہمیشہ کے لیے قرآن کے ہو کر رہ گئے۔

لبید بن ربیعہ عرب کے مشہور شاعر ہیں۔ سبعہ معلقات جو بلاغت عرب کی رو سے سمجھے جاتے ہیں اور یہ وہ سات قصائد ہیں جن کو عرب کے سب سے نامور شعراء نے لکھے تھے اور یہ خانہ کعبہ پر لٹکا دیئے جاتے تھے کہ ان کی مثال کوئی نہیں لا سکے گا۔ انہی شعراء میں لبید بھی ہیں جن کا قصیدہ آج بھی زینت سبعہ معلقات ہے۔ یہ حضور اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قرآن حکیم کی بلاغت نے آپ پر کچھ ایسا اثر کیا کہ مسلمان ہو گئے۔ حضور صلعم نے آپ سے تازہ کلام سنانے کی فرمائش کی تو آپ نے فرمایا۔

اَلَا کُلُّ شَیءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ وَکُلُّ نَعِیمٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلُ

ترجمہ (آگاہ ہو ہر چیز خدا کے علاوہ فنا ہو جائے گی اور ہر نعمت لامحالہ زائل ہونے والی ہے) حضور صلعم نے سنا تو فرمایا۔ اَصْدَقُ بَیتٍ بَیتُ لَبِیدٍ یعنی سب سے سچا شعر لبید کا شعر ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے آپ سے اپنے عہدِ خلافت میں تازہ کلام سنانے کی فرمائش کی۔ لیکن آپ نے ایک کاغذ پر سورۃ بقرہ کی آخری آیات لکھ بھیجیں اور ساتھ ہی یہ لکھا کہ اس کلام کے بعد کسی کلام کی کون جرأت کر سکتا ہے۔

Marfat.com

جب عجمی اُن کی زبان اپنی زبان بھول گئے ۔

انبیاء سابقین کے معجزات صرف ایک مخصوص زمانہ تک کے لیے تھے جو ان کے ساتھ ہی ختم ہو گئے لیکن قرآن کا معجزہ دائمی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ دیکھئے قرآن پڑھنے تک کا زبانی یاد کرنا اور لاکھوں کروڑوں سینوں میں اس کا محفوظ ہونا اور ایسے ہی ہوتا رہے گا اور روایات میں ایک حرف کو بھی اس میں کہیں ذرا دیکھیں تو ... یہ خصوصیت کسی سوائے قرآن حکیم کے کہیں نہ ملے گی۔

قرآن مجید نے جس قدر دعوے کیے وہ سب سچے ثابت ہوئے مثلاً اس کے محفوظ رہنے کے لیے خداوند نے اپنی حفاظت کا خود دعویٰ کیا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون ۔ پھر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ کفار کی ساری کوششوں کے باوجود اس میں ایک شوشہ اور ایک نقطہ کا بھی تغیر نہیں ہو سکا۔ یہ سب سے زیادہ نمایاں معجزہ ہے۔

اور پھر کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی جس کی زبان عربی نہیں عبارت کو ... یاد ... ان پڑھ اور نادان بچے پورے قرآن حکیم کو یاد کرتے ہیں اور ایسا یاد کرتے ہیں کہ چند گھنٹوں میں سارا قرآن شریف بلا کسی غلطی کے سنا دیتے ہیں۔ کیا دنیا کی کسی اور مذہبی یا الہامی کتاب کو بھی یہ شرف اور یہ درجہ حاصل ہے؟ اس وقت قرآن کو آئے ہوئے تقریباً چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔ اس وقت تک اس کو کتنوں نے یاد کیا اور یہ کتنی بار پڑھا گیا اس کو سوائے خداوند تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا ہے۔ اس وقت تمام دنیا میں جتنے بھی مسلمان ہیں وہ اس کی روزانہ صبح سویرے

Marfat.com

تلاوت کرتے ہیں۔ پھر رمضان المبارک میں راتوں کو اس مقدس کتاب کی پاکیزہ اور شیریں اور جذبلی آواز سے ساری فضا کو مست و متبرک بنا دیتے ہیں۔ آج دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے نہ کبھی تھی جس کو یہ شرف یہ بزرگی اور یہ خصوصیات حاصل ہو یا رہی ہو۔ یہ اس قدر کھلی اور واضح دلیل ہے۔ قرآن پاک کے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہونے اور اس کے معجزہ عظیم ہونے پر جس کے متعلق مزید لکھنا تحصیل حاصل کے سوا کچھ نہیں ہے ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب — گر دلیلت باید از وے رو متاب

قرآن آیا تو اس کی معجزانہ تجلیات سے ایک عالم کا عالم مسحور ہو گیا۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ عرب کے سارے سخن ور فاش کرنے لگے جبرائیل امین کے اسرار

اسباب نزول و شان نزول

سبب نزول یا شان نزول سے یہ مراد ہے کہ قرآن حکیم کی کسی آیت کے نازل ہونے کی وجہ یا محل۔ یعنی وہ واقعات جو آیاتِ قرآنیہ کے نازل ہونے کا سبب ہے۔

فہم قرآن یا فنِ تفسیر کی دوسری دشواری اسباب نزول کی معرفت یعنی صحیح طریقے سے یہ معلوم کرنا کہ کونسی آیت کب اور کس موقع پر نازل ہوئی ہے۔ دشواری کی وجہ یہ بھی ہے کہ اسباب نزول کے بیان کے لیے جو اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ اس میں متقدمین اور متاخرین کے درمیان اختلاف ہے۔

اصل سبب اور شانِ نزول تو بندوں کی حاجت اور ضرورت ہے جس کے لیے خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا مگر بسا اوقات چونکہ خارج میں کوئی خاص واقعہ بھی پیش آیا ہوتا ہے جس پر وہ آیت نازل ہو جاتی ہے۔ مفسرین کی اصطلاح میں اسی قسم کے واقعات کو شانِ نزول کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایک عورت کا آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے خاوند کے بارے میں کچھ عرض کرنا اور اسی پر قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي

Marfat.com

تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ۔ بے شک اللہ تبارک و
تعالیٰ نے اس عورت کا قول سن لیا جو اپنے خاوند کے بارے میں آپ سے جھگڑتی
ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے اس کی شکایت کرتی ہے) آیت کا نازل ہونا۔
اسی طرح جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں آنحضرت صلعم کا صحابہ کرام سے
یہ پوچھنا کہ ان کو قتل کیا جائے یا فدیہ قبول کرکے آزاد کر دیا جائے اس پر
صحابہ کرام کا مختلف رائے دینا اور آنحضرت صلعم کا فدیہ لینے کی طرف مائل
ہونا اس پر آیت (مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ
يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ
الْآخِرَةَ۔ یعنی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں
جب تک کہ زمین میں خوب خونریزی نہ ہو جائے (مراد ان کو قتل کر دیا جاتے) تم دنیا
کے مال و متاع چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت چاہتا ہے) کا نازل ہونا اسی طرح
کے واقعات اسباب نزول کی کتب تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ کثیر تعداد میں منقول
ہیں جن کو محدثین نے نقل کیا ہے۔

بعض مفسرین ہر آیت کے سلسلہ میں اس قسم کے واقعات بیان کرنے کے
بعد کہتے تھے کہ نَزَلَتْ فِي كَذَا۔ اس طرح انہوں نے غلو سے کام
لیا۔ بعض مفسرین شان نزول کے بیان کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتے۔ البتہ جن
مقامات پر آیت کی تفسیر اس واقعہ پر موقوف ہے اس کو توضیح آیت کے لئے
واقعہ بیان کرنا ضروری سمجھتے مثلاً وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ
أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ میں قافلہ ابوسفیان یا جنگ
کا مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے پیش قدمی کرنے کا واقعہ (جنگ بدر کے
اسباب و واقعات تاریخ وغیرہ)

شان نزول سے متعلق واقعات کا ثبوت اگرچہ سند صحیح سے ہو لیکن
اس واقعہ کے لئے وہ مضمون آیت مخصوص نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے عموم کا

Marfat.com

اعتبار کرتے ہوئے وہ آیت ایک قانون عام کے درجہ میں سمجھی جاتی ہے مثلاً آیاتِ لعان اگرچہ ایک خاص موقعہ پر نازل ہوئیں لیکن ان کا حکم تا قیامت عام ہے۔ اسی طرح مسافر کے لیے قصرِ صلوٰۃ کے بارے میں آیت کا نازل ہونا اس پر حضرت عمر فاروق رضؓ نے ایک بار حضور صلعم سے عرض کیا یا رسول اللہ اب تو ہم لوگ پورے مطمئن ہیں اور خوف کا کوئی نام ونشان نہیں۔ کیا اب بھی نماز میں قصر کریں؟ اس پر حضور صلعم کا فرمانا کہ یہ تو اللہ کی طرف سے ایک صدقہ ہے اس کو قبول کرو۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض آیات قرآنیہ میں کسی امر کلی کی توضیح و تفہیم کے لیے کچھ کلمات ایسے مذکور ہوتے ہیں جن سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور اس وجہ سے بعض مفسرین اس کے درپے ہو جاتے ہیں کہ واقعہ متعلقہ کی تفصیل معلوم ہونی چاہیئے۔ حالانکہ الفاظ کلام اللہ کی غرض کسی امر جزئی اور مخصوص واقعہ کی خبر دینا نہیں ہوتا بلکہ ایک مقصد عام اور امر کلی ہوتا ہے تو اس تکلف کی وجہ سے لبا اوقات کلام اللہ کے حقیقی مقصد کا فوت ہو جانا لازم آجاتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں والدین کے ساتھ احسان کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس میں کسی خاص شخص کی طرف تعریض یا اشارہ مقصود نہیں ہے۔

وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا۔ یعنی ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ احسان کرنے کی نصیحت کی اس کی ماں نے اسے پیٹ میں تکلیف سے اٹھا اور اسے تکلیف سے جنا۔

اسی طرح قرآن مجید کے بہت سے مقامات ایسے ہیں جن سے بیک وقت دو مختلف صورتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک صورت نیک بخت کی اور دوسری صورت بدبخت کی۔ ایک کے ساتھ اوصاف سعادت اور دوسری کے ساتھ اوصاف

Marfat.com

شقاوت بیان کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں کسی معین فرد کی طرف اشارہ مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ اس طرح کے اعمال اور اوصاف کے بارے میں احکام بیان کرنا مقصود ہوتا ہے مثلاً:۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ط (جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا اتارا تو وہ کہتے ہیں اگلے لوگوں کی کہانیاں)

مذکورہ بالا آیت شقی کے بارے میں ہے۔ اور اس کے مقابلے میں نیک بختوں کا جواب یہ ہوتا ہے۔ وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا ط (اور تقویٰ والوں سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا اتارا؟ تو وہ کہتے ہیں بھلائی یا نیکی۔

اسی طرح قرآن مجید میں ایک آیت یوں آتی ہے:۔ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ۔ اس آیت میں مثال کے لیے ایک ایسے دانے کا ذکر کیا گیا ہے جس سے سات بالیاں پیدا ہوتی ہیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرح کا کوئی دانہ موجود ہی ہو۔ یہاں صرف اجر و ثواب کی زیادتی کا تصور دلانا مقصود ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

قرآن مجید کے بیان احکام کے سلسلہ میں ایک انداز یہ بھی اختیار کیا گیا ہے کہ اگر کوئی ایسا مقام آ گیا جہاں کوئی شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ تو اس مقام پر اس شبہ کو دور کر دیا گیا ہے۔ اس انداز بیان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ گذشتہ کلام کی وضاحت کر دی جائے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ اس موقعہ پر جب یہ آیت نازل ہوئی تھی کسی نے واقعی سوال کیا تھا یا کسی شبہ کا اظہار کیا ہو لیکن صحابہ کرامؓ کی عادت یہ تھی کہ وہ اس سوال اور اس کے جواب کی شکل میں بیان کر دیتے۔

مفسر کی ذمہ داری) شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مفسر کی

Marfat.com

ذمہ داری اتنی ہے کہ وہ ان مختلف صورت حالات میں صرف دو امور کا خیال رکھے ایک تو اسے غزوات اور واقعات جن کی طرف آیات میں اشارہ موجود ہو اور ان آیات کے مفہوم سمجھنے کا انحصار ان واقعات کے علم پر ہو۔ انہیں بیان کردے۔ دوسرے یہ کہ اگر آیات میں کوئی قید یا شرط ہو یا کسی خاص نقطہ پر زور دیا گیا ہو جن کا سمجھنا شان نزول کے علم پر موقوف ہو ان آیات کی تفسیر لکھتے وقت شان نزول بھی بیان کرے۔ اس دوسری شرط کو ہم فن توجیہہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ مفسر کے لئے اس کا علم بھی ضروری ہے۔

شاہ صاحب کی اپنی رائے یہ ہے کہ ہر آیت کے لئے سبب نزول کا بیان کرنا ضروری نہیں اس بناء پر وہ امام بخاری رحمہ، امام ترمذی رحمہ اور حاکم رحمہ کے انداز تفسیر کو سراہتے ہیں کیونکہ انہوں نے واقعات کم بیان کئے ہیں۔ اس کے خلاف محمد بن اسحٰق واقدی رحمہ اور کلبی رحمہ نے اس معاملہ میں جس فراخدلی سے کام لیا ہے۔ اس سے شاہ صاحب کو سخت اختلاف ہے اور اسے ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہر آیت کے سلسلہ میں کوئی نہ کوئی قصہ ضرور بیان کر دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر صحیح نہیں ہیں۔ یا ان کے اسناد مشتبہ ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عام مفسرین نے ہر ایک آیت کو خواہ وہ مباحثہ کی ہو یا احکام کی کسی قصے کے ساتھ مربوط کر دیا ہے۔ اور اس قصے کو اس آیت کے نازل ہونے کا سبب بتایا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ نزول قرآن سے اصلی مقصد نفس انسانی کی تہذیب اور باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے۔ الغرض قرآن مجید کی آیات کا نزول واقعات کے تابع نہیں ہوا بلکہ یہ تو اپنے اندر ہر دور کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا سامان لئے ہوئے ہے۔

سوال ۱۔ الفوز الکبیر کی روشنی میں یہود، نصاریٰ، منافقین اور مشرکین کے امراض بیان کیجئے۔ سنہ ۱۹۶۳ء

۲۔ قرآن حکیم میں چار گمراہ فرقوں سے مخاصمہ کیا گیا ہے مثالوں

Marfat.com

سے اس کی وضاحت کیجئے۔ ۱۹۶۴ء

۳۔ قرآن حکیم میں چار گمراہ فرقوں سے مخاصمہ واقع ہوا ہے۔ اس مخاصمے کی نوعیت واضح کیجئے اور مضمون مخاصمہ کی مثالیں دیجئے۔ ۱۹۵۶ء

۴۔ علم المخاصمہ (علم مباحثہ) پر نوٹ لکھئے۔ ۱۹۶۲ء

جواب :۔ قرآن مجید کے علوم خمسہ میں سے ایک علم علم المخاصمہ (مناظرہ) یا مباحثہ بھی ہے اور یہ بحث چاروں گمراہ فرقوں (۱) مشرکین اور (۲) منافقین (۳) یہود (۴) نصاریٰ کے ساتھ ہے۔ اس علم کی تشریح و تفصیل متکلمین کا کام ہے۔

یہ مباحثے دو طرح پر واقع ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ فقط باطل عقائد کو بیان کرکے ان کی قباحت و برائی واضح کی گئی ہے اور ان عقائد باطلہ سے نفرت و ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ گمراہوں کے شبہات کو بیان کرکے ان کا قطعی دلائل اور خطابی براہین سے ان کا رد کیا گیا ہے۔

مشرکین مشرکین کے اندر جو خرابیاں اور برائیاں پائی جاتی تھی ان کی تفصیل یہ ہے :۔

مشرکین اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے اور دین ابراہیمی کا دعویٰ کرتے تھے۔ دین ابراہیمی ع کے شعار حسب ذیل تھے۔ کعبہ کا حج اور اسے نماز کے وقت قبلہ بنانا۔ غسل جنابت۔ ختنہ۔ اشہر حرام کا احترام۔ مسجد حرام کی تعظیم، نسبی اور رضاعی رشتے سے جو عورتیں حرام کی گئی ہیں انہیں حرام جاننا۔ ذبح اور نحر سے خدا تعالیٰ کی رضا جوئی خصوصاً حج کے زمانہ میں حاصل کرنا۔ وضو، نماز۔ روزہ طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک، یتیموں اور فقیروں کو صدقہ دینا اور مشکلات میں ان کی اعانت کرنا وغیرہ۔

لیکن مشرکین نے عام طور پر مندرجہ بالا امور کو ترک کر دیا تھا اور یہ خصائل

Marfat.com

ان میں مفقود ہو گئے تھے۔ قتل۔ چوری۔ زنا۔ ربا۔ لوگوں کا مال غصب کرنا ان سب کاموں کی حرمت بھی اصل ملت ابراہیمی علیہ السلام میں ثابت تھی۔ لوگ ان پر اظہار نفرت بھی کرتے تھے لیکن اکثر مشرکین ان پر عامل تھے اور نفسانی خواہشات پر چلتے تھے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک یہ بات ثابت تھی کہ وہی آسمان اور زمین کا خالق ہے بڑے بڑے حوادث و واقعات کا مدبر ہے۔ رسولوں کے بھیجنے پر قادر ہے۔ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے۔ فرشتے اس کے مقرب بندے اور تعظیم کے لائق ہیں ان کے اشعار میں کہیں کہیں ان سب چیزوں کا ذکر آتا ہے۔

اکثر مشرکین نے ان عقائد کو دور از عقل ہونے اور ان کے سمجھنے کی طرف میلان نہ ہونے کے باعث بہت سے شبہات کھڑے کر دیئے تھے۔ مشرکین کی گمراہی یہ تھی کہ وہ شرک۔ تشبیہ اور تحریف کے قائل تھے آخرت کے منکر تھے۔ آنحضرت صلعم کی رسالت کو دور از قیاس کہتے۔ بڑے اعمال اور طرح طرح کے ظلم پھیلاتے نئی نئی بری رسمیں ایجاد کرتے اور اصلی عبادات کو مٹاتے جا رہے تھے۔

شرک کی ابتداء اور ظہور

علامہ ابوالشکور سالمی اپنی "کتاب التمہید" میں فرماتے ہیں کہ شرک کی ابتداء اور ظہور حضرت ادریسؑ کے زمانہ سے ہوا۔ اس دور سے قبل مخلوق نے کبھی کسی قسم کا شرک نہیں کیا تھا۔ البتہ جزئی اور انفرادی طور پر معصیت اور نافرمانی کا صدور ہوا۔ جیسے کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر کے ارتکاب معصیت کیا۔ عالم میں جب شرک کا ظہور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے شرک کا رد اور مقابلہ کرنے کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔

تفصیل یہ ہے حضرت ادریس علیہ السلام اللہ کے بندے اور برگزیدہ رسول تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے چند شاگرد لوگوں کی رہنمائی کرتے

Marfat.com

تھے۔ جن کے نام ودّ۔ سُواع۔ یعوق۔ نسر ہیں۔ پانچوں حضرت ادریسؑ
کے بعد شب و روز عبادتِ خداوندی اور قوم کی تعلیم و تربیت میں مشغول
رہے۔ جب یہ بھی اس عالم سے کوچ کر گئے تو قوم پریشان رہ گئی کہ اب
کس سے احکامِ دین سیکھیں اور رہنمائی حاصل کریں۔ کسی نے یہ کہا مناسب
ہوگا کہ ہم ان حضرات کے مجسمے بنا لیں تاکہ ان کو دیکھنے سے ان کے حالات
اور تعلیمات یاد رہیں اور جو ہدایات ان سے حاصل کی ہیں۔ ان کی یاد دل
میں تازہ رہے۔ اس پر قوم نے ایسا ہی کیا کہ ان کی تصویریں اور مجسمے بنا
ہر تصویر کے لیے وہی نام تجویز کر دیئے۔ پہلے پہل تو عبادت صرف خدا
کی کرتے تھے۔ ان تصاویر کو صرف سامنے رکھتے اور ان میں نظر کرنے
وہ اپنے حق میں عبادتِ خداوندی میں خضوع و خشوع کا ذریعہ خیال کر
مگر اس جماعت کے گزر جانے کے بعد ان کی اولاد کے سامنے شیطان آ
اور جو میدان اس سے قبل ہموار کر چکا تھا۔ اس پر اس نئی نسل کو ڈال
کے لیے کھلم کھلا ان بتوں کی عبادت و پرستش کا ان کے سامنے یہ اعلان
دیا کہ: "اے لوگو! میں ہی تمہارا معبود اور رب ہوں۔ تمہارا اور تمہارے
آباء و اجداد کا ہوں۔ تم میری ہی عبادت کرو۔ تمہارے آباء و اجداد بھی میری
عبادت کیا کرتے تھے۔" غافل قوم سمجھ بیٹھی کہ واقعی ہمارے آباء و اجداد
یہی رب اور معبود تھے۔ چنانچہ جب شیطان نے ان کے دلوں میں یہ اعتقاد
خوب راسخ کر دیا اور وہ اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گئے اور ان مجسموں
اور تصاویر کو سونے چاندی اور پیتل سے تیار کرنا شروع کر دیا اور شرک ان
دل و دماغ میں خوب رچ بس گیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دنیا کے ان
مشرکوں کی طرف حضرت نوحؑ کو بھیجا تاکہ وہ ان کو حق تعالیٰ کی عبادت و اطاعت
کی طرف دعوت دیں۔ حضرت نوحؑ خدا کا یہ پیغام لے کر قوم کے سامنے آئے
يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ یعنی اے

قوم تم اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے واسطے سوائے اس خدا کے کوئی معبود نہیں۔ لیکن اس بدنصیب اور گمراہ قوم جن کے دل و دماغ میں کفر و شرک بُری طرح سرایت کر چکا تھا کی طرف سے دعوتِ نوح ع کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا۔ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا یعنی ان لوگوں نے کہا تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو۔ ودّ کو سُواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق و نسر کو ہرگز نہ چھوڑو۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جب حضرت نوح ع کی دعوتِ توحید سے قوم راہِ راست پہ نہ آئی اور کفر و شرک پہ جمی رہی تو حضرت نوح ع نے ان کی تباہی و بربادی کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے دعا کو قبول فرمایا اور نوح ع کو کشتی تیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ صرف وہی لوگ زندہ بچے جو کشتی میں سوار تھے اور باقی طوفان میں غرق ہو گئے"

شرک و بُت پرستی کا یہ ناپاک مرض نسلاً بعد نسلٍ قوموں میں سرایت کرتا رہا یہاں تک کہ سرزمین عرب میں بھی یہ ناپاک اثرات پہنچے۔ عرب میں بت پرستی کو رواج دینے والا سب سے پہلا شخص عمرو بن لحی تھا۔ جو حضور اکرم صلعم کی بعثت سے تین سو سال پہلے گزرا ہے۔ اہل عرب نے بت پرستی میں اس قدر ترقی کی کہ ہر قبیلہ نے اپنا ایک معبودِ مستقل تجویز کیا اور خانہ کعبہ میں جو خالص عبادتِ خداوندی کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ تقریباً تین سو ساٹھ بُت رکھ دیئے۔ جن کی عبادت ہر قبیلہ کیا کرتے تھے۔ اس طرح خانہ کعبہ بُت خانہ میں تبدیل ہو گیا۔ تقریباً تمام اہل عرب بالعموم شرک و بُت پرستی میں مبتلا تھے۔ سوائے معدودے چند افراد کے کہ وہ قوم اصلی فطرت اور توحید پر قائم رہے اور نبی کے منتظر تھے۔ حضور اکرم ص نے خانہ کعبہ کو فتح مکہ ۸ھ والے دن بتوں سے پاک صاف کیا اور پھر اسے خالص عبادت خداوندی کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ بتوں کو جب آپ نے تباہ و برباد کر دیا تو یہ آیت

Marfat.com

پڑھی جاءَ الحقُ وزھقَ الباطلُ اِنَّ الباطلَ کانَ زھوقاً۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلعم کو دین ابراہیمیؑ قائم کرنے کا حکم فرمایا۔ قرآن کریم میں مشرکین عرب سے مباحثہ کیا۔ اس مباحثہ میں دین ابراہیمیؑ کے ان مسلّم اصولوں کو بطور دلائل پیش کیے۔ مشرکین کے باطل عقائد کی تردید میں جو جوابات پیش کیے گئے وہ حسب ذیل ہیں :-

شرک اور اس کی تردید

اس سلسلہ میں ان کی آبائی تقلید کی تردید کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا کہ اللہ کے برابر کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ صفت الوہیت صرف اللہ کے لئے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ :- یاایّھا النّاسُ اعبُدُوا ربّکُمُ الّذی خلقکُم والّذینَ مِن قبلِکُم لعلّکُم تتّقُونَ ۰ الّذی جعلَ لکُمُ الاَرضَ فِراشاً وّالسّماءَ بناءً وّ اَنزلَ مِنَ السّماءِ ماءً فاَخرجَ بہٖ مِنَ الثّمراتِ رِزقاً لّکُم ج فلا تجعلُوا لِلّٰہِ اَندادًا وّ اَنتُم تعلمُونَ ط (البقرہ)

(اے لوگو تم اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ وہ اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا۔ پس اس پانی سے تمہارے لیے پھلوں کی صورت میں رزق نکالا۔ پس تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اس حال میں کہ تم جانتے بھی ہو) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر ثابت کیا کہ صرف اسی کی عبادت کرو جو تمہیں پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے اور تمہیں رزق دیتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

۲- اس میں یہ ثابت کیا گیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام عقیدہ

Marfat.com

توحید میں متفق تھے۔ بطور استدلال حسب ذیل آیات پیش کی گئیں:۔

مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ترجمہ:۔ ہم نے تجھ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم میری ہی عبادت کرو۔

۳۔ بت پرستی کی مذمت اور اس کی دلیل۔ اس سلسلہ میں یہ بتایا گیا کہ پتھر انسانی کمالات کے مراتب سے بہت گرے ہوئے ہیں۔ پھر وہ کس طرح معبود بن سکتے ہیں یہ جواب خاص طور پر ایسے لوگوں کے لیے ہے جو بتوں کو بالذات معبود ہونے کا اعتبار رکھتے تھے۔

۴۔ یہ ثابت کیا کہ بندگانِ خاص اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں ہو سکتے ان کے برخلاف اللہ تعالیٰ انتہائی مراتب تعظیم کا مستحق ہے۔

تشبیہ کے جواب میں

اس عقیدہ کی تردید میں قرآن کریم نے ان سے الہامی دلیل طلب کی اور پھر اس آبائی تقلید کی مذمت کی۔

۲۔ اس عقیدہ کے خلاف عقل اور نقل ہونے کی دلیل یہ پیش کی کہ باپ اور بیٹے کا ہم جنس ہونا ضروری ہے لہذا اللہ تعالیٰ الوہیت اور ربوبیت میں یکتا ہے۔

۳۔ مشرکین جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اس کی تردید مندرجہ ذیل الفاظ میں کی۔ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ؟ (کیا تیرے رب کے لیے بیٹیاں اور ان کے لیے بیٹے؟)

تحریف کی تردید اور اس کا جواب

مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی اصل تعلیمات کو بھلا دیا تھا۔ اور ان میں ترامیم کر دی تھیں۔ لیکن ان کا دعویٰ تھا کہ یہ اصل عقائد ہیں جو کہ ان پر نازل ہوئے تھے قرآن حکیم نے ان کے اس دعویٰ کی تردید کی اور بتایا کہ یہ اصل

Marfat.com

دین نہیں بلکہ ان کے آباؤ اجداد کی اختراع ہے۔

اقسامِ مشرکین

(۱) مشرکین کا ایک گروہ خالقِ کائنات کا انکار کرتا تھا۔ مرکر دوبارہ زندہ ہونے اور حساب و کتاب جزا و سزا کو بھی تسلیم نہ کرتا تھا۔ قرآن مجید میں ان کا یوں ذکر آتا ہے:۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ۔ ترجمہ

اور ان مشرکین نے کہا ہماری یہ زندگی کوئی چیز نہیں ہے بجز اس کے کہ بس یہ ہماری دنیاوی زندگی ہے۔ اس میں مرتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں۔ اور ہم کو بجز زمانے کے کوئی چیز ہلاک نہیں کرتی۔ حالانکہ ان کو کچھ بھی علم نہیں بجز اس کے کہ وہ محض ظن اور تخمین کی باتیں کہتے ہیں۔

ان کے اس بیہودہ اور لغو خیال کو رد کرنے کے لیے فرمایا:۔

(۱) أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ (اور کیا لوگ نظر نہیں کرتے آسمانوں اور زمین کی موجودات میں اور جو اللہ نے پیدا کیا)

(۲) قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ

ترجمہ:۔ کہا۔ ہڈیوں کو زندہ کرنے والا کون ہے؟ جبکہ وہ بوسیدہ اور پارہ پارہ ہو چکی ہوں گی؟ کہہ دیجئے ان ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اور وہ تو ہر چیز کا پورا علم رکھنے والا ہے۔

(۳) وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا

Marfat.com

لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا" ترجمہ اور ان مشرکین نے کہا کیا جبکہ ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو چکیں گے۔ تو کیا پھر بھی ایک نئی پیدائش کے ساتھ ہم اٹھائے جائیں گے؟

(۴) قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْأَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗ أَنْدَادًا ط ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ط ترجمہ۔ کہہ دیجئے کیا تم اس ذات کا کفر کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کیا؟ اور حال یہ ہے کہ تم اس کے لیے شریک بناتے ہو۔ یہی ذات تو رب العالمین ہے۔

غرض قرآن مجید میں اسی طرح بہت سی آیات اور سورتوں کے درمیان مختلف عنوان اور پیرائیں سے ان کے اس باطل عقیدہ کا بڑے بہترین انداز سے ردّ فرمایا:-

(۲) مشرکین میں دوسرا فرقہ ایسا تھا جو خالق کائنات کا تو قائل تھا اور یہ تسلیم کرتا تھا کہ جملہ کائنات کو اسی نے پیدا کیا ہے لیکن مر کر دوبارہ زندہ ہونے اور حشر و نشر کا قائل نہ تھا گویا ان کے نزدیک سے

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" تھا۔

قرآن مجید نے اس فرقہ کا بھی ردّ کیا فرمایا:-

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُهٗ۔ یعنی جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ مخلوقات کو پیدا کیا اسی طرح ہم اس کا اعادہ بھی کریں گے۔

(۳) ان میں تیسرا فرقہ ایسا تھا جو خالق کائنات اور ایجاد خلق، مر کر دوبارہ زندہ ہونے اور حشر و نشر کا بھی قائل تھا مگر رسولوں کی رسالت کا انکار کرتا تھا اور بت پرستی پر آمادہ تھا ان کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ بت ہمارے واسطے اللہ کے ہاں شفیع ہوں گے اور اس طرح ان کی شفاعت ہمیں نجات دلائے گی وہ اس کا خود اعتراف کیا کرتے تھے کہ

Marfat.com

وَمَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ یعنی ہم ان بتوں کی عبادت نہیں کرتے بجز اس غرض کے کہ وہ ہم کو اللہ کے کسی قدر قریب کر دیں گے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل عقیدہ کی تردید کی۔

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ترجمہ:۔ وہ دن (قیامت) تو ایسا ہوگا کہ کوئی شفاعت نفع نہیں پہنچائے گی بجز اس کے جس کے لیے رحمٰن اجازت دے دے اور اس قول سے راضی ہو۔

دوسری جگہ فرمایا:۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرۃ) یعنی اللہ کی بارگاہ میں کون ہے جو شفاعت کر سکے بغیر اس کی اجازت کے۔

اس فرقہ کو رسولوں کی رسالت ماننے سے اس لیے انکار تھا کہ رسول تو ہم جیسے بشر ہیں کھاتے پیتے ہیں، ان کی اولاد اور بیویاں ہیں تو یہ ہم جیسے بشر رسول کیسے ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم نے ان کے اس باطل عقیدہ کا بہت سی آیات میں رد فرمایا۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ (اور مشرکین نے کہا کہ کیا ہوا اس رسول کو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

اللہ نے فرمایا:۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ترجمہ:۔ اور لوگوں کو ایمان لانے سے کسی چیز نے بھی نہیں روکا جبکہ

Marfat.com

ایمان کمزور تھا۔ اس گروہ کی کئی اقسام ہیں:-

(۱) ضعفِ اعتقاد کے ساتھ اسلام کا اظہار کرتے تھے۔ ان کے دلوں میں تذبذب تھا کبھی اہلِ ایمان کی طرف مائل ہوتے اور کبھی کفار کی طرف۔ خواہشاتِ نفسانیہ اور دنیوی لذتوں نے ان کے دلوں کو مسخ کر رکھا تھا۔ حرصِ مال، حبِ جاہ، حسد اور کینہ سے ان کے دل اس قدر لبریز تھے کہ مناجات مع اللہ اور عبادتِ خداوندی کی لذت و شوق کے لیے کوئی گنجائش ہی نہ تھی انہی کے حق میں ارشادِ خداوندی ہے۔

وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى - اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو وہ بادل نخواستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء) یعنی وہ لوگوں کو دکھاوے اور ریا کے لیے (نمازیں اور دیگر بھلائی کے کام کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

(۲) ان میں بعض ایسے تھے کہ وہ دنیوی معاملات اور امورِ معاش میں اس قدر مصروف منہمک تھے کہ ان کو آخرت کی تیاری کرنے کی فرصت نہ تھی اور ان کے پاس آیاتِ الٰہی میں غور کرنے کے لیے وقت ہی نہ تھا ان کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے:-

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا یعنی وہ قرآن حکیم میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں پر تو قفل ہیں۔

(۳) بعض ایسے بھی تھے جو ایمان اور کفر کے اختیار کرنے میں اپنی قوم کے مقلد تھے اگر ان کی قوم ایمان لے آتی تو وہ بھی ایمان لے آتے اگر کفر پر قائم رہتی تو وہ بھی کفر پر ہی قائم رہتے۔

(۴) ان میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو حضور اکرم صلعم کی رسالت کے متعلق بے ہودہ شبہات اور خیالات رکھتا تھا۔ تاہم وہ اس درجہ کو نہیں پہنچے تھے

Marfat.com

کہ اسلام سے کلیۃً طور پر خارج ہو جائیں۔ وہ آپس میں حضور اکرم صلعم پر طعن و تشنیع بھی کیا کرتے۔ قرآن کریم جب ان کو ان امور پر تہدید و تنبیہ فرماتا تو حیران و ششدر رہ جاتے۔ اس کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں کیا گیا ہے۔ یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ط (التوبہ) یعنی منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں (ایسا نہ ہو) کہ کوئی سورت ان کے بارے میں نازل کر دی جائے جو ان چیزوں کو ظاہر کر دے جو ان کے دلوں میں ہے۔ کہہ دیجئے مذاق کر لو (اللہ اور رسول کی باتوں سے) بے شک اللہ تعالیٰ تو اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس کا تم اندیشہ کرتے

(۵) بعض لوگ وہ بھی تھے جو اپنے قبیلے اور گھرانے سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان کی ہر طرح امداد و اعانت کیا کرتے تھے چاہے اس سے مسلمانوں اور اسلام کو نقصان پہنچ جائے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں عقیدہ کا نفاق اور عمل و اخلاق کا نفاق۔ نفاق کی پہلی قسم یعنی عقیدہ کا نفاق اس کا آنحضرت صلعم کے بعد سمجھنا اور پہچاننا ناممکن ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق دل سے ہے اور دل کے حالات سے واقف ہونا کسی کے لیے ممکن نہیں۔ حضور اکرم صلعم کو تو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دے دی جاتی تھی۔ البتہ نفاق کی دوسری قسم یعنی عمل اور اخلاق کا نفاق بہت عام ہے اور اسے بہت آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں اس قسم کے منافق کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

ایسے ہی نفاق کی طرف حضور اکرم صلعم نے اپنی اس حدیث میں اشارہ کیا ہے ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَ اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ بعض کتب حدیث میں وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ کی بجائے وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ یعنی تین خصلتیں جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وہ وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب جھگڑا کرے تو بدزبانی کرے۔ یا تیسری خصلت

Marfat.com

اس میں یہ پائی جاتی ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔
ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا۔ هَمُّ الْمُنَافِقِ بَطْنُهٗ وَ هَمُّ الْمُؤْمِنِ فَرَسُهٗ یعنی منافق اپنے پیٹ کی فکر کرتا ہے اور مومن اپنے گھوڑے کی۔

قرآن حکیم میں مختلف مقامات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان منافقین کے احوال و اخلاق کھول کھول کر بیان کیے ہیں تاکہ امت مسلمہ ان سے اجتناب کرے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک نفاق ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ چنانچہ اللہ نے اپنے نبی صلعم کو بھی فرما دیا کہ ان منافقین کے لیے بخشش کی دعا نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (سورۃ توبہ) یعنی اے نبی آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لیے ستر بار استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

الغرض خداوند تعالیٰ نے ان کی منافقانہ چالوں، فطری خباثتوں اور اسلام دشمنی کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا اور ان کو تنبیہ کی کہ اگر وہ اپنے اس منافقانہ کردار سے باز نہ آئے تو انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں رسوائی و ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (توبہ) ترجمہ۔ ان منافق مردوں اور عورتوں اور کافروں کے لیے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے آتش دوزخ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کے لیے موزوں ہے ان پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:۔

لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ مَّلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ۔ (احزاب) ترجمہ:۔ یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں (جھوٹی جھوٹی) افواہیں اڑایا کرتے ہیں اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپؐ کو ان پر مسلط کر دیں گے پھر یہ لوگ آپؐ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پائیں گے، وہ بھی ہر طرف سے پھٹکارے ہوئے جہاں ملیں گے۔ پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جاوے گی۔

شاہ صاحب نے دورِ حاضر کے منافقوں کی تشریح اس طرح کی ہے کہ امراء، وزراء اور رؤساء کے مصاحبین اور نوکر چاکر جو ان کے احکام کو سنت پر ترجیح دیتے ہیں وہ بھی عملی لحاظ سے منافق ہیں۔ اس طرح منطقی و فلسفی لوگوں کی وہ جماعت بھی منافق ہے جن کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات ہیں۔

آخر میں شاہ صاحب یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ مباحثہ ان لوگوں سے ہوا ہے جو گزر چکے ہیں بلکہ گزشتہ زمانہ کے نمونے آج بھی ہیں جیسا کہ حدیث نبویؐ ہے "کہ تم اپنے سے اگلے طریقوں کی ضرور پیروی کرو گے۔"

یہود: قرآن مجید نے بڑے زور شور سے یہود کے عقائد باطلہ کی تردید کی۔ یہود اس درجہ تک شقاوت و بدبختی کے عمیق گڑھوں میں گر چکے تھے۔ کہ ان کی لغو اور بے ہودہ باتوں سے پیغمبرؑ بھی مامون و محفوظ نہ رہے تھے۔ حضرت موسیٰؑ (جن پر ان کا ایمان تھا کہ وہ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں) جو بہت

Marfat.com

ان کے پاس ہدایت آچکی بجز اس کے کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر؟ کہہ دیجیے کہ اگر زمین پر بسنے والے فرشتے ہوتے جو اطمینان کے ساتھ چلتے پھرتے تو البتہ ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر اتارتے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو پند و نصائح کے ذریعے یہ ذہن نشین کرایا کہ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ فرشتہ بحیثیت فرشتہ انسانی ہدایات کے لیے کافی ہوتا ضروری تھا کہ اسے بھی بشر کی شکل دے کر مبعوث کیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء انسانیت کی ہدایت کے لیے بھیجے وہ سب بشر تھے کیونکہ ضروری تھا کہ جو تعلیمات وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئیں ان پر خود عمل کریں اور دوسروں کو عمل کرنے کی دعوت دیں اگر فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجا جاتا تو پھر لوگ اعتراض کر سکتے تھے کہ یہ تو فرشتہ ہے اور ہم اور اس جیسی زندگی نہیں گزار سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارا تو قاعدہ ہی یہی ہے کہ:- وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ
یعنی ہم نے آپ سے پہلے رسولوں میں کسی کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ البتہ وہ کھانا بھی کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

(۴) ایک گروہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتا تھا جن کا رد اس طرح فرمایا گیا۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا یعنی ان مشرکوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنایا ہے۔ جو اللہ رحمٰن کے بندے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا۔ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ؟
یعنی کیا تیرے رب کے لیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے؟

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید نے رد شرک کے لیے جو دلائل و براہین اختیار کیے

Marfat.com

ہیں وہ چار ہیں:-

(۱) حق تعالیٰ کی عبادت والوہیت میں غیر اللہ کو شریک کرنے کے لیے مطالبہ دلیل اور یہ کہ بلا دلیل آباؤ اجداد کے طریقہ کی پیروی کا بہانہ محض حماقت ہے۔

(۲) غیر اللہ کو ذاتِ خداوندی کے ساتھ برابری و مساوات تو کیا بلکہ کوئی نسبت ہی نہیں اور خدا ہی انتہائی تعظیم اور عبودیت کا مستحق ہے۔

(۳) خدا کے تمام پیغمبروں کا اسی بات پر اجماع اور اتفاق رہا ہے کہ خدا کے ساتھ اس کی بندگی و عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

(۴) عبادت اصنام یعنی بت پرستی کی برائی اور یہ کہ پتھروں کا درجہ تو مخلوقات میں نہایت کم تر ین اور ارذل ہے۔ پتھر تو کمالات انسانیت سے بھی عاری اور خالی ہیں، چہ جائیکہ ان میں کمالات الوہیت کا اثبات کیا جائے اور پھر انسان جیسی اشرف مخلوق ایک ارذل مخلوق کی عبادت کرے۔

منافقین منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان سے تو اسلام کا دعویٰ کرتے تھے لیکن حقیقت میں مسلمان نہیں تھے۔ نبی اکرم صلعم کے زمانہ میں منافقین کے دو گروہ تھے ایک وہ تھے جو زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے اور کہا کرتے "اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" اور جب آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو کہتے کہ ہم آپؐ کے رسول اللہ ہونے کی گواہی دیتے ہیں مگر دلوں میں کفر کی گندگیاں راسخ تھیں۔ کفر و عناد پر پختگی سے قائم تھے۔ صرف دنیوی منافع حاصل کرنے اور مجاہدین کے نیزوں اور تلواروں سے محفوظ رہنے کے لیے یہ عیاری اور فریب اختیار کیے ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں ارشاد ربّانی ہے:- اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ یعنی بے شک منافق لوگ دوزخ کے پست ترین درجہ میں ہوں گے۔

دوسری قسم کے منافق وہ تھے جو اسلام میں داخل تو ہوئے تھے مگر ان کا

Marfat.com

حیا اور پردہ فرماتے۔ اس پر یہ بدبخت اور بے ہودہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ان کا یہ حیا اور پردہ کسی جسمانی عیب اور بیماری کے سبب سے ہے کہ اس کے ظاہر ہونے سے شرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اپنے کلام میں سورۃ احزاب میں یوں فرمایا:۔ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا (احزاب) ترجمہ:۔ اے مسلمانو! تم بھی ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ۔ جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کو تہمت تراش کر اذیت دی۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اس سے بری کر دیا جو وہ کہتے تھے۔ بے شک حضرت موسیٰؑ اللہ کے نزدیک معزز اور قابل عزت تھے۔ یہود اگرچہ تورات پر ایمان رکھتے تھے لیکن ان کی عملی زندگی کا ایک ایک پہلو اُن کے دعویٰ ایمان پر تورات کی تردید کرتا تھا۔ ان کی ضلالت و گمراہی کی مندرجہ ذیل صورتیں تھیں:۔

(۱) تحریف کتاب اللہ یعنی تورات کے احکام میں لفظی اور معنوی دونوں طرح کی تحریف۔

(۲) کتمان آیات یعنی اصل احکام تورات کو چھپانا اور جو چیزیں اس کے احکام میں سے نہ تھیں ان کا الحاق کرنا۔

(۳) احکام کی پابندی میں تساہل برتنا۔

(۴) مذہبی تعصب میں حد سے بڑھ جانا۔

(۵) حضور اکرم صلعم کی رسالت کو بعید از قیاس بتانا۔ آپؐ کی شان میں گستاخی کرنا۔ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہہ دینا ان کے معمول میں شامل تھا۔

(۶) بخل و حرص، حب جاہ اور حب مال جیسے امراض میں مبتلا ہونا۔

۱۔ تحریف: تحریف کی دو صورتیں ہیں تحریف لفظی اور تحریف معنوی۔

Marfat.com

مسا تحریف لفظی سے مراد یہ ہے کہ یہود نے اصل تورات کے احکام کو بدل ڈالا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے کلام اللہ میں ردوبدل کرنا اور اپنی طرف سے تراشیدہ چیزیں اللہ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَوَیْلٌ لِلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ لِیَشْتَرُوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا (البقرۃ) یعنی ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو کتاب الٰہی میں اپنے ہاتھوں سے کوئی نوشتہ لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے (دنیا کی) معمولی دولت حاصل کریں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ (المائدہ) یعنی وہ کلمات (الٰہیہ) کی اپنے مواقع سے تحریف کرتے ہیں اور بہت سا حصّہ ان چیزوں کا بھلا دیا جن کی ان کو ان کو یاددہانی کرائی گئی تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تحریف لفظی سے مراد ترجمہ میں تحریف ہے اور تحریف معنوی سے مراد تاویل فاسد ہے۔ یعنی کسی آیت کے معنے اس کے اصل مفہوم سے ہٹ کر بیان کرنا اور اس طرح سیدھی راہ چھوڑ کر گمراہی کی طرف جانا۔

بعض جدید محققین کی تحقیق یہ ہے کہ یہود نے اصل کتاب میں بھی تحریف کر رکھی ہے۔ یہودیوں کی ایک اعتقادی برائی یہ بھی تھی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ جنت میں صرف یہود اور عبری داخل ہوں گے خواہ ان کے اعمال و عقائد کیسے ہی ہوں۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً (البقرۃ)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے کہا کہ آگ ہمیں ہرگز نہیں

Marfat.com

بلیٰ مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ) یعنی بے شک جس نے برا عمل کیا اور اس کے گناہ نے اسے گھیر لیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

الغرض یہود نے تورات میں ہر طرح سے تحریف کر رکھی تھی۔ اصل تورات تو دنیا سے ناپید ہو چکی ہے۔ اس کی جگہ اس تورات نے لے لی جو یہود نے خود تیار کی اور وہ اسے منزل من اللہ قرار دیتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔

۲۔ کتمان آیات اور افتراء کتمان آیات سے مراد یہ ہے کہ یہود تورات کی ایسی آیات جو ان کے مفاسد و منشا کے خلاف ہوا کرتی تھیں۔ انہیں وہ چھپا لیا کرتے تھے تاکہ ان کی عزت و رتبہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہ آئے۔ لوگوں کو جو ان سے عقیدت تھی وہ کم ور نہ پڑنے پائے اور وہ تورات کے احکام میں عمل نہ کرنے کے الزام سے محفوظ رہیں۔ اس کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ تورات میں زانی کے لئے یہ حکم ہے کہ اسے سنگسار کر دیا جائے لیکن علمائے یہود نے اتفاق و اجماع سے اس حکم کو بدل ڈالا اور اس کے بجائے کوڑے مارنے اور منہ کالا کرنے کا طریقہ رائج کیا۔ اگر عام لوگوں کو اس تبدیلی کی اطلاع ہو جاتی تو وہ ان کی طرف سے بدظن ہو جاتے۔ لہٰذا بدنامی اور رسوائی کے ڈر سے اس آیت ہی کو چھپا ڈالا جس میں سنگساری کا حکم موجود تھا۔ ایک دفعہ زنا کا مقدمہ یہود حضور اکرم صلعم کے پاس لائے اور عرض کیا کہ آپؐ فیصلہ کر دیں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ تورات لاؤ۔ جب وہ تورات لائے تو ان میں سے ایک نے اس آیت کو اپنے ہاتھ سے چھپائے رکھا تاکہ حضور علیہ السلام کو اس کا علم نہ ہو جائے۔

اسی کا ذکر قرآن مجید میں یوں کیا گیا ہے۔

وَکَیْفَ یُحَکِّمُوْنَکَ وَعِنْدَھُمُ التَّوْرٰۃُ فِیْھَا حُکْمُ اللّٰہِ ثُمَّ

Marfat.com

يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَآ أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ (المائدہ)

یعنی یہ یہود آپ کو کیسے حاکم بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم واضح ہے پھر یہ آپ کا فیصلہ بھی سن کر اس کے بعد روگردانی کرتے ہیں اور بے شک یہ سب کے سب ایماندار نہیں ہیں۔

۲- تورات میں کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن میں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہ کی اولاد میں نبوت و رسالت کی بشارت موجود ہے اور ان آیات میں ایک ایسی اُمت کی خبر دی گئی ہے۔ جو سرزمین حجاز پر تسلط حاصل کرے گی اور عرفات کی پہاڑیاں ان کی بدولت لبیک کی صدا سے گونج اٹھیں گی اور تمام دنیا کے مسلمان حج و زیارت کے لئے یہاں تا قیامت آتے رہیں گے۔ چنانچہ جب حضور اکرم صلعم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو انہیں اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ملا کہ وہ ان آیات کو ہی چھپا ڈالیں لہٰذا وہ ایک دوسرے کو ان آیات کے چھپانے کی ہدایت کرنے لگے اور یہ طے کر لیا کہ ان کا اظہار ہر کس و ناکس کے سامنے نہیں کریں گے تاکہ مسلمان ہم پر حجت استدلال نہ کر سکیں۔ قرآن نے ان کا یہ راز فاش کر دیا۔

أَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ یعنی کیا تم (یہود) انہیں (مسلمانوں کو) خبر دیتے ہو اس بات کی جو اللہ نے تم پر کھولی ہے تاکہ وہ اس سے تمہارے رب کے نزدیک حجت پکڑ لیں۔

۳- **اقامت دین میں تساہل** یہود تورات کے احکام میں تساہل اور لاپرواہی سے کام لیا کرتے تھے اور ان کی زندگی تورات کی خلاف ورزی میں گزر رہی تھی۔ ان کے علماء بھی اسی جرم کے شکار تھے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے علماء و احبار کو یوں مخاطب فرماتے ہیں:-

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (المائدہ) ترجمہ

Marfat.com

کیوں ان کے علماء اور مشائخ انہیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے؟ یقیناً بہت ہی برا کارنامۂ زندگی ہے جو وہ نبھا رہے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا:- وَتَرٰى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (المائدہ) ترجمہ: تم دیکھتے ہو کہ ان میں سے بکثرت لوگ گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں اور حرام کے مال کھاتے ہیں۔ یہ بہت بری حرکات ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔

الغرض قرآن حکیم میں یہودیوں کے اقامت دین میں تساہل اور بے پروائی اور خداتعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے۔

۴۔ مذہبی تعصب میں حد سے بڑھنا

یہود مذہبی تعصب میں حد سے بڑھے ہوئے تھے اپنے سوا کسی کو حق پر نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ نصاریٰ کے متعلق کہا کرتے تھے۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ (البقرہ) بے شک یہود نے کہا کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں ہیں (یعنی وہ مذہب حق پر نہیں ہیں) یہ تعصب ہی تو تھا کہ انہوں نے حضور اکرم صلعم کی بعثت کا انکار کر دیا۔ حالانکہ تورات میں حضور اکرم صلعم کے متعلق پیش گوئی تھی انہوں نے اسکی تاویل فاسد کرتے ہوئے کہا اس سے نبی اکرم صلعم مراد نہیں یا نبی اکرم صلعم مراد نہیں ہے۔ اور اگر حضور اکرم صلعم واقعی رسول ہیں تو ہمیں اسے اختیار کرنے کا حکم نہیں دیا گیا صرف ملت محمدی کے آنے کی خبر ہے۔

۵۔ حضور اکرم صلعم کی رسالت کو بعید از قیاس سمجھنا

یہود حضور اکرم صلعم کی رسالت کو بعید از قیاس تصور کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ انبیاء صرف حضرت اسحٰق ؑ کی اولاد سے ہو سکتے ہیں نہ کہ حضرت اسماعیل ؑ کی اولاد سے۔ چنانچہ یہود کہا کرتے تھے کہ صرف اس پر ایمان لانا چاہیے جو دین یہود سے نسبت رکھتا ہو۔ وَلَا تُؤْمِنُوا

اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ (آل عمران) یعنی تم نہ ایمان لاؤ مگر اس پر
جو تمہارے دین کی پیروی کرتا ہے۔

الغرض وہ حضور اکرم صلعم کی رسالت کو بعید از قیاس تصور کرتے
جس کے وہ کئی اسباب بیان کرتے ہیں۔

(۱) انبیاء علیہم السّلام کا عادات و احوال میں اختلاف پایا جانا۔
(۲) شریعتوں میں اختلاف۔
(۳) شریعت اسلامیہ کا سابقہ شریعتوں کے لیے ناسخ ثابت ہونا۔
(۴) حضور اکرم صلعم کا حضرت اسماعیل ؑ کی اولاد میں سے ہونا۔

قرآن مجید نے ان کے تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کیا۔

۶۔ بخل و حرص، حبِ جاہ اور حبِ مال جیسے امراض میں مبتلا ہونا

یہود مال و جاہ کی محبت میں بُری طرح پھنسے ہوئے تھے وہ دولت کی خاطر احکام الٰہیہ میں تبدیلی کر دیتے تھے اور لوگوں سے اس کے بدلے مال و متاع حاصل کرتے تھے اسی وجہ سے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہود کو احکام الٰہیہ کے بدلے دولت لینے سے روکا ہے۔ چنانچہ فرمان ہے۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط - یعنی میری آیات کو تھوڑے مال کے بدلے نہ فروخت کرو ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ یعنی اگر ساری دنیا کا مال و متاع اکٹھا کیا جائے تو پھر بھی یہ آخرت کے مقابلے میں تھوڑا ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اگر کوئی دُنیا کا سارا مال و متاع بھی دے تو بھی نہ لو اور اس طرح میری آیات کی بے حرمتی نہ کرو۔

یہود اللہ تبارک و تعالیٰ کو بخیل اور کنجوس کہا کرتے تھے حالانکہ وہ خود حرص مال میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۚ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ (المائدہ) اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں (مراد بخیل ہے) ان کے اپنے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ پس ان پر ان کے اس قول کی وجہ سے لعنت کی گئی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ (سخی) ہیں وہ خرچ کرتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ کی شان میں کس قدر گستاخی کرتے تھے اور اپنی اس بے باکی اور جسارت سے بے ہودہ اور گستاخانہ کلمات اللہ کی شان میں کہا کرتے تھے۔ بھلا جس قوم سے خود خالق محفوظ نہ ہو وہاں پیغمبروں کا تو کیا حال ہو گا۔

الغرض یہود بخل و حرص مال، حب جاہ میں ضرب المثل بن چکے تھے۔ اگر یہ بادشاہ بھی بنا دیئے جائیں تو پھر بھی یہ کسی کو کچھ نہ دیں۔ بلکہ یہ تو اوروں کے پاس مال دیکھ کر جلتے ہیں۔ شاہ صاحب نے یہودیوں کا ذکر کرنے کے بعد دور حاضر کے مسلمانوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر یہودیوں کا نمونہ مسلمانوں میں دیکھنا چاہو تو علمائے سوء کو دیکھ لو یہ دنیا کے طالب ہیں۔ سلف کی تقلید کے عادی ہیں۔ کتاب و سنت سے منہ پھیر چکے ہیں۔ عالموں کے غور و فکر سے نکلی ہوئی غیر مستند باتوں پر قائم ہیں اور نبی اکرم صلعم کے کلام سے منحرف ہیں۔ اور موضوع حدیثوں اور فاسد تاویلوں کو اپنا سہارا بنا رکھا ہے۔

نصاریٰ فریق چہارم جس کے ساتھ قرآن مجید میں مباحثہ ہوا ہے وہ نصاریٰ ہے۔ نصاریٰ اگرچہ حضرت عیسیٰؑ پر ایمان رکھتے تھے۔ لیکن یہود کی طرح یہ بھی مختلف قسم کی گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ نصاریٰ کی گمراہیاں مجموعی طور پر یہود سے کچھ کم نہ تھیں۔ سب سے بڑی گمراہی

Marfat.com

اس فریق کی بدبختی کہ اپنے پیغمبر حضرت عیسٰی ؑ کے بارہ میں ان میں سے اکثر نے عقیدہ الوہیت اختیار کر لیا یعنی حضرت عیسٰی ؑ خدا ہیں۔ اکثر نے عقیدہ ابنیت یعنی یہ کہ حضرت عیسٰی ؑ خدا کے بیٹے ہیں اور ایک گروہ نے عقیدہ اقانیم ثلاثہ یعنی عقیدہ تثلیث اختیار کر لیا۔ اسی طرح قوم نصاریٰ ان مختلف عقائد کو اختیار کرکے تین گروہوں میں منقسم ہو گئی۔

اسلام تمام بے ہودہ خیالات اور عقائد کا قرآن کریم نے ایسے روشن دلائل سے رد کیا جس کو ہر ذی عقل اور فطرت سلیم رکھنے والا انسان اونیٰ سے غور سے سمجھ سکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے :۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

(المائدہ) ترجمہ۔ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ بے شک اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ کہہ دیجئے اگر بالفرض ایسا ہے تو بتاؤ پھر کون ہے جو اللہ کی طرف سے کسی چیز کو روک سکے۔ اگر وہ مسیح ابن مریم ؑ اور ان کی ماں کو اور روئے زمین سے تمام انسانوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمائے۔

مذکورہ بالا آیت میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسٰی ؑ تو مریم ؑ کے بیٹے ہیں وہ الوہیت کی صفت سے کیونکر متصف ہو سکتے بلکہ ان پر تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت اور اس کا تصرف اسی طرح ہے کہ اگر وہ ان کو اور ان کی والدہ کو بھی ہلاک کر دے حتیٰ کہ روئے زمین کے تمام انسانوں کو۔ پھر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کو دنیا کی کوئی طاقت اس سے باز اور روک نہیں سکتی تو بتاؤ کیا ایسی صورت میں ممکن ہے کہ حضرت عیسٰی ؑ کو خدا کہا جائے اور اگر تم کو یہ خیال ہے کہ وہ بلا باپ کے پیدا ہوئے

ہیں۔ تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ آخر حضرت آدمؑ بھی تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیغمبر، خلیفہ اور اس کے بندے ہیں اور ان کو تو اللہ نے ماں اور باپ دونوں کے بغیر ہی پیدا کیا۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَؕ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (آلِ عمران) ترجمہ: بے شک حضرت عیسٰیؑ کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ جیسی ہے جس کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا پھر ان کو خطاب فرمایا کُن (ہو جا) سو وہ (اسی طرح) ہو گئے۔

(۲) اس طرح یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرت عیسٰیؑ خدا کے بیٹے ہیں باطل اور لغو عقیدہ ہے۔ آخر خدا خالق ہے اور عیسٰیؑ مخلوق۔ خالق و مخلوق کے درمیان بھلا یہ رشتہ کیونکر قائم ہو سکتا ہے؟ اگر بلا باپ کے پیدا ہونا خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل ہے تو اس قاعدے اور کلیہ کی رو سے حضرت آدمؑ تو بدرجہ اولیٰ خدا کے بیٹے ہوئے کیونکہ وہ تو ماں اور باپ دونوں ہی کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔

(۳) اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے عقیدہ تثلیث کی تردید فرمائی اور فرمایا: لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّآ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (المائدۃ) ترجمہ: بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے، حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

اقانیم ثلاثہ یا عقیدہ تثلیث کی تفصیل یہ ہے: روح القدس یعنی جبرائیل امینؑ ایک اقنوم۔ باپ یعنی خدا ایک اقنوم اور ابن یعنی بیٹا حضرت عیسٰیؑ ایک اقنوم۔ ہر ایک اقنوم خدا، پھر تینوں مل کر ایک خدا نہ تین خدا کہ ایک تین ہے اور تین ایک ہے۔

(۴) نصاریٰ کا یہ دعویٰ تھا کہ حضرت عیسٰیؑ اللہ بھی ہیں، اللہ کے بیٹے بھی اور بشر بھی۔ اس ضمن میں وہ انجیل کی بعض آیات بطور دلیل پیش کرتے جن میں

Marfat.com

ابن کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض خداوندی افعال کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

(۱) اس کے جواب میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اول تو موجودہ انجیل میں اتنی تبدیلیاں ہو چکی ہیں کہ اس کو کسی عقیدہ کی دلیل قرار ہی نہیں دیا جا سکتا۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ موجودہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حرف بحرف کلام ہے اور اس میں کسی قسم کی تحریف واقع نہیں ہوئی جب بھی ابن کا لفظ براہ راست اللہ کا بیٹا ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ قدیم زمانہ میں ابن کا لفظ محبوب اور مقرب کے معنوں میں مستعمل تھا لہٰذا یہاں بھی ابن سے مراد محبوب اور مقرب ہے جیسا کہ انجیل کے بعض قرائن سے بھی ثابت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے اس عقیدہ باطل کو بڑی تحقیق اور تفصیل کے ساتھ رد فرمایا :۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ (المائدۃ)

ترجمہ :۔ مسیح ابن مریم نہیں ہیں (مگر اللہ کے) رسول یقیناً ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ سچائی اور پاکی کا پیکر تھیں وہ دونوں دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ جو کھانے کا محتاج ہوگا وہ بہت سی دوسری چیزوں کا بھی محتاج ہوگا۔ اس لیے ان کو خدا کیسے مانا جا سکتا ہے۔ اسی بناء پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پیدائش کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تاکہ بلا باپ کے ان کی پیدائش پر یہود اور نصاریٰ نے جو باطل عقائد اور بے ہودہ خیالات قائم کر رکھے تھے۔ ان کا ازالہ ہو جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں وہ خود اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے اور اپنی قوم کو بھی یہی کہا کرتے تھے۔ (۲) اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ (المائدۃ)

Marfat.com

ترجمہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

حضرت عیسےٰؑ اللہ کے کلمہ اور رُوح ہیں جن کو اللہ نے بذریعہ جبرائیل امینؑ حضرت مریمؑ کی طرف القاء فرمایا پھران کی ولادت حضرت مریمؑ سے اسی طرح ہوئی جس طرح کہ عام بچوں کی بطن مادر سے ہوتی ہے۔

(ب) بعض خداوندی افعال کو حضرت عیسےٰؑ کا اپنی طرف منسوب کرنا۔ اس کا جواب شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ یہ دیتے ہیں کہ اگر کسی بادشاہ کا سفیر یوں کہے کہ ہم نے فلاں ملک فتح کیا تو اس سے مراد وہ خود نہیں ہوتا بلکہ بادشاہ ہوتا ہے۔ یہی نظریہ حضرت عیسےٰؑ کا تھا کہ یہ فعل اللہ تبارک و تعالیٰ نے کیا ہے۔

۵۔ قوم نصاریٰ کی ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ گمان کرتے تھے کہ حضرت عیسےٰؑ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس گمراہی میں یہ لوگ نسلاً بعد نسلاً مبتلا رہے۔ حتیٰ کہ قرآن نازل ہوا اور نصاریٰ اپنے پیغمبر کے معاملہ میں مغالطہ و اشتباہ میں پڑے ہوئے تھے ان سے ان کو نکالا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء) ترجمہ:۔ اور انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ صلیب پہ لٹکایا اور لیکن وہی صورت ان کے آگے بن گئی اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اسی جگہ میں شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ نہیں ان کو اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور بے شک اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اس کو اللہ نے اٹھا لیا اپنی طرف۔

Marfat.com

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عیسائی یہ گمان کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ یہود کے ہاتھوں مصلوب ہو گئے اور ان کی مصلوبی تمام اولادِ آدم کے گناہوں کا کفارہ ہو گئی حضرت آدمؑ نے حکمِ خداوندی کے خلاف جو میوہ کھا لیا تھا۔ وہ گناہ ان سے معاف نہیں ہوا۔ ان کے توبہ استغفار اور آہ وزاری سے اور جنت سے نکلنے سے گناہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا اور خداوند تعالیٰ کو اس گناہ کی سزا دیئے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ اس طرح موروثی گناہ سے انبیاء بھی پاک نہ تھے تو خداوند تعالیٰ نے اس سزا میں اپنے فرزند حضرت مسیحؑ کو یہودیوں کے ہاتھوں سولی پر لٹکوا دیا۔ مسیحؑ آہ وزاری بھی کرتے رہے مگر خدا کب توبہ کرنے والا تھا۔ اس کا تو مقصود یہ تھا۔ کہ اپنے فرزند کو تمام دنیا کے واسطے کفارہ بناتے۔

(۶) نصاریٰ کی ایک گمراہی یہ تھی کہ وہ کہا کرتے تھے جس فارقلیط کا وعدہ کیا گیا اس سے مراد حضرت عیسےٰؑ ہیں جو قتل ہونے کے بعد حواریوں کے پاس آئے اور انہیں انجیل پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی حالانکہ قرآن مجید سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کی بشارت حضور اکرم صلعم پر صحیح اترتی ہے نہ کہ حضرت عیسےٰؑ کی روحانی صورت پر حضرت عیسےٰؑ نے بشارت بھی دی تھی۔ یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ (ممتحنہ) میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہو گا)

کیونکہ انجیل میں ہے کہ فارقلیط تم میں مدت دراز تک رہے گا۔ علم سکھائے گا۔ لوگوں کے ظاہر و باطن کو پاک کرے گا۔ تحقیق سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ باتیں ہمارے نبی اکرم صلعم کے سوا اور کسی سے ظہور میں نہیں آئیں۔

سوال۔ الفوز الکبیر کی روشنی میں علومِ خمسہ قرآنی پر مفصل بحث کیجئے۔ سنہ ۱۹۶۲ء

۲۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ علوم

Marfat.com

پنجگانہ بیان کیجئے نیز تکرار مضامین کی حکمت واضح کیجئے۔
۱۹۵۴ء

جواب - حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید سے جو مضامین اخذ کیے جا سکتے ہیں وہ پانچ قسم کے علوم سے باہر نہیں ہیں:-

۱- علم الاحکام
۲- علم المخاصمہ یا علم مباحثہ (مناظرہ)
۳- علم تذکیر بآلاء اللہ-
۴- علم تذکیر بایام اللہ-
۵- علم تذکیر موت-

۱- علم الاحکام خواہ واجب ہوں یا مستحب، حلال ہوں یا حرام، جائز ہوں یا ناجائز۔ خواہ عبادات کی قسم سے ہوں یا معاملات سے، گھریلو نظم ونسق سے ہوں یا ملکی سیاست سے، اخلاق وتہذیب نفوس سے ہوں یا حسن معاشرت سے، معیشت سے ہوں یا معاش سے سب اس میں داخل ہیں۔ ان تمام احکام کی تفصیل بیان کرنے والے کو فقیہ کہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احکام کی بحث کا سب سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ علم ملت ابراہیمیؑ میں مبعوث ہوئے تھے۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ آپؐ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت اور اس کے احکام کو باقی رکھیں۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ تعمیم کی جگہ تخصیص کر دی جائے اور [illegible] اضافہ کر دیا جائے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اہل عرب کو پاک کرے اور پھر اہل عرب کے ذریعے دوسرے تمام ممالک

Marfat.com

کی اصلاح کرے لہٰذا یہ ضروری تھا کہ شریعت اسلامیہ کے احکام کی بنیاد عربوں ہی کے رسوم اور عادات پر رکھی جائے۔

چنانچہ اگر آج بھی قدیم عربوں کی رسومات و عادات اور شریعت اسلامیہ کے احکام پر نظر غائر ڈالی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں میں باہم ربط ہے اور ہر ایک حکم کا ایک واضح سبب اور ہر امر و نہی میں ایک نمایاں حکمت موجود ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ملّتِ ابراہیمی کی تمام عبادات میں خواہ وہ طہارت ہو یا نماز، روزہ، ہو یا زکوٰۃ، حج ہو یا ذکر ایک فتور عظیم برپا ہو گیا تھا کیونکہ وہ لوگ احکامات پر عمل کرنے کے سلسلے میں بڑی لاپرواہی برتتے تھے اور چونکہ اکثر لوگ ان احکامات سے ناواقف تھے اس لیے وہ آپس میں اختلاف رکھتے تھے پھر حد یہ کہ ان جہلا نے اس دین میں تحریف کر دی تھی اور جب قرآن حکیم نازل ہوا تو اس نے تمام بدنظمیوں کو دور کیا، ان کی غلطیوں کی نشاندہی کی اور اصل ملّتِ ابراہیمی ان کے سامنے پیش کیا۔

ان کی بدنظمیاں صرف عبادات و عقائد میں نہ تھیں۔ بلکہ سماجی اور معاشرتی زندگی بھی اس سے متاثر تھی نیز ان کی عائلی زندگی کے نظام میں بھی نقصان دہ رسمیں اور بہت سی سرکشی اور نافرمانی کی عادتیں شامل ہو گئی تھیں۔ شہری نظم و نسق کے احکام اور قوانین میں بھی بڑی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ قرآن مجید نے آکر ان قوانین کو نئے سرے سے منضبط کیا اور زندگی کے تمام شعبوں میں احکام و حدود کا از سر نو تعین کیا۔ اور اسی سلسلہ میں مختلف قسم کے گناہ کبیرہ اور بہت سے گناہ صغیرہ کا بھی ذکر کیا۔

بالفاظ دیگر قرآن حکیم میں انسانی اعمال و افعال کے متعلق تمام احکام موجود ہیں اور اس میں ہر طرح کے اوامر و نواہی آجاتے ہیں چاہے وہ

۱۔ عبادات یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے متعلق ہو یا

۲۔ معاملات مثلاً تجارت۔ خرید و فروخت، ناپ تول۔ اقرار نامے اور گواہی

Marfat.com

کے بارے میں ہوں یا

۳ ۔ تدبیر منزل مثلاً نکاح ۔ طلاق ۔ والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض، وراثت وغیرہ کا ذکر ہو ۔ یا

۴ ۔ ملکی سیاست و مدن مثلاً قصاص، سرقہ، راہزنی وغیرہ کے بارے میں ہو ۔

اس طرح ہر فرض، واجب مستحب ۔ حلال و حرام ۔ جائز و مکروہ وغیرہ کی بحث اس میں داخل ہے ۔ قرآن مجید کے یہ احکام مجمل اور مختصر ہیں مثلاً نماز کے بارے میں ۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فرمایا پھر حضور اکرم صلعم نے اذان ۔ جماعت اوقات نماز اور بناء مساجد سے اس کی تفصیل فرمائی ۔ اسی طرح قرآن حکیم میں وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ (زکوٰۃ ادا کرو) آیا ۔ رسول اکرم صلعم نے مسائل زکوٰۃ کی تشریح و تفسیر فرمائی ۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے الفوز الکبیر میں مختصر طور پر ان تمام سورتوں کے نام گنوا دیئے ہیں ۔ جن میں احکام اسلامیہ پائے جاتے ہیں جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے :۔

۱ ۔ روزے کا بیان سورۃ بقرہ میں

۲ ۔ حج کا سورۃ بقرہ اور سورۃ حج میں

۳ ۔ جہاد کا سورۃ بقرہ، سورۃ انفال اور دوسرے متفرق مقامات میں

۴ ۔ حدود کا سورۃ مائدہ اور سورۃ نور میں

۵ ۔ میراث کا سورۃ نساء میں

۶ ۔ نکاح و طلاق کا سورۃ بقرہ اور سورۃ طلاق وغیرہ میں کیا گیا ہے ۔

مثال کے طور پر چند احکام فرائیہ کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

۱ ۔ طہارت بدن و لباس شریعت کے نزدیک بہت ضروری ہے کیونکہ ظاہری نجاست و گندگیوں کا اثر باطن اور روح تک سرایت کر جاتا ہے ۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم ہے ۔ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ (المدثر) یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑوں کو پاک رکھیئے اور گندگی کو چھوڑتے رہیئے ۔ اسی طرح دوسری جگہ

Marfat.com

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (المائدۃ) ترجمہ:۔ اے مسلمانو! جب تم نماز کی طرف کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو، اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لیا کرو۔ اور سروں کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھویا کرو۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو خوب پاکی حاصل کیا کرو (بصورت غسل کرنے کے)

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ ؕ (البقرۃ) ترجمہ۔ اور اے مسلمانو! تم جدا رہا کرو اپنی عورتوں سے حالت حیض میں اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے قربت نہ کرو۔

۲۔ ماکل و مشرب اور لباس کی پاکیزگی کے احکام

(۱) وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرۃ) ترجمہ۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل اور حرام طریقہ سے نہ کھاؤ۔ سورۂ نساء میں مسلمانوں کو پھر حکم دیا کہ ایک دوسرے کے مال کو باطل اور حرام طریقہ سے نہ کھاؤ۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔

(۲) كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (الاعراف) ترجمہ:۔ وہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ جو ہم نے تم کو رزق بنا کر دیں۔

(۳) وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف) ترجمہ وہ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے واسطے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے ہیں اور ان پر گندہ چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

۳۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت کے احکام

(۱) وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ؕ (بنی اسرائیل) ترجمہ۔ اور اے انسان تو اپنے ماں باپ کے سامنے ذلت و تواضع کے بازو جھکا دے اور ان کیلئے دعا کر کہ اے پروردگار ان پر رحم فرما جیسا کہ یہ دونوں بہ رحمت و شفقت سے ساتھ میری تربیت کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

۴- کفایت شعاری اور میانہ روی کی تعلیم

(۱) كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ج اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اعراف)
ترجمہ:- کھاؤ اور پیو لیکن اسراف نہ کرو بے شک وہ (اللہ تبارک و تعالیٰ) اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(۲) اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (بنی اسرائیل) ترجمہ بے شک فضول خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

۵- اللہ۔ رسول اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء) ترجمہ اے مسلمانو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور تم میں سے حاکموں کی۔

۶- صرف بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت کا حکم

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ (المائدہ)
ترجمہ: اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت امداد اور گناہ اور برے کاموں میں اعانت وامداد نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے (ہر وقت) ڈرتے رہو۔

۷- باہمی معاہدات کی پابندی کا حکم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ) ترجمہ اے ایمان والو! وعدوں کو پورا کرو۔

۸- شراب۔ جوا۔ بت اور پانسے یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (المائدہ)
ترجمہ اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں ہیں شیطان کے کام سو اس سے بچے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔

۹- سود کی حرمت

(۱) لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا ترجمہ۔ سود مت کھاؤ۔

(۲) وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط (البقرہ) اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

Marfat.com

(۳) يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ (البقرہ) ترجمہ۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

۱۰۔ زنا سے اجتناب کا حکم

لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۔ ترجمہ۔ زنا کے پاس مت جاؤ یہ بے حیائی کا کام بغض کا سبب اور بہت برا راستہ ہے۔

۱۱۔ عدل کا حکم

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ)

ترجمہ۔ اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو۔ انصاف کرتے رہو وہ تقویٰ کے بہت قریب ہے۔

۱۲۔ ماپ اور تول کے بارے میں حکم

(۱) اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ (سورۃ ہود)

ترجمہ۔ اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو۔

(۲) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ (بنی اسرائیل) ترجمہ۔ اور جب ناپو تو پورا پورا ناپو اور وزن بھی صحیح ترازو سے کیا کرو۔

۱۳۔ ایفائے عہد کا حکم

اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ؕ ۔ ترجمہ۔ اور وعدہ کیا کرو وعدہ کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے گی۔

الغرض قرآن حکیم کے احکام زندگی کے ہر شعبہ پر چھائے ہوئے ہیں اور ان تمام احکام سے باری تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ بندے اپنی زندگی میری اطاعت و فرمانبرداری میں گزاریں تاکہ انہیں دنیوی اور اخروی فوائد و منافع حاصل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ جو کوئی اللہ اس کے رسول اور ایمانداروں سے دوستی رکھے گا بیشک وہ گروہ غالب ہوگا۔ اللہ اور اس کے رسول کی دوستی سے مراد احکام اسلام کی پابندی ہے چنانچہ فرمان ہے۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ؕ (سورۃ المائدہ) ترجمہ۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمانداروں سے دوستی رکھے گا سو بیشک

Marfat.com

اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔

بیشک وہ قرآن ہی تو تھا جس نے شیطان نما انسانوں کو رشکِ جبرائیلؑ ومیکائیلؑ بنا دیا تھا۔ اب جب کہ پھر شیطان کا غلبہ ہو چکا ہے ضرورت ہے کہ زیادہ سے زیادہ قرآن کو سامنے لایا جائے اور شیطان کو شکست دے کر انسان کو فتح ونصرت دلائی جائے جو بغیر قرآن پر عمل کئے ممکن نہیں ہے۔

چھوڑ کر قرآن کو مسلم حق سے بیگانہ ہوا — دین کو بھی رسوا کیا اور آپ بھی رسوا ہوا
وہ کتابِ آسمانی مشعلِ راہِ نجات — نور کا ایک چشمۂ روشن ہے جو بہتا ہوا
نسخۂ اکسیرِ جان دارُوئے بیماریٔ دل — رحمتِ حق کا صحیفہ عرش سے اترا ہوا
گلہ بان جس کی بدولت نائبِ حق ہو گئے
بوسہ گاہِ بادشاہ جن کا نقشِ پا ہوا

۲۔ علم المخاصمہ یا علم مباحثہ

دیکھیے صفحہ ۶۴

۳۔ علم تذکیر بآلاء اللہ

قرآن کے علوم پنجگانہ میں سے ایک علم تذکیر بآلاء اللہ ہے۔ اس علم میں مندرجہ ذیل مضامین داخل ہیں:۔

۱۔ آسمان وزمین کی پیدائش۔
۲۔ بادلوں سے پانی برسانا۔
۳۔ زمین سے پانی کے چشمے جاری کرنا اور اس سے طرح طرح کے پھل پھول اور غلہ اگانا۔
۴۔ کارآمد صنعتوں کا الہام اور پھر ان کو چلانے کی قدرت بخشنا وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ بالا چیزوں کی پیدائش سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ بندہ ان چیزوں کو دیکھ کر میری طرف توجہ دے اور اس طرح اپنے خالق ومالک کو پہچانے اور پھر اس کی اطاعت وبندگی کرے اور اسی کا شکر گذار ہو۔ اس کی ذات وصفات پر کامل یقین رکھے۔

قرآن مجید نے جن مختلف نعمتوں کا ذکر کیا ہے اس میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا ہے کہ بندوں کے سامنے ایسی نعمت بیان کی جائے جس کو عام آدمی سمجھ سکتا ہو۔ چنانچہ مخصوص نعمتوں کا ذکر جن کو ایک گروہ خاص ہی سمجھ سکتا ہے اس کا بیان نہیں کیا مثلاً روحانی تجربات و مشاہدات۔ بالفاظ دیگر ان نعمتوں کے بیان سے خداوند تعالیٰ کا بندے کو یہ تصور دلانا مقصود ہے کہ اللہ وہی ہے جو یہ چیزیں بناتا ہے اور جس نے تمہیں ان سے فائدہ حاصل کرنے کی قدرت دی۔ ان چیزوں سے مقصد حق تعالیٰ کی قدرت اور ربوبیت کی معرفت کے بعد اس کی اطاعت و بندگی پر انسانوں کو آمادہ کرنا ہوتا ہے مثلاً اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۠ (سورۃ ابراہیم) ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ اور آسمان سے پانی برسایا اور پھر اس پانی سے پھلوں کی قسم سے تمہارے واسطے رزق پیدا فرمایا اور تمہارے نفع کے واسطے کشتی اور جہازوں کو مسخر بنایا تاکہ وہ خدا کے حکم سے دریا میں چلے اور تمہارے نفع کے لیے نہریں (سمندروں) کو بھی تابع بنایا اور تمہارے ہی نفع کے لیے سورج اور چاند کو اپنی قدرت کا مسخر بنایا جو ہمیشہ چلتے ہی رہتے ہیں اور تمہارے نفع کے واسطے رات اور دن کو مسخر بنایا اور تم کو ہر وہ چیز دی جو تم نے مانگی (انسانی زندگی جن اشیاء کی محتاج ہے اور جو چیز انسان ایسی طلب کرے جس میں اس کے واسطے فلاح و منفعت ہے) اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے۔ تذکیر بالآء اللہ کے سلسلے میں قرآن مجید

Marfat.com

ہیں ایک دوسرے مقام پر باری تعالیٰ یوں فرماتے ہیں :-

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ط يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ
الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ۝ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ
وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ط ذٰلِكَ تَقْدِيرُ
الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا
فِي ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ۝
وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ط
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ
مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا
نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ
وَّجَنّٰتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انْظُرُوا إِلٰى ثَمَرِهٖ
إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ط إِنَّ فِي ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ۝

(سورۃ انعام) ترجمہ:- بے شک اللہ تعالیٰ ہی دانہ اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے۔ وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالنے والا وہی تمہارا اللہ ہے سو تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو۔ وہ صبح کا برآمد کرنے والا ہے اور اسی نے رات راحت کی چیز بنائی اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے یہ ٹھہرایا ہوا ہے بڑے غلبہ والے کا، بڑے علم والے کا۔ وہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعہ سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ پاؤ۔ بے شک ہم نے دلائل کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لیے جو خبر رکھتے ہیں۔ اور وہ وہی تو ہے جس نے تم (انسانوں) کو پیدا کیا ایک ہی شخص سے پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی اور ایک جگہ چندے رہنے کی بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی اُتارا پھر ہم نے اس کے ذریعے

Marfat.com

سے ہر قسم کی روئیدگی کو نکالا۔ پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ ہم اس سے اوپر تلے چڑھے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گپھوں سے خوشہ (نکالتے ہیں) نیچے کو لٹکے ہوئے اور ہم نے باغ انگور، زیتون اور انار کے (پیدا کیے) باہم مشابہہ اور غیر مشابہہ۔ اس کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو دیکھو بے شک ان سب میں دلائل ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو ایمان کی طلب رکھتے ہیں۔ تمام انعامات کا بیان فرما کر آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ہی تمہارا رازق، خالق اور معبود ہوں تمہیں چاہیے کہ میری عبادت کرو چنانچہ ارشاد گرامی ہے:۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (انعام) ترجمہ۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار کوئی خدا نہیں بجز اس کے، ہر شئے کا پیدا کرنے والا، پس اسی کی عبادت کرو وہی ہر چیز کا کارساز ہے۔

سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے:۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ ترجمہ۔ یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، اور رات اور دن کے ادل بدل میں، جہازوں کے چلنے میں جو سمندر میں ان چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں اور اس پانی میں جسے اللہ نے اتارا پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا اور اس میں ہر طرح کے حیوانات پھیلا دیئے اور ہواؤں

Marfat.com

کے بدلنے میں اور بادل میں (جو) آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہے (ان سب میں) ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں (موجود) ہیں۔ الغرض اس طرح کے قرآن مجید میں کئی مقامات آتے ہیں۔ جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور انعامات کا ذکر فرمایا اور پھر بندے کے دل و دماغ میں یہ بات ذہن نشین کرائی کہ تمہیں صرف اسی خداوند تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیئے جس نے تمہارے لیے ان چیزوں کی تخلیق کی اور تم ان اشیاء سے اپنی روزمرہ زندگی میں فائدہ اٹھاتے ہو۔

۳۔ علم تذکیر بایام اللہ علم تذکیر بایام اللہ سے مراد ان واقعات و حوادث کا بیان ہے جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مطیعین و فرمانبردار بندوں کی خوبیاں اور انعامات و جزا کا اور نافرمانوں اور سرکشوں کی برائیاں اور ان پر دنیوی اور اخروی عذاب و سزا کا ذکر فرمایا۔ گزشتہ زمانے کے واقعات کے سلسلہ میں قرآن مجید میں صرف ان ہی کا ذکر ہے جن سے اہل عرب پوری طرح آشنا تھے کیونکہ انھوں نے یہ واقعات اپنے آباؤ اجداد اور یہودیوں کے ذریعے سنے ہوئے تھے۔ قرآن مجید میں ایران، ہندوستان، ہیروشتان وغیرہ کے قصے بیان نہیں کیے کیونکہ عرب ان سے واقف نہ تھے اور قرآن مجید صرف اہل عرب سے مخاطب تھا۔

قرآن کی داستان نگاری قرآن نے سابقہ امتوں کے قصص و واقعات میں سے صرف انہی پہلوؤں کو بیان کیا ہے جن کا بیان حصول مقصد کے لیے ضروری تھا۔ ان واقعات کے تفصیل سے بیان نہ کرنے میں حکمت و مصلحت یہ تھی کہ عوام جب کوئی عجیب و غریب واقعہ سنتے ہیں تو وہ ان کی دلچسپیوں میں کھو جاتے ہیں اور قصے کی اصل غایت و غرض فوت ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ایک مشہور عارف نے کہا ہے کہ جب سے لوگوں نے علم تجوید سیکھا ہے اس وقت سے تلاوت قرآن میں خضوع و خشوع ختم ہو گیا ہے۔

Marfat.com

اور جب سے قرآن کے مفسرین نے تفسیر قرآن میں باریک نکات اور بعید ترین امکانات کا تذکرہ شروع کیا ہے۔ اس وقت سے علم تفسیر تقریباً ختم ہو گیا ہے۔ قرآن مجید میں جو قصص و واقعات آئے ہیں ان سے مقصود تو یہ تھا کہ پڑھنے والے کو علم ہو جائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمانبرداروں پر کیا کیا انعامات ہوتے رہے اور نافرمانوں پر کیا کیا غضب اور قہر نازل ہوتا رہا۔ اس طرح آئندہ نسلوں کے لیے عبرت و ہدایت کا سامان پہنچایا جائے۔ صرف تاریخ نگاری مقصود نہ تھا۔

مندرجہ ذیل واقعات اور قصص ایسے ہیں۔ جنہیں قرآن مجید میں متعدد بار اور مختلف طریقہ سے بیان کیا گیا ہے :-

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کی زمین سے پیدائش کا قصہ، فرشتوں کے سجدے اور شیطان کے متکبرانہ انکار، اور اس کے ملعون قرار دیئے جانے کا واقعہ، اس کے بعد بنی آدم کی گمراہی کے سلسلہ میں شیطان کی کوششوں کے واقعات، یہ ایک سلسلہ کی داستانیں ہیں۔

۲۔ حضرت نوح ؑ، حضرت ہود ؑ، حضرت صالح ؑ، حضرت لوط ؑ اور حضرت شعیب ؑ کے توحید باری تعالیٰ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق اپنی اپنی قوموں سے مناظرہ اور مخاصمہ کے واقعات، ان قوموں کے طرح طرح کے رکیک شبہات پیدا کرنے اور ان کی نافرمانی کے واقعات، انبیاء ؑ کی جانب سے ان کے شبہات کا جواب دینے کی حکایتیں۔ ان بدبختوں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب نازل ہونے کی داستانیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام اور ان کے فرمانبرداروں کے لیے نصرت و حمایت کے ظہور کے قصے، یہ سب ایک سلسلہ کے قصے ہیں۔

۳۔ حضرت موسیٰ ؑ اور فرعون کے ساتھیوں کے درمیان پیش آنے والے واقعات، حضرت موسیٰ ؑ اور بنی اسرائیل کے درمیان معاملات، اس

Marfat.com

قوم کی حضرت موسیٰ ؑ کے ساتھ زیادتیاں اور زبردستیاں، اللہ تعالیٰ کا ان بدبختوں پر عذاب کرنے کے لیے آمادہ ہونا اور حضرت موسیٰ ؑ کی متعدد بار اور مختلف اوقات میں نصرت و حمایت کرنا، یہ سب ایک سلسلہ کے واقعات ہیں۔

۴۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے، ان کی بزرگیوں اور نشانیوں کے تذکرے، حضرت ایوب ؑ اور حضرت یونس ؑ کی مصیبتیں اور پھر ان سے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور، حضرت ذکریا ؑ کی دعا کا بارگاہ خداوندی میں مقبول ہونا، حضرت عیسےٰ ؑ کی ولادت کا عجیب و غریب واقعہ، ان کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، ان کا گہوارے ہی میں گفتگو کرنا اور ان سے مختلف قسم کے معجزات کا ظہور میں آنا۔ وغیرہ، یہ تمام قصے ایسے ہیں جنھیں حسب حال کبھی اجمالی طور پر کبھی مفصل طریقہ سے، مختلف مقامات پر مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

مندرجہ ذیل قصے ایسے ہیں جنھیں قرآن مجید میں صرف ایک دو بار بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے:

۱۔ حضرت ادریس ؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا تذکرہ۔

۲۔ حضرت ابراہیم ؑ کا نمرود کے ساتھ مناظرہ، ذبح کیے جانے کے بعد پرندوں کے دوبارہ زندہ ہونے کا منظر، حضرت اسمٰعیل ؑ کے ذبح ہونے کا واقعہ۔

۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ۔

۴۔ حضرت موسیٰ ؑ کی ولادت، ان کا دریائے نیل میں ڈالا جانا، ان کا ایک قبطی کو قتل کر ڈالنا۔ مدین کی طرف سفر، مدین میں شادی، درخت پر آگ کی روشنی دیکھنا، اس روشنی سے باتیں سننا، گائے کے ذبح کا قصہ۔ حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت خضر ؑ کی ملاقات۔ طالوت و جالوت کا قصہ۔

۵۔ قصہ بلقیس، قصہ ذوالقرنین، قصہ اصحاب کہف، دو ایسے

Marfat.com

آدمیوں کا قصہ جو ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے۔ اصحاب جنت کا قصہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان تین قاصدوں کا قصہ جنہیں کفار نے شہید کر ڈالا تھا اور اصحاب فیل کا قصہ (یہ سب واقعات ایسے ہیں جنہیں ایک یا .. .. .. دو بار سے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی)

مقصد حکایت

ان قصص و حکایات کے بیان کا مقصد قصہ گوئی یا لوگوں کو محض قصے سے آگاہ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ ان قصوں کے ذکر کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی اس امر کی طرف توجہ دلائی جائے کہ شرک اور نافرمانی کا کتنا دردناک انجام ہوتا ہے اور ان باتوں پر کس طرح عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ اور انہیں اس امر کا اطمینان ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص اور اطاعت گزار بندوں کی ہمیشہ نصرت و حمایت کرتا ہے۔

۵۔ علم تذکیر بموت

قرآن مجید میں اس باب میں موت اور موت کے بعد کے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ موت کے وقت انسان کی بے بسی اور بے چارگی کا کیا عالم ہوتا ہے۔ موت کے بعد کس طرح جنت یا جہنم سے سابقہ پڑتا ہے اور عذاب کے فرشتے کس طرح تشریف لاتے ہیں۔ اس کے علاوہ قیامت کی علامات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول، دجال اور یاجوج ماجوج کے خروج کے واقعات بیان کیے گئے ہیں اسی سلسلہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس طرح قیامت کا صور پھونکا جائے گا۔ حشر و نشر کی کیفیت کیا ہوگی، کس طرح سے سوال و جواب ہوگا۔ میزان عدل کس طرح قائم کی جائے گی۔ نامۂ اعمال کس طرح دائیں اور بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ پھر مومنین کے جنت میں جانے اور کفار کے جہنم میں بھیجے جانے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جہنم میں عام لوگوں اور ان کے پیشواؤں کے درمیان کس طرح جھگڑا ہوگا۔ اور وہ ایک دوسرے کو کس طرح ملزم قرار دیں گے۔ مومنین کو کس طرح اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا اور کافروں کو کس انداز سے عذاب کیا جائے گا اس کے ذیل میں عذاب کے نقشے، طوق و زنجیر اور عذاب

Marfat.com

کی مختلف صورتوں ۔ حمیم ۔ غساق اور زقوم وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے ۔ جنت اور اس کی نعمتوں اور راحتوں کے سلسلہ میں غرفوں ۔ محلات ، دودھ اور شہد کی نہروں ، عمدہ اور لذیذ غذاؤں ، نفیس اور خوشنما پوشاکوں اور حسین و خوش جمال عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اہلِ جنت کی باہمی دلکش صحبتوں اور دلچسپ باتوں کی تصویر کشی کی گئی ہے اور ان تمام قصوں کو مختلف سورتوں میں ، مختلف مقامات پر کہیں مسلسل اور کہیں منتشر طریقہ سے بیان کیا گیا ہے اور سورتوں کے مزاج اور ساخت کے اعتبار سے کہیں اجمال اور کہیں تفصیل سے کام لیا گیا ہے اور ہر مقام پر ایک نیا اسلوب اختیار کیا گیا ہے ۔

مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ علم تذکیر بموت و المعاد سے مراد وہ آیات ہیں ، جن سے موت عذاب ۔ ثواب ۔ حشر ، نشر ، حساب کتاب ، جنت دوزخ وغیرہ کا اثبات کیا گیا ہے ۔ مثال کے طور پر چند آیات درج کی جاتی ہیں جو علم تذکیر بموت و المعاد سے تعلق رکھتی ہیں :۔

۱ ۔ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۝ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۝ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ۝ لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ۝ لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ۝ جَزَاءً وِفَاقًا ۝ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۝ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۝ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۝ فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۝ وَكَأْسًا دِهَاقًا ۝ لَّا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ۝ جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ۝ رَّبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ۝ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ج

Marfat.com

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ مَاٰبًا o اِنَّآ اَنْذَرْنٰکُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا ۚ یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰہُ وَیَقُوْلُ الْکٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا o (سورۃ النبا) ترجمہ: بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے (یعنی) وہ دن جب صور پھونکا جائے گا۔ تو تم لوگ گروہ در گروہ ہو کر آؤ گے اور آسمان کھل جائے گا سو اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ (جگہ سے) ہٹا دیئے جائیں گے سو وہ ریت (کی طرح) ہو جائیں گے۔ بلاشبہ دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے سرکشوں کا ٹھکانا ہے جس میں وہ قرنوں (صدیوں) پڑے رہیں گے۔ اس میں نہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے۔ اور نہ کسی پینے کی چیز کا۔ ہاں البتہ گرم پانی اور پیپ (ملے گا) (یہ) مناسب حال بدلہ ہے یہ لوگ حساب (قیامت) کا (مطلق) اندیشہ نہیں رکھتے تھے اور ہماری نشانیوں کو برابر جھٹلایا ہی کرتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر منضبط کر رکھا ہے۔ سو مزہ چکھو کہ ہم تمہیں عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے۔ بیشک پرہیزگاروں کے لیے کامیابی ہے یعنی باغ ہیں اور انگور اور نوخاستہ ہم عمر عورتیں اور لبالب جام (شراب) وہاں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ یہ بدلہ ہوگا (کافی) انعام تیرے پروردگار کی طرف سے۔ پروردگار آسمانوں اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے اس کا خدائے رحمٰن کسی کی مجال اس سے عرض و معروض کی نہیں۔ اس دن جب کہ روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی نہ بول سکے گا۔ بجز اس کے کہ جس کو خدائے رحمٰن اجازت دے اور وہ کہے بھی ٹھیک (بات) یہ یقینی دن ہے سو جو چاہے اپنے پروردگار کے پاس اپنا ٹھکانا بنا رکھے ہم نے تمہیں تنبیہ کر دی ہے۔ ایک نزدیک والے عذاب کی (جو) اس دن (واقع ہوگا) جب ہر شخص دیکھ لے گا اس کو جو کچھ کہ وہ آگے بھیج چکا ہے۔ اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا۔

۲۔ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّۃُ o یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ

Marfat.com

أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝

(سورۃ عبس) ترجمہ۔ تو جس دن شدید شور برپا ہو جائے، جس دن انسان بھاگنے لگے اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے ان میں سے ہر شخص کو اس وقت اپنی ہی پڑی ہو گی۔ دوسروں سے بے توجہ کر دینے والی (بہت سے) چہرے اس روز چمکتے ہوئے ہنستے ہوئے بشاش ہوں گے اور (بہت سے) چہروں پر اس روز سیاہی ہو گی۔ ان پر کدورت ہو گی۔ یہی لوگ تو ہیں کافر فاجر۔

سورۃ غاشیہ، سورۃ الزلزال، سورۃ القارعۃ وغیرہم کو پڑھ جایئے ان سب میں آپ کو علم تذکیر بموت والمعاد ہی ملے گا۔

تکرارِ مضامین کی حکمت قرآن مجید کے طرزِ بیان میں ایک خصوصی طرز یہ بھی ہے کہ وہ واقعات و قصص اور ان کے اجزاء کو بار بار بیان کرتا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت نوحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت صالحؑ اور حضرت موسیٰؑ کے واقعات قرآن میں متعدد جگہ ذکر کئے گئے اور حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ اور فرعون کے ذکر سے تو شاید ہی کوئی حصہ قرآن کریم کا خالی ہو۔ ان تمام واقعات کو قرآن بکثرت کہیں اجمال اور تفصیل سے کسی جگہ بعض اجزاء قصہ اور دوسری جگہ دوسرے بعض اجزاء بیان کرتا ہے۔ اسی طرح بعض آیات مثلاً " فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ " اور " وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ " ایک ہی سورت میں بار بار دہرائی جا رہی ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکرار مضامین میں بہت بڑی حکمت اور مصلحت پوشیدہ ہے۔ مثال کے طور پر جب ہم اپنے مخاطب کو کچھ

Marfat.com

بتلانا یا سمجھانا چاہتے ہیں۔ تو اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ مخاطب کو وہ چیز بتلا دی جائے جس سے وہ ابھی تک ناواقف ہے ایسی صورت میں صرف ایک بار کہہ دینا کافی ہوتا ہے کیونکہ اسے سنتے ہی اسے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے لیکن جب ہم کسی بات کو مخاطب کے ذہن میں اس طرح نقش کر دینا چاہیں کہ وہ اس کے لطف کو محسوس کر سکے اور اس کے قلب و دماغ کی قوتیں اسی رنگ میں رنگ اٹھیں اور اس کا رنگ تمام قوتوں اور صلاحیتوں پر چھا جائے۔

پھر شاہ صاحب مثال دیتے ہیں کہ جس طرح ہم ایک شعر ایک بار سنتے ہیں اس کے مفہوم سے واقف ہوتے ہیں اور اس سے لذت اٹھاتے ہیں اس کے باوجود ہم اسے بار بار سننا پسند کرتے ہیں اور ہر بار اس سے ایک نیا لطف اٹھاتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تکرار لطف بھی دیتی ہے اور دل و دماغ میں گھر بھی بناتی ہے۔ قرآن مجید میں بھی تکرار سے یہی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں بعض امور ایسے بھی ہیں جن سے صرف مطلع کر دینا ہی کافی سمجھا گیا ہے اور بعض امور ایسے ہیں جن کا دل و دماغ میں بٹھا دینا مقصد رہا ہے۔ چنانچہ بعض مطالب کو تو ایک ہی بار بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے اور بہت سے مسائل ایسے ہیں۔ جنہیں بار بار دہرایا گیا ہے۔ جن احکام کی تکرار نہیں کی گئی ہے وہ وہی ہیں۔ جن کی صرف تعلیم پیش نظر رہی ہے۔ دل و دماغ پر گہرے اور پائیدار اثرات کا ڈالنا مقصد نہیں رہا ہے یہ اور بات ہے کہ شریعت نے انہیں بھی صرف ایک بار پڑھ لینا اور سمجھ لینا کافی نہیں سمجھا ہے بلکہ بار بار تلاوت کا حکم دیا ہے۔

تکرار مضامین کے سلسلہ میں حضرت موسیٰؑ کے قصہ کو ہی لیجئے:۔

حضرت موسیٰؑ کی ولادت کے بعد آغوش مادر کی بجائے سمندر کی موجوں کے حوالے ہو جانا، پھر ایک حیرت انگیز طریقہ سے فرعون کے ہاں پہنچ جانا۔ اسی کے ہاں تربیت پانا، قبطی کو قتل کر کے مدین کی طرف بھاگنا، وہاں ایک انوکھے طریقہ

Marfat.com

نکاح ہو جانا۔ بیوی کے ہمراہ لے جاتے ہوئے آگ کے شعلہ کو دیکھ کر پہاڑی پر جانا۔ اور وہاں سے منصب نبوت اور معجزہ کا عطا ہونا، پھر دعوت ایمان لے کر فرعون کے پاس جانا۔ فرعون کا تمرّد و سرکشی کے ساتھ تحقیر آمیز سوال و جواب کرنا، معجزات دیکھ کر فرعون اور تمام جادوگروں کا ذلیل ہونا۔ انجام کار فرعون اور اس کی قوم کا دریائے نیل میں غرق ہو جانا۔ حضرت موسیٰ کا کامیاب و کامران ہو کر بنی اسرائیل کو روز روز کے عذاب سے بچا لینا وغیرہ وغیرہ۔

اب قرآن کریم کبھی اس قصہ اور اس کے اجزاء کو اپنی قدرت عظیمہ اور اپنی جلالت شان کے ظاہر کرنے کے لئے ذکر کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت و طاقت اور سطوت و جبروت کے سامنے فرعون جیسے متمرد اور مغرور و متکبر بادشاہ کی کوئی حقیقت نہیں دم کے دم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت اور طاقت و شوکت کو درہم برہم کر ڈالا۔ اتنے بڑے ساز سامان والا کس طرح بے گور و کفن مارا گیا۔ کبھی جگہ مقصود ان ہی ہیبت ناک اور تاسف انگیز واقعات کے بیان کرنے سے غافل بندوں کو عبرت دلانا ہوتا ہے کہ تم کو بھی گناہوں وغیرہ سے باز رہنا چاہیئے۔ جن کا یہ خمیازہ پہلی امتیں بھگت چکی ہیں ورنہ کچھ بعید نہیں کہ خدا کی طرف سے تمہارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہو۔ کسی مقام پر حضرت موسیٰؑ اور ان کے تابعین پر احسان جتلانا مقصود ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان پیغمبر خدا کی اطاعت و پیروی کی وجہ سے یہ انعام فرمائے کہ ایسے جابر و خونخوار کے پنجۂ ظلم سے نجات بخشی۔ جس کے مقابلہ کی کوئی طاقت نہ تھی۔ پھر اسی ظالم کے تاج و تخت کا وارث بھی بنایا۔ کسی جگہ معجزات کے ذکر سے حضرت موسیٰؑ کی صداقت کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ غرض اس قسم کے اور بہت سے مقاصد ہوتے ہیں۔ جن کے پیش نظر واقعات اور ان کے اجزاء کو ہر ایک مقصد کے اثبات کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح سورۃ الرحمٰن میں ایک ہی آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ بار بار دہرانے کا مقصد یہ ہے کہ سامع ہر ہر نعمت پر متنبہ ہو کر اپنے گنہگار

Marfat.com

کی نعمتوں کو پہنچانے اور ان کا شکر بجا لانے کے لیے آمادہ ہو۔

اس تکرار مضامین میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان دنیا میں اس قدر منہمک ہو جاتا ہے کہ وہ آخرت کے امور سے بالکل غافل ہو جاتا ہے جس طرح ایک سوئے ہوئے آدمی کو دنیا و مافیہا کی بالکل خبر تک نہیں ہوتی۔ اس کو جگانے کے لیے بار بار ہلانا اور بلانا پڑتا ہے تاکہ نیند سے بیدار ہو کر اصل حالت میں آ جائے اسی طرح قرآن مجید غافل انسانوں کو مضمون کی تکرار سے خدا کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ مخاطبین کے قلوب میں وہ مضامین پورے طور پر راسخ ہو جائیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (ہم آیتوں کو بار بار دہراتے ہیں تاکہ وہ رجوع کریں) شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں بار بار کی تکرار کے باوجود یہ خیال ہر مقام پر رکھا گیا ہے کہ ایک ہی عبارت بار بار نہ دہرائی جائے۔ چنانچہ ہر بار نئی عبارت اور نیا اسلوب اختیار کیا گیا ہے تاکہ اس کی دل نشینی اور لطف آفرینی میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور طبیعت اکتاہٹ محسوس نہ کرنے پائے۔ اگر ایک ہی لفظ یا ایک ہی عبارت بار بار دہرائی جاتی تو طبیعت اکتاہٹ محسوس کرتی اور تکرار کا فائدہ ختم ہو جاتا۔ لیکن انداز و اسلوب کی تبدیلی کی وجہ سے ذہن ہر بار نئے سرے سے متوجہ ہوتا رہتا ہے جس سے توجہ تازہ ہوتی رہتی ہے اور بات پورے طور پر دل میں بیٹھ جاتی ہے۔

سوال مندرجہ ذیل تفسیری مباحث کے متعلق الفوز الکبیر کا خلاصہ اور شاہ صاحب رح کا مسلک تحریر کیجیے؟ ۱۹۶۶ء

۱۔ اسباب نزول

۲۔ ناسخ و منسوخ

۳۔ غریب القرآن

Marfat.com

۴ - اعجاز القرآن

جواب :-

۱- اسباب نزول کے لیے دیکھئے صفحہ ۵۹

۲- ناسخ ومنسوخ کے لیے دیکھئے صفحہ ۴۲

۳- غریب القرآن بیہقی نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضؓ بیان کیا کہ کہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ "اَعْرِبُوا الْقُرْآنَ وَالْتَمِسُوا غَرَائِبَهٗ" یعنی کلمات قرآن (از روئے تلاوت اور معنی) واضح کیا کرو اور اس کے غرائب کو تلاش کرو۔ ان کے معانی و مفہوم کی تحقیق کرو۔ قول مذکورہ کی رو سے مفسر کے واسطے لازم ہے کہ شرح غریب قرآن کی طرف متوجہ ہو اور اس کو حل کرے۔ اس موضوع پر بہت سی تصنیفات ہوئیں جن میں امام راغب کی مفردات قرآن خاص طور پر جامع کتاب سمجھی جاتی ہے۔

غریب کے لفظی معنی اجنبی، پردیسی اور غیر مانوس کے آتے ہیں۔ اصطلاح اصول تفسیر میں غریب القرآن ان الفاظ کو کہا جاتا ہے جو یا تو متروک ہو یا کم استعمال ہوتا ہو یا یہ کہ قرآن نے ان الفاظ کو اپنے معنی میں مخصوص کر دیا ہو جیسا کہ لفظ رسول نزول قرآن سے قبل بھی عربوں کے ہاں مستعمل تھا اور قرآن میں اس کو ایک خاص معنے کے لیے محصور کر دیا۔ چونکہ یہ لفظ اپنا ایک عام معنی میں بھی رکھتا ہے۔ اس لیے دورِ جدید کے عربوں نے پنڈت جواہر لال نہرو جب عرب کے دورے پر گئے تھے تو اس کو مرحبا یا رسول السلام (اے سلامتی و امن کے ایلچی یا پیغام بر تمہیں خوش آمدید) کہا تھا۔

قرآن میں جہاں بھی لفظ رسول استعمال ہوا ہے وہ ایک خاص معنی میں یعنی "مبعوث من جانب اللہ" مراد لیا گیا ہے۔ غریب القرآن بھی تفسیر قرآن کے اہم اور قابل توجہ مقامات میں سے ہے کیونکہ اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ایک تو لغت عرب سے اس لفظ کے معنی تلاش کیے جائیں۔ دوسرے جملے کے

Marfat.com

سیاق و سباق اور دوسرے الفاظ کی مناسبت سے اس کے معانی متعین کیے جائیں۔

کلام میں اشکال پیدا ہو جانے کے بھی مختلف اسباب ہوتے ہیں کبھی کوئی مضمون دوسرے مضمون اور آیات یا احادیث صحیحہ یا تاریخی واقعات سے مخالف معلوم ہوتا ہے اور درحقیقت وہاں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ یا بظاہر وہ عنوان قواعد لغت اور اصولِ عربیہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے یا مضمون میں کوئی پیچیدگی ہوتی ہے یا واقعات کی ترتیب اور قصہ کی ابتداء معلوم نہ ہونے سے اشکال پیدا ہو جاتا ہے یا اس کے متعلق تمام احکام کا علم نہ ہونے سے مراد کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان سب امور خفاء کی تشریح کو فنّ تفسیر میں شرح غریب کہا جاتا ہے، اس میں سب سے بہتر طریقہ تو یہ ہے۔ کہ آیات کی وضاحت دوسری آیات سے کی جائے اس کے بعد احادیث مرفوعہ پھر آثار صحابہ و تابعین اور جس امر کی وضاحت مخارج لغت اور قوانین عربیہ ہو اس کی توضیح قوانین لغت اور محاورات اہل لسان کے ذریعہ کی جائے۔

بقول شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید کے غریب مقامات کی بہترین شرح وہ ہے جسے مفسر اوّل یعنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ سے ابن ابی طلحہ رضؓ نے نقل کیا ہے اور امام بخاری رحؒ نے اپنی مشہور کتاب صحیح بخاری میں غالباً اسی طریقہ پر اعتماد کیا ہے۔ دوسری شرح وہ ہے جسے حضرت ابن عباس رضؓ سے ضحاک نے نقل کیا ہے تیسری شرح وہ ہے جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ نے نافع بن الازرق کے سوالات کے جواب میں بیان کی ہیں۔ ان تینوں شرحوں کا علامہ جلال الدین سیوطی رحؒ نے اپنی مشہور کتاب اتقان میں ذکر کیا ہے اس کے علاوہ غرائب القرآن کی ایک شرح وہ بھی ہے جسے امام بخاری رحؒ نے ائمہ تفسیر سے نقل کیا ہے۔ ایک شرح وہ بھی ہے جسے صحابہ رضؓ، تابعین رحؒ اور تبع تابعین کے مفسروں نے نقل کیا ہے۔

Marfat.com

مثال کے طور پر حضرت مریمؑ کے قصہ میں یا اخت ھارون کے عنوان پر اشکال پیدا ہوا کہ حضرت مریمؑ ہارونؑ کی بہن کیونکر ہو سکتی ہیں جب کہ دونوں کے زمانہ میں صدیوں کا عرصہ حائل ہے؟ آنحضرت صلعم نے اشکال کا ازالہ فرما دیا کہ یہ وہ ہارونؑ نہیں جو حضرت موسیٰؑ کے بھائی تھے بلکہ بنو اسرائیل اپنے پیغمبروں کے نام پر اپنے نام رکھ لیا کرتے تھے۔ مریمؑ کے بھائی کا نام بھی ہارون تھا۔ اسی طرح آپؐ سے پوچھا گیا کہ محشر میں آدمی منہ کے بل کس طرح چلیں گے؟ فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْ اَمْشَاہُ فِی الدُّنْیَا عَلٰی رِجْلَیْہِ لَقَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّمْشِیَہٗ عَلٰی وَجْہِہٖ (یعنی وہ ذات پاک جو دنیا میں دونوں پاؤں سے چلاتا ہے وہ البتہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ منہ کے بل چلائے۔

قرآن مجید کے غریب مقامات کی مختلف اقسام ہیں ایک تو وہ آیات ہیں۔ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں سے ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کی عظیم صفات کا تذکرہ ہے۔ مثلاً آیۃ الکرسی، سورۃ اخلاص، سورۃ حشر کا آخری حصہ، سورۃ مومن کی ابتدائی آیات۔ دوسرے وہ آیات ہیں۔ جن کا تعلق قصص و واقعات سے ہے، ان میں غریب مقامات وہ ہیں۔ جہاں کوئی ایسا قصہ بیان کیا گیا ہو جو اپنے نتائج کے اعتبار سے بہت اہم ہو جیسا کہ حضرت رسول اکرم صلعم نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے قصہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ میری آرزو تھی کہ حضرت موسیٰؑ حضرت خضرؑ کی معیت میں کچھ دیر اور صبر کر سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کے مزید واقعات ہم سے بیان کرتا۔ تیسرے وہ آیات ہیں جن کا تعلق موت اور موت کے بعد کے حالات و واقعات سے ہے ان میں غریب آیات سے مراد ایسی آیات ہیں جو قیامت کی تفصیلات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ جو شخص قیامت کے حالات کو اس طرح معلوم کرنا چاہتا ہو گویا وہ روز قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے تو اسے سورۃ اذا الشمس

Marfat.com

کو عنایت کو پڑھنا چاہیئے۔

۴۔ اعجاز القرآن | دیکھئے صفحہ ۵۴

سوال۔ الفوز الکبیر کی روشنی میں مندرجہ ذیل میں سے تین پر نوٹ لکھیئے۔ ۱۹۶۵ء

(۱) تذکیر بآلاء اللہ (۲) تذکیر بایام اللہ (۳) ناسخ ومنسوخ (۴) محکم ومتشابہ

جواب :-

۱۔ تذکیر بآلاء اللہ | دیکھئے صفحہ ۹۷

۲۔ تذکیر بایام اللہ | دیکھئے صفحہ ۱۰۱

۳۔ ناسخ ومنسوخ | دیکھئے صفحہ ۴۲

۴۔ محکم ومتشابہ | دیکھئے صفحہ ۴۷

سوال۔ مندرجہ ذیل عنوانات کی تشریح کیجئے ۱۹۶۴ء

۱۔ علم الاحکام (۲) تذکیر بآلاء اللہ (۳) علم مباحثہ (۴) تحریف (۵) ناسخ ومنسوخ (۶) اسباب نزول۔

جواب :-

۱۔ علم الاحکام | دیکھئے صفحہ ۹۱

۲۔ تذکیر بآلاء اللہ | دیکھئے صفحہ ۹۷

۳۔ علم مباحثہ | دیکھئے صفحہ ۶۴

۴۔ تحریف | دیکھئے صفحہ ۷۹

۵۔ ناسخ ومنسوخ | دیکھئے صفحہ ۴۲

۶۔ اسباب نزول | دیکھئے صفحہ ۵۹

سوال۔ حسب ذیل عنوانات پر نوٹ لکھیئے۔

۱۔ مقطعات ۲۔ علیقات مفسرین ۳۔ اسرائیلیات ۴۔ ترتیب

Marfat.com

(۵) کنایہ (۶) حذف (۷) ابدال (۸) مجازِ عقلی (۹) تشبیہ (۱۰) شرک (۱۱) تبع تابعین (۱۲) نفاق (۱۳) توجیہ (۱۴) اقانیم ثلاثہ (۱۵) ردّ یہود (۱۶) ردّ نصاریٰ۔

جواب:۔

مقطعات الٓمٓ، الٓمٓصٓ، الٓرٰ، کٓھٰیٰعٓصٓ اور اسی قسم کے دوسرے حروفِ تہجی جن کی تعداد ۲۹ ہے اور جو سورتوں کے ابتدا میں ذکر کئے گئے ہیں ان کو مقطعات قرآنیہ کہا جاتا ہے۔ خلفاء راشدینؓ جمہور صحابہؓ اور تابعینؒ اور ائمہ عظامؒ کے نزدیک یہ حروف متشابہات میں سے ہے ان کی حقیقت اور مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ (آل عمران) اور سوائے اللہ تعالیٰ کے ان متشابہات کی حقیقت کو کوئی بھی نہیں پہچانتا۔

بعض کے نزدیک حروف مقطعات ان سورتوں کے نام ہیں جن کے شروع میں یہ مذکور ہوئے ہیں گویا کہ جو باتیں سورت میں تفصیلی طور پر مذکور ہوئی ہیں وہ اجمالی طور پر حروف مقطعات میں بھی مضمر ہوتی ہیں یا جیسا کہ عنوان مضامین کی رہنمائی کرتا ہے یہ حروف بھی اسی طرح مضامین کے لیے ایک باطنی رمز اور اشارہ ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی کتاب لکھی جاتی ہے تو اس کا ایک نام رکھا جاتا ہے لیکن نام رکھنے میں ہمیشہ کتاب کے مضمون کی مناسبت کا خیال رکھا جاتا ہے اور ایک ایسا نام تجویز کیا جاتا ہے۔ جس کے سنتے ہی کتاب کی حقیقت اور اس کا مفہوم سننے والے کے ذہن میں آجائے۔ مثلاً امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا نام "جامع الصحیح المسند فی احادیث رسول اللہ" رکھا ہے اس نام کے سنتے ہی یہ علم ہوجاتا ہے کہ اس کتاب میں آنحضرت صلعم کی احادیث صحیحہ کو جمع کیا گیا ہے۔

مستشرقین نے حروف مقطعات کے بارے میں عجیب معنی کیے ہیں کہ

نزدیک یہ ان کاتبوں کے نام ہیں جنہوں نے حضور اکرم صلعم کے حکم سے یہ سورتیں لکھی ہیں چنانچہ وہ الف سے ابوبکرؓ، ع سے عمرؓ یا علیؓ س سے سعدؓ ط سے طلحہؓ اور ھا سے ابوہریرہؓ مراد لیتے ہیں جب ایک عام آدمی ان مستشرقین کی اس تاویل کو پڑھتا ہے تو اسے فوراً ان کی جہالت اور لاعلمی کا ثبوت مل جاتا ہے کیونکہ ھا سے ابوہریرہؓ مراد لیتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ابوہریرہؓ مدینہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جب کہ سورۃ مریم اور سورۃ طٰہٰ جن میں ھا آتی ہے دونوں مکی ہیں اور یہ سورتیں حضرت ابوہریرہؓ کے اسلام لانے سے کئی سال پہلے نازل ہو چکی تھیں۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ نے بعض سورتیں لکھی ہیں جن کے شروع میں حروف مقطعات آتے ہیں تو پھر قرآن کا یہ چیلنج "اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" فوت ہو جاتا ہے۔

علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات حق تعالیٰ کی طرف سے اسرار و رموز ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو علوم میرے ذہن ناقص پر نازل کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک حروف مقطعات کے حل اور معانی کا بھی علم ہے چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر" میں حروف مقطعات کے معانی و مطالب بڑے عمدہ طریقہ سے بیان کئے ہیں۔

الغرض حروف مقطعات قرآنیہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ان میں سے صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حروف متشابہات میں سے ہیں اور ان کے معانی و مطالب کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

طبقات مفسرین علمائے کرام نے مفسرین قرآن کے طبقات قائم کیے

Marfat.com

ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے اپنے عہد تک غالباً آٹھ طبقے قرار دیے ہیں مولانا عبدالحق دہلوی مفسر تفسیر حقانی نے اپنے عہد تک نو طبقے قائم کیے ہیں اور طبقہ نہم کو نویں صدی ہجری سے لیکر چودھویں صدی ہجری تک وسعت دی ہے۔

طبقات قائم کرنے سے یہ مقصد نہیں ہے کہ جس قدر اسماء طبقات میں آئے ہیں بس وہی مفسرین قرآن ہیں یا وہ ایسے مستند ہیں کہ ان کی ہر بات قابلِ تسلیم ہے بلکہ ہر عہد کے دو دو چار چار مفسرین کے نام لکھ دیے ہیں باقی ان کے معاصرین اسی طبقہ میں شمار کیے جائیں گے۔

طبقہ اوّل اصل شارح قرآن اور مفسر وحی الٰہی رسول اکرم صلعم کی ذات اقدس ہے۔ اس کے بعد طبقات مفسرین میں سب سے اعلیٰ طبقہ صحابۂ کرام رضہ کا ہے ظاہر ہے کہ ان سے زیادہ مضامین قرآن کو جاننے اور سمجھنے والا کون ہو سکتا ہے۔ پھر طبقہ صحابہ رضہ میں دس حضرات تمام صحابہ رضہ پر اس شان اور وصف تفسیر میں ممتاز و نمایاں اور دوسروں پر فائق تھے خلفاء اربعہ۔ عبداللہ بن مسعود رضہ۔ عبداللہ بن عباس رضہ۔ عبداللہ بن زبیر رضہ۔ ابی بن کعب رضہ۔ زید بن ثابت رضہ۔ ابو موسیٰ اشعری رضہ۔ حضرت علی رضہ سے منقول ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی۔ کب نازل ہوئی اور کن لوگوں یا کس واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ خدا نے مجھے ایک سمجھدار دل اور تحقیق کرنے والی زبان عطا فرمائی ہے۔

سب سے زیادہ روایتیں حضرت عبداللہ بن عباس رضہ سے آئی ہیں جن کا لقب بوجہ قرآن دانی کے حبر امت اور ترجمان القرآن تھا۔ ان کے حق میں رسول اکرم صلعم نے دعا مانگی تھی کہ "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ" اے اللہ اس کو دین کی فقاہت اور قرآن کی فہم عطا فرما۔

Marfat.com

حضرت مجاہد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضؓ سے پورے تیس مرتبہ قرآن سیکھا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن ابی طلحہ عن ابن عباس رضؓ سے تفسیر کی روایات کی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح مانا ہے۔

طبقہ دوئم مفسرین قرآن میں دوسرا طبقہ تابعین کا ہے یعنی وہ حضرات جن کو صحابہ کرام رضؓ سے فیض تلمذ حاصل ہے۔ جیسے مجاہد عکرمہ عطاء بن ابی رباح۔ طاؤس اور سعید بن جبیر وغیرہ ہم۔ اسلام میں سب سے پہلی تفسیر خلیفہ عبدالملک نے سعید بن جبیر تابعی سے لکھوائی تھی۔

حافظ ابن تیمیہ بیان کرتے ہیں کہ تفسیر کے سب سے زیادہ عالم اہل مکہ ہیں کیونکہ اہل مکہ کثرت سے حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کے شاگرد ہیں اور عکرمہ تو ان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ تمام متاخرین کی کتب تفسیر انہی کی روایات تفسیر سے بھری ہوئی ہیں۔

کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضؓ کے شاگردوں کی کثیر تعداد تھی اور اہل مدینہ میں بھی ایک جماعت صحابہ کرام رضؓ کے شاگردوں میں سے مفسرین کی تھی جیسے زید بن اسلم جن سے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن یزید اور انس بن مالک روایات کرتے ہیں۔ حسن بصری۔ عطاء بن ابی سلمہ خراسانی۔ محمد بن کعب قرظی ابوالعالیہ ضحاک بن مزاحم وغیرہم یہ تمام حضرات علم تفسیر کے امام تھے اور جو کچھ کہتے تھے وہ حضرات صحابہ سے سنا ہوا ہوتا تھا۔

طبقہ سوئم اس طبقہ میں باضابطہ کتب تفسیر کی تصنیف کا دور شروع ہوا۔ اس طبقہ کے مفسرین نے متقدمین تابعین اور صحابہ رضؓ کے اقوال اور روایات جمع کر کے قرآن مجید کی تفسیروں کی تصنیف شروع کی۔ اس دور میں تفاسیر کثرت سے لکھی گئیں۔ چند مفسرین کے نام درج ذیل ہیں۔

سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ ہجری محمد بن سائب کلبی کوفی متوفی ۱۴۶ ہجری۔

Marfat.com

ابن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ ہجری ۔ مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ ہجری ۔ سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ ہجری ۔ تاریخوں میں ان میں سے بعض تفاسیر کا ذکر ہے مثلاً تفسیر ابن جریج ۔ تفسیر سفیان بن عیینہ ۔ تفسیر وکیع بن الجراح وغیرہ مگر یہ سب کی سب فنا ہو گئیں اور ان میں سے کوئی بھی امت کے ہاتھوں میں باقی نہ رہی ۔

طبقہ چہارم تیسرے طبقہ کی تفاسیر میں بعض روایات ضعیف اور منکر درج ہو گئیں تھیں اس لیے اس کے بعد چوتھے طبقہ کے مفسرین نے قدرے تنقیح و تحقیق کی رعایت کے ساتھ کلام اللہ کی تفسیر میں وجوہ اعراب اور احکام و مسائل کے استنباط کا بھی لحاظ کیا ۔ اس طبقہ کی تفاسیر میں سب سے زیادہ عظیم المرتبت تفسیر ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ہجری کی تفسیر ہے ۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ امت کا اجماع ہے کہ ابن جریر طبری جیسی تفسیر کسی نے نہیں لکھی ۔ امام ابو حامد اسفرائنی کا قول ہے کہ اگر کسی نے چین تک کا سفر کر کے بھی تفسیر طبری کو حاصل کر لیا تو کوئی بڑی زحمت نہیں اٹھائی ۔ آج روئے زمین پر سے قرآن کی سب سے پہلی تفسیر یہی ہے یہ ام التفسیر بولی جاتی ہے کیونکہ زیادہ ما بعد میں جتنی تفاسیر لکھی گئیں سب کی سب اسی سے ماخوذ ہیں ۔

تفسیر ابن منذر متوفی ۳۱۸ ہجری ۔ تفسیر ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ ہجری تفسیر امام حاکم متوفی ۳۵۹ ہجری تفسیر ابن حبان متوفی ۳۶۹ ہجری اسی طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں ۔

طبقہ پنجم امام ابن جریر طبری کے بعد جس قدر تفسیریں لکھی گئیں ان کو کون شمار کر سکتا ہے ۔ صرف کشف الظنون میں جو ایک کتب خانہ کی فہرست ہے نوے تفسیروں کے نام بنام مندرج ہیں ۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے ابجد العلوم میں ان سے بھی زیادہ تفسیریں گنائی ہیں اگر دنیا کے تمام کتب خانوں کی فہرستیں دیکھ کر ان کی تعداد لکھی جاتی تو آج بھی یقیناً کئی ہزار

تک جا پہنچے گی۔

امام ابو محمد عبد اللہ جوینی متوفی ۴۳۸ ہجری، شیخ ابو القاسم عبد الکریم قشیری رح متوفی ۴۶۵ ہجری اور ابو الحسن احمد واحدی نیشا پوری متوفی ۴۶۸ ہجری طبقہ پنجم کے ممتاز اور نمایاں مفسرین ہیں۔

طبقہ ششم اس طبقہ کے ائمہ نے مختلف حیثیات کے پیش نظر تفسیر قرآن کی جانب توجہ کی، کسی نے اپنا مطمح نظر صرف ونحو اور قواعد عربیہ کو بنا کر تفسیر کی، کسی نے فقہی مسائل اور احکام کے استنباط اور ان کی تائید و تثبیت کو مد نظر رکھتے ہوتے تفسیر کی کسی نے متکلمانہ اصول کو پیش نظر رکھتے ہوتے فلاسفہ کے مسائل کو رد کیا۔ عارفین و صوفیاء نے سلوک و تصوف کے نکات و لطائف ہی کو اپنا مقصد ٹھہرایا، کسی نے مفردات قرآن کی تحقیق کو اپنی تصنیف کا مقصد قرار دیا جیسے امام راغب اصفہانی کی کتاب مفردات۔

اس طبقہ کی چند تفاسیر درج ذیل ہیں، تفسیر امام غزالی متوفی ۵۰۵ ہجری، تفسیر امام بغوی محی السنۃ متوفی ۵۱۶ ہجری تفسیر کشاف جار اللہ زمخشری متوفی ۵۲۸ ہجری، تفسیر ابو مسلم اصفہانی متوفی ۴۵۹ ہجری وغیرہ

طبقہ ہفتم اس طبقہ کے ممتاز و نمایاں اور قابل فخر اماموں میں امام فخر الدین رازی رح ہیں جن کی تفسیر" مفاتیح الغیب معروف بہ تفسیر کبیر" علوم عقلیہ اور معارف و حکم کا ایک عظیم الشان ذخیرہ اور بہترین خزانہ ہے رموز لطائف و اسرار کلام اللہ اور اصول دین کی تحقیق میں ایسی تفسیر امت میں شاید کسی نے تصنیف نہ کی ہو، فلاسفہ اور ملحدین کا رد دلائل عقلیہ اور اصول کلام سے خوب کیا ہے۔ اثبات ربوبیت و الوہیت کے وہ نادر اور گرانقدر مباحث ہیں کہ ان کی برتری اور اظہار عظمت کے لئے بس اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ کہ امام موصوف رح کا امت مسلمہ پر ایک احسان ہے جس کا بدلہ صرف حق تعالیٰ کی رحمتیں ہی ادا کر سکتی ہیں۔

Marfat.com

قاضی ناصر الدین بیضاوی متوفی ۶۸۵ ہجری اس طبقہ کے بے نظیر امام اور محقق ہیں ان کی تفسیر "انوار التنزیل و اسرار التاویل" جو بالعموم تفسیر بیضاوی کے نام سے معروف ہے نہایت ناضح اور جامع تفسیر ہے۔ اس کے فوائد اور لطائف احاطۂ بیان سے خارج ہیں۔

طبقہ ہشتم اس طبقہ میں امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد محمود نسفی متوفی ۷۱۰ ہجری ہیں۔ جو حنفی المسلک تھے اور اصول فقہ میں اپنے دور کے یکتا امام اور محقق شمار ہوتے تھے۔ ان کی تفسیر "مدارک" ہے اگرچہ مختصر ہے لیکن نہایت مفید اور عمدہ تفسیر ہے۔ اسی طبقہ میں ابن کثیر متوفی ۷۷۴ ہجری ہیں ان کی تفسیر ابن جریر طبری کی تفسیر کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔

ان کے بعد نویں صدی اور اس کے بعد آئمہ اور مفسرین ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ شیخ جلال الدین محلی شافعی متوفی ۸۶۴ ہجری اپنے فضل و کمال کے باعث ممتاز اور فائق ہیں۔ جلالین شریف کے آخری حصہ سورۃ اسراء سے ختم قرآن تک انہی کا ہے۔

تفسیر علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس متوفی ۸۱۷ ہجری۔ تفسیر امام بلیقنی متوفی ۸۲۴ ہجری نویں صدی کی تفاسیر میں ممتاز اور نمایاں ہیں۔

دور حاضر کی بعض تفاسیر دور حاضر میں بھی بعض تفسیریں لکھی گئیں مثلاً عربی میں علامہ رشید رضا کی تفسیر المنار جو نامکمل ہے۔ شیخ طنطاوی کی جواہر القرآن۔ اردو میں تفسیر حقانی، تفسیر مواہب البرہان نیز ترجمان القرآن مولانا ابو الکلام آزاد جس میں تفسیر سورۃ فاتحہ اپنا جواب نہیں رکھتی نہ صرف اردو ہی میں اس کی مثال نہیں ہے بلکہ کسی زبان میں بھی اس کی نظیر نہیں۔

اسی طرح بیان القرآن ہے۔ جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی ہے اور دور حاضر کی تمام ضروریات کی کفیل ہے اور بہترین ہے۔

Marfat.com

تفسیر ماجدی بھی بہترین تفاسیر میں سے ہے جس میں علوم قدیم و جدید سے نہایت مؤثر و محققانہ انداز سے قرآن کو سمجھایا گیا ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن بھی خاص مقام کی مالک ہے جس میں موجودہ دور کے شکوک و شبہات اور دور حاضر کے جدید ترین مسائل کو متکلمانہ انداز سے نہایت شافی و وافی طریقہ پہ حل کیا گیا ہے۔

تفسیر قرآن کے مختلف انداز

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مفسرین نے قرآن کی تشریح و تفسیر کے لئے جو انداز اختیار کئے ہیں ان کو سات گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

۱۔ محدثین کا گروہ

یہ مفسرین کا گروہ آیات کی تفسیر اور مطالب کی تشریح کے لئے ان سے مناسبت رکھنے والے واقعات کو بیان کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ واقعات کی چھان بین کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ چنانچہ جو واقعہ بھی ان کی نگاہ سے گزرتا ہے اسے نقل کر دیتے ہیں خواہ وہ واقعہ کسی حدیث مرفوع میں ہو یا موقوف میں یا کسی تابعی نے اسے نقل کیا ہو، جو کسی طرح اس واقعہ کا شاہد ہو ہی نہیں سکتا، یا وہ بنی اسرائیل کی روایات سے لیے گئے ہوں جن کی تصدیق و تکذیب دونوں کے ذرائع مفقود ہیں۔

۲۔ متکلمین کا گروہ

یہ مفسرین کا گروہ اسماء اور صفات باری تعالیٰ کی تاویل ضروری سمجھتا ہے اور اس سلسلہ کی تمام چیزوں کو ان کی اصل صورت میں قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی شان تجرد اور تنزیہ کے خلاف سمجھتا ہے۔ چنانچہ یہی انداز ان لوگوں نے قرآن کی تفسیر میں اختیار کر لیا ہے اور جن آیات کے ظاہری مفہوم کو اپنے نظریہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف سمجھا ہے ان کی تاویل کر دی ہے اور ان کے مخالف مکتب فکر کے مفسرین نے اگر کچھ ایسے مطالب ان آیات کی طرف

Marfat.com

منسوب کیے ہیں جو ان کے نقطۂ نظر سے درست نہیں ہیں تو انہیں بھی رد کر دیا ہے۔

۳۔ اصولیین کا گروہ اس گروہ کا اندازِ تفسیر یہ ہے کہ وہ آیات سے فقہی احکام کا استنباط کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ بعض نتائج کی ترجیح اور اس کی وجوہات سے بھی بحث کرتے ہیں یعنی اگر کسی آیت سے ایک ہی مسئلہ میں مختلف احکام مستنبط ہو سکتے ہوں تو وہ اپنے نزدیک مناسب ترین حکم اختیار کرتے ہیں اور دلائل سے اس کے انتخاب کا جواز ثابت کرتے ہیں اور اگر ان کے مقابلہ میں کسی دوسرے شخص نے اس کے خلاف کوئی حکم مستنبط کیا ہے تو اس کی تردید کرتے ہیں اور اس کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔

۴۔ علمائے نحو و لغت کا گروہ یہ گروہ قرآن کی لغات اور نحوی اصول سے بحث کرتا ہے اور جس مسئلہ کو بھی اختیار کرتا ہے اس کے ثبوت میں کلام عرب سے جتنی مثالیں اور نظریں تلاش کر سکتا ہے سب کو درج کرتا چلا جاتا ہے خواہ ان کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔

۵۔ ادیبوں کا گروہ یہ گروہ قرآن مجید میں علم معانی اور علم بیان تلاش کرتا رہتا ہے اور جتنے نکات دریافت کر سکتا ہے انہیں ہر ممکن تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے اور پورا زورِ کلام صرف کر دیتا ہے۔

۶۔ قاریوں کا گروہ یہ گروہ قرآن مجید کی مختلف قرأتوں سے دلچسپی رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ صرف ان قرأتوں کے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہے جو مختلف اساتذہ فن سے نقل کی جاتی رہی ہیں۔ البتہ مختلف قرأتوں کے نقل و بیان میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت کرنا چاہتے

Marfat.com

نہیں سمجھتا۔

۷۔ صوفیوں کا گروہ یہ گروہ سلوک اور تصوف کے مسائل سے دلچسپی رکھتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں صرف سلوک اور تصوف کے مسائل کی تلاش ہی کے ذریعے حق تفسیر ادا کرتا ہے، قرآن مجید میں اس قسم کا نکتہ جہاں کہیں نظر آتا ہے اس کی خوب تشریح و تفسیر کرتا ہے،

حضور اکرم صلعم کے زمانہ سے لیکر آج تک ہر دور کے علماء اور مفسرین و محققین تفاسیر لکھتے رہے اور قیامت تک انشاء اللہ العزیز علماء امت کتاب اللہ کی شرح و تفسیر میں مصروف و منہمک رہیں گے اور اپنے علمی کارناموں سے حضور اکرم صلعم کے اس فرمان کی تصدیق کرتے رہیں گے "ھُوَ الَّذِی لَا تَنْقَضِی عَجَائِبُہٗ" یعنی قرآن اللہ کا وہ کلام ہے کہ اس کے عجائب اور لطائف کبھی بھی ختم نہیں ہوں گے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلعم کے زمانے سے لیکر آج تک قرآن مجید کی ہزاروں تفاسیر تصنیف کی گئیں جو دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں لکھی گئیں اور ان کو شمار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اسرائیلیات قرآن مجید میں دینی تعلیم کے علاوہ ایسے تاریخی حقائق بھی مذکور ہوئے ہیں، جن کا علم اصلاح نفوس بشری کے لئے ضروری ہے۔ مثلاً عالم کی تکوین، آدم ؑ کی پیدائش اور انبیاء سابقین اور اقوام گذشتہ کے واقعات، انسانی طبیعت کا خاصہ یہ ہے کہ جب کسی شے کا ذکر سنتی ہے تو اس کے متعلق مزید معرفت کی خواہش اس میں پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے عہد صحابہ کرام رضؓ میں لوگ ان امور کو ان علماء اہل کتاب سے جو اسلام لاچکے تھے دریافت کرتے تھے، خود حضرت عبد اللہ ابن عباس رضؓ حبر امت بھی ابن جریر طبری کے بیان کے مطابق کعب احبار کے پاس بیٹھتے اور ان کی روایتوں کو اخذ کرتے تھے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے آگاہ کر دیا تھا کہ اہل کتاب کے اقوال کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب" مگر چونکہ ان امور کا تعلق اعمال شریعت کے ساتھ نہ تھا اس وجہ سے ان کے لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا گیا اس طرح پر اہل کتاب کی روایتیں بھی تفسیر قرآن میں شامل ہو گئیں۔ علامہ ابن خلدون نے اس کے متعلق مقدمہ تاریخ میں نہایت محققانہ مضمون لکھا ہے۔ چند سطور کا ترجمہ ذیل ہے:۔

" اور اس باب میں متقدمین نے بڑا ذخیرہ جمع کیا، لیکن ان کی تصنیفات اور روایتوں میں نیک و بد، مقبول و مردود، سب کچھ شامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب لکھے پڑھے نہ تھے اور ان پر بالکل بدویت اور جہالت غالب تھی اور جب ان کو ان اشیاء کی دریافت کا شوق ہوتا تھا جو طبائع بشری کا اقتضاء ہے مثلاً آفرینش عالم کے اسباب، دنیا کی ابتداء وجود کے اسرار، تو ان باتوں کو وہ لوگ یہودیوں سے دریافت کرتے تھے اور ان عیسائیوں سے جو یہودیوں کے مقلد تھے، اور اس زمانہ کے یہود ایسے ہی جاہل تھے جیسے بادیہ نشین عرب ان کو صرف وہی معلومات ہوتی تھیں جو عوام اہل کتاب کو۔ پھر جب یہ لوگ (یہود) اسلام لائے تو ان امور کے متعلق جو احکام شرعی سے تعلق نہیں رکھتے تھے مثلاً دنیا کا آغاز، واقعات قدیمہ اور قصص انبیاء ان کے خیالات وہی رہے جو پہلے سے تھے۔ ان اسلام لانے والوں میں کعب احبار، وہب بن منبہ، عبداللہ بن سلام وغیرہ تھے، اس لیے تمام تفاسیر ان کی روایتوں سے بھر گئیں اور اس قسم کے امور میں مفسرین سہل انگاری کرتے تھے اس لیے ان لوگوں نے تفسیر کی کتابوں کو ان ہی روایتوں سے بھر دیا۔ ان روایتوں کا ماخذ وہی اہل تورات تھے جو صحرا نشین تھے اور ان کو ان روایتوں کے متعلق کچھ تحقیق حاصل نہ تھی لیکن چونکہ مذہباً ان لوگوں کا پایہ بلند تھا اور قوم میں ان کو شہرت اور عزت حاصل تھی اس لیے وہ روایتیں قبول عام ہو گئیں۔"

Marfat.com

اسرائیلیات سے اجتناب کا حکم

ہمارے لیے ہدایت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی روایات کے سلسلہ میں بالکل خاموشی اختیار کریں نہ ان کی تصدیق کریں اور نہ تکذیب۔ یعنی ہمیں اہل کتاب کے بیان کیے ہوئے قصوں کی طرف توجہ ہی نہ دینا چاہیے اس صورت میں تفسیر قرآن کے سلسلہ میں ان واقعات سے استفادہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہرحال ہمیں ان واقعات کے سلسلہ میں دو امور پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ اوّل تو یہ کہ قرآن مجید میں جن واقعات کے اشارے ہیں ان واقعات کی تفصیل جب حضور اکرم صلعم کی احادیث میں دستیاب ہو سکے انہیں اہل کتاب کی روایات سے نقل کا ارتکاب ہرگز نہ کرنا چاہیے جو کچھ آپ سے منقول ہے صرف اسی پر اکتفاء کرنا چاہیے اور مزید تفصیل کے خیال سے اِدھر اُدھر سے واقعات لینے کی ضرورت نہیں ہے مثلاً ذیل کی آیت

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (سورۂ ص)

ترجمہ۔ اور البتہ ہم نے سلیمان کو امتحان میں ڈالا اور اس کے تخت پر ایک جسد ڈال دیا پھر اس نے رجوع کر لیا۔

اس آیت سے متعلق جب حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ انشاءاللہ کے ترک کرنے کی وجہ سے حضرت سلیمانؑ پر گرفت کی گئی۔ اس کے برخلاف بنی اسرائیل کی روایات میں ایک بیٹھ اور سانپ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ایسی صورت میں آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کی روایت کے نقل کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ضروری چیز بقدر ضرورت ہی محدود رہنی چاہیے اس بناء پر تفسیر کرنے میں بھی یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے یعنی

Marfat.com

جب بھی کوئی واقعہ نقل کرنا ہو تو صرف اتنا ہی واقعہ نقل کیا جائے۔ جتنا قرآن کے اشارات سے متعلق ہو تاکہ جو کچھ کہا جائے اس کی قرآن مجید سے تصدیق ہو سکے۔ اس سے زیادہ بیان سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

تفسیر قرآن میں اسرائیلیات کا اندراج

زمانہ تابعین میں اسرائیلیات میں بہت اضافہ ہوا کیونکہ عوام کا رجحان ان کی طرف بڑھ گیا تھا اور وہ اس کو علمی تحقیق سمجھنے لگے تھے کہ قرآن مجید میں جن انبیاءؑ اور اقوام کے قصص ہیں ان کے متعلق مزید حالات کا پتہ لگائیں اس لئے جزئی سے جزئی اور چھوٹی سے چھوٹی باتیں بھی دریافت کرنے لگے مثلاً سفینۂ نوح کی مقدار اور وسعت۔ اس میں جانداروں کے جو جوڑے لادے گئے تھے ان کے اقسام، حضرت ابراہیم ؑ کے قصہ میں چاروں پرندوں کے انواع، حضرت خضر ؑ کے ذکر میں غاصب بادشاہ کا خاندان اور اس بچہ کا نام و نسب جس کو حضرت خضر ؑ نے قتل کیا تھا۔ بنی اسرائیل کے قصہ بقرۃ کے متعلق کہ وہ نر تھا یا مادہ تھی) حضرت یوسف ؑ نے جن گیارہ ستاروں کو خواب میں دیکھا تھا ان کے نشانات و مقامات، حضرت موسیٰ ؑ کے واقعہ میں ان کی بیوی کے متعلق تحقیق کہ وہ حضرت شعیب ؑ کی چھوٹی بیٹی تھی یا بڑی۔ پھر یہ کہ انہوں نے آٹھ یا دس سال کی دونوں مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی۔ اصحاب کہف کے نام اور ان کے کتے کے رنگ و نسل غرض اسی قسم کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں امور کی بابت جن کو قرآن کریم نے لایعنی اور غیر ضروری ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ بحث و تفتیش کرنے لگے۔ یہی معلومات روایات کے ذریعے سے پھیلیں اور جب تفاسیر مدون ہوئیں تو ان میں درج کی گئیں۔ ان روایات کا سب سے بڑا مرجع دو شخص ہیں، ایک کعب بن مانع جو یمن کے یہودی تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلام لائے اور مدینہ میں رہنے لگے یہ کعب احبار کے نام سے

مشہور ہیں۔ ان سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابوہریرہؓ کے توسط سے زیادہ روایتیں آئی ہیں۔

دوسرے وہب بن منبہ، یہ بھی یمن کے یہودی مگر فارسی الاصل تھے ان کی وفات صنعاء میں ۱۱۰ ہجری میں ہوئی۔ اسرائیلیات میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ علماء ثقات مثلاً ابن قتیبہ یا امام نووی وغیرہ نے ان کی کوئی روایت اپنی کتابوں میں درج نہیں کی۔ ابن جریر طبری نے اگرچہ ان سے قطعی پرہیز تو نہیں کیا مگر بہت کم روایتیں لی ہیں لیکن ثعلبی وغیرہ نے انبیاء کے قصوں میں زیادہ تر انہیں کی مرویات درج کی ہیں۔

تعریض تعریض کے معنی یہ ہیں کہ کوئی عام یا غیر معروف بات کہی جائے۔ جو کسی بھی شخص پر صادق آسکتی ہو لیکن اس سے مقصد کسی خاص شخص کی طرف اشارہ کرنا ہو یا کسی خاص شخص کی طرف توجہ دلانا ہو۔ ایسی صورت میں اس شخص کی بعض صفات اور خصوصیات کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے جس سے مخاطب اس کا مقصد سمجھ لیتا ہے۔

قرآن مجید میں جب اس قسم کے مقامات آتے ہیں جہاں اس قسم کا انداز بیان اختیار کیا گیا ہوتا ہے تو ان کا مفہوم سمجھنے کے لیے اس قصہ یا واقعہ کے علم کی ضرورت پیش آتی ہے جس سے ان آیت کا تعلق ہوتا ہے۔

حضور اکرم صلعم جب کسی کے فعل پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہتے تھے تو اس کا نام نہیں لیا کرتے تھے بلکہ یوں فرمایا کرتے تھے۔ "کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ایسا کام کرتے ہیں" اسی طرح قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (احزاب)

Marfat.com

ترجمہ: اور کسی مومن اور مومنہ کے لیے لازم نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو ان کو اپنے معاملہ میں اختیار رہے۔

اس آیت میں حضرت زینبؓ، ان کے بھائی اور حضرت زیدؓ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس طرح ذیل کی آیت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲﴾ (سورۃ النور)

ترجمہ: اور تم میں فضل اور وسعت والے لوگ قسم نہ کھا بیٹھیں کہ وہ قرابت والوں کو، مسکینوں کو، مہاجروں کو اللہ کی راہ میں نہیں دیں گے۔ ان کو چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تم کو بخش دے اور اللہ تعالیٰ تو بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ میں ایک غریب تھا جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کا قرابت دار تھا۔ وہ اس غریب کی امداد کیا کرتے تھے۔ واقعہ افک کے موقعہ پر اس سے نادانستہ طور پر غلطی سرزد ہو گئی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو جب اس کا پتہ ہوا تو آپ نے اس کی امداد بند کر دی۔ اس کے بعد حضور اکرم صلعم پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جسے سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بدستور امداد جاری کر دی۔

لیکن تمام صورتوں میں جب تک اصل واقعہ معلوم نہ ہو مطلب سمجھنا ناممکن ہو جاتا ہے لہٰذا قرآن کے اس کا علم ہونا ضروری ہے۔

کنایہ

کنایہ کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایسی بات کہی جائے جو بذات خود مراد نہ ہو بلکہ اس کا مقصد یہ ہو کہ سننے والے کا ذہن ایک ایسی بات کی طرف منتقل ہو جائے جو قدرتی طور پر اس کے نزدیک لازم ہو مثلاً اگر ہم کسی شخص کو

Marfat.com

عظیم الرماد (اس کے باورچی خانے سے بہت زیادہ راکھ نکلتی ہے) کہیں تو اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ وہ بہت مہمان نواز ہے اور بہت زیادہ دعوتیں دیتا رہتا ہے کیونکہ جس جگہ راکھ کی کثرت ہوگی وہاں لکڑی زیادہ جلی ہوگی سو یہ بھی سے زیادہ کھانا پکنے کی اور زیادہ کھانا وہاں ہی پکے گا جس کے ہاں مہمان آتے ہوں اس لیے عرب میں مہمان نواز کو کثیر الرماد یا عظیم الرماد کہتے ہیں۔

اس طرح بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ (سورۃ مائدۃ) یعنی اس کے ہاتھ بہت کشادہ ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بہت سخی اور فیاض ہے اور ہر ایک کو اپنے خزانے سے دیتا ہے۔ پس اس سے سخاوت اور فیاضی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔

قرآن عظیم میں کنایہ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ چند مثالیں درج کی جاتی ہیں

۱۔ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ (سورۃ بنی اسرائیل)

ترجمہ:۔ تو ان پر اپنے سواروں اور پیادوں سے دھاوا بول دے۔

اس آیت میں ابلیس کو ڈاکوؤں کے سردار سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس طرح ڈاکوؤں کا سرغنہ غارت گری کے وقت اپنے ساتھیوں کو پکارتا اور چھاپہ مارنے کا حکم دیتا ہے اور کہتا ہے ادھر سے آؤ اور ادھر سے گھیرو بالکل اسی طرح شیطان مختلف طریقوں سے انسان کو راہ راست سے ادھر ادھر کرنے کی کوشش میں رہتا ہے۔

۲۔ وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ (سورۃ القصص)

ترجمہ:۔ خوف کی حالت میں اپنے بازوؤں کو اپنی طرف ملا لے۔ اس کا مطلب ہے کہ خوف کے وقت تم اپنے بازوؤں کو سمیٹ لو اور اپنے جسم سے پیوست کر لو یعنی خاطر جمع رکھو اور ذہنی انتشار و پراگندگی کو چھوڑ دو۔

اہل عرب کے کلام میں اس انداز کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں مثلاً جب وہ کسی شخص کی شجاعت کا ذکر کرنا چاہتے ہیں تو اپنی تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہیں

Marfat.com

ہیں اور کہتے ہیں کہ "کبھی اس طرف مارتا ہے اور کبھی اس طرف مارتا ہے" حالانکہ مقصد صرف یہ کہنا ہوتا ہے کہ شجاعت اور بہادری کے لحاظ سے وہ ساری دنیا پر فوقیت رکھتا ہے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ اس نے زندگی میں کبھی قبضہ شمشیر پر ہاتھ بھی رکھا ہے یا نہیں۔

ہماری زبان اور محاورے میں بھی اس طرح کی تراکیب عام ہیں۔

حذف حذف سے مراد یہ ہے کہ کلام کے کسی جزو یا کسی رکن کو بیان نہ کرنا اسے حذف کر دینا جس سے مفہوم میں ابہام پیدا ہو جائے۔

حذف کی چند صورتیں ہیں :-

۱۔ مضاف کا محذوف ہونا

۲۔ موصوف کا محذوف ہونا

۳۔ متعلقات کا محذوف ہونا۔

۴۔ اس طرح کی بعض دوسری چیزوں کا حذف ہونا۔

اسی طرح کے محذوفات قرآن مجید میں کثرت سے ہیں چند مثالیں درج ذیل کی جاتی ہیں۔

۱۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ (سورۃ البقرۃ) لیکن نیکی اس شخص کی ہے جو ایمان لایا۔

اس آیت میں مَنْ اٰمَنَ سے پہلے بِرُّ محذوف ہے اصل میں جملہ یوں ہے وَلٰكِنَّ الْبِرَّ بِرُّ مَنْ اٰمَنَ۔

۲۔ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً (سورۃ بنی اسرائیل) اور ہم نے ثمود کو اونٹنی دی تھی روشن۔ اس آیت میں مُبْصِرَةً سے پہلے "اٰيَةً" محذوف ہے۔ مُبْصِرَةً کا تعلق اسی محذوف (اٰيَةً) سے ہے نَاقَةً سے نہیں ہے یعنی یہ مراد نہیں ہے کہ ناقہ آنکھوں والی تھی بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ناقہ آنکھیں کھول دینے والی نشانی تھی۔

Marfat.com

۳- وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ (سورۃ البقرۃ) ان کے دلوں میں بچھڑا بس گیا۔

اس آیت میں العجل (بچھڑے) سے پہلے حُبّ (محبت) کا لفظ محذوف ہے کہ ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت بیٹھ گئی تھی۔

۴- اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ (سورۃ الکہف) کیا تو نے ایک پاک جان کو قتل کر دیا بغیر کسی جان کے؟

اس آیت میں نفس سے پہلے قتل کا لفظ یا فَسَادٍ محذوف ہے۔ یعنی اس نے نہ تو کسی کو قتل کیا تھا نہ کوئی فساد برپا کیا تھا پھر بھی تم نے اس بے گناہ آدمی کو قتل کر دیا۔

۵- اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (سورۃ قدر) ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا یعنی قرآن مجید کو۔ اس آیت میں ضمیر ہ کی جگہ لفظ القرآن ہونا چاہیے تھا کیونکہ اس سے پہلے قرآن کا ذکر نہیں ہے اور یہی اس ضمیر کا مرجع ہے۔

بعض دفعہ اجزائے شرط میں سے اِنّ کی خبر کا حذف کرنا یا کسی فعل کے مفعول کو حذف کر دینا یا کسی جملے کے مبتدا کو حذف کر دینا یا ان کے علاوہ جملے کے دوسرے اجزاء کو حذف کر دینا بشرطیکہ محذوف کلمات کے بعد کے آنے والے کلمات اس کے حذف ہونے پر دلالت بھی کرتے ہوں قرآن مجید میں عام ہیں مثلاً

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ (البقرۃ) حق تیرے رب کی طرف سے ہے یہاں شروع آیت میں ہذا محذوف ہے یعنی یہ تیرے رب کی طرف سے برحق ہے۔

الغرض حذف کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے ہیں۔ مفسرِ قرآن کے لئے ضروری ہے کہ وہ نگاہِ عمیق سے اصل معنوں کی طرف فوراً پہنچ جائے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جبکہ مفسر کو عربی زبان پر کامل عبور و دسترس ہو

Marfat.com

ابدال کلام میں تصرف کو ابدال کہتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے تبدیل کرنے کے اسلوب کو ابدال کہا جاتا ہے۔

یہ کئی طرح سے ہوتا ہے۔

۱۔ کبھی فعل کو فعل سے بدلا جاتا ہے۔

۲۔ کبھی اسم کو اسم سے

۳۔ کبھی حرف کو حرف سے

۴۔ کبھی پورے جملے کو جملہ سے بدل دیا جاتا ہے۔

۵۔ اس کے علاوہ مذکر کو مؤنث سے، معرفہ کو نکرہ سے اور مفرد کو جمع سے بھی تبدیل کیا جاتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

فعل کی فعل سے تبدیلی فعل کو فعل سے بدلنا عام ہے اس تبدیلی کے اغراض مختلف اور متعدد ہوتے ہیں۔ اس طرح کے استعمال کی چند مثالیں یہ ہیں :-

۱۔ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ (الانبیاء) کیا یہ وہی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے۔

اس آیت میں "یذکر" کی جگہ "یسبّ" تھا یعنی تمہارے معبودوں کو گالی دیتا تھا۔ گالی کا تذکرہ ناپسندیدہ تھا۔ اس وجہ سے "یسبّ" کی جگہ "یذکر" استعمال کیا گیا ہے۔

اس طرح کا انداز بیان ہمارے ہاں بھی عام ہے مثلاً کسی کی طبیعت خراب ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ "دشمنوں کی طبیعت خراب ہے" کبھی اس انداز سے بھی کہتے ہیں کہ "بندگان حضرت تشریف لا چکے ہیں" یا "بندگان جناب عالی اس امر سے واقف ہیں" اور مراد یہ ہوتی ہے کہ "آپ تشریف لا چکے ہیں" اور "آپ اس امر سے واقف ہیں"۔ قرآن مجید میں بھی اس قسم کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

Marfat.com

۲۔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (الاعراف) بھاری ہوئی آسمانوں اور زمینوں میں۔

اس آیت میں "ثقلت" کی جگہ "خفیت" تھا۔ مراد یہاں یہ ہے۔ پوشیدہ ہوئی کیونکہ جب کوئی چیز پوشیدہ ہو جاتی ہے تو آسمان اور زمین والوں پر اس کا علم دشوار ہو جاتا ہے۔

۳۔ مِنَّا لَا يُصْحَبُوْنَ۔ ترجمہ: ہماری طرف سے ساتھ نہیں دیئے جائیں گے۔

اس آیت میں "لا یصحبون" اصل میں "لا ینصرون" کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہے چونکہ نصرت و امداد کے لیے اجتماع یا ملاقات ضروری ہے اس کے بغیر نصرت کا امکان ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا آیت میں نصرت کی جگہ صحبت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اسم کی اسم سے تبدیلی ایک اسم کو دوسرے اسم سے بدلا گیا ہوتا ہے مثلاً

۱۔ فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ (الشعراء) ان کی گردنیں اس کے سامنے مارے ہیبت کے جھک گئیں۔

اس آیت میں خاضعین خاضعۃ کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

۲۔ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ (التحریم) پس وہ تھی فرمانبرداروں میں سے۔

اس آیت میں فاعل مؤنث ہے لہٰذا اس کی مناسبت سے القانتات ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اس کی جگہ القانتین استعمال ہوا ہے۔

۳۔ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِيْنَ۔ ترجمہ۔ اور ان کے لئے مددگاروں میں سے کوئی نہیں۔

جملہ کی ساخت کے اعتبار سے یہاں لفظ مفرد ناصر ہونا چاہیئے تھا لیکن

Marfat.com

اس کی جگہ پر حق تا صرین لایا گیا ہے۔

۴۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ (البقرہ ۵) اللہ کا رنگ

صبغۃ اللہ اصل میں یہاں دین اللہ کی جگہ استعمال کیا گیا ہے دین کو صبغۃ سے بدلنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس طرح کپڑے پر رنگ چڑھتا ہے اسی طرح نفس اور باطن پر بھی دین کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بعض مصلحتوں کی بناء پر عیسائیوں کی مخصوص اصطلاح سے تشابہت پیدا کرنا بھی مقصود ہے۔

حرف کی حرف سے تبدیلی بعض آیات میں ایک حرف کو بدل کر اس کی جگہ پر دوسرا حرف لایا گیا ہے مثلاً

۱۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ (الاعراف) پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی۔

پس آیت میں جبل کے ساتھ حرف جار ل آیا ہے یہ "ل" "علی" کی جگہ استعمال ہوا ہے یعنی اصل میں یوں تھا۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ عَلَى الْجَبَلِ

۲۔ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (طٰہٰ) میں تم کو کھجور کے تنوں میں ضرور سولی دوں گا۔

اس آیت میں فی علی کی جگہ استعمال کیا گیا ہے یعنی کھجور کے تنوں پر۔

۳۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ (النساء) ان کے اموال کو اپنے اموال تک نہ کھا جاؤ۔

اس آیت میں الی مع کی جگہ استعمال ہوا ہے یعنی ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ۔

جملہ کی جملہ سے تبدیلی کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک پورا جملہ حذف کر کے دوسرے جملہ کو اس کا قائم مقام بنا دیا جاتا ہے۔

ایسا اس وقت کیا جاتا ہے جب دوسرا جملہ پہلے جملہ کے مفہوم کو بھی ادا کرتا ہو اور

اس کے وجود پر بھی دلالت کرتا ہو۔ یہ تبدیلی مفہوم کو تو علیٰ حالہ باقی رکھتی ہے لیکن عبارت میں اختصار پیدا کر دیتی ہے مثلاً

۱۔ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ (البقرہ) اور اگر تم ان کو ملا جلا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اصل مفہوم یہ ہے کہ اگر تم ان لوگوں سے ملو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور بھائی کی شان یہی ہے کہ وہ بھائی سے ملتا ہے یعنی اصل جملہ یوں تھا۔ اِنْ تُخَالِطُوهُمْ لَا بَأْسَ بِذَالِكَ لِأَنَّهُمْ اِخْوَانُكُمْ وَشَانُ الْاَخِ اَنْ يُخَالِطَ اَخَاهُ۔ لیکن مندرجہ بالا ٹکڑے کے علاوہ بقیہ عبارت حذف کر دی گئی ہے۔ کیونکہ اتنا ہی جملہ پوری عبارت کے مفہوم کو ظاہر کر دیتا ہے۔

نکرہ کی معرفہ سے تبدیلی کبھی کبھی کلام کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ کسی مفہوم میں لفظ کو نکرہ کی حیثیت سے استعمال کیا جائے لیکن اس میں بدل، اور ضمیر اضافی کا اضافہ کر کے اسے معرفہ بنا دیا جاتا ہے۔ وہ کلام اپنا اسی سابق تنکیر پر قائم رہتا ہے مثلاً

۱۔ وَقِيلِهِ يَارَبِّ ۔ اور اس نے کہا اے رب

قیلہ اصل میں قِيلًا لَهُ تھا لیکن قیلہ سے بدل دینے کی وجہ سے کلام میں اختصار پیدا ہو گیا ہے۔

۲۔ حق الیقین جیسا یقین کا حق ہے۔

یہ اصل میں حَقٌّ لِلْيَقِينِ تھا۔ لیکن الیقین پر ال کا اضافہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ تلفظ میں سہولت پیدا ہو جائے۔

جنس اور عدد کی تبدیلی کبھی کبھی کلام کی فطری ساخت اور ترتیب کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ضمیر مذکر استعمال کی جائے کبھی کلام کی ساخت ضمیر مؤنث کا مطالبہ کرتی ہے کبھی جملہ کی ترتیب کے لحاظ سے مفرد کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ان تمام صورتوں میں عمل اس کے خلاف کیا جاتا ہے یعنی ضمیر مذکر کی جگہ مؤنث اور ضمیر مؤنث کی جگہ ضمیر مذکر استعمال کی جاتی ہے

Marfat.com

اور لفظ مفرد کے بجائے جمع کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ تبدیلی جملہ کے اصل مفہوم سے مناسبت رکھتی ہے مثلاً

۱۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ج (انعام) پھر جب اس نے آفتاب کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ بہت بڑا ہے۔

اس میں شمس کو بَازِغَةً کہہ کر مؤنث کہا مگر بعد میں اسم اشارہ (هٰذَا) اسی کے لئے مؤنث کی بجائے مذکر استعمال کیا (مؤنث هٰذِهٖ ہے) پس ظاہر ہے کہ صرف معنی و مطلب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

۲۔ اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (التوبہ) لیکن یہ کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

فضلہٖ میں ضمیر واحد ہے بجائے فَضْلِهِمَا کے کیونکہ اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول دو کا ذکر آیا ہے۔ المختصر ابدال کی کئی صورتیں ہیں۔ طوالت کے خوف سے بقیہ صورتوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الفوز الکبیر میں تفصیل سے اس موضوع پر بحث کی ہے اور باقاعدہ امثلہ سے واضح کیا ہے۔

مجاز عقلی مجاز عقلی کے معنی یہ ہیں کہ فعل کو کسی ایسے فاعل کی طرف منسوب کیا جائے جو حقیقت میں اس کا فاعل نہ ہو یا کسی چیز کو مفعول قرار دیا جائے جو در حقیقت اس کا مفعول نہ ہو اس طرح کا انداز ایک تو اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب فعل اور اس کے غیر حقیقی فاعل اور مفعول میں کسی قسم کی مناسبت پائی جاتی ہو۔ دوسرے اس وقت جب کہنے والا اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بھی اسی شمار میں ہے اور اسی جنس سے ہے جیسا کہ عام طور سے کہا جاتا ہے کہ بَنَى الْاَمِيْرُ الْقَصْرَ۔ امیر نے محل تعمیر کیا حالانکہ خود امیر محل تیار نہیں کرتا بلکہ بنانے والے معمار اور مزدور ہوتے ہیں اسی

Marfat.com

طرح عام طور سے یہ بھی کہا جاتا ہے، اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ الْبَقْلَ یعنی بہار نے سبزہ اگایا حالانکہ بہار سبزہ نہیں اگاتی بلکہ بہار کے موسم میں اللہ تعالیٰ سبزہ اگاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ انداز بھی اکثر مقامات پر اختیار کیا گیا ہے۔

تشبیہ دیکھئے صفحہ ۶۹

شرک شرک کے لغوی معنی شریک کرنا۔ شامل کرنا۔ ملانا وغیرہ کے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں شرک سے مراد یہ ہے کہ خدا کی ذات و صفات میں کسی مخلوق کو شریک کرنا۔ اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح خدا اپنی ذات میں واحد ہے۔ اسی طرح خدا اپنی صفات میں بھی واحد و یکتا ہے جو کچھ بھی ہو رہا ہے اسی کے حکم سے ہو رہا ہے وہ سب پر حاوی ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں جو کوئی بھی خدا کی ذات و صفات میں کسی اور ذات کو شریک کرے اسلام کی نظر میں وہ مشرک ہے وہ اسلام کا دشمن ہے خداوند تعالیٰ شرک کو بہت ناپسند فرماتے ہیں یعنی خداوند تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ لوگ اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو اس کے برابر اور ہمسر خیال کریں اور اس کو خدا کا درجہ دیں اور اس کی پرستش و عبادت کریں۔

شرک ایک بات پرانی بیماری ہے جو عالم انسانیت میں ہر وقت پائی جاتی رہی اس بیماری کے علاج کے لئے اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو دنیا میں بھیجا۔ رسولوں اور انبیاء کے منع کرنے کے باوجود لوگ شرک سے بہت محبت کرتے رہے۔ بادشاہ اور فقیر سب اسی مرض میں مبتلا رہے ہیں۔ بعض انسانوں نے خود کو خدا کہلوانا شروع کر دیا۔ بعض نے ہوا، پانی، آگ اور چاند سورج کو خدا بنا لیا حالانکہ یہ خدا نہیں خدائی کے مظہر ہیں۔ بہت سی قوموں نے حیوانات کو پوجنا شروع کر دیا جو چیز بھی انہیں مفید نظر آئی اسی کی پوجا کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اہل کتاب جو اپنے پاس خدا کی کتاب رکھتے

Marfat.com

تھے وہ بھی ایک خدا کے قائل نہ تھے بلکہ انہیں نے بھی غلطی کھائی۔ بعض نے فرشتوں کو خدا کی اولاد کہا۔ بعض نے اپنے نبی کو خدا کا بیٹا کہا اور اس کی ماں خدا کی بیوی۔ چنانچہ عیسائی آج تک تین خداؤں کا تصور رکھتے ہیں۔ حضور اکرم صلعم کے بعثت سے قبل اہل عرب پتھر کے بتوں کی پوجا کرتے تھے اور خانہ کعبہ جو خالص عبادت خداوندی کے لئے حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت اسماعیل ؑ نے تعمیر کیا تھا تین سو ساٹھ بتوں کا گھر تھا۔ جہاں ان بتوں کی باقاعدگی سے پوجا کی جاتی تھی۔

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں شرک کی بہت مذمت کی ہے بلکہ یہاں تک فرمایا کہ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء)

ترجمہ:۔ اللہ اس کو بے شک نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے لیکن اس کے علاوہ جس کو بھی چاہے گا بخش دے گا اور جو کوئی (کسی کو) اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے۔ وہ یقیناً ایک بڑی گمراہی میں پڑ گیا۔

کسی کو خدا کا ہمسر قرار دینا یہ بہت بڑا جرم ہے کیونکہ مخلوق محتاج ہے اور ہر چیز خدا سے لیتی ہے۔ نفع و نقصان سب کچھ خدا کی طرف سے آتا ہے لہٰذا اسلام نے شرک کرنے والے کو بہت بری نگاہ سے دیکھا ہے اللہ تعالیٰ بھی شرک کو ظلم عظیم قرار دیتے ہیں إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۔ یعنی بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔

سب گناہوں میں زیادہ خطرناک گناہ شرک ہے۔ اسلامی تعلیمات میں شرک سے بچنے کی بہت تاکید ہے۔ شرک کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) شرک جلی (۲) شرک خفی

جلی شرک وہ ہے جس میں خدا کی ذات میں غیر اللہ کو شریک کیا جائے۔ جیسے عیسائی تین خداؤں کو مانتے ہیں یا یہودی حضرت عزیر ؑ کو خدا کا بیٹا مانتے رہیں۔

Marfat.com

شرک خفی یہ ہے کہ خدا کی صفات میں غیر اللہ کو شریک کیا جائے یعنی جو کام اور ضروریات خدا تعالیٰ پوری کرتے ہیں وہ بندے بھی کر سکتے ہیں یا خدا اسباب کے بغیر نہیں کرتا بلکہ اسباب ہوں گے تو کام ہوگا یہ سب عقائد شرک خفی ہیں۔

اسلام کا حکم یہ ہے کہ خدا تمام کائنات کا مالک ہے۔ اور جو کچھ کائنات میں ہو رہا ہے وہ خدا کے حکم سے ہو رہا ہے۔ خدا اسباب اور انسانوں کے بغیر جو چاہے کر سکتا ہے اور اسباب اور انسان خدا کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ خدا کی ذات میں شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ اخلاص میں تمام قسم کے شرک کی تردید فرمائی ہے۔

ویسے یہ عقل کا بھی تقاضا ہے کہ اگر اس کارخانہ قدرت کو کئی خدا چلانے ہوتے تو کبھی نہ کبھی خلل پیدا ہو جاتا۔ کبھی نہ کبھی دو یا تین خداؤں میں اختلافات ہو جاتے ہو جاتا مگر جب سے دنیا وجود میں آئی ہے یہ کارخانہ ایک ہی نہج پر چل رہا ہے اور کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اگر کئی خدا ہوتے تو ان میں دنگا فساد ہو جاتا۔ اور کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ شرک کے متعلق قرآن مجید نے واضح الفاظ میں کہہ دیا۔ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (المائدۃ) جو کوئی اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک کرے گا سو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔ اور اس کا ٹھکانا دوزخ (کی) آگ ہے اور (ایسے) ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ تفصیل کیلئے دیکھئے صفحہ ۱۴۲

تبع تابعین

تبع تابعی سے مراد وہ مسلمان ہے جس نے حالت ایمان میں کسی تابعی کو دیکھا ہو اور اس کی وفات بھی حالت ایمان پر ہی ہوئی ہو یا کسی تابعی نے اسے حالت ایمان میں دیکھا ہو اور اس کی موت بھی ایمان پر ہوئی ہو یعنی مرتد ہو کر نہ مرا ہو اسلامی اصطلاح میں اسے تبع تابعی کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلعم کا فرمان ہے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ

Marfat.com

ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ لیعنی بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔ اس کے بعد ان کا جو میرے زمانے کے بعد آئے اور اس کے بعد ان کا جو اُن کے بعد آئے۔ اس فرمان کی رو سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہر لحاظ سے عمدہ اور بہترین زمانہ ہے۔ حضور اکرم صلعم کو جنہوں نے حالت ایمان میں دیکھا یا ملاقات کی اور اسی حالت ایمان میں وفات پائی ان کو صحابی رض کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے۔ جنہوں نے صحابہ کرام رض کو حالت ایمان میں دیکھا یا ان سے ملاقات کی اور حالت ایمان میں وفات پائی اور ان کو اسلامی اصطلاح میں تابعین کہا جاتا ہے۔ پھر جس نے تابعین میں سے کسی تابعی سے ملاقات کی یا اسے دیکھا اور حالت ایمان میں ہی وفات پائی اسے تبع تابعی کہا جاتا ہے۔

نفاق دیکھئے صفحہ ۱۴۲

توجیہہ توجیہہ کو اصل میں دشواریوں کے حل کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے مثلاً کسی مصنف کی تحریر میں جب کوئی ایسا مقام آتا ہے جس کا مفہوم سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے تو شارح اس مقام پر رک جاتا ہے اور پیش آمدہ دشواری کو اس انداز سے حل کرتا ہے کہ اس کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اسی کو اصطلاح میں توجیہہ کہا جاتا ہے۔

توجیہہ کی قسمیں چونکہ تمام کے تمام پڑھنے والے ایک معیار کے لوگ نہیں ہوتے اور سب کی ذہنی سطح ایک سی نہیں ہوتی لہٰذا ایک ہی توجیہہ سب کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ مبتدیوں کی توجیہہ کچھ اور ہوتی ہے اور منتہیوں کی توجیہہ کچھ اور کیونکہ جو چیزیں مبتدی کے لیے دشوار اور ناقابل فہم ہوتی ہیں وہ ایک منتہی کے لیے نہیں ہو سکتیں کیونکہ منتہی کو تمام جزئیات کا علم ہوتا ہے جب کہ مبتدی ان میں سے بہت سی چیزوں سے ناواقف اور ناآشنا ہوتا ہے۔

توجیہہ کے طریقے چنانچہ وہ لوگ جو ہر قسم کی ذہنی سطح سے واقف ہوتے ہیں وہ ان کی سمجھ کے مطابق ہی گفتگو کرتے ہیں یا بس آیات مباحثہ

ہیں اچھی توجیہہ یہ ہے کہ ان مذاہب کا ذکر کیا جائے اور ان پر وارد ہونے والے الزامات کا پوری طرح تجزیہ کیا جائے وہ آیات جن کا تعلق احکام سے ہے ان کی توجیہہ کا یہ انداز ہونا چاہیئے کہ مسئلہ کی جتنی بھی صورتیں ہو سکتی ہیں سب کا ذکر کیا جائے اور اس میں بیان کی جانے والی قیود و شرائط سے بحث کی جائے اس طرح ان تمام چیزوں کو زیر بحث لایا جائے جن سے اصل مسئلہ پر روشنی پڑ سکتی ہو۔ وہ آیات جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہے ان کی توجیہہ کا یہ انداز ہونا چاہیئے کہ ان نعمتوں کی تصویر کشی کی جائے ان کی تمام جزئیات کو بیان کیا جائے اور ان مقامات کی وضاحت کی جائے جو ان جزئیات سے تعلق رکھتے ہوں وہ آیات جن کا تعلق تذکیر بایام اللہ سے ہے ان کی توجیہہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس سلسلہ کے تمام قصوں کو سلسلہ وار ترتیب کے ساتھ بیان کیا جائے اور اثنائے قصہ میں جتنی تعریفات اور تلمیحات آئیں۔ ان کی پورے طور پر وضاحت کی جائے اور وہ آیات جن کا تعلق موت اور اس کے بعد کے حالات اور واقعات سے ہے ان کی توجیہہ کا طریقہ یہ ہے کہ پیش آنے والی ہر صورت حال کی تصویر کشی کی جائے اور تمام حالات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے۔

فنون توجیہہ میں یہ امر بھی شامل ہے کہ جو چیزیں نامانوس ہونے کی وجہ سے فہم سے دور ہوں وہ قریب الفہم کر دی جائیں۔ دو دلیلیں جب ایک دوسرے کے خلاف ہوں ان میں فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اسی طرح دو تعریفوں اور معقول و منقول کے درمیان ٹکراؤ ہو تو اسے بھی دور کرنا چاہیئے۔ دو مشتبہ چیزوں کا فرق ظاہر کر دیا جائے اور حسب ضرورت دو مختلف باتوں میں مطابقت پیدا کی جائے۔ جس آیت میں کسی وعدے کی طرف اشارہ ہو اس کی سچائی ظاہر کی جائے۔ قرآن عظیم میں جس بات کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر آنحضرت صلعم کے عمل کی کیفیت بتا دی جائے۔

صحابہ کرام رض کے زمانہ میں نہ توجیہہ نے باقاعدہ فن کی صورت اختیار کی

Marfat.com

تھی اور نہ اس کے اصول و قواعد متعین ہوتے تھے۔ اس کے باوجود ان بزرگوں نے بھی آیاتِ قرآنی کی توجیہہ کی ہے۔ اور بڑی کثرت سے کی ہے۔

اقانیم ثلاثہ — دیکھیے صفحہ ۸۷
ردِّ یہود — دیکھیے صفحہ ۷۸
ردِّ نصاریٰ — دیکھیے صفحہ ۸۵
منافقین — دیکھیے صفحہ ۷۴

سوال ۱۔ الفوز الکبیر کا موضوع کیا ہے اور اس کے اہم عنوانات کیا ہیں؟ تبصرہ کیجیے سنہ ۱۹۹۴ء

سوال ۲۔ الفوز الکبیر کے تمام اہم مباحث ایک مختصر مگر جامع شکل میں تحریر کیجیے۔ ان میں سے کون سے موضوع شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جدتِ طبع (یا بقول ان کے علوم وہبیہ) کا نتیجہ ہیں سنہ ۱۹۹۵ء

جواب۔ دنیا کے ہر علم کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس علم کے اصول و مبادی سے اچھی طرح واقفیت ہو۔ جیسے کسی مصنف کی کتاب کو سمجھنے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ اس کتاب کی زبان سے واقفیت، مضمون کے بارے میں ابتدائی معلومات اور مخصوص اصطلاحات کا علم ہو اسی طرح قرآن حکیم کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے علم اصولِ تفسیر کا جاننا ضروری ہے۔ چنانچہ اس علم کے بغیر کوئی شخص خواہ کتنا ہی عالم فاضل کیوں نہ ہو قرآن مجید کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتا۔ علمائے اسلام کی اصولِ تفسیر کے موضوع پر بہت سی قابلِ قدر تصنیفات ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

۱۔ البرہان فی علوم القرآن ۔ علامہ زرکشی
۲۔ الاتقان فی علوم القرآن ۔ امام جلال الدین سیوطی
۳۔ مناہل العرفان فی علوم القرآن ۔ عبدالعظیم زرقانی
۴۔ اکسیر فی اصول التفسیر ۔ نواب صدیق حسن خاں

Marfat.com

۵۔ رسالہ فی اصول التفسیر۔ امام ابن تیمیہ رح

۶۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

الفوز الکبیر کا موضوع

شاہ صاحب نے اسے فارسی زبان میں تصنیف کیا تھا۔ بعد میں اس کے عربی اور اردو تراجم ہو گئے۔ یہ کتاب فی الواقع لاجواب ہے اور اپنے موضوع پر اپنی نظیر آپ۔ یہ تصنیف اتنی اس قدر جامع ہے کہ قرآن پاک کے مطالب و معانی کو ٹھیک طور پر سمجھنے کے لیے جن باتوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ سب کی سب اس میں آ گئی ہیں اس کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ تفسیر کے تمام اصول و ضوابط اس میں آ گئے ہیں۔

۲۔ بعض اہم مباحث میں مفسرین کے مختلف اقوال میں سے صرف ان اقوال کو لیا ہے جو زیادہ صحیح اور عمدہ ہیں۔ ان میں بھی شاہ صاحب نے جن کو ترجیح دی ہے وہ اصح ہیں۔

۳۔ ایسے مسائل بھی بیان کیے ہیں جو کہ ان کی اپنی تخلیق ہیں اور ایسے مسائل پر شاہ صاحب سے قبل کسی مفسر نے قلم نہیں اٹھایا۔ شاہ صاحب نے ان مسائل کو علوم وہبیہ کا نام دیا ہے۔

۴۔ خود شاہ صاحب نے اس کتاب کی اہمیت و افادیت کے بارے میں اس کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن فہمی کی توفیق بخشی۔ تو میں نے چاہا کہ ایک مختصر سے رسالہ میں بعض مفید نکات کی وضاحت کر دوں جس سے شائقین کو کتاب اللہ کے سمجھنے میں مدد ملے اور ان قواعد کو سمجھ لینے کے بعد علوم قرآن کے طلبہ کے لیے اس کے معانی و مطالب کے فہم کے لیے ایک وسیع راستہ کھل جاتے۔

اہم مباحث

یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ فتح الخبیر بما لا بد من حفظہ فی علم التفسیر، کو جو بجائے خود ایک مستقل

Marfat.com

کتاب ہے خود شاہ صاحب نے اس کتاب کا پانچواں باب قرار دیا ہے۔ پہلے باب میں شاہ صاحب نے چند اصول بیان فرمائے ہیں کہ مضامین قرآنیہ پانچ قسم کے ہیں۔ احکام۔ مخاصمہ۔ التذکیر بآلاء اللہ۔ التذکیر بایام اللہ۔ التذکیر بالموت و بعد الموت قرآن چار قسم کے لوگوں سے تحدّی کرتا ہے۔ مشرکین۔ منافقین۔ یہود۔ اور نصاریٰ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ مفسرین کو یہ پہلا اصول ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کا اسلوب بیان اوّل سے آخر تک عرب قدیم کے طرز بیان کے مطابق ہے نہ کہ بعد کے مصنفین و مؤلفین کے طرز کے مطابق دوسرا اصول یہ بیان فرماتے ہیں کہ جن آیات میں تذکیر بآلاء اللہ ہے۔ وہاں اصل مقصود تزکیہ نفس ہے نہ کہ فلسفیانہ یا تاریخی مسائل کی تعلیم۔ خداوند تعالیٰ نے وہی واقعات بیان فرمائے ہیں جو عرب میں اور وہی تاریخی قصے دہراتے ہیں جو عام طور سے مشہور ہیں۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ یہ بالکل غلط اصول ہے کہ ہر آیت کی کوئی نہ کوئی شان نزول تسلیم کی جائے اور اسی شان نزول کے ماتحت اس آیت کی تفسیر کی جائے

دوسرے باب میں تفسیر قرآن کی دشواریوں کا ذکر ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ قرآن پاک نہایت سلیس، سہل اور سادہ عبارت میں نازل ہوا ہے جس کو معمولی سی معمولی قابلیت رکھنے والا عرب سنتے ہی سمجھ لیتا تھا۔ چونکہ آیات متشابہات پر غور و خوض کرنے سے رسول مقبول صلعم نے منع فرما دیا تھا اس لیے انہوں نے ایسی آیات کی فلسفیانہ تشریح و توضیح کی جستجو ہی نہیں کی۔ البتہ اہل عجم اسلام لائے تو مندرجہ ذیل قسم کی دشواریاں نمودار ہوئیں:۔

۱۔ بعض الفاظ کا اغلاق و ابہام
۲۔ ناسخ و منسوخ کا علم نہ ہونا
۳۔ شان نزول سے ناواقفیت
۴۔ نحوی و لغوی دشواریاں

Marfat.com

۱۔ معانی و غریب الفاظ کی نسبت لکھتے ہیں کہ ایسے الفاظ کے معنے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے معتبر ذرائع سے ہم تک پہنچ گئے ہیں جن کو فتح الخبیر میں جمع کر دیا گیا ہے ۔

۲۔ ناسخ و منسوخ کے بارے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قدما نے نسخ کے مفہوم کو بڑی وسعت دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آیات منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک پہنچا دی گئی۔ جلال الدین سیوطی نے اُن پر غور و خوض کیا تو ان کی تعداد پانچ سو سے کم کر کے بیس تک محدود کر دی ۔ شاہ صاحب نے مزید کمی کر کے آیات منسوخہ کی تعداد صرف پانچ بتائی ۔

۳۔ شان نزول کے بارے میں شاہ صاحب کا خیال ہے کہ سبب نزول کے مفہوم کے بارے میں عجب مبحث ہے ۔ ہر وہ واقعہ جس پر کسی آیت کا اطلاق ہو سکتا ہے اور جو جناب رسول مقبول صلعم کے زمانہ میں پیش بھی آیا ہو غلطی سے اس آیت کی شان نزول قرار دے دیا گیا ہے ۔ نَزَلَتْ الآیۃ فی ھذا جو قدما کے کلام میں پایا جاتا ہے ۔ اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کی شان نزول ہے۔ تیسرے باب میں شاہ صاحب نے قرآنی اسلوب بیان کے خصائص بیان کیے ہیں ۔ آپ نے بتایا ہے کہ قرآن پاک کی ترتیب ایک باقاعدہ کتاب کی ترتیب و تالیف کے مطابق نہیں ہے بلکہ آپ سورتوں کی مثال ایسے احکام سے دیتے ہیں جن کو بادشاہ وقتاً فوقتاً حسب ضرورت جاری کرتا ہے ۔ شاہ صاحب نے یہ مقابلہ نہایت تفصیل کے ساتھ کیا ہے ۔

چوتھے باب میں موجودہ تفاسیر پر ایک عام تبصرہ ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ مفسروں نے اپنے اپنے مختلف نقطۂ نظر سے تفسیریں لکھی ہیں مثلاً ماہر صرف و نحو نے صرفی و نحوی نقطۂ نگاہ سے تفسیر لکھی اور ایک فلسفی نے فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے ۔ اس عام میلان طبع سے بجائے فائدہ کے یہ سخت نقصان پہنچا کہ لوگ قرآن کی روح سمجھنے سے قاصر رہے ۔ اس کی مثال میں شاہ صاحب فرماتے

Marfat.com

رہیں کہ علم تجوید نے پڑھنے والوں کی توجہ آیات کے معانی پر غور و فکر کی بجائے قرأت کی طرف منعطف کردی ہے۔ صفحہ ۲۹ بھی دیکھئے۔

وہ علوم جو شاہ صاحب کی جودت طبع کا نتیجہ ہیں

شاہ صاحب الفوز الکبیر میں خود فرماتے ہیں:۔

و ایں فقیر را بحمد اللہ و توفیقہ در ہر یک ازیں فنون مناسبتے حاصل شدہ است و در اکثر اصول آں و جملہ صالحہ از فروع آں بدست آمدہ است و نوعی از استقلال و تحقیق در ہر بابے کہ بہ شبہ باجتہاد فی المذاہب باشد صورت لبستہ است، و دو سہ فن دیگر از فنون تفسیر از ودیعت فیض آلہی بخاطر ریختہ است ___ اگر راست پرسی من شاگرد بے واسطہ قرآن عظیم، چنانکہ اویسی روح پرفتوح حضرت رسالتم صلی اللہ علیہ وسلم مانند آنکہ مستفید بے واسطہ کعبہ حسنی ام شبیہ بآنکہ اشتہر بے واسطہ صلوۃ عظمی ام۔

وَلَوْ أَنَّ لِيْ فِيْ كُلِّ مَنْبَتِ شَعْرَةٍ لِسَانًا لَمَا اسْتَوْفَيْتُ وَاجِبَ حَمْدِهٖ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کی توفیق سے فقیر کو ان تمام علوم تفسیر میں مناسبت حاصل ہے۔ میں نے علم تفسیر کے اکثر اصول و فروع کو سمجھ لیا ہے مجھے اس کے ہر مسئلے میں ایسی تحقیق و پختگی حاصل ہے جسے درجہ اجتہاد کے مشابہ کہا جاسکتا ہے۔ ان کے علاوہ فن تفسیر کے دو تین اور علوم بھی ودیعت فیض الٰہی سے میرے دل میں القا ہوئے ہیں۔ اگر تم سچی بات پوچھو تو میں قرآن عظیم کا براہ راست اسی طرح شاگرد ہوں جس طرح حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح کا اویسی[1] ہوں گویا جس

[1] حضرت اویس قرنی کا مشہور قصہ ہے وہ ایسے خوش بخت تھے خیر القرون کا زمانہ پایا تھا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملے تھے نہ ہی عقیدت و محبت تھی۔ خدمت اقدس میں جسمانی اعتبار سے حاضری کی سعادت سے محروم رہے مگر روحانی اعتبار سے براہ راست حضور صلعم سے بلنی فیض رہا کرتے تھے

طرح کعبہ حسنی[1] سے براہِ راست مستفید ہوں اسی طرح صلوٰۃ عظمیٰ[2] سے بلا واسطہ اثرات لیتا ہوں۔ اگر میرے جسم کے تمام بال زبان رکھتے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کا جو مجھ پر واجب ہے حق پورا نہ ہوتا۔ مراد یہ ہے کہ قرآن فہمی کی ایسی سعادت ہے جس کا شکر ادا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

علم تفسیر سے تعلق رکھنے والے وہ وہبی علوم جن کی طرف شاہ صاحب نے اشارہ کیا ہے ان میں سے ایک انبیاء علیہم السلام کے قصص کی تاویل کا علم ہے۔ شاہ صاحب نے اس موضوع پر ایک الگ رسالہ تصنیف کیا جس کا نام "تاویل الاحادیث" رکھا۔

۲۔ دوسرا وہبی علم علوم خمسہ کی تحقیق ہے اور یہ وہی ہے جو قرآن عظیم کا اصلی مطلب و مقصود ہے۔ شاہ صاحب نے پہلے باب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کی ہے اور ان کو بیان کر کے طلبہ کے لیے قرآن فہمی کے دروازے کھول دیئے ہیں۔

۳۔ قرآن مجید کا ترجمہ فارسی زبان میں اس طرح کرنا کہ وہ مقدار، تخصیص اور تعمیم وغیرہ میں عربی کے مشابہ ہو یہ بھی علوم وہبی میں سے ہے اس ترجمہ کا نام فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن رکھا ہے۔

۴۔ علم خواص قرآن بھی علوم وہبی میں سے ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اسمائے حسنہ، آیات عظیمہ اور ادعیہ متبرکہ سب کچھ ایک ساتھ میرے دامن میں ڈال دیا اور فرمایا گیا کہ یہ ہمارا عطیہ ہے۔ تصریف کے لیے کارآمد ہے۔ بقول شاہ صاحب یہ ایک ایسا عطیہ ہے جو صرف میری ذات سے مخصوص ہے لہٰذا اس سلسلہ میں جو کچھ مجھے معلوم ہے۔ وہ سب سے الگ اور منفرد ہے۔

---

[1] کعبہ حسنی سے مراد مرکز فیوض و برکات یعنی قرآن مجید ہے۔
[2] صلوٰۃ عظمیٰ سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

Marfat.com

۵- حروف مقطعات کے حل اور معنی کا علم بھی ہے۔ شاہ صاحب ان حروف مقطعات کے معانی و مطالب بڑے عمدہ سے بیان کیے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے جو علوم میرے ذہن ناقص پر نازل کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک مقطعات کے معانی کا علم ہے۔

سوال - شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے الفوز الکبیر کے باب دوم بدیع اسلوب القرآن میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ بیان کیجئے۔ سنہ ۹۶ء

جواب - شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن مجید اسلوب بیان اور انداز ترتیب و تبویب کے اعتبارات سے ایک منفرد کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج کل موجودہ انداز تصنیف کے مطابق مطالب اور مباحث کے لحاظ سے ابواب اور فصلوں میں تقسیم نہیں کیا گیا ہے بلکہ قرآن مجید کو مکتوبات اور فرامین کا مجموعہ سمجھنا چاہیے۔ جس طرح سے شاہان وقت اپنی رعایا کے نام مخصوص حالات میں ایک خاص قسم کا فرمان نافذ کرتے ہیں اور جب حالات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تو دوسرا فرمان صادر کرتے ہیں۔ اسی طرح مختلف قسم کے فرامین کا سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ ایک خاص مدت میں بہت سے فرامین اکٹھے ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص ان فرامین کو مدون کر کے ایک مجموعہ مرتب کر لیتا ہے۔ اسی طرح شہنشاہ مطلق نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگوں کی ہدایت کے لیے مختلف اوقات میں حالات کے مطابق سورتیں نازل کیں۔ جن میں سے احکامات بھی ہیں۔ سابقہ احکامات کے لیے تاکیدات اور مخالفت کرنے والوں کے لیے تہدیدات اور عمل کرنے والوں کے لیے انعامات کا بھی ذکر ہے۔

حضور اکرم صلعم کے زمانہ میں ان تمام سورتوں کو علیحدہ علیحدہ منضبط اور محفوظ کر لیا گیا لیکن مرتب نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ اس کو کتابی شکل دے دی گئی۔ اور اس کا نام مصحف رکھا گیا۔

Marfat.com

چونکہ سورتوں کے اسلوب اور شاہی فرامین کے اسلوب میں پوری مناسبت ہے اس لیے سورتوں کی ابتدا اور انتہا میں مکتوبات کے طریقے کی رعایت رکھی گئی ہے چنانچہ بعض مکتوبات کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد سے کیا جاتا ہے بعض کی ابتداء غرض تحریر کی وضاحت سے کی جاتی ہے بعض کاتب اور مکتوب الیہ کے نام سے شروع کیے جاتے ہیں اور بعض رقعات بغیر عنوان کے ہوتے ہیں۔ بعض طویل اور بعض مختصر ہوتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد و ثنا سے شروع کیا اور بعض کو غرض تحریر کی وضاحت سے مثلاً سورۃ فاتحہ، سورۃ اعلیٰ، سورۃ حدید کو حمد کے ساتھ شروع کیا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ کو غرض تحریر سے بعض کو مرسل اور مرسل الیہ کے نام سے شروع کیا گیا ہے جیسے تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ، مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ۔ بعض سورتیں بغیر عنوان کے جیسے سورۃ منافقون إِذَا جَاءَكَ، اِنَّا فَتَحْنَا ۔

اہل عرب کا فصیح ترین کلام قصائد کی شکل میں ہے۔ قصائد میں اصل مقصد سے پہلے تمہید کے طور پر تشبیب لکھی جاتی ہے اور تشبیب میں عجیب و غریب مقامات اور حیرت انگیز اور ہولناک واقعات کا ذکر کرنا ان کی بہت پرانی روایت ہے۔ قرآن مجید کی بعض سورتوں میں بیان کا یہ اسلوب بھی اختیار کیا گیا ہے مثلاً سورۃ النّٰزعٰت اور سورۃ تکویر میں۔

آیات قرآن اور ان کا وزن دوسری فصل میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک قصیدہ مختلف اور متعدد اشعار پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی سورتیں بھی مختلف اور متعدد آیات پر مشتمل ہیں۔ مقاصد کے اعتبار سے یہ دونوں اچھے لہجے میں سنائے جانے کے لائق ہوتی ہیں اور ان سے سننے اور سنانے والے حظ و لذت حاصل کرتے ہیں۔

Marfat.com

وزن شعر اور آیات اشعار و ابیات اور آیات قرآن میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ اشعار عروض و قافیہ کی ان شرائط کے پابند ہوتے ہیں جنہیں خلیل نحوی نے مرتب کیا تھا۔ ان کے برخلاف قرآن کی آیات میں جس وزن و قافیہ کا التزام کیا گیا ہے۔ وہ وزن و قافیہ کے شعری تصور سے مختلف اور طبیعت کے فطری انداز سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ موزوں و مقفی قصائد اور اشعار سے ہر مذاق سلیم رکھنے والا لطف اندوز ہوتا ہے اور ایک خاص قسم کی شیرینی اور دلکشی محسوس کرتا ہے۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کلام کے اجزاء میں موافقت ہوتی ہے مخاطب کا دل اسے سن کر مزا لینا اور اس کے بعد مزید کلام سننے کا منتظر ہو جاتا ہے۔ جب اسی سلسلے کا دوسرا شعر اسی موافقت کا سنا دیا جاتا ہے۔ اور اس کی حالت منتظرہ ختم ہو جاتی ہے تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے اگر یہ اشعار وزن کے ساتھ ساتھ قافیہ کے اعتبار سے بھی یکساں نکلتے ہیں تو لذت سہ چند ہو جاتی ہے یہ وہ راز ہے جس کی بناء پر انسان کو اشعار سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ملک اور قوم میں وزن اور قافیہ کا تصور یکساں نہیں ہے بلکہ وزن کے اجزاء اور قافیہ کے شرائط کے سلسلہ میں ہر قوم کے اپنے اپنے تصورات اور نظریات ہیں۔ اسی وجہ سے ہر زبان کی شاعری کے اصول و قواعد الگ اور مختلف ہیں۔ اور ہر قوم اپنے اپنے نظریات کے مطابق شاعری سے لطف و حلاوت حاصل کرتی ہے۔

آیات کا وزن اور اس کا اصول جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انسان سے ہمکلام ہو تو اس نے اسی اجمالی حسن کی رعایت فرمائی۔ ان قواعد و اصول کو ملحوظ نہیں رکھا جنہیں ایک قوم پسند کرتی ہے تو دوسری قوم پسند نہیں کرتی۔ قرآن مجید میں وزن کے لیے سانس اور آواز کو معیار قرار دیا ہے۔ یعنی ایک سانس کی مدت جس لفظ پر تمام ہوتی ہے

Marfat.com

وہی لفظ قرآن کی آیات میں قافیہ کی حیثیت رکھتا ہے، خواہ وہ ہمارے مفروضہ قوافی کی شرائط پر پورا اترتا ہو یا نہیں۔

تکرار کی افادیت قرآن مجید میں ایک ہی مطلب کو بار بار اور متعدد مقامات پر دہرایا گیا ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ وہ امور پیش نظر رہیں اور تکرار سے اس میں پختگی ہو لیکن پھر بھی ہر مقام پر خیال رکھا گیا ہے کہ ایک ہی عبارت بار بار دہرائی نہ جائے چنانچہ ہر بار نئی عبارت اور نیا اسلوب اختیار کیا گیا ہے تاکہ اس کی دلنشینی اور آفرینی میں اضافہ ہوتا رہے اور طبیعت اکتاہٹ محسوس نہ کرنے پائے۔

قرآن کا اعجاز شاہ صاحب قرآن مجید کے اسلوب کے سلسلہ میں قرآن کے اعجاز پر بھی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن مختلف اعتبارات سے معجزہ ہے ان میں سے ایک قرآن کا مخصوص اور منفرد اسلوب بھی ہے اہل عرب چند مخصوص میدانوں میں اپنی بلاغت و فصاحت کا مظاہرہ کیا کرتے تھے اور انہیں میدانوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے لیکن قرآن مجید نے نئے اسلوب کا اختراع کیا۔

۲۔ قرآن مجید میں امم سابقہ کے تاریخی واقعات، ان کے قصے اور احکام بیان کیے گئے ہیں اس طرح کہ وہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

۳۔ قرآن مجید میں آنے والے احوال و واقعات کی خبر دی گئی ہے تو جب بھی کوئی بات اس کے مطابق ہوگی ایک نیا معجزہ ظاہر ہوگا۔

۴۔ قرآن مجید میں اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے جو کسی انسان سے ممکن نہیں

۵۔ قرآن مجید کے عجائب و نوادر میں ایک یہ بھی ہے کہ تذکیر یا مباحثہ کے موقع پر معانی کو جو بھی لباس پہنایا جاتا ہے، وہ سورت کے خاص اسلوب کے مناسب ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ اعراف سورۃ ہود اور سورۃ شعراء کے ان مقامات کو دیکھنا چاہیئے جہاں انبیائے گذشتہ کے حالات و واقعات تذکرہ کیا گیا ہے پھر انہیں قصص و حکایات کا سورۃ صافات میں مطالعہ کرنا چاہیئے۔ پھر انہیں واقعات

Marfat.com

کو سورۂ ذاریات میں پڑھنا چاہیئے۔ اس طرح جب ایک ہی واقعہ کے سلسلہ میں مختلف مقامات پر مختلف قسم کے اسلوب نظر آئیں گے تو ان کا باہمی اقتیاز اور ان کی حقیقت آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔

۶۔ قرآن مجید میں استعارات و کنایات کا استعمال بھی کیا گیا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی حالت کا بھی لحاظ کیا گیا ہے جو بالکل جاہل اور ان صنعتوں سے بے بہرہ تھے۔ اسی طرح دو مختلف اور متضاد باتوں کو جمع کرنے

. . . .

. . . . کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اور یہ آسان کام نہیں تھا۔ کیونکہ صنعتوں کے استعمال کے باوجود کلام کو ادنیٰ ترین ذہنی سطح کے برابر بھی رکھنا تھا۔ اور یہ دشوار ترین مرحلہ تھا جس پر قرآن نے جس سہولت اور آسانی کے ساتھ قابو پالیا ہے۔ اسے معجزہ کے علاوہ اور کچھ کہا ہی نہیں جا سکتا۔

۷۔ قرآن کے معجزہ ہونے کے وجوہ میں ایک وجہ ایسی ہے جسے سوائے ان لوگوں کے جو شریعت کے اسرار و رموز کو سمجھنے کا سلیقہ رکھتے ہیں، کوئی اور سمجھ ہی نہیں سکتا۔ وہ چیز خود قرآن مجید کا نفس مضمون اور اس میں بیان کیے جانے والے مطالب ہیں۔ خود اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی آدم کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

صفحہ ۵۳ بھی دیکھیے

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

Marfat.com

مطالعہ متنِ قرآن

(سورۃ مائدۃ، انعام، اعراف، انفال، توبہ)

سورتوں کے اجمالی مطالب

(اہم آیات مع ترجمہ تفسیر و تشریح اور اہم سوالات کے جوابات)

Marfat.com

Marfat.com

سورۃ المائدۃ

تمہید

سورۃ المائدۃ مدنی سورت ہے۔ اس سورت میں کل ایک سو بیس ۱۲۰ آیات ہیں۔ جن میں سے پہلی بیاسی ۸۲ آیات چھٹے پارے میں اور باقی اڑتیس ۳۸ آیات ساتویں پارے میں ہیں۔ قرآن پاک کی کل ۱۱۴ سورتیں ہیں جن میں اس سورۃ کا پانچواں نمبر ہے۔

نام اور وجہ تسمیہ

المائدۃ کا مادہ م۔ی۔د ہے۔ المائدۃ المائد کا مؤنث ہے اور دسترخوان کے لیے بولا جاتا ہے جس پر کھانا ہو۔ اس کی جمع موائد اور مائدات آتی ہے۔ پندرھویں رکوع کی آیت ۱۱۲ اور ۱۱۴ میں مائدۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ۔ ترجمہ: کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک دسترخوان اتار سکتا ہے؟ تفصیل یہ ہے:۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے آسمان سے کھانا بھیجے تاکہ اس کو ہم کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور یقین کر لیں کہ آپ سچے پیغمبر خدا ہیں اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔ ان کی اس درخواست پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ اے پروردگار ہمارے لیے آسمان سے کھانے سے بھرا ہوا ایک دسترخوان بھیج تاکہ وہ ہمارے لیے یعنی ہم میں سے اگلوں اور پچھلوں کے لیے ایک جشن بن جائے اور تیری طرف سے ایک نشان بن جائے تو ہمیں عطا کر اور تو ہی بہترین عطا کرنے والا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس درخواست کے جواب میں فرمایا کہ میں کھانا ضرور تم پر

Marfat.com

اُتاردوں گا لیکن پھر جو کوئی اس کے نزول کے بعد کفر اختیار کرے گا۔ اسے سزا بھی دوں گا اور وہ سزا ایسی ہوگی کہ اس سے پہلے نہ کسی کو دی اور نہ آئندہ دوں گا۔ اس امر میں مفسرین میں اختلاف ہے کہ آیا مائدۃ نازل ہوا تھا یا نہیں۔

اسی واقعہ کی نسبت سے اس سورت کا نام سورۃ مائدۃ پڑ گیا۔ اسے مائدۃ کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ساری سورت میں اس کھانے کے دسترخوان کے متعلق بحث کی گئی ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ سورت جس میں مائدۃ کا ذکر آیا ہے۔ قرآن مجید کی بیشتر سورتوں کے ناموں کی طرح اس نام کو بھی سورت کے موضوع سے کوئی خاص تعلق نہیں محض دوسری سورتوں سے ممیز کرنے کے لیے اسے علامت کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔

زمانہ نزول اس سورت کے نزول کا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مدینہ بلکہ آخر عمر شریف کا زمانہ ہے اس کے بیشتر حصّہ کا نزول مکہ معظمہ میں حجۃ الوداع ذی الحجہ ۱۰ ہجری کے موقع پر ہوا ہے اور کچھ صلح حدیبیہ (۶ ہجری) سے واپسی کے وقت اور کچھ سال فتح مکہ ۸ ہجری میں جیسا کہ اس سورت کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جس وقت اس سورت کا نزول ہوا تو آپؐ اونٹنی پر سوار تھے اور نزول وحی کے ثقل کو جانور تک نے محسوس کیا اور وہ بیٹھ گئی۔

اس سورت کے مضامین سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ صلح حدیبیہ کے واقعہ کو بیان کیا جائے چنانچہ اس کی تفصیل یہ ہے:۔

ذی القعدہ ۶ ہجری کا واقعہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو ۱۴۰۰ مسلمانوں کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ تشریف لے گئے مگر کفار قریش نے عداوت کے جوش میں عرب کی قدیم ترین مذہبی روایات کے خلاف آپؐ کو عمرہ

Marfat.com

نہ کرنے دیا اور بڑی ردوکد کے بعد یہ بات قبول کی کہ آئندہ سال آپ زیارت کے لیے آسکتے ہیں۔ اس موقعہ پر ضرورت پیش آئی کہ مسلمانوں کو ایک طرف تو زیارتِ کعبہ کے لیے سفر کے آداب بتلائے جائیں تاکہ آئندہ سال عمرے کا سفر پوری اسلامی شان کے ساتھ ہو سکے اور دوسری طرف انہیں تاکید کی جائے کہ دشمن کافروں نے ان کو عمرہ سے روک کر زیادتی کی ہے۔ اس کے جواب میں وہ خود ناروا زیادتی نہ کریں اس لیے کہ بہت سے کافر قبیلوں کے حج کا راستہ اسلامی مقبوضات سے گزرتا تھا اور مسلمانوں کے لیے یہ ممکن تھا کہ جس طرح انہیں زیارتِ کعبہ سے روکا گیا ہے اسی طرح وہ بھی ان کو روک دیں۔ یہی تقریب ہے اس تمہیدی تقریر کی جس سے اس سورت کا آغاز ہوا ہے۔ آگے چل کر تیرھویں رکوع میں پھر اسی مسئلہ کو چھیڑا گیا ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ پہلے رکوع سے چودھویں رکوع تک ایک ہی سلسلۂ تقریر چل رہا ہے۔ اس کے علاوہ جو دوسرے مضامین اس سورت میں ہم کو ملتے ہیں وہ بھی سب کے سب اسی دور کے معلوم ہوتے ہیں۔

شانِ نزول اس سورت کے نزول تک مسلمانوں کے حالات بہت بدل چکے تھے۔ گو جنگِ احد کے صدمے نے مسلمانوں کے لیے مدینہ کے قریبی ماحول کو بھی پرخطر بنا دیا تھا لیکن اب وہ وقت آ گیا کہ عرب میں اسلام ایک ناقابلِ شکست طاقت نظر آنے لگا اور اسلامی ریاست ایک طرف نجد تک، دوسری طرف حدودِ شام تک، تیسری طرف ساحلِ بحرِ احمر تک اور چوتھی طرف مکہ کے قریب تک پھیل گئی۔ احد میں مسلمانوں نے جو زخم کھایا تھا وہ ان کی ہمتیں توڑنے کی بجائے ان کے عزم کے لیے ایک اور تازیانہ ثابت ہوا وہ زخمی شیر کی طرح بپھر کر اٹھے اور تین سال کی مدت میں انہوں نے نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ ان کی مسلسل جدوجہد اور سرفروشیوں کا ثمرہ یہ تھا کہ مدینہ کے چاروں طرف ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو سو میل تک تمام مخالف قبائل

Marfat.com

کا زور ٹوٹ گیا۔ مدینہ پر جو یہودی خطرہ ہر وقت منڈلاتا رہتا تھا۔ اس کا ہمیشہ کیلیے استیصال ہوگیا اور حجاز میں دوسرے مقامات پر بھی جہاں جہاں یہودی آباد تھے سب مدینہ کی حکومت کے باجگذار بن گئے۔ اسلام کو دبانے کے لیے قریش نے آخری کوشش غزوہ خندق کے موقعہ پر کی اور اس میں وہ سخت ناکام ہوئے۔ اس کے بعد اہل عرب کو اس امر میں کچھ شک نہ رہا کہ اسلام کی یہ تحریک اب کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتی۔ اب اسلام محض ایک عقیدہ و مسلک ہی نہ تھا۔ جس کی حکمرانی صرف دلوں اور دماغوں تک محدود ہو بلکہ وہ ایک ریاست بھی تھا جس کی

.. حکمرانی عملاً اپنے حدود میں رہنے والے تمام لوگوں کی زندگی پر محیط تھی۔ اب مسلمان اس طاقت کے مالک ہو چکے تھے کہ جس مسلک پر وہ ایمان لائے تھے بے روک ٹوک اس کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور اس کے سوا کسی دوسرے عقیدہ و مسلک یا قانون کو اپنے دائرۂ حیات میں دخل انداز نہ ہونے دیں۔

پھر ان چند برسوں میں اسلامی اصول اور نقطۂ نظر کے مطابق مسلمانوں کی اپنی ایک مستقل تہذیب بن چکی تھی جو زندگی کی تمام تفصیلات میں دوسروں سے الگ اپنی ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ اخلاق، معاشرت، تمدن، ہر چیز میں اب مسلمان غیر مسلموں سے بالکل ممیز تھے۔ تمام اسلامی مقبوضات میں مساجد اور نماز باجماعت کا نظم قائم ہو چکا تھا۔ ہر بستی اور ہر قبیلے میں امام مقرر تھے۔ اسلامی قوانین دیوانی و فوجداری بڑی حد تک تفصیل کے ساتھ بن چکے تھے اور اپنی عدالتوں کے ذریعے سے نافذ کیے جا رہے تھے۔ لین دین اور خرید و فروخت کے پرانے معاملات بند اور نئے اصلاح شدہ طریقے رائج ہو چکے تھے۔ وراثت کا مستقل ضابطہ بن گیا تھا۔ نکاح و طلاق کے قوانین، پردۂ شرعی اور استیذان کے احکام، زنا و قذف کی سزائیں جاری

Marfat.com

ہونے سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی ایک خاص سانچے میں ڈھل گئی تھی مسلمانوں کی نشست و برخاست، بول چال، کھانے پینے، وضع قطع اور رہنے سہنے کے طریقے تک اپنی ایک مستقل شکل اختیار کر چکے تھے۔ اسلامی زندگی کی ایسی مکمل صورت گری ہو جانے کے بعد غیر مسلم دنیا اس طرف سے قطعی مایوس ہو چکی تھی۔ کہ یہ لوگ جن کا اپنا ایک الگ تمدن بن چکا ہے۔ پھر کبھی ان میں آ ملیں گے صلح حدیبیہ سے پہلے تک مسلمانوں کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ وہ کفارِ قریش کے ساتھ ایک مسلسل کشمکش میں الجھے ہوئے تھے۔ اور انہیں اپنی دعوت کا دائرہ وسیع کرنے کی مہلت نہ ملتی تھی۔ اس رکاوٹ کو حدیبیہ کی ظاہری شکست اور حقیقی فتح نے دور کر دیا۔ اس سے ان کو نہ صرف یہ کہ اپنی ریاست کے حدود میں امن میسر آ گیا بلکہ اتنی مہلت بھی مل گئی۔ کہ گرد و پیش کے علاقوں میں اسلام کی دعوت کو لیکر پھیل جائیں۔ چنانچہ اس کا افتتاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایران، روم، مصر اور عرب کے بادشاہوں اور رئیسوں کو خطوط لکھ کر کیا اور اس کے ساتھ ہی قبیلوں اور قوموں میں مسلمانوں کے داعی خدا کے بندوں کو اس کے دین کی طرف بلانے کے لیے پھیل گئے۔

مباحث یہ حالات تھے جب سورۃ مائدہ نازل ہوئی یہ سورت حسب ذیل تین بڑے بڑے مضامین پر مشتمل ہے :۔

۱۔ مسلمانوں کی مذہبی، تمدنی اور سیاسی زندگی کے متعلق مزید احکام و ہدایات۔ اس سلسلہ میں سفر حج کے آداب مقرر کیے گئے، شعائر اللہ کے احترام اور زائرین کعبہ سے عدم تعرض کا حکم دیا گیا۔ کھانے پینے کی چیزوں میں حرام و حلال کے قطعی حدود قائم کیے گئے اور دورِ جاہلیت کی خود ساختہ بندشوں کو توڑ دیا گیا۔ اہلِ کتاب کے ساتھ کھانے پینے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی، وضو، غسل اور تیمم کے قاعدے مقرر کیے گئے۔

Marfat.com

بغاوت اور فساد سرقہ کی سزائیں معین کی گئیں۔ شراب اور جوئے کو قطعی حرام کر دیا گیا قسم توڑنے کا کفارہ مقرر کیا گیا اور قانونِ شہادت میں مزید چند دفعات کا اضافہ کیا گیا۔

۲۔ مسلمانوں کو نصیحت۔ اب چونکہ مسلمان ایک حکمران گروہ بن چکے تھے ان کے ہاتھ میں طاقت تھی جس کا نشہ قوموں کے لیے اکثر گمراہی کا سبب بنتا رہا ہے مظلومی کا دور خاتمہ پر تھا۔ اور اس سے زیادہ سخت آزمائش کے دور میں وہ قدم رکھ رہے تھے۔ اس لیے ان کو خطاب کرتے ہوئے بار بار نصیحت کی گئی کہ عدل پر قائم رہیں، اپنے پیش رو اہل کتاب کی روش سے بچیں اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے احکام کی پیروی کا جو عہد انہوں نے کیا ہے اس پر ثابت قدم رہیں اور یہود و نصاریٰ کی طرح اس کو توڑ کر اس انجام سے دوچار نہ ہوں جس سے وہ دوچار ہوئے اپنے جملہ معاملات کے فیصلوں میں کتاب الٰہی کے پابند رہیں اور منافقت کی روش سے اجتناب کریں۔

۳۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو نصیحت۔ یہودیوں کا زور اب ٹوٹ چکا تھا اور شمالی عرب کی تقریباً تمام یہودی بستیاں مسلمانوں کے زیرِ نگین آ گئی تھیں۔ اس موقع پر ان کو ایک بار پھر ان کے غلط رویہ پر متنبہ کیا گیا ہے اور انہیں راہِ راست پر آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ نیز چونکہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے عرب اور متصل ممالک کی قوموں میں اسلام کی دعوت پھیلانے کا موقع نکل آیا تھا اس لیے عیسائیوں کو بھی تفصیل کے ساتھ خطاب کر کے ان کے عقائد کی غلطیاں بتائی گئی ہیں اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ ہمسایہ ممالک میں سے جو قومیں بت پرست اور مجوسی تھیں ان کو براہِ راست خطاب نہیں کیا گیا۔ کیونکہ ان کی ہدایت کے لیے وہ احکام کافی تھے جو ان کے ہم مسلک مشرکین عرب کو خطاب کرتے

Marfat.com

ہوئے مکہ میں نازل ہو چکے تھے۔

اجمالی مطالب

آیت ۱ تا ۲۔ ان آیات میں مسلمانوں کو شرعی عہدوں کے پورا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے خواہ ان کا تعلق اللہ سے ہو یا مخلوق سے۔ اس کے بعد مویشی قسم کے چوپاؤں وغیرہ کی حلت بیان کی گئی ہے۔ احرام کی حالت میں شکار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ذکر کر دیا گیا ہے کہ شعائر اللہ مثلاً اشہر حرم (عزت والے مہینے مراد ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب) قربانی والے جانوروں کی، جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں بے حرمتی نہ کی جائے اور ان لوگوں کا جو بیت اللہ کا اپنے پروردگار کے فضل اور خوشنودی کے طالب کی حیثیت سے سفر کرتے ہیں۔ راستہ بند نہ کیا جائے اور انہیں زیارت کعبہ سے روکا نہ جائے۔

اس کے بعد یہ ہدایت ملتی ہے کہ احرام کی حالت کے بعد تم ہر حلال جانور کا شکار کر سکتے ہو۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ نصیحت کر دی کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس امر پر نہ اکسا دے کہ تم بھی ان کو زیارت کعبہ سے روکنا شروع کر دو جس طرح کہ کفار قریش نے تمہیں ۶ھ ہجری میں بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ سے روک دیا تھا۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دو۔ لیکن بدی اور گناہ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ممد و معاون نہ ہو۔ ہر حالت میں اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

۳۔ اس آیت میں ان چیزوں کا ذکر ہے جو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ یعنی مردار[1]، خون[2]، خنزیر[3] کا گوشت اور وہ جانور[4] جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔ جو جانور[5] طبعی موت مر جائے، استھانوں پر[6] جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں اور جو قرعہ

کے تیروں سے تقسیم کیا جائے۔ یہ سب مسلمانوں کے لیے حرام ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اے مسلمانو! اب ان مشرکین سے نہ ڈرو۔ کیونکہ تم ایک ناقابلِ شکست طاقت بن چکے ہو اور ہم نے ہر لحاظ سے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں۔ اگر کوئی مسلمان بھوک کی وجہ سے موت کے کنارے پر پہنچ چکا ہو تو اس کے لیے مذکورہ بالا حرام کردہ اشیاء میں سے اس قدر کھانا جائز ہے جس سے اس کی جان بچ سکتی ہے۔

عملتا ع۵۔ ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! تمہارے لیے تمام طیبات حلال ہیں۔ سدھائے ہوئے کتوں اور بازوں وغیرہ کا شکار کیا ہوا جانور بھی حلال ہے بشرطیکہ ان کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور ان کے لیے تمہارا ذبیحہ۔ مواکلت کے ساتھ ہی مناکحت کے بارے میں بھی فرما دیا گیا کہ مسلمان مرد کا کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے بشرطیکہ کتابیہ پاک دامن اور پارسا عورتوں میں سے ہو اور ناکح کا مقصد نکاح کرنا ہو نہ کہ محض مستی نکالنا اور چوری چھپے تعلقات قائم کرنے یعنی نکاح کے علاوہ دیگر طریقے (زنا۔ چوری چھپے ناجائز تعلقات قائم کرنا) حرام ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی تنبیہ کر دی کہ جس نے نکاح کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کیا اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس واسطے اس کے تمام سابقہ اعمال ضائع ہو گئے اور وہ قیامت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔

ع۶۔ اس آیت میں نماز کے لیے وضو کا طریقہ بیان کیا گیا ہے اور فرائضِ وضو کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی چہرہ کا دھونا، ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح کرنا، پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا۔ جنابت کی صورت میں غسل فرض کیا گیا ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں یا اس کے استعمال کی قدرت نہ رکھنے

Marfat.com

کی حالت میں پاک مٹی سے تیمم کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تم کو تنگی اور مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ بلکہ ہمارا مقصد تم کو ظاہری اور باطنی طور پر نجاستوں سے پاک کرنا ہے۔

ع۷۔ اس بڑے میثاق کا ذکر ہے جو خداوند تعالیٰ سے کیا گیا کہ ہم تیری اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی اپنی عطا کردہ نعمتوں کو بھی یاد دلایا۔

ع۸ تا ۱۰۔ اس آیت میں مسلمانوں کو معاملات باہمی میں ہمیشہ عدل کرنے اور راہ راست پر چلنے کی ترغیب دی گئی ہے اور عدل کا اس حد تک اہتمام کیا گیا ہے کہ غیر مسلموں سے بھی عدل سے پیش آنے کا حکم دیا۔ کیونکہ عدل کرنا ہی تقویٰ کے قریب ہے۔ ساتھ ہی مومنوں سے مغفرت اور بہت بڑے اجر کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ذکر کیا گیا ہے لیکن اس کے مقابلے میں کفار جنہوں نے آیات الٰہی کا انکار کیا انہیں سزا کی صورت میں دوزخ میں جانا ہوگا۔ کا ذکر ہے۔

ع۱۱۔ اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک بہت بڑے احسان کا ذکر فرمایا کہ کفار، مشرکین اور اہل کتاب سب کے سب تم کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے درپے تھے۔ لیکن اللہ تبارک نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو ایسا نہ کرنے دیا۔ چنانچہ اے مسلمانو! اسی اللہ پر بھروسہ و توکل رکھو جو تمہارے آڑے وقت کام آتا ہے۔

ع۱۲ تا ع۱۳۔ بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہوتا ہے کہ کس طرح ان سے ہم نے عہد و پیمان لیا اور ان میں بارہ ۱۲ نقیب مقرر کیے اور ہم نے ان کی امداد و نصرت اس شرط پر کرنے کا وعدہ کیا کہ اگر وہ نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرتے رہے اور رسولوں کو مانتے رہے اور ان کی امداد کرتے رہے، خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہے تو اس کے بدلے میں ان کی برائیاں ختم کر دی

Marfat.com

جائیں گی۔ اور انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا لیکن اگر انہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو گویا وہ راہِ راست سے بھٹک گئے لیکن انہوں نے وعدہ خلافی کی۔ جس کے نتیجے میں ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ ان کی گمراہی بہ بھی کہ وہ کتاب اللہ (تورات) کے احکام کو بدل دیتے تھے اور اس کے احکام کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ہم آپؐ کو ان کی خیانتوں پر مطلع کرتے رہیں گے۔ لیکن آپؐ ان سے درگذر کیجئے اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہیئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روش رکھتے ہیں۔

ع۱۴۔ نصاریٰ کا ذکر ہے کہ انہوں نے بھی بنی اسرائیل کی طرح احکام ربانی کو پس پشت ڈال دیا۔ اس کے بدلے میں ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور آپس کے بغض و عناد کا بیج بو دیا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال سے باخبر کر دے گا۔

ع۱۵ تا ع۱۶۔ اہل کتاب کو ان آیات میں مخاطب کیا گیا ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احسان کو بیان فرماتے ہیں کہ اے اہل کتاب تمہارے پاس ہماری طرف سے رسول اکرم صلعم آئے اور وہ ان چیزوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں جن پر تم پردہ ڈالتے ہو اور تمہارے اکثر امور و حرکات سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ ہم نے تمہارے پاس نور اور واضح کتاب بھیجی اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اس نور اور واضح کتاب سے صرف وہی لوگ ہدایت پا سکتے ہیں جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں۔

ع۱۷ تا ع۱۸۔ نصاریٰ کی ایک بہت بڑی گمراہی کا ذکر کیا کہ انہوں نے مریم ع کے بیٹے مسیح ع کو اللہ قرار دے دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان بیوقوفوں اور کم عقلوں سے پوچھنے والا کوئی نہیں

Marfat.com

اگر اللہ مسیحؑ اور ان کی والدہ ماجدہ اور تمام زمین والوں کو ہلاک کر دینا چاہے۔ تو کس کی مجال ہے کہ اس کو اس کے ارادے سے باز رکھ سکے؟ تو پھر مسیحؑ ابن مریمؑ کس طرح معبود ہو سکتا ہے۔ اللہ تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا بادشاہ ہے اور جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے اگر نصاریٰ اور یہود کا یہ قول کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں درست ہے تو پھر اللہ تبارک تعالیٰ ان کو ان کے گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے؟ درحقیقت اہل کتاب بھی ویسے ہی انسان ہیں جیسے اور انسان خدا نے پیدا کیے ہیں وہ جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔ اور سب نے اسی کی طرف رجوع کرنا ہے۔

ع ۱۹۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نبی اکرمؐ کو حکم دیتے ہیں کہ آپؐ ان اہل کتاب سے کہہ دیں کہ میں اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ تم پر حجت خداوندی پوری ہو جائے اور تم یہ کہنے کے قابل ہی نہ رہو کہ ہماری طرف تو کوئی ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا آیا ہی نہیں تھا۔ سو اب میں اللہ کی طرف سے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہوں پس تم اللہ کے احکام کی اطاعت کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

ع ۲۰ تا ع ۲۶۔ حضرت موسیٰؑ کی امت کا ذکر شروع ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی امت کو بار بار نصیحت کی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو کہ اس نے تم میں سے (بنی اسرائیل) پے در پے انبیاء بھیجے اور تمہیں حکومت و سلطنت سے نوازا اور تمہیں وہ دیا جو دنیا جہان میں کسی اور قوم کو نہ دیا گیا۔ سو اے میری قوم! ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ۔ کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے امداد و نصرت سے اسے بآسانی فتح کر سکتے ہو۔ پیٹھ نہ دکھاؤ ورنہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے لیکن حضرت موسیٰؑ کے اس ارشاد پر امت نے جواب دیا کہ اس سرزمین میں تو زبردست قوم رہتی ہے جس کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ ہم اس صورت

Marfat.com

ہیں اس سرزمین میں داخل ہوں گے۔ جب وہ قوم خود اس سرزمین کو چھوڑ دے۔ پھر ہم اس پر قبضہ کر لیں گے۔ ساری امت نے یہی جواب دیا صرف دو افراد نے جن پر اللہ نے اپنا انعام کیا تھا۔ اپنی قوم کو سمجھایا کہ اے قوم بنی اسرائیل! تم شہر پر چڑھائی کر کے دروازوں تک چلو جونہی تم وہاں قدم رکھو گے اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں غالب کر دے گا۔ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اگر تمہارا صحیح معنوں میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہے۔ لیکن بدبخت قوم نہ مانی اور بالکل جواب دیدیا کہ ہم اس سرزمین میں داخل نہیں ہو سکتے اور نہ ہم ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پس اے موسیٰؑ! تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور ان سے جہاد کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس جواب کے سننے کے بعد حضرت موسیٰؑ نے اپنے ربّ سے فرمایا کہ میری قوم پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے اے اللہ! تو ہم میں جدائی ڈال دے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰؑ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی۔ اس عرصہ طویل میں قوم ادھر اُدھر بھٹکتی پھرتی رہی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ان کی اس حالت پر غم نہ کھایئے کیونکہ وہ اسی کے مستحق تھے۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی تھی اور یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ جو اس کی مخالفت کرتا ہے اس کا حشر ایسا ہی ہوتا ہے۔

۲۷ تا ۳۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے کہ آپؐ اہل کتاب اور جملہ نوعِ انسانی پر آدمؑ کے بیٹوں کا قصہ بیان کر دیں کہ ان دونوں نے کس طرح اللہ کے حضور میں قربانی پیش کی۔ ان میں سے ایک کی تو قربانی بارگاہِ خداوندی میں قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ اس پر وہ جس کی قربانی قبول نہ ہوئی۔ برافروختہ ہو گیا اور اپنے بھائی کے قتل کے درپے ہو گیا۔ لیکن بھائی نے اسے سمجھایا کہ اس میں بھلا میرا کیا

Marfat.com

قصور ہے ۔ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ تو متقیوں کی ہی قربانی کو قبول فرماتا ہے ۔ یاد رکھو اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو میں تیرے اس ظلم کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لوں گا کیونکہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے کوئی گستاخی نہ ہو جائے اور حقوق العباد میں سے کسی جز کی نافرمانی نہ کر بیٹھوں ۔ اگر تم واقعی مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو پھر اپنا گناہ اور میرا گناہ اپنے سر پر رکھ لو ۔ اور جہنمی بن جاؤ کیونکہ ظالموں کی سزا یہی ہے ۔ اس نے اس کے باوجود اپنے بھائی کو ناحق طور پر قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے متقی اور مقرب بندے کی لاش کو بے عزتی اور بے حرمتی سے بچانے کے لیے ایک کوا بھیجا جس نے اس کو دکھایا کہ کس طرح مردہ کو دفن کیا جاتا ہے ۔ اس پر اس نے کہا کہ میں تو کوے سے بھی گیا گزرا نکلا آخر اس نے اپنے بھائی کی لاش کو زمین میں دفن کر دیا ۔ لیکن وہ اپنے اس فعل پر بہت شرمندہ اور پشیمان ہوا قصہ کے اختتام پر اللہ تعالیٰ ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ جس کسی نے کسی کو بغیر خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل کتاب اور جملہ نوع انسانی کی طرف پیغمبر کھلے ہوئے احکام لیکر آئے لیکن اس کے باوجود بہت سے لوگ زیادتی اور خدا کے بتلائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں ۔

۳۳ تا ۳۵ ۔ ان لوگوں کے لیے سزا بیان فرمائی جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فتنہ و فساد برپا کرتے رہتے ہیں سو ان کو ان کے جرم کی نوعیت کے مطابق مندرجہ ذیل سزاؤں میں سے کوئی سزا حاکم وقت دے سکتا ہے :۔ (۱) قتل کر دیئے جائیں (۲) سولی پر چڑھائے جائیں ۔

Marfat.com

(۳) ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں (۴) ان کو ملک سے نکال دیا جائے پھر دنیوی سزا کے بعد ان کو آخرت میں بھی بہت بڑا عذاب اللہ تعالیٰ دے گا۔ جو لوگ غالب ہیں آنے سے پہلے ہی توبہ کرلیں ان کو چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا اور رحم فرمانے والا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کے قرب اور خوشنودی کے لیے جدوجہد کرتے رہو اس کی راہ میں جہاد کرو کیونکہ ان امور کے سرانجام دینے کے بعد آخرت میں تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے گی۔

۳۶ تا ۳۷۔ قیامت کے عذاب کا بیان ہو رہا ہے کہ جب کفار کو عذاب دیا جائے گا۔ تو وہ اس عذاب سے چھٹکارا پانے کے لیے اگر ساری زمین کی دولت اور اتنی ہی اور اس کے ساتھ فدیہ میں بھی دینا چاہیں تو بھی اللہ تعالیٰ یہ قبول نہیں فرمائیں گے۔ بلکہ ان کو تو ان کے اعمال کے بدلے دردناک سزا مل کر رہے گی۔ وہ دوزخ کی آگ سے نکل بھاگنا چاہیں گے مگر نہ نکل سکیں گے اور انہیں قائم رہنے والا عذاب دیا جائے گا۔

۳۸ تا ۴۰۔ چوری کی سزا بیان ہو رہی ہے۔ ان کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں یہ ان کی کمائی کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ جو ایسی حرکت ناشائستہ کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے تو بے شک اللہ کی نظر عنایت پھر اس پر مائل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک ہے جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے معاف کر دے وہ ہر چیز کا اختیار رکھتا ہے۔

۴۱ تا ۴۴۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپ ان لوگوں کی حرکات اور سرگرمیوں سے دل تنگ نہ ہوں، ہمت نہ ہاریں جو کفر کی راہ میں بڑی تیز گامی دکھا رہے ہیں بلکہ آپ صبر کے ساتھ

Marfat.com

بندگانِ خدا کی اصلاح کے لیے کام کیے چلے جائیں۔ پھر ان لوگوں کے اعمال کے
متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو منہ سے کہتے
ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے۔ اسی طرح یہود کا یہ
حال ہے کہ وہ جھوٹ سے بڑی محبت رکھنے والے ہیں۔ وہ ادھر کی ادھر
اور ادھر کی ادھر باتیں کر کے فتنہ پھیلاتے پھرتے ہیں۔ کتاب اللہ کے
الفاظ کو ان کا صحیح محل متعین ہو سکنے کے باوجود اصل معنی سے پھیرتے ہیں
اور جاہل عوام سے کہتے ہیں کہ جو حکم ہم بتا رہے ہیں اگر نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم بھی یہی حکم تمہیں بتائیں تو اسے قبول کرنا ورنہ رد کر دینا۔
بے شک جسے اللہ ہی نے فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہو اس کو اللہ
کی گرفت سے بچانے کے لیے تم کچھ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں
کے دلوں کو پاک نہ کرنا چاہا۔ ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت
میں سخت سزا۔ یہود کی گمراہیوں کا بیان پھر تفصیل سے کیا جا رہا ہے کہ
وہ جھوٹ سننے والے اور حرام کے مال کھانے والے ہیں۔ سو اے نبیؐ!
اگر یہ آپؐ کے پاس مقدمات لے کر آئیں تو آپؐ کو اختیار دیا جاتا ہے
کہ چاہو فیصلہ کر دو ورنہ انکار کر دو۔ اگر آپؐ فیصلہ نہ بھی کریں تو یہ آپؐ
کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ لیکن اگر آپؐ فیصلہ کریں تو پھر عدل و انصاف کے
ساتھ کریں کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا
ہے۔ یہ کتنے بدبخت اور بے وقوف ہیں کہ تورات کے ہوتے ہوئے آپؐ
کے پاس مقدمات کے فیصلوں کے لیے آتے ہیں۔ پھر فیصلہ سننے کے بعد
چونکہ ان کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتا اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے
کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
کہ ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ اسی کے مطابق
سارے نبی فیصلہ کرتے تھے۔ پس اے گروہ یہود! تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ

Marfat.com

مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو ذرا ذرا سا معاوضہ لیکر بیچنا چھوڑ دو۔ یاد رکھو کہ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔

ع۴۵۔ قصاص کا طریقہ بنو اسرائیل پر یہ مقرر کیا گیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں میں برابر کا بدلہ پھر جو معاف کر دے وہ اس کی طرف سے کفارہ ہے اور یاد رکھو جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

ع۴۶ تا ع۴۷۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے ان پیغمبروں کے بعد حضرت عیسیٰؑ کو رسول بنا کر بھیجا وہ تورات کی تصدیق کرنے والے تھے، اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جو سراسر ہدایت اور نور تھی۔ اہل انجیل کے لیے لازم تھا کہ وہ حکم ربانی کے مطابق اپنے مقدمات کا فیصلہ کریں ورنہ وہ فسق و فجور کے مرتکب ہوں گے۔

ع۴۸ تا ع۵۰۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب یعنی قرآن مجید بھیجی جو سراسر حق ہے اور سابقہ کتب کی تصدیق کرنے والی اور ان پر محافظ و نگران ہے۔ سو آپؐ خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کریں۔ ان لوگوں کی خواہشات پر عمل نہ کیجئے۔ بے شک ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا لیکن اس کا مقصد آزمائش کرنا ہے پس اے لوگو! بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو کیونکہ آخر کار تم نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت

Marfat.com

کی جا رہی ہے کہ آپؐ فیصلہ کرتے وقت اللہ کے قانون اور حکم کو مدِ نظر رکھا کریں۔ اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ کیونکہ یہ اہل کتاب آپؐ کو راہِ راست سے بھٹکا کر فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ آپؐ کے فیصلے سے منہ موڑ لیں تو آپؐ کچھ پرواہ نہ کریں اللہ تعالیٰ ان سے خود نپٹ لے گا۔ یہ اہل کتاب جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

۵۱ تا ۵۳ ۔ ایمانداروں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تمہارے دین سے ان کو دشمنی ہے اگر کسی نے ان سے دوستی کا رشتہ قائم کیا تو تو اس کا شمار ان میں سے ہی ہوگا۔ پھر یہود ونصاریٰ کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم پر کہیں کوئی مصیبت نہ آجائے مگر بعید نہیں کہ اللہ جب تمہیں (مسلمانوں کو) فیصلہ کن فتح بخشے گا یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کریگا۔ تو پھر یہ لوگ اپنے نفاق پر شرمندہ ہوں گے۔ جب یہ (یہود و نصاریٰ منافقین) آپؐ کے پاس آتے ہیں تو قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہوتا۔ ان کے اس نفاق کی بناء پر انکے سب اعمال ضائع ہو گئے اور آخرکار یہ ناکام و نامراد ہو کر رہے۔

۵۴ تا ۵۶ ۔ عام خطاب ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو خدا کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ ان کے بدلے کسی اور قوم کو راہِ راست کی توفیق بخش دے گا جو مسلمانوں کے حق میں مہربان اور کفار پر سخت ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ بے شک یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں

Marfat.com

کو بتا رہے ہیں کہ تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ، اللہ کا رسول اور
وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے
والے ہیں یعنی ظاہر و باطن میں اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا دم بھرتے ہیں
اور یہ یاد رکھو جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق
بنا لیا وہ جماعت ہی غالب رہے گی۔

ع۵۷ تا ع۶۳ - ایمانداروں کو دوبارہ تاکید کی جا رہی ہے کہ اہل کتاب اور
کفار کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان سمجھتے ہیں۔
اذان کے وقت یہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے اور اس سے کھیلتے ہیں۔ اس کی وجہ
سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ ان میں عقل و شعور کا فقدان ہے۔ اے اہل کتاب
کیا تم صرف اس بنا پر مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہو کہ وہ اللہ اور جو کچھ اس نے
نازل کیا ہے اس پر ایمان لے آئے ہیں اور تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم فسق و فجور
کا ارتکاب کرتے ہو۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ بلحاظ
انجام اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بدتر وہ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی، اس کا
غضب ٹوٹا، اور ان میں سے بندر اور سور بنا دیئے گئے جنہوں نے شیطان
کی پوجا کی۔ ان کا درجہ اور بھی زیادہ برا ہے۔ وہ لوگ راہ راست سے بہت
دور ہیں۔ پھر ان کے نفاق کا ذکر کیا کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو
کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ کفر لیے ہوئے آئے تھے اور کفر ہی لیے ہوئے
واپس گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ یہ لوگ گناہ
اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں۔ حرام کے مال
کھاتے ہیں۔ الغرض یہ ان کی حرکات بہت بری ہیں۔ ان کے لیڈر، علماء اور
مشائخ بھی ان کو ان برے کاموں سے نہیں روک سکتے۔

ع۶۴ تا ع۶۶ - یہود کی گستاخیوں اور طعن آمیز باتوں میں سے ایک یہ تھی
کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو بخیل اور کنجوس کہا کرتے تھے حالانکہ وہ خود اس

Marfat.com

مرض میں مبتلا تھے۔ ان کے اس بیہودہ قول کی بنا پر ہم نے ان پر لعنت کر دی ہے۔ اللہ تو بہت سخی ہے جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ ان گستاخ یہود کا یہ حال ہے کہ جیسے جیسے خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے بجائے ہدایت پانے کے ان کی سرکشی و باطل پرستی میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ سو ہم نے سزا کے طور پر ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے یہ لوگ جنگ کی آگ بھڑکانے کی پوری جدوجہد کرتے ہیں۔ لیکن اللہ اس کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ یہ زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے کی سعی کر رہے ہیں۔ مگر اللہ فساد برپا کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

اگر یہ اہل کتاب ایمان لے آتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تو ہم ان کی برائیاں ان سے دور کر دیتے۔ ان کو نعمت بھری جنتوں میں پہنچاتے۔ کاش انہوں نے تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں۔ ایسا کرتے تو ان کے لیے اوپر اور نیچے سے رزق برستا۔ ان اہل کتاب میں سے کچھ لوگ راست رو بھی ہیں۔ لیکن ان کی اکثریت سخت بدعمل ہے۔

۶۷۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپؐ کا فرض ہے کہ احکام الٰہی ان تک پہنچا دیں۔ اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو گویا رسالت کا فریضہ ادا نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دشمنوں کے شر سے بچائے رکھے گا۔

۶۸ تا ۶۹۔ اہل کتاب سے خطاب ہے کہ جب تک تم تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو گے جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں اس وقت تک تم راہ حق کو نہیں پا سکتے۔ قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ساتھ ہدایت پانے کی بجائے ان اہل کتاب میں سے اکثر کی سرکشی اور انکار اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ سو اے نبیؐ! آپ ان منکرین کے حال پر افسوس نہ کریں۔ چونکہ یہاں اجارہ کسی کو بھی نہیں ہے بلکہ قاعدہ وکلیہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

کے ہاں صرف وہی مسلمان ہوں، یا یہودی، صابی ہوں یا عیسائی مقرب و محبوب ہیں جو بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے گا۔ اور نیک عمل کرے گا۔ بیشک اس کے لئے نہ کسی خوف کا مقام ہے نہ رنج کا۔

۷۰ تا ۷۱۔ بنی اسرائیل کا ذکر ہے کہ ہم نے ان سے عہد و پیمان لیا تھا۔ کہ جب ہماری طرف سے کوئی پیغمبر آئے گا تو تم ان کی تصدیق کرنا۔ لیکن انہوں نے تصدیق کرنے کی بجائے تکذیب کرنی شروع کر دی صرف اس بنا پر کہ وہ احکام ان کی مرضی کے مطابق نہیں تھے۔ انہوں نے نہ صرف تکذیب کی بلکہ بعض پیغمبروں کو قتل تک کر دیا۔ ان کے خیال میں اس سرکشی اور جرأت کا ان پر کچھ وبال نہ پڑے گا۔ گویا وہ احکام ربانی کو سننے کے لیے اندھے اور بہرے ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا کرم اور رحمت کی، لیکن اس کے باوجود ان میں سے اکثریت پھر بھی بہری اور اندھی رہی۔ یعنی بنو اسرائیل کی ہدایت کے لیے ہم نے پے در پے انبیاء مبعوث کیے۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو ان پر ایمان لانا اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنا نصیب میں نہ تھا۔

۷۲ تا ۸۰۔ عیسائیوں کے عقیدہ شرک کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے کہا اللہ تو مسیح ابن مریم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے خود بنو اسرائیل کو یہ تعلیم دی تھی جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا سو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیں گے۔ اور ان مشرکین کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہو گا۔ اس وقت ظالموں کا کوئی حامی و ناصر نہ ہو گا۔ ان بے وقوفوں اور کم عقلوں میں سے بعض نے اللہ کے متعلق کہا کہ وہ تین میں کا ایک ہے حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اے نبیؐ! آپؐ ان کو کہہ دیں کہ اگر یہ اپنی ان مشرکانہ باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے کفر کرنے والوں کو دردناک سزا دی جائے گی۔ یہ لوگ اللہ کے حضور میں توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے معافی کیوں نہیں مانگتے؟ اللہ تو بہت درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ یاد رکھو کہ

Marfat.com

مسیح ابن مریمؑ سابقہ رسولوں کی طرح ایک رسول تھے۔ ان کی والدہ ایک راستباز خاتون تھی اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ بڑی حیرانی کی بات ہے کہ ہم ان کے سامنے حقیقت کی نشانیاں واضح کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ گمراہی کی طرف بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ اے نبیؐ! آپؐ ان عیسائیوں سے کہہ دیں کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی پوجا کرتے ہو۔ جو نہ تمہارے لیے نقصان کا اختیار رکھتا ہے نہ نفع کا؟ حالانکہ سب کی سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا تو اللہ ہی ہے۔ اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور وہ راہ راست سے بھٹک گئے۔ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤدؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ کیونکہ وہ سرکش تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے نہیں روکا کرتے تھے۔ آج بھی ان میں سے اکثر لوگ اہل ایمان کے مقابلہ میں کفار کی حمایت و رفاقت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ فعل بہت برا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر غضبناک ہو گیا ہے۔ اور وہ ہمیشہ دردناک عذاب میں رہیں گے۔ اگر یہ اللہ، اس کے رسول اور کتاب الٰہی پر ایمان لاتے تو پھر یہ کبھی بھی کفار کو اہل ایمان کے مقابلے میں اپنا رفیق و مددگار نہ سمجھتے مگر ان میں سے اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ خدا کی اطاعت سے نکل چکے ہیں۔

۸۱ تا ۸۶ ۔ ایمانداروں کو خطاب ہے کہ تم عداوت و دشمنی میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے اور دوستی میں قریب تر عیسائیوں کو پاؤ گے۔ کیونکہ عیسائیوں میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں غرور نفس نہیں ہے جب وہ اس کلام (قرآن مجید) کو سنتے ہیں۔ تو حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ اور وہ بول اٹھتے ہیں کہ "پروردگار ہم ایمان لائے، ہمارا نام

Marfat.com

گواہی دینے والوں میں لکھ لے" اور وہ کہتے ہیں کہ "آخر کیوں نہ ہم اللہ پر ایمان لائیں اور حق (مذہب اسلام) ہمارے پاس آیا ہے۔ اسے کیوں نہ مان لیں جبکہ ہم اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالح لوگوں میں شامل کر لے گا" ان کے اس قول کے عوض اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے باغ دینے کا وعدہ کر لیا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ نیکوکاروں کا یہی معاوضہ ہے۔ لیکن جنہوں نے آیات ربانی کو ماننے سے انکار کر دیا اور انہیں جھٹلایا تو وہ جہنم کے مستحق ہیں۔

۸۷ تا ۸۸۔ ایمانداروں کو خطاب ہے کہ پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کر لو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں۔ حلال وطیب چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دی ہیں انہیں کھاؤ پیو اور اس خدا کی نافرمانی سے بچتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

۸۹۔ بے معنی اور مہمل قسموں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ تم لوگ جو مہمل اور لغو قسمیں کھا لیتے ہو ان پر اللہ کوئی گرفت اور مواخذہ نہیں کرتا مگر یاد رکھو کہ جو قسمیں تم جان بوجھ کر کھاتے ہو ان پر وہ ضرور تم سے مواخذہ کرے گا۔ سو ایسی قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہناؤ، یا ایک غلام آزاد کرو۔ لیکن جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ آخر میں بہ زیادہ تاکید کی کہ اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔

۹۰ تا ۹۳۔ ایمانداروں کو خطاب ہے کہ شراب، جوا، آستانے اور پانسے گندی چیزیں ہیں اور شیطانی کام ہیں سو تم ان سے بچو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔ یاد رکھو کہ شیطان کا مقصد یہ ہے کہ ان چیزوں سے تمہارے درمیان عداوت ڈال دے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ اللہ

Marfat.com

اور اس کے رسول کی بات کو مانو اور بچنے کا موقع ہے باز آجاؤ لیکن اگر تم نے حکم عدولی کی تو اس کی سزا تم کو بھگتنا پڑیگی ہمارے رسول پر بس صاف صاف حکم پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی۔ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نیک عمل کیے انہوں نے پہلے جو کچھ حرام چیزوں میں سے کھایا تھا اس کی کوئی گرفت نہ ہوگی۔ بشرطیکہ وہ آئندہ ان چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اچھے کام کریں پھر جس جس چیز سے روکا جائے اس سے رکیں اور جو فرمان الٰہی ہو اسے مانیں پھر خدا ترسی کے ساتھ نیک رویہ رکھیں۔ اللہ نیک کردار لوگوں کو پسند کرتا ہے

۹۴ تا ۹۶۔ حالتِ احرام میں شکار کرنے سے منع کیا جا رہا ہے جس کسی نے عمداً شکار کیا تو اس کا جرمانہ اسی طرح کا ایک جانور ہے جیسا اس نے مارا تھا اور اس امر کا فیصلہ مسلمانوں میں سے دو عادل آدمی کریں گے اور یہ نذرانہ کعبہ پہنچایا جائے گا۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اس گناہ کے کفارہ میں چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے تاکہ وہ اپنے عمل کا مزہ چکھے۔ پہلے جو کچھ ہو چکا اسے اللہ نے معاف کر دیا لیکن اگر کسی نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو اس سے اللہ بدلہ لے گا۔ بے شک اللہ سب پر غالب ہے اور بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہے۔ البتہ حالتِ احرام میں سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے جہاں تم ٹھہرو وہاں بھی اسے کھا سکتے ہو اور قافلے کے لیے زادِ راہ بھی بنا سکتے ہو۔ البتہ خشکی کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو، تم پر حرام کر دیا گیا ہے پس اس خدا کی نافرمانی سے بچو جس کے حضور میں تم سب کو گھیر کر حاضر کیا جائے گا۔

۹۷ تا ۹۹۔ بیت اللہ کی عظمت و شوکت کا بیان ہو رہا ہے کہ کعبہ کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے یعنی جب تک انسانی آبادی قائم ہے خانہ کعبہ کا وجود بھی باقی رہے گا۔ حرمت والے مہینے، قربانی کے جانوروں اور قلادوں کو بھی اس کام میں معاون بنا دیا تاکہ تمہیں معلوم ہو

Marfat.com

جیسا کہ اللہ آسمانوں اور زمین کے سب حالات سے باخبر ہے اور اسے ہر چیز
کا علم ہے۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بھی سخت ہے اور اس کے ساتھ
بہت درگزر اور رحم بھی کرنے والا ہے۔ رسول پر تو صرف پیغام پہنچا دینے کی
ذمہ داری ہے۔ تمہارے ظاہر و باطن کے حالات کو جاننے والا اللہ ہے۔

ع۱۰۰ ۔ اے رسول ! آپ ان سے کہہ دیں کہ پاک اور ناپاک بہرحال
یکساں نہیں ہو سکتے خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی کیوں نہ ہو پس
اے عقلمند لوگو! اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب
ہو گی۔

ع۱۰۱ تا ع۱۰۲ ۔ فضول اور لغو سوالات کرنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ عین
ممکن ہے کہ تم کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کر بیٹھو جس کا جواب تمہیں ناگوار
گزرے۔ تم سے پہلے ایک گروہ نے اسی قسم کے سوالات کیے تھے پھر وہ لوگ انہی
باتوں کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے۔

ع۱۰۳ تا ع۱۰۴ ۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام مشروع نہیں ہیں۔ یہ کافر
اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے رہے اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ جب ان
گمراہوں کو کہا جاتا ہے کہ اللہ اور کتاب اللہ پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے
لیے تو یہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ
باپ دادا کی تقلید کیے چلے جائیں گے۔ خواہ وہ کچھ نہ جانتے ہوں اور نہ صحیح راستہ
کی انہیں خبر ہی ہو؟

ع۱۰۵ ۔ ایمانداروں کو خطاب ہے کہ اپنی اصلاح ہی کی فکر کرو دوسرے
کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی اگر تم خود راہ راست پر ہو۔ یاد رکھو کہ
اللہ کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال کے متعلق
بتا دے گا۔

ع۱۰۶ تا ع۱۰۸ ۔ موت کی صورت میں وصیت کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ وصیت

Marfat.com

کے وقت شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنالیے جائیں، اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیر مسلموں ہی میں سے دو گواہ بنالیے جائیں۔ پھر اگر کوئی شک پڑ جائے تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو مسجد میں روک لیا جائے۔ اور وہ خدا کی قسمیں کھا کر کہیں کہ ہم کسی ذاتی فائدے کے عوض شہادت بیچنے والے نہیں ہیں اور خواہ کوئی ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ ہم اس کی رعایت کرنے والے نہیں اور نہ خدا واسطے کی گواہی کو ہم چھپانے والے ہیں اگر ہم نے ایسا کیا تو گناہ گاروں میں شمار ہوں گے۔" لیکن اگر پتہ چل جائے کہ ان دونوں نے اپنے آپ کو گناہ میں مبتلا کیا ہے تو پھر ان کی جگہ دو اور شخص جو ان کی بہ نسبت شہادت دینے کے لیے زیادہ اہل ہوں۔ ان لوگوں میں سے کھڑے ہوں جن کی حق تلفی ہوئی ہو، اور وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے اپنی گواہی میں کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ اگر ہم ایسا کریں تو ظالموں میں سے ہوں گے۔" اس طریقہ سے زیادہ توقع کی جاسکتی ہے کہ لوگ ٹھیک ٹھیک شہادت دیں گے، یا کم از کم اس بات ہی کا خوف کریں گے کہ ان کی قسموں کے بعد دوسری قسموں سے کہیں ان کی تردید نہ ہو جائے۔ اللہ سے ڈرو اور سنو۔ اللہ نافرمانی کرنے والوں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔

۱۰۹ تا ۱۱۱۔ قیامت کے دن کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرکے پوچھے گا کہ تمہاری امتوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا تو وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں۔ آپ ہی تمام پوشیدہ حقیقتوں کو جانتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے فرماتے گا کہ میری اس نعمت کو جو میں نے تجھے اور تیری ماں کو عطا کی تھی۔ یاد کرو جب میں نے روح پاک سے تیری مدد کی، تو گہوارے میں بھی لوگوں سے باتیں کرتا تھا اور

Marfat.com

بڑی عمر کو پہنچ کر بھی میں نے تجھے کتاب، حکمت، تورات اور انجیل کی تعلیم دی۔ تو میرے حکم سے مٹی کا پتلا پرندے کی شکل کا بناتا اور اس میں پھونکتا تھا۔ اور وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے تو مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا۔ تو مردوں کو قبروں سے میرے حکم سے نکالتا تھا۔ پھر جب تو بنی اسرائیل کے پاس صریح نشانیاں لے کر پہنچا اور جو لوگ ان میں سے منکر حق تھے انہوں نے کہا کہ یہ نشانیاں جادوگری کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔ تو میں نے ہی تجھے ان سے بچایا اور جب میں نے حواریوں کو اشارہ کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں۔

ع ۱۱۲ تا ع ۱۱۵ ۔ مائدۃ کا ذکر ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کے حواریوں نے حضرت عیسٰیؑ سے کھانے کا ایک خوان نازل ہونے کی درخواست کی تاکہ اس خوان سے کھانا کھائیں اور دل مطمئن ہو جائیں اور یہ جان لیں کہ آپ سچے رسول ہیں اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔ حضرت عیسٰیؑ نے دعا کی "خدایا! ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کر جو ہمارے لیے اور ہمارے اگلوں پچھلوں کے لیے خوشی کا موقع قرار پائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو، ہم کو رزق دے اور تو بہترین رزق دینے والا ہے۔" اللہ تبارک تعالیٰ نے اسی کے جواب میں فرمایا "میں اس کو تم پر نازل کرنے والا ہوں مگر اس کے نزول کے بعد جو تم میں سے کفر کرے گا۔ اسے میں ایسی سزا دوں گا جو دنیا میں کسی کو نہ دی ہوگی۔"

ع ۱۱۶ تا ع ۱۲۰ ۔ مذکورہ بالا احسانات یاد دلا کر اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت عیسٰیؑ بن مریمؑ سے فرمائے گا کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنا لو؟ تو وہ جواب میں عرض کریں گے کہ "سبحان اللہ! میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے

Marfat.com

حق نہ تھا۔ اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا۔ آپ جانتے
ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا۔ جو کچھ آپ کے دل میں ہے۔
آپ تو ساری پوشیدہ حقیقتوں کے عالم ہیں۔ میں نے تو ان کو صرف یہی
کہا تھا کہ اللہ کی بندگی و پرستش کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی
میں اس وقت تک ان پر نگران تھا جب تک کہ میں ان کے درمیان تھا۔
جب آپ نے مجھے واپس بلا لیا تو آپ ان پر نگران تھے اور آپ تو ساری
ہی چیزوں پر نگران ہیں۔ اب اگر آپ ان کو سزا دیں تو وہ آپ کے بندے
ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ غالب اور دانا ہیں۔ اس پر اللہ تبارک و
تعالیٰ فرمائے گا۔ کہ آج کے دن سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔ ان
کے لیے ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہاں وہ ہمیشہ
رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے یہی بڑی کامیابی ہے۔
اللہ تعالیٰ ہی کے لیے زمین اور آسمانوں اور تمام موجودات کی بادشاہی
ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المائدہ کی اہم آیات کی تفسیر و تشریح

حلال جانوروں کا بیان، شعائر اللہ کا احترام کرنے کی ہدایت

آیت ۱ تا ۲ ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآىِٕدَ وَ لَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ :- اے ایمان والو! عہد و پیمان کی پوری پابندی کرو۔ تمہارے لیے مویشی کی قسم کے سب جانور حلال کیے گئے سوائے ان کے جن کے نام پڑھ کر سنا دیے جائیں گے۔ لیکن احرام کی حالت میں شکار کو اپنے لیے حلال نہ کر لو۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو۔ نہ حرام مہینوں میں سے کسی کو حلال کر لو نہ قربانی کے جانوروں پر دست درازی کرو۔ نہ ان جانوروں پہ ہاتھ ڈالو جن کی گردنوں میں نذرِ خداوندی کی علامت کے طور پر پٹے پڑے ہوئے ہیں۔ نہ ان لوگوں کو چھیڑو جو اپنے پروردگار کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں مکان محترم (کعبہ) کی طرف جا

Marfat.com

رہے ہوں۔ ہاں جب احرام کی حالت ختم ہو جائے تو تم شکار کر سکتے ہو۔ اور دیکھو ایک گروہ نے جو تمہارے لیے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے۔ تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی ان کے مقابلہ میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ نہیں! جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں۔ ان میں کسی سے تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی

اَلْعُقُوْدِ عقد کی جمع ہے۔ عقد کے لفظی معنی گرہ یا گانٹھ کے ہوتے ہیں پھر اس سے مراد عہد و پیمان لیا جاتا ہے۔ یہاں تمام شرعی عہد مراد ہیں خواہ ان کا تعلق خالق سے ہو یا مخلوق سے۔ عبادات کے علاوہ جتنے عہد سیاسیات، تجارت، معاشرت وغیرہ معاملات و اخلاقیات سے متعلق ہو سکتے ہیں سب اس میں آ گئے ہیں۔ نکاح کے لیے بھی عقد کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ میاں بیوی ایک دوسرے سے عہد و پیمان کرتے ہیں۔

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اضافت تشبیہ کے لیے ہے یعنی مویشیوں سے ملتے جلتے چوپائے۔ بہیمۃ چوپایہ ہر وہ جانور جس میں قوت گویائی نہ ہو اور پھر چرنے والے چوپائے کو کہتے ہیں اس کی جمع بہائم ہے۔

انعام (مویشی) کا لفظ عربی زبان میں اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری پر بولا جاتا ہے یعنی تمام وہ جانور جو شکاری اور درندے نہ ہوں جو کہ مویشیوں (گائے، بیل، اونٹ، بھیڑ، بکری) سے مشابہ ہوں البتہ خچر، گدھے وغیرہ جن کی حرمت صحیح حدیث سے ثابت ہے اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

وَاَنْتُمْ حُرُمٌ حالت احرام میں رہو یا حدود حرم کے اندر داخل ہو خواہ بلا احرام ہی سہی۔ احرام اس فقیرانہ لباس کو کہتے ہیں جو زیارت کعبہ کے لیے پہنا جاتا ہے۔ کعبہ کے گرد کئی کئی منزل کے فاصلہ پر ایک حد مقرر کر دی گئی ہے جس سے آگے بڑھنے کی کسی زائر کو اجازت نہیں جب تک کہ وہ اپنا لباس اتار کر

احرام کا لباس نہ پہن لے۔ اس لباس میں صرف ایک تہمت ہوتا ہے اور ایک چادر جو اوپر سے اوڑھی جاتی ہے۔ اسے احرام اس لیے کہتے ہیں کہ اسے باندھنے کے بعد آدمی پر بہت سی وہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو عام حالات میں حلال ہیں مثلاً حجامت خوشبو کا استعمال ہر قسم کی زینت و آرائش اور قضائے شہوت وغیرہ۔ انہی پابندیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی جاندار کو ہلاک نہ کیا جائے، نہ شکار کیا جائے اور نہ کسی کو شکار کا پتہ دیا جائے۔

شَعَائِرَ اللّٰہِ شعائر شعیرہ کی جمع ہے۔ مراد اَعلامِ الٰہی ہیں یعنی وہ چیزیں جن کے ادب و احترام کے تحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ احکام مقرر کر دیئے ہیں۔ ان احکام و آداب کی خلاف ورزی کرنا ان شعائر کی بے حرمتی کرنا ہے۔ پھر شعائر اللہ سے مراد وہ تمام علامات یا نشانیاں ہیں جو شرک و کفر اور دہریت کے مقابلے میں خالص خدا پرستی کے مسلک کی نمائندگی کرتی ہوں۔

اَلْھَدْیَ ان قربانیوں کے لیے مخصوص ہے۔ جو کعبہ مقدس کو لے جائی جاتی ہوں۔ اَلْقَلَائِدَ پٹے، مراد وہ جانور ہیں جن کے گلوں میں پٹے نشانی کے طور پر ڈال دیے جاتے تھے کہ یہ اللہ کی نذر ہیں۔ حرم ہی میں ذبح ہوں گی۔

تفسیر و تشریح ایمانداروں کو خطاب ہے کہ ان حدود و قیود کی پابندی کرو جو اس سورت میں تم پر عائد کی جا رہی ہیں۔ اس سے وہ تمام عہد و پیمان مراد ہیں جو بندہ ایمان لانے کے بعد اللہ اور اس کے رسول سے کرتا ہے یعنی فرائض کی سچا آدمی۔ اپنی دنیوی زندگی کو اللہ کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق بسر کرنا بندوں سے لین دین اور تجارت وغیرہ کے معاملات میں اپنے عہد و پیمان پر قائم رہنا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو فرماتے ہیں کہ ہم نے مویشی قسم کے تمام جانور تم پر حلال کر دیئے ہیں۔ اس سے مراد وہ سب جانور ہیں جو کچلیاں نہ رکھتے ہوں۔ حیوانی غذا کے بجائے نباتی غذا کھاتے ہوں۔ پھر اس سے یہ بات بھی مترشح ہو جاتی ہے کہ وہ چوپائے جو مویشیوں کے برعکس کچلیاں رکھتے ہوں اور دوسرے

Marfat.com

جانوروں کو مار کر کھاتے ہوں، حلال نہیں ہیں۔ اسی اشارے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کر کے حدیث میں صاف حکم دے دیا کہ درندے حرام ہیں۔ اسی طرح حضور ؐ نے ان پرندوں کو بھی حرام قرار دے دیا جن کے پنجے ہوتے ہیں اور جو دوسرے جانوروں کا شکار کر کے کھاتے ہیں۔ یا مُردار خور ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ؐ نے کچلیاں رکھنے والے درندوں اور پنجے رکھنے والے پرندوں کو حرام قرار دے دیا ہے۔

سوائے ان کے جو آگے چل کر تمہیں بتائیں گے یعنی وہ جانور یا چیزیں جن کا ذکر آیت ۳ میں ہو رہا ہے وہ حرام ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام مویشی قسم کے چوپائے ایمانداروں پر حلال ہیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ احرام کی حالت میں شکار کو اپنے لیے حلال نہ کر لو یعنی جب تم زیارت کعبہ کی نیت سے احرام باندھ لو تو پھر ان جانوروں کا شکار جائز نہیں جن کا کھانا جائز ہے باقی سانپ بچھو وغیرہ موذی جانور کا اس ممانعت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ان کے ہلاک کرنے پر شکار کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ مراد وہ جانور ہیں جو وحشی ہوتے ہیں اور جن کے پکڑنے میں کسی تدبیر یا حیلہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ عام گھریلو جانور بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ وغیرہ جو عادۃً شکار کر کے نہیں لائے جاتے اور روزانہ محض ذبح کر کے کھانے کے کام میں لائے جاتے ہیں۔ ان کے ذبح کی کوئی ممانعت نہیں۔ بے شک اللہ حاکم مطلق ہے۔ اسے پورا اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے۔ بندوں کو اس کے احکام میں چون و چرا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ایمانداروں پر لازم ہے کہ اللہ جس چیز کا حکم دے اسے بلا چون و چرا تسلیم کریں اور جسے خدا جائز رکھے وہ جائز ہے اور جسے ناجائز قرار دے وہ ناجائز ہے۔ یعنی بندہ مومن اپنی ساری زندگی خدا کے فضل اور خوشنودی میں وقف کر دے۔ جن چیزوں سے اللہ نے منع کیا۔ ان سے باز رہیں اور جن پر چلنے کا حکم دیا ہے اسے بجا لائے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو پھر ان

Marfat.com

شعائر میں سے چند ایک کا ذکر فرمایا کہ حرام مہینوں میں سے کسی کو حلال نہ کر لو۔ حرام مہینوں سے مراد چار مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب یعنی ان چاروں مہینوں میں قتال کی ابتداء نہ کرو۔ مشرکین ان متبرک مہینوں میں بھی لڑائی جاری رکھتے تھے اور اس کے بعد کسی اور مہینے کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم ان حرام مہینوں میں لڑائی و فساد نہ کرو بلکہ ان کی عزت و تکریم کرو۔ دوسری اللہ کی نشانی جس کی بے حرمتی سے روکا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں پر دست درازی نہ کرو اور نہ ان جانوروں پر ہاتھ ڈالو جن کی گردنوں میں نذر، خلیم وغیرہ کی علامت کے طور پر پٹے پڑے ہوئے ہیں یعنی بیت اللہ شریف کی طرف قربانیاں بھیجنے سے باز رہو۔ کیونکہ اس میں خدا کے نشانوں کی تعظیم ہے اور قربانی کے لیے جو اونٹ وغیرہ بیت الحرام کی طرف بھیجو ان کے گلے میں بطور نشان پٹہ ڈالنے سے بھی نہ رکو تاکہ اس نشان سے ہر کوئی پہچان لے کہ یہ جانور فی اللہ اور راہ للہ ہو چکا ہے اسے کوئی برائی سے ہاتھ نہ لگائے گا۔ بلکہ اسے دیکھ کر دوسروں کو بھی شوق پیدا ہو گا کہ ہم بھی اسی طرح خدا کے نام جانور بھیجیں اور اس صورت میں تمہیں اس کی نیکی پر بھی اجر ملے گا۔

چونکہ کفار نے سنہ ۶ ہجری میں مسلمانوں کو کعبہ کی زیارت سے روک دیا تھا۔ اور عرب کے قدیم دستور کے خلاف حج تک سے مسلمان محروم کر دیئے گئے اس لیے مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جن کافر قبیلوں کے راستے اسلامی مقبوضات کے قریب سے گزرتے ہیں۔ ان کو ہم بھی حج سے روک دیں اور زمانہ حج میں ان کے قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کو اس ارادے سے باز رکھا۔ مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جنگ کے جوش میں کہیں تم اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کر ڈالنا۔ چنانچہ چند شعائر اللہ کا ذکر فرمایا:۔

۱۔ ادب والے مہینوں کی بے حرمتی نہ کی جائے۔

Marfat.com

۲۔ قربان ہونے والے جانوروں اور گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں پر دست درازی نہ کی جائے۔

۳۔ لوگوں کو زیارت کعبہ سے نہ روکا جائے۔

احرام کی حالت ختم ہو جانے کے بعد ایمانداروں کو اجازت دے دی کہ وہ شکار کر سکتے ہیں۔ جو چیز پہلے تمہارے لیے حلال تھی۔ وہ حالت احرام ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ اسی طرح حلال ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

ایمانداروں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ ان کفار قریش سے بھی عدل ہی کا برتاؤ رکھو جنہوں نے تمہیں ۶ہجری میں زیارت کعبہ سے روک دیا تھا۔ اللہ! اللہ! کیا ٹھکانا ہے اس فراخ دلی کا۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے معاون رہو اور گناہ و زیادتی کے کاموں میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ ہمیشہ اللہ سے ہی ڈرتے رہو بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

حرام جانوروں کا بیان۔ دین اسلام کی تکمیل

آیت ۳۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

Marfat.com

ترجمہ:۔ تم پر حرام رکھے گئے ہیں۔ مردار، خون، سؤر کا گوشت، وہ جانور جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، جو گلا گھٹنے سے مر جائے جو کسی ضرب یا چوٹ کھا کر مر جائے، جو اونچے یعنی بلندی سے گر کر مر جائے، جو کسی کے سینگ لگنے سے مر جائے اور جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو۔ سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے کہ قرعے کے تیروں سے تقسیم کیا جائے۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ آج کفار تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں۔ لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔ اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا ہے۔ ہاں جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی چیز کھا لے۔ بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف اس کا میلان ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی اَلْمَیْتَۃُ۔ وہ جانور جو طبعی موت مر گیا ہو۔ مُنْخَنِقَۃُ خَنَقَ سے ہے مراد وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مر جائے۔ مَوْقُوْذَۃُ وہ جانور جو کسی ضرب یا چوٹ سے مر جائے۔ ایسے جانور کو بھی جو محض غلّہ یا گولی سے مر جائے اسی حکم میں داخل ہے۔ مُتَرَدِّیَۃُ وہ ہے جو پہاڑی یا کسی بلند جگہ سے گر کر مر گیا ہو یا کنوئیں میں گر کر مر جائے۔ نَطِیْحَۃُ وہ جانور جسے دوسرا جانور سینگ وغیرہ سے ٹکر لگائے اور وہ اس صدمہ سے مر جائے گو اس سے زخم بھی ہوا ہو اور اس سے خون بھی نکلا ہوا ہو۔ اَلسَّبُعُ سے مراد شیر یا بھیڑیا یا چیتا یا کتّا وغیرہ یعنی درندے۔ نُصُبُ سے مراد وہ سب مقامات ہیں جن کو غیر اللہ کو نذر و نیاز چڑھانے کے لیے لوگوں نے مخصوص کر رکھا ہو خواہ وہاں کوئی پتھر یا لکڑی کی مورت ہو یا نہ ہو۔ ازلام زلم کی جمع ہے تیر۔ ایک دستور اہل جاہلیت کا

Marfat.com

یہ تھا کہ تیروں پر اجازت و ممانعت کے الفاظ لکھ رکھتے تھے اور بعض خالی چھوڑ دیتے تھے اور سفر، تجارت، جنگ وغیرہ کے اہم موقعوں پر ان تیروں سے فال نکالتے۔ جو حکم نکل آتا اسی پر عمل کرتے۔ مخمصۃ: شدید بھوک غیر متجانف لاثم یعنی حرام شے محض بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر کھالی جائے۔ حصول لذت کی نیت نہ ہو اور نافرمانی یا قانون شکنی مقصود نہ ہو۔

تفسیر و تشریح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا کھانا امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام فرمایا ہے، کا ذکر ہے۔ (۱) وہ جانور جو از خود مر جائے نہ تو اسے ذبح کیا جائے اور نہ شکار کیا جائے۔ اس کا کھانا اس لیے حرام کیا گیا ہے کیونکہ اس کا وہ خون جو مضر ہے۔ اسی میں رہ جاتا ہے ذبح کرنے سے جسم کا خون اچھی طرح خارج ہو جاتا ہے۔ جھٹکا کرنے یا کسی اور تدبیر سے جانور کو ہلاک کرنے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ خون کا بیشتر حصہ جسم کے اندر ہی رک جاتا ہے اور وہ جگہ جگہ جم کر گوشت کے ساتھ چمٹ جاتا ہے برعکس اس کے ذبح کرنے کی صورت میں دماغ کے ساتھ جسم کا تعلق دیر تک باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے رگ رگ کا خون باہر آجاتا ہے اور اس طرح پورے جسم کا گوشت خون سے صاف ہو جاتا ہے۔ مُردار میں چونکہ خون ویسے کا ویسا رہتا ہے اور وہ دین اور بدن کے لیے مُضر ہے اس لیے اسے حرام قرار دے دیا گیا۔ صرف مچھلی اور ٹڈی جو خود ہی مر گئی ہو حلال ہے۔

۲۔ خون۔ یعنی بہتا ہوا خون بھی حرام ہے۔ امام شافعیؒ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے لیے دو قسم کے مردے اور دو خون حلال کیے گئے۔ مچھلی اور ٹڈی، کلیجی اور تلی۔ گوشت کے پاک ہونے کے لیے ضروری ہے کہ خون اس سے جدا ہو جائے۔

۳۔ لحم الخنزیر یعنی خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے۔ خنزیر چاہے جنگلی ہو یا پالتو۔ لحم میں سب اجزاء یعنی چربی وغیرہ شامل ہے۔ سؤر کے گوشت

Marfat.com

کی جسمانی مضرتوں سے طبی لٹریچر بھرا پڑا ہے۔ اخلاقی و روحانی نقصانات کا ذکر ہی کیا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ شطرنج کھیلنے والا اپنے ہاتھوں کو سؤر کے گوشت اور خون میں رنگنے والا ہے۔ اس کو صرف چھونا ہی شرعاً کس قدر قابلِ نفرت ہے پھر کھانے کے بے حد برا ہونے میں کیا شک رہا؟

۴۔ اور جو جانور غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو یعنی جس کو ذبح کرتے وقت خداوند تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو، یا جس کو ذبح کرنے سے پہلے یہ بات کی گئی ہو کہ یہ فلاں بزرگ یا فلاں دیوی یا دیوتا کی نذر ہے۔ جانور کے علاوہ اس کھانے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو خداوند تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر بطور نذر پکایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کا نام لیکر ذبح کرنا یا کھانا پکانا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم خدا کے بجائے یا خدا کے ساتھ اس کی بالاتری بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس کو بھی منعم سمجھتے ہیں۔ البتہ جس جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھ دیا ہو خواہ جان بوجھ کر یا بھول کے چھوڑ دیا ہو وہ حرام ہے یا حلال؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

۵۔ وہ جانور بھی حرام ہے جس کا گلا گھٹ جائے خواہ کسی نے عمداً گلا گھونٹ کر یا مروڑ کر اسے مار ڈالا ہو یا از خود اس کا گلا گھٹ گیا ہو۔ مثلاً کھونٹے میں بندھا ہوا تھا اور وہ بھاگنے لگا۔ پھندا گلے میں آ پڑا اور کھینچ کھانچ کرتا مر گیا پس وہ حرام ہے۔

۶۔ وہ جانور بھی حرام ہے جو کسی ضرب یا چوٹ وغیرہ سے مر گیا ہو۔

۷۔ وہ جانور بھی حرام ہے جو پہاڑی یا کسی بلند جگہ سے یا کنوئیں میں گر کر مر گیا ہو۔

۸۔ وہ جانور بھی حرام ہے جو دوسرے جانور کے سینگ وغیرہ کی ٹکر کھا کر مر گیا ہو خواہ اس سے زخم بھی ہوا ہو اور اس سے خون بھی نکلا ہو۔

۹۔ وہ جانور بھی حرام ہے جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو اور وہ مر گیا ہو۔ اہل جاہلیت ایسے جانور کا بقیہ کھا لیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس کے کھانے

Marfat.com

سے منع فرمایا۔ اگر کوئی جانور مذکورہ بالا حوادث میں سے کسی حادثے کا شکار ہو جانے کے بعد با وجود مرا نہ ہو بلکہ کچھ آثارِ زندگی اس میں پائے جاتے ہیں اسے اگر ذبح کر لیا جائے تو اسے کھایا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حلال جانور کا گوشت صرف ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے کوئی دوسرا طریقہ اس کو حلال کرنے کا صحیح نہیں۔ یہ "ذبح" اور "ذکوٰۃ" اسلام کے اصطلاحی لفظ ہیں ان سے مراد حلق کا اتنا حصہ کاٹ دینا ہے جس سے جسم کا خون اچھی طرح خارج ہو جائے۔

۱۰۔ اور وہ جانور جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو یہ بھی حرام ہے ہمارے ہاں بھی بعض لوگ قبروں، درگاہوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں وہ بھی اس میں شامل ہے۔

۱۱۔ تیروں سے تقسیم کرنا بھی حرام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ مشرکین نے تین تیر رکھ چھوڑے تھے ایک پر اِفْعَلْ (کر) لکھا ہوا تھا۔ دوسرے پر لَاتَفْعَلْ (نہ کر) لکھا ہوا تھا۔ تیسرا خالی تھا جب ان کو کسی کام سے کرنے یا نہ کرنے میں تردد ہوتا تو وہ ان تیروں کو نکالتے اگر حکم کا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے اگر ممانعت کا تیر نکلتا تو نہ کرتے اگر خالی تیر نکلتا تو پھر نئے سرے سے قرعہ اندازی کرتے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ فال گیری کی تین بڑی قسمیں دنیا میں پائی جاتی ہیں اور آیت کا حکم ان تینوں پر حاوی ہے۔

۱۔ مشرکانہ فال گیری، جس میں کسی دیوی یا دیوتا سے قسمت کا فیصلہ پوچھا جاتا ہے۔ یا غیب کی خبر دریافت کی جاتی ہے۔ یا باہمی تنازعات کا تصفیہ کرایا جاتا ہے مشرکین مکہ نے اس غرض کے لیے کعبہ کے اندر ہُبل دیوتا کے بت کو مخصوص کر رکھا تھا اس کے استھان میں سات تیر رکھے ہوتے تھے جن پر مختلف الفاظ اور فقرے کندہ تھے۔ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہو، یا کھوئی ہوئی چیز کا پتہ پوچھنا ہو، یا خون کے مقدمہ کا فیصلہ مطلوب ہو، غرض کوئی کام بھی ہو۔ اس کے لیے ہُبل کے پانسہ دار کے پاس پہنچ جاتے اس کا نذرانہ پیش کرتے اور

ہُبَل سے دعا مانگتے کہ ہمارے اس معاملے کا فیصلہ کر دے۔ پھر پانسہ دار ان تیروں کے ذریعہ سے فال نکالتا، اور جو تیر بھی فال میں نکل آتا اس پر لکھے ہوئے لفظ کو ہُبَل کا فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔

۲۔ توہم پرستانہ فال گیری جس میں زندگی کے معاملات کا فیصلہ عقل و فکر سے کرنے کی بجائے کسی وہمی و خیالی چیز یا کسی اتفاقی چیز سے کیا جاتا ہے۔ یا قسمت کا حال ایسے ذرائع سے معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جن کا وسیلۂ علم غیب ہونا کسی علمی طریق سے ثابت نہیں ہے۔ رمل، نجوم، جفر، مختلف قسم کے شگون اور نچھتر اور فال گیری کے بے شمار طریقے اس صنف میں داخل ہیں۔

۳۔ جوئے کی قسم کے وہ سارے کھیل اور کام جن میں اشیاء کی تقسیم کا مدار حقوق اور خدمات اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کے بجائے محض کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے۔ مثلاً یہ کہ لاٹری میں اتفاقاً فلاں شخص کا نام نکل آیا ہے لہٰذا ہزارہا آدمیوں کی جیب سے نکلا ہوا روپیہ اس شخص کی جیب میں چلا جائے۔ یا یہ کہ علمی حیثیت سے تو ایک معمّہ کے بہت سے حل صحیح ہیں مگر انعام وہ شخص پائے گا جس کا حل کسی معقول کوشش کی بناء پر نہیں بلکہ محض اتفاق سے اس حل کے مطابق نکل آیا جو صاحب معمہ کے صندوق میں بند ہے۔

ان تین اقسام کو حرام کر دینے کے بعد قرعہ اندازی کی صرف وہ سادہ صورت اسلام میں جائز رکھی گئی ہے جس میں دو برابر کے جائز کاموں یا دو برابر کے حقوق کے درمیان فیصلہ کرنا ہو۔ مثلاً ایک چیز پر دو آدمیوں کا حق ہر حیثیت سے بالکل برابر ہے، اور فیصلہ کرنے والے کے لیے ان میں سے کسی کو ترجیح دینے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے، اور خود ان دونوں میں سے بھی کوئی اپنا حق خود چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس صورت میں ان کی رضامندی سے قرعہ اندازی پر فیصلہ کا مدار رکھا جا سکتا ہے یا مثلاً دو کام یکساں درست ہیں اور عقلی حیثیت سے آدمی ان دونوں کے درمیان مذبذب ہو گیا ہے کہ

Marfat.com

ان میں سے کس کو اختیار کرے۔ اس صورت میں ضرورت ہو تو قرعہ اندازی کی جا سکتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم ایسے مواقع پر یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے جب کہ دو برابر کے حق داروں کے درمیان ایک کو ترجیح دینے کی ضرورت پیش آجاتی تھی اور آپؐ کو اندیشہ ہوتا تھا کہ اگر آپؐ خود ایک کو ترجیح دیں گے تو دوسرے کو ملال ہوگا۔

الغرض تیروں سے تقسیم طلب کرنا حرام ہے۔ اس کام کا کرنا فسق اور گمراہی، جہالت اور شرک ہے۔ اس کے بجائے مومنوں کو یہ حکم ہے کہ جب انہیں کسی کام میں تردد ہو تو اللہ سے استخارہ کریں۔ اس کی عبادت کر کے اس سے بھلائی طلب کریں۔

مذکورہ بالا سب چیزیں جن کی ممانعت آچکی ہے۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں اس لیے ایمانداروں کا یہ شیوہ ہونا چاہیئے کہ وہ ان چیزوں سے باز آئیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کافروں کو تمہارے دین سے مایوسی ہو چکی ہے یعنی ان کی یہ امیدیں خاک میں مل گئیں کہ وہ تمہارے دین میں کچھ خلط ملط کر سکیں۔ اے ایماندارو! اب تمہارا دین ایک مستقل نظام بن چکا ہے اور خود اپنی حاکمانہ طاقت کے ساتھ نافذ و قائم ہے۔ کفار جو اب تک اس کے قیام میں مانع و مزاحم رہے ہیں۔ اب اس طرف سے مایوس ہو چکے ہیں کہ وہ اسے مٹا سکیں گے اور تمہیں پھر پچھلی جاہلیت کی طرف واپس لے جا سکیں گے لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو یعنی اس دین کے احکام اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے میں اب کسی کافر طاقت کے غلبہ و قہر اور دست اندازی و مزاحمت کا خطرہ تمہارے لیے باقی نہیں رہا ہے۔ انسانوں کے خوف کی اب کوئی وجہ نہیں رہی۔ اب تمہیں خدا سے ڈرنا چاہیئے کہ اس کے احکام کی تعمیل میں اگر کوئی کوتاہی تم نے کی تو تمہارے پاس کوئی ایسا عذر نہ ہوگا۔

Marfat.com

جس کی بناء پر تمہارے ساتھ کچھ بھی نرمی کی جائے۔ اب شریعت الٰہی کی خلاف ورزی کے معنی یہ نہیں ہوں گے کہ تم دوسروں کے اثر سے مجبور ہو، بلکہ اس کے صاف معنی یہ ہوں گے کہ تم خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا نہیں چاہتے۔

آیت کے نزول کا وقت یوم جمعہ ۹ ذی الحجۃ سنہ ۱۰ ہجری بعد عصر مقام عرفات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نزول کے کل دو مہینے اکیس دن بعد انتقال فرمایا۔ نکتہ رس و دقیقہ سنج اصحاب نبیؐ آیت کے مضمون ہی سے سمجھ گئے تھے، کہ اب دین ہر طرح مکمل و مستحکم ہو چکا۔ نبیؐ کے مشن کی ہر طرح تکمیل ہو چکی۔ نبیؐ کو اب دنیا میں مزید قیام کی ضرورت نہیں رہی۔ زمانہ مفارقتِ نبیؐ کا قریب آگیا۔ چنانچہ حدیث و سِیَر کی کتابوں میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس آیت کو سُن کر رو پڑے تھے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اب دین اسلام میں کسی ترمیم، اضافہ، تصرف کی گنجائش نہ رہی۔ لہٰذا کسی نبی کی بعثت کی حاجت بھی نہ رہی۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام نوعِ انسانی کے لیے آخری نبی، قرآن مجید جو سراسر ہدایت اور مکمل نظامِ زندگی ہے آخری کتاب اور اُمّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری امت ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ حرام مادلات میں سے کسی شے کو کھانے یا پینے کی اجازت صرف تین شرطوں پر دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ واقعی مجبوری کی حالت ہو مثلاً بھوک یا پیاس سے جان پر بن گئی ہو، یا بیماری کی وجہ سے جان کا خطرہ ہو اور اس حالت میں حرام چیز کے سوا اور کوئی چیز میسر نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا کے قانون کو توڑنے کی خواہش دل میں موجود نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ مثلاً حرام چیز کے لقمے یا چند قطرے یا چند گھونٹ اگر جان بچا سکتے ہوں تو ان سے زیادہ اس چیز کا استعمال نہ ہونے پائے۔ اس کے ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ اگر ضرورت کی حد سے ایک آدھ لقمہ زیادہ کھا گیا جب بھی اللہ تعالیٰ معاف کر دیگا۔

Marfat.com

کیونکہ اللہ تعالیٰ رحیم ہے۔ اور یہ اس کی رحمت ہی تو ہے کہ ایسے موقع کے لیے کیسا نرم و آسان قانون بنا دیا۔

شکاری جانوروں کے شکار کا بیان

آیت ۴ - یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝

ترجمہ :۔ آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کچھ حلال ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ تم پر ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو۔۔۔ جن کو خدا کے دیے ہوئے علم کی بنا پر تم شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو۔۔۔ وہ جس جانور کو تمہارے لیے پکڑ رکھیں، اس کو بھی تم کھا سکتے ہو، البتہ اس پر اللہ کا نام لے لو اور اللہ کا قانون توڑنے سے ڈرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی جَوَارِح جارحۃ کی جمع ہے۔ ہر شکاری جانور مراد ہے۔ خواہ وہ پرندہ ہو یا درندہ۔ جارحۃ نام جارحۃ اس لیے پڑا کہ وہ شکار کو زخمی کرتا ہے۔ مُکَلِّبِیْنَ۔ مُکَلِّب کے ایک معنے تو ہیں کتے کو تعلیم دینے والا، اور دوسرے معنے ہیں شکار پر جھپٹنے والا۔ مُکَلِّبِیْنَ کے لفظ سے یہ دھوکہ نہ ہو کہ یہ تعلیم و تربیت صرف کتوں کے ساتھ مخصوص ہے شکاری پرندے بھی بلا اختلاف فقہاء سب اسی حکم میں داخل ہیں جبکہ وہ جانور خود اس شکار کو نہ کھائے اور اسے شکاری کے لیے روکے رکھے۔

تفسیر و تشریح مومنین و صحابہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہیں کہ ہمارے لیے کھانے کی کون کون سی چیزیں حلال

Marfat.com

کی گئی ہیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام پاکیزہ چیزیں تم پر حلال ہیں یعنی جو چیزیں اصول شرع میں سے کسی اصل کے ماتحت ناپاک قرار پائیں، یا جن چیزوں سے ذوقِ سلیم کراہت کرے، یا جنہیں مہذب انسان نے بالعموم اپنے فطری احساسِ نظافت کے خلاف پایا ہو، ان کے ماسوا سب کچھ پاک ہے۔ شکاری جانوروں سے مراد کتے، چیتے، باز، شکرے اور تمام وہ درندے اور پرندے ہیں جن سے انسان شکار کی خدمت لیتا ہے۔ سدھائے ہوئے جانور کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ جس جانور کا شکار کرتا ہے اسے عام درندوں کی طرح پھاڑ نہیں کھاتا بلکہ اپنے مالک کے لیے پکڑے رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے عام درندوں کا پھاڑا ہوا جانور حرام ہے اور سدھائے ہوئے درندوں کا شکار حلال۔ فقہاء نے تعلیم (ٹریننگ) کا معیار کتے کے حق میں یہ رکھا ہے کہ سکھایا ہوا کتا شکار کو پکڑ کر خود نہ کھا جائے اور باز کے حق میں یہ رکھا ہے کہ سدھائے ہوئے باز کو جب آواز دی جائے تو وہ شکار کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلا آئے۔

شکاری جانور کے لیے ایک شرط تو یہ ہے کہ وہ سدھایا ہوا ہو اور دوسری شرط یہ لگا دی کہ اسے شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدیؓ بن حاتم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں کتے کے ذریعے شکار کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ "اگر اس کو چھوڑتے ہوئے اللہ کا نام لیا ہو تو کھاؤ ورنہ نہیں اور اگر اس نے شکار میں سے کچھ کھا لیا ہو تو نہ کھاؤ کیونکہ اس نے شکار کو دراصل اپنے لیے پکڑا۔" پھر انہوں نے پوچھا کہ اگر میں شکار پر اپنا کتا چھوڑوں اور بعد میں دیکھوں کہ کوئی اور کتا وہاں موجود ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ اس شکار کو نہ کھاؤ۔ اس لیے کہ تم نے خدا کا نام اپنے کتے پر لیا تھا نہ کہ دوسرے کتے پر۔"

اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت

Marfat.com

خدا کا نام لینا ضروری ہے۔ اس کے بعد اگر شکار زندہ ملے تو پھر خدا کا نام لے کر اسے ذبح کرلینا چاہیئے اور اگر زندہ نہ ملے تو اس کے بغیر ہی وہ حلال ہوگا کیونکہ شکاری جانور کو اس پر چھوڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جا چکا تھا۔ یہی حکم تیر کا بھی ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔ میرے احکام کے مطابق اپنی زندگی بسر کرو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

اہل کتاب کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کا بیان

آیت ۵۔ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۠

ترجمہ:۔ آج تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔ اور تمہارا کھانا ان کے لیے۔ اور پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں۔ خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ سے ہوں یا ان قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کرکے نکاح میں ان کے محافظ بنو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو یا چوری چھپے آشنائیاں کرو۔ اور جو کوئی ایمان سے انکار کرے گا تو اس کا عمل اکارت جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معانی طَعَام:۔ اس سے مراد حلال جانور ہیں جو اہل کتاب کے ہاتھ کے ذبح کیے ہوں جیسا کہ صحابیوں، تابعین اور ائمہ تفسیر نے سمجھا ہے۔ ورنہ مطلق کھانا تو دوسرے غیر مسلموں کے ہاں کا بھی

Marfat.com

جائز ہے۔ مُحْصَنٰتُ، مُحْصَنَۃٌ کی جمع ہے۔ حصن قلعہ کو بولتے ہیں۔ اِحْصَان کے معنے ہیں۔ روک میں آجانا۔ قید میں آجانا۔ مُحْصَنٰتُ کے معنے ہوئے قید میں آجانے والیاں۔ مراد شادی شدہ عورتیں ہیں۔ یہاں مُحْصَنٰتُ سے مراد پاک دامن اور محفوظ عورتیں ہیں یعنی بدکاری سے بچنے والی ہوں۔ اُجُوْر اجر کی جمع ہے مراد مہر ہے۔ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ سَفْحٌ سے ہے۔ سَفْحٌ کے معنی بہانے کے ہیں مراد یہ ہے کہ تمہارا مقصد صرف مستی نکالنا ہی نہ ہو۔ یعنی حیوانات کی طرح تمام تر مقصود ایک مادی شہوت یا جنسی تقاضا کا پورا کرنا نہ ہو۔ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ۔ چوری چھپے آشنائی کرنا۔

تفسیر و تشریح اللہ تبارک و تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! ہم نے تمہارے لیے تمام پاک چیزیں حلال کر دی ہیں۔ سو تم ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ اس کے بعد فرمایا کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ذبح کیے ہوئے جانور بھی تمہارے لیے حلال ہیں۔ تم انہیں کھا سکتے ہو بشرطیکہ وہ پاکی و طہارت کے ان قوانین کو ملحوظ رکھیں جو شریعت کے نقطۂ نظر سے ضروری ہیں اور وہ خدا کا نام لے کر کسی جانور کو ذبح کریں۔ اگر اس پر خدا کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبح کریں تو تمہارے لیے اسے کھانا جائز نہیں ہے۔ اہل کتاب کے سوا دوسرے غیر مسلموں کا بھی یہی حکم ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ذبیحہ اہل کتاب ہی کا جائز ہے جب کہ انہوں نے خدا کا نام اس پر لیا ہو۔ باقی غیر اہل کتاب کے ہلاک کیے ہوئے جانور کو کھانا جائز نہیں ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہودی یا نصرانی سے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام خود سن لو جب تو نہ کھاؤ۔ ورنہ کھا لینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ پھر فرمان باری تعالیٰ ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے یعنی تم انہیں اپنے ذبیحے کھلا سکتے ہو۔ ہمارے لیے ان کا اور ان کے لیے ہمارا کھانا حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے

Marfat.com

اور ان کے درمیان کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ اور کوئی چھوت چھات نہیں ہے ہم ان کے ساتھ کھا سکتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ۔ مواکلت کے بعد مناکحت کا ذکر فرمایا کہ تمہارے لیے مسلمان پارسائیں اور اہل کتاب کی پارسائیں جائز ہیں۔ اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ نکاح کی اجازت صرف انہی کی عورتوں سے دی گئی ہے اور اس کے ساتھ شرط یہ لگا دی گئی ہے کہ وہ محصنات یعنی پاکدامن ہوں۔ اس حکم کی تفصیلات میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ کا خیال ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اسلامی حکومت کی رعایا ہوں۔ رہے دارالحرب اور دارالکفر کے یہود و نصاریٰ تو ان کی عورتوں سے نکاح کرنا درست نہیں۔ حنفیہ اس سے تھوڑا سا اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بیرونی ممالک کے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام تو نہیں ہے مگر مکروہ ضرور ہے۔ بخلاف اس کے سعید بن المسیبؒ اور حسن بصریؒ اس کے قائل ہیں کہ آیت اپنے حکم میں عام ہے۔ لہٰذا ذمی اور غیر ذمی میں فرق کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر محصنات کے مفہوم میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک اس سے مراد پاکدامن عصمت مآب عورتیں ہیں اور اس بناء پر وہ اہل کتاب کی آزاد منش عورتوں کو اس اجازت سے خارج قرار دیتے ہیں۔ یہی رائے حسنؒ، شعبیؒ اور ابراہیم نخعیؒ کی ہے اور حنفیہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ بخلاف اس کے امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہاں یہ لفظ لونڈیوں کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے یعنی اس سے مراد اہل کتاب کی وہ عورتیں ہیں جو لونڈیاں نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نصرانیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں سمجھتے وہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے بڑا شرک کیا ہوگا؟ کہ وہ کہتی ہیں کہ اس کا رب عیسیٰؑ ہے اور جب یہ مشرک ٹھہریں تو نص قرآنی میں موجود ہے کہ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ اس کے

Marfat.com

بعد فرمایا کہ نکاح باقاعدہ ہونا چاہیئے اور انہیں ان کے مہر بھی ملنے چاہیئے۔
مہر شرط نکاح نہیں لیکن مہر کی عظمت اور اہمیت اس سے ظاہر ہے۔

نکاح اسلام میں کوئی ضمنی اور ثانوی چیز نہیں بلکہ ایک اہم اور زبردست اخلاقی، اجتماعی اور روحانی حیثیت رکھتا ہے، مرد و زن کے باہمی تعلق کو اسلام نے صرف اسی صورت میں جائز رکھا ہے کہ زوجین کا اس سے اصل مقصود ایک خاندان کی بنیاد رکھنا، ایک مستقل معاشرہ قائم کرنا ہو۔ نکاح چوری چھپے نہیں اعلان کے ساتھ ہوتا ہے، اس میں خدا کا نام درمیان میں لے کر مرد عورت کی حفاظت و آسائش کا ذمہ لیتا ہے اور عورت مرد کی خدمت کی ذمہ داری کو قبول کر لیتی ہے، دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق قائم ہوتے ہیں۔ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ دونوں اپنے آپ کو مستقل نباہ کے لیے عمر کے ہر مدوجزر، اقبال و ادبار کے ہر اتار چڑھاؤ کے لیے حتی الامکان تیار کرتے ہیں اور یہ سب کچھ گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے۔

الغرض ناکح کا پارسا عورت سے نکاح کا مقصد یہی ہونا چاہیئے جو اسلام نے مقرر کیا ہے۔ اور اسی طرح دونوں میاں بیوی زندگی گزاریں جیسے اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ تنبیہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ جو شخص اس اجازت سے فائدہ اٹھائے وہ اپنے ایمان و اخلاق کی طرف سے بھی ہوشیار رہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کافر بیوی کے عشق میں مبتلا ہو کر یا اس کے عقائد اور اعمال سے متاثر ہو کر وہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے، یا اخلاق و معاشرت میں ایسی روش پر چل پڑے جو ایمان کے منافی ہو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کے سارے اعمال ضائع و اکارت جائیں گے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

Marfat.com

وضو اور تیمم کا بیان

آیت ع۶۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ
فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا
بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا
فَاطَّهَّرُوْاؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ
جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ
فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا
بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ
عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ
نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۠

ترجمہ :- اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو، سروں پر مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔ اگر جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ۔ اگر بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو۔ پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔ پس اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لیا کرو۔ اللہ تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں ڈالنا چاہتا بلکہ وہ تو چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے۔ شاید کہ تم شکر گزار بنو۔

مشکل الفاظ کے معانی | وُجُوہ وجہ کی جمع ہے مراد چہرے۔ اَیْدِی یَدٌ کی جمع ہاتھ۔ مَرَافِق واحد مرفق ہے کہنیاں۔ کَعْبَیْن کَعْبٌ کی جمع ٹخنے۔ جُنُبًا۔ جنابت کے اصلی معنی دوری اور بیگانگی کے ہیں اسی سے لفظ اجنبی

نکلا ہے۔ اصطلاح شرع میں جنابت سے مراد وہ نجاست ہے جو تقاضائے شہوت سے یا خواب میں مادۂ منویہ کے نکلنے سے لاحق ہوتی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی طہارت سے بیگانہ ہو جاتا ہے یعنی مرد کو انزال ہو جانا۔ عورت کو حیض آ جانا۔ مرد و عورت دونوں کا عمل مباشرت کرنا (خواہ انزال کے بغیر ہو) یہ سب حالتیں جنابت کی ہیں۔ الغائط سے مراد رفع حاجت ہے۔ لمس کے معنے چھونے کے ہیں۔ پھر اس سے کنایہ جماع سے ہے صعیداً طیباً۔ صعید زمین کے بالائی سطح کو کہتے ہیں۔ چونکہ بالائی زمین نشیبی زمین سے زیادہ پاک صاف ہوتی ہے۔ اس لیے یہاں مراد پاک صاف مٹی ہے۔ حرج۔ تنگی، مشقت

تفسیر و تشریح اس آیت میں مسلمانوں کو وضو کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم نماز کی نیت کرو اور حالت وضو میں نہ ہو تو پہلے ہمارے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق وضو کرو کیونکہ نماز اس کے بغیر درست ہی نہیں۔ فرائض وضو جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ چہرے کا دھونا
۲۔ ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا۔ یعنی کہنیاں اعضائے وضو میں شامل ہیں۔
۳۔ سر کا مسح کرنا
۴۔ پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا

وضو میں صرف یہی چار چیزیں فرض ہیں۔ ان کے علاوہ جو چیزیں ہیں مثلاً وضو شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا، ہاتھوں کا دھونا، کلی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لینا، غرغرہ کرنا وغیرہ مسنون ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی جو تشریح فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منہ دھونے

Marfat.com

میں کلی کرنا اور ناک صاف کرنا بھی شامل ہے بغیر اس کے منہ کے غسل کی تکمیل نہیں ہوتی۔

مسح سے مراد یہ ہے کہ بھیگے ہوئے ہاتھ سر پر پھیر لیے جائیں بعض کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے اور بعض کے نزدیک سر کے چوتھائی حصہ کا مسح کافی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیشانی پر مسح کیا کرتے تھے اور پیشانی کی مقدار ربع سر کے برابر ہوتی ہے۔ کان چونکہ سر کا ایک حصہ ہیں۔ اس لیے سر کے مسح میں کانوں کے اندرونی و بیرونی حصوں کا مسح بھی شامل ہے

اَرْجُلَكُمْ شامی، نافع، علی، حفص سب سے اس کی قرأت نصب کے ساتھ اَرْجُلَ مروی ہے جس سے اَرْجُلَكُمْ فَاغْسِلُوْا کا مفعول ٹھہرتا ہے اور وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ پر عطف ہے اور معنے یہ ہوتے ہیں کہ اپنے چہروں، ہاتھوں اور پاؤں کو دھوؤ۔ سنت رسول سے بھی پاؤں کا دھونا ثابت ہے اور صحابہ رضؓ کے عمل سے بھی عطاء تابعی کا قول ہے کہ صحابہ کا اس بارہ میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

بخاری و مسلم میں ہے حضرت عثمانؓ وضو کرنے بیٹھتے ہیں۔ اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالتے ہیں۔ انہیں دھو کر پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے پھر تین مرتبہ منہ دھوتے پھر تین تین بار دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتے۔ پہلے دایاں ہاتھ پھر بایاں۔ پھر اپنے سر کا مسح کرتے پھر دونوں پاؤں تین تین بار دھوتے۔ پہلے دایاں پھر بایاں۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا اور وضو کے بعد آپ نے فرمایا جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کر کے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ وضو کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان ایک طویل بحث نیت کی آجاتی ہے حنفیہ کے نزدیک نیت نا واجب

Marfat.com

نہیں۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ کے نزدیک نیت وضو کے لیے شرط ہے۔ اس ایک آیت سے بعض علماء و فقہاء نے آٹھ آٹھ سو اور ہزار ہزار مسائل کا استنباط کیا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نماز کی نیت اور ارادے کے لیے بے وضو ہونے کی صورت میں وضو کرنا فرض ہے اور جو باوضو ہو اس کے لیے مستحب ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے تازہ وضو کیا کرتے تھے۔ فتح مکہ والے دن آپؐ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور اسی ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! آج آپؐ نے وہ کام کیا جو آج سے پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں میں نے بھول کر ایسا نہیں کیا۔ بلکہ قصداً ایسا کیا ہے۔ تازہ وضو کی فضیلت بہت آئی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا عام عمل بھی یہی تھا۔ وضو پر وضو کرنے کے استحباب کے سب قائل ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ جو کوئی وضو پر وضو کرے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

بخاری و مسلم میں حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت وضو کے نشانوں کی وجہ سے قیامت کے دن چمکتے اعضاء سے آئے گی پس تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اپنی چمک کو دور تک لے جائے۔ صحیح مسلم میں ہے مومن کو وہاں تک زیور پہنائے جائیں گے۔ جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا تھا۔

۳ ناپاک ہونے کی صورت میں غسل واجب ہے۔ اس حالت میں غسل کے بغیر نماز پڑھنا یا قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔

۳ مریض ہونے کی صورت میں یا سفر میں ہوتے یا رفع حاجت سے فارغ ہونے کے بعد یا عورتوں سے مباشرت کے بعد پانی نہ ملے یا پانی تو ملے لیکن

Marfat.com

اس کے استعمال کرنے سے مرض کے بڑھنے کا اندیشہ ہو یا پانی اتنا مہنگا ملتا ہو کہ قیمت ادا نہ کر سکتا ہو یا پانی اتنا تھوڑا ہو کہ اگر اسے وضو یا غسل کے لیے استعمال کر لیا تو پھر پینے کے لیے باقی نہ بچتا ہو اور اس طرح پیاسے مرنے کا خطرہ ہو۔ ان صورتوں میں اللہ تعالیٰ تیمم کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ تیمم کے معنی قصد کرنے کے ہیں مطلب یہ ہوا کہ جب پانی نہ ملے یا پانی ہو اور اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو پاک مٹی کا قصد کرو۔

تیمم کے طریقے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے ایک گروہ کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر منہ پر پھیر لیا جائے پھر دوسری دفعہ مار کر کہنیوں تک یا کہنیوں پر پھیر لیا جائے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ امام شافعی رحمہ امام مالک رحمہ اور اکثر فقہاء کا یہی مذہب ہے صحابہ و تابعین میں سے اکثریت اس کے قائل ہیں۔ دوسرے گروہ کے نزدیک صرف ایک ہی دفعہ مٹی پر ہاتھ مارنا کافی ہے۔ وہی ہاتھ منہ پر پھیر لیا جائے اور اسی کو کلائی تک ہاتھوں پر بھی پھیر لیا جائے۔ کہنیوں تک مسح کرنے کی ضرورت نہیں۔

تیمم کے لیے ضروری نہیں کہ زمین ہی پر ہاتھ مارا جائے۔ اس غرض کے لیے ہر گرد آلود چیز اور ہر وہ چیز جو خشک اجزاء ارضی پر مشتمل ہو کافی ہے۔

آخر میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ احکام شریعت کے ذریعے تمہارے اوپر کوئی تنگی یا مشقت نہیں ڈالنا چاہتا بلکہ وہ تو تنگی دفع کرتا ہے جیسے کہ ہم نے تمہارے سامنے احکام تیمم بیان کیے ہیں۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ تمہیں پاک صاف کر دیں اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دیں۔ جس طرح پاکیزگی نفس ایک نعمت ہے۔ اسی طرح پاکیزگی جسم بھی ایک نعمت ہے انسان پر اللہ کی نعمت اس وقت مکمل ہو سکتی ہے جب کہ نفس و جسم دونوں کی طہارت و پاکیزگی کے لیے اسے پوری ہدایت مل جائے۔

Marfat.com

حضرت موسیٰؑ کی قوم کا بیان

آیت نمبر ۲۰ تا ۲۶ - وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا
وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ
ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا
تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ قَالُوْا
يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا
حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝
قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا
ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ
غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا
فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ قَالَ
رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ
الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ
سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ
الْفٰسِقِيْنَ ۝

ترجمہ: - اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا اے میری قوم! اللہ کی اس نعمت کا خیال کرو جو اس نے تمہیں عطا کی تھی - اس نے تم میں نبی پیدا کیے اور تم کو فرمانروا بنایا اور تمہیں وہ دیا جو دنیا جہان میں کسی (قوم) کو بھی نہیں دیا گیا تھا - اے میری قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جسے اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے -

Marfat.com

پچھلے پیروں واپس نہ ہو ورنہ ناکام و نامراد پلٹو گے۔ انہوں نے جواب دیا اے موسیٰ! اس سرزمین میں تو بڑی زبردست قوم (آباد) ہے۔ ہم تو وہاں ہرگز نہ جائیں گے۔ جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں۔ ہاں اگر وہ نکل گئے تو ہم داخل ہونے کے لیے تیار ہیں۔ (اس پر) وہ دو آدمی جو (اللہ سے) ڈرنے والوں میں تھے اور ان دونوں پر اللہ کا فضل تھا بولے تم ان پر چڑھائی کر کے شہر کے دروازہ تک تو چلو۔ سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے۔ اسی وقت غالب آجاؤ گے۔ اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ لیکن انہوں نے پھر یہی کہا کہ اے موسیٰ! ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے۔ جب تک وہ وہاں موجود ہیں۔ بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ اس پر موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میں تو سوائے اپنے اور اپنے بھائی کے اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا۔ سو تو ہی ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان تفریق ڈال دے۔ اللہ نے جواب دیا۔ اچھا تو وہ ملک ان پر چالیس سال کے لیے حرام کر دیا گیا ہے۔ یہ لوگ زمین میں مارے مارے پھرتے پھریں گے۔ سو آپ اس نافرمان قوم پر ہرگز ترس نہ کیجئے۔

مشکل الفاظ کے معانی مُلُوکًا ملک کی جمع ہے۔ مَلِک کے معنی عربی میں لازمی طور پر بادشاہ اور تاج دار ہی کے نہیں۔ ہر آزاد، خود مختار اور صاحب حیثیت شخص پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ حدیث میں ہر ایسے شخص پر مُلک کا اطلاق آیا ہے جو اپنا ذاتی مکان، زوجہ اور خادم رکھتا ہو۔ الأَرْضَ الْمُقَدَّسَة۔ مقدس سرزمین سے مراد شام ہے۔ فلسطین اسی کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ جَبَّارِیْن۔ جَبَّار کا اطلاق بڑے ڈیل ڈول والوں پر ہوتا ہے۔ رجلان۔ دو آدمی۔ ان میں سے ایک کا نام یوشع بن نون تھا۔ دوسرے کا کالب بن یوفنا۔ یوشع قبیلہ بنی افرائیم کے اور کالب قبیلہ بنی یہودا کے سردار تھے۔ اخی سے یہاں حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون مراد ہیں۔

تفسیر و تشریح حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خدا کی نعمتیں یاد

کر اطاعت خدا کی طرف مائل کیا تھا۔ اس کا بیان ان آیات میں ہو رہا ہے فرمایا کہ اے لوگو! خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے ایک کے بعد ایک نبی تم میں تمہیں میں سے بھیجا۔ گویا بنی اسرائیل کی اس عظمت گذشتہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت موسیٰؑ سے بہت پہلے کسی زمانہ میں ان کو حاصل تھی۔ ایک طرف حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر ان کی قوم میں پیدا ہوئے اور دوسری طرف حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں اور ان کے بعد مصر میں ان کو بڑا اقتدار نصیب ہوا۔ مدت دراز تک یہی اس زمانہ کی مہذب دنیا کے سب سے بڑے فرماں روا تھے۔ اور انہی کا سکہ مصر اور اس کے نواح میں رواں تھا۔ عموماً لوگ بنی اسرائیل کے عروج کی تاریخ حضرت موسیٰؑ سے شروع کرتے ہیں لیکن اس مقام پر اللہ تعالیٰ تصریح فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل کا زمانہ عروج حضرت موسیٰؑ سے پہلے گزر چکا تھا۔ جسے خود حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے سامنے اس کے شاندار ماضی کی حیثیت سے پیش کرتے تھے۔

ان نعمتوں کو یاد دلا کر حضرت موسیٰؑ اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اے میری قوم اس پاک سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ پاک سرزمین سے مراد بیت المقدس ہے۔ بیت المقدس یعنی فلسطین حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا مسکن رہ چکا تھا۔ ان کے دادا حضرت یعقوبؑ کے زمانہ میں انہی کے قبضہ میں تھا۔ جب وہ اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر حضرت یوسفؑ کے پاس مصر چلے گئے تو پھر قوم عمالقہ نے اس پر قبضہ کر لیا۔ وہ قوم بڑے مضبوط ہاتھ پیروں کی تھی۔ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ تم ان سے جہاد کرو خدا تمہیں ان پر غالب کر دیگا اور یہاں کا قبضہ پھر تمہیں مل جائے گا۔ لیکن بدبخت اور نافرمان بردار قوم نے حضرت موسیٰؑ کو جواب دیا کہ اس سرزمین میں تو بڑی مضبوط قوم بستی ہے ہم میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں۔ جب تک وہ وہاں موجود ہیں ہم اس شہر میں نہیں جا سکتے ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے خود نکل جائیں تو پھر ہم چلے جائیں گے اور اس کو فتح کر لیں گے۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو بڑا سمجھایا

Marfat.com

سمجھایا۔ لیکن قوم پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ پھر دو آدمیوں نے کہا جو خدا سے ڈرنے والے تھے یا جو لوگ جباروں سے ڈر رہے تھے ان کے درمیان سے دو شخص بول اُٹھے اور ان دونوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا تھا۔ انہوں نے بھی قوم بنی اسرائیل کو جہاد کی ترغیب دی اور ان کے یہ بات ذہن نشین کرائی کہ اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ رکھ کر شہر کے دروازے تک پہنچ جاؤ پس تم فاتح اور غالب ہو گے۔ لیکن قوم پر کچھ اثر نہ ہوا۔ خدا اور اس کے نبی حضرت موسیٰؑ کے حکم کی تعمیل کرنے کی بجائے قوم نے یہ جواب دیا کہ جب تک وہ قوم وہاں آباد ہے ہم اس طرف کا رُخ بھی نہیں کریں گے۔ پس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنگ بدر سے پہلے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو سب نے اپنی جانیں اور اموال و دولت حضورؐ کے سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ حضورؐ مالک ہیں ہم نہ تعداد کو دیکھتے ہیں نہ غلبے کو، نہ اسباب پر بلکہ حضورؐ کے فرمان پر اپنی جانیں تک قربان کرنے کو تیار ہیں۔ انصار میں سے حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول! قسم ہے اس خدا کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر مبعوث کیا ہے اگر آپ ہمیں سمندر کے کنارے کھڑے کر کے فرمائیں کہ اس میں کود جاؤ۔ ہم بلا پس و پیش اس میں کود جائیں گے آپؐ دیکھ لیں گے کہ ہم میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو کنارے پر کھڑا رہ جائے۔ حضورؐ! آپؐ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ہمیں شوق سے لے چلیئے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ ہم لڑائی میں صبر اور ثابت قدمی دکھانے والے لوگ ہیں آپ جان لیں گے کہ ہم خدا کی ملاقات کو سچ جاننے والے لوگ ہیں۔ آپ اللہ کا نام لیجئے ساتھ کھڑے ہوئیے ہماری بہادری اور استقلال کو دیکھ کر انشاء اللہ آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یہ سُن کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور آپؐ کو انصار کی یہ باتیں بہت بھلی معلوم ہوئیں۔ ایک روایت یہ بھی آتی ہے کہ انصار نے کہا کہ ہم اسرائیل کی طرح نہیں کہ کہہ دیں کہ آپ اور آپ کا خدا

Marfat.com

جا کر لڑیں ہم یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ آپ خدا کا نام لے کر جہاد کے لئے چلیئے ہم جان و مال سے آپ کے ساتھ ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کا جواب سن کر بہت غصہ آیا اور خدا کے سامنے ان سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا کہ اے باری تعالیٰ! مجھے تو اپنی جان اور اپنے بھائی پر اختیار ہے۔ تو اب میرے اور میری نافرمان قوم کے درمیان تفریق کر دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ اب یہ چالیس سال تک وہاں نہیں جا سکتے۔ اس عرصہ میں تیہ میں حیران و سرگرداں گھومتے پھرتے رہیں گے کسی طرح اس کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے۔ اس عرصہ میں بنو اسرائیل نے بہت سے معجزات دیکھے مثلاً ابر کا سایہ ان پر ہونا، من و سلویٰ کا اترنا۔ ایک ٹھوس پتھر سے جو ان کے ساتھ تھا پانی کا نکلنا، حضرت موسیٰؑ نے اس پتھر پر ایک لکڑی ماری تو فوراً اس سے بارہ چشمے پانی کے جاری ہو گئے اور ہر قبیلہ کی طرف ایک چشمہ بہہ نکلا۔ تورات کا اترنا۔ اسی عرصہ میں حضرت ہارونؑ وفات پا گئے۔ اور ان کی وفات کے تین سال بعد حضرت موسیٰؑ بھی انتقال فرما گئے پھر آپ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون بنائے گئے۔ چالیس سال گزرنے کے بعد حضرت یوشعؑ بن نون بنی اسرائیل کو لے کر نکلے اور بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد جب کہ فتح کا وقت آ پہنچا۔ دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اتنے میں سورج ڈوبنے لگا اور ڈوبنے کے بعد ہفتے کی تعظیم کی وجہ سے لڑائی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے اللہ کے نبی حضرت یوشعؑ نے فرمایا۔ اے سورج تو بھی خدا کا غلام ہے اور میں بھی خدا کا محکوم ہوں۔ اے اللہ! اسے ذرا سی دیر روک لے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے سورج رک گیا اور آپ نے دھوپ ہی کے ساتھ بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ خدا تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ اس شہر کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے جائیں اور حِطّۃٌ کہیں یعنی خدایا ہمارے گناہ معاف فرما لیکن انہوں نے خدا کے حکم کو بدل دیا اور انوں ہم

Marfat.com

گھسٹے ہوئے اور زبان سے حِطَّةٌ فِیْ شَعْرَۃٍ کہتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔

اس قصے کی تفصیلات بائبل کی کتاب گنتی، استثناء اور یشوع میں ہیں۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حضرت موسٰیؑ نے دشتِ فاران سے بنی اسرائیل کے بارہ۱۲ سرداروں کو فلسطین کا دورہ کرنے کے لیے بھیجا تاکہ وہاں کے حالات معلوم کر کے آئیں۔ یہ لوگ چالیس دن دورہ کر کے وہاں سے واپس آئے اور انہوں نے قوم کے مجمعِ عام میں بیان کیا کہ واقعی وہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں، لیکن جو لوگ وہاں بستے ہیں وہ زور آور ہیں۔ ہم اس لائق نہیں کہ ان لوگوں پر حملہ کریں۔ وہاں جتنے آدمی ہم نے دیکھے ہیں وہ سب بڑے قدآور ہیں اور ہم نے وہاں بنی عناق کو بھی دیکھا جو جبّار ہیں اور جبّاروں کی نسل سے ہیں۔ اور ہم خود اپنی ہی نگاہ میں ایسے تھے جیسے ٹڈے ہوتے ہیں اور ایسے ہی ان کی نگاہ میں تھے" یہ بیان سن کر سارا مجمع چیخ اُٹھا کہ "اے کاش ہم مصر ہی میں مرجاتے! یا کاش ہم اس بیابان ہی میں مرتے! خداوند کیوں ہم کو اس مُلک میں لے جا کر تلوار سے قتل کرانا چاہتا ہے؟ پھر تو ہماری بیویاں اور بال بچے لوٹ کا مال ٹھہریں گے۔ کیا ہمارے لئے بہتر نہ ہوگا کہ ہم مصر کو واپس چلے جائیں؟" پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ "آؤ ہم کسی کو اپنا سردار بنالیں اور مصر کو لوٹ چلیں۔" اس پر ان بارہ سرداروں میں سے، جو فلسطین کے دورے پر بھیجے گئے تھے، دو سردار یوشع اور کالب اُٹھے اور انہوں نے اس بزدلی پر قوم کو ملامت کی۔ کالب نے کہا "چلو ہم ایک دم جا کر اس ملک پر قبضہ کرلیں۔ کیونکہ ہم اس قابل ہیں کہ اس پر تصرف کریں۔" پھر دونوں نے یکزبان ہو کر کہا "اگر خدا ہم سے راضی ہے تو وہ ہم کو اس ملک میں پہنچائیگا۔ فقط اتنا ہو کہ تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور اس ملک کے لوگوں سے ڈرو۔ اور ہمارے ساتھ خداوند ہے سو ان کا خوف نہ کرو۔" مگر قوم نے اس کا جواب یہ دیا کہ "انہیں سنگسار کردو۔" آخرکار اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکا اور اس نے فیصلہ فرمایا کہ اچھا اب یوشع اور کالب کے سوا اس قوم کے بالغ مردوں میں سے کوئی بھی اس سرزمین میں داخل نہ ہونے پائے گا۔ یہ قوم چالیس برس

Marfat.com

تک سب خانماں پھرتی رہے گی۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے بیس برس سے لیکر اوپر کی عمر کے سب مر مرجائیں گے اور نئی نسل جوان ہو کر اٹھے گی۔ تب انہیں فلسطین فتح کرنے کا موقعہ دیا جائے گا۔ چنانچہ اس فیصلہ خداوندی کے مطابق بنی اسرائیل کو دشت فاران سے شرق اردن تک پہنچنے ۴۰ برس لگ گئے۔ اس دوران وہ سب لوگ مر کھپ گئے جو جوانی کی عمر میں مصر سے نکلے تھے۔ شرق اردن کو فتح کرنے کے بعد حضرت موسیٰؑ کا بھی انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت یوشعؑ بن نون کے عہد خلافت میں بنی اسرائیل اس قابل ہوئے کہ فلسطین فتح کرسکیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تو اپنی قوم بنی اسرائیل پر غم و رنج نہ کر۔ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ بس اس واقعہ میں یہودیوں کو ڈانٹ ڈپٹ ہے اور ان کی مخالفتوں اور برائیوں کا بیان ہے کہ یہ دشمنان خدا سختی اور آزمائش کے وقت خدا کے دین پر قائم نہیں رہتے۔ رسولوں کی پیروی سے انکار کر جاتے ہیں۔ جہاد سے جی چراتے ہیں۔ خدا اور اس کے رسول کی صریحاً نافرمانی کرتے ہیں۔ حالانکہ فرعون کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ خدا کے نبی ان کو بتا رہے ہیں کہ فتح و نصرت تمہاری ہی ہوگی۔ مگر یہ اپنی بزدلی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اللہ کے رسول کی بے ادبی کرتے ہیں اور صاف جواب دے دیتے ہیں پس خدا کا غضب ان پر نازل ہوتا ہے۔ دنیا میں ان پر طرح طرح کے عذاب آئے۔ سؤر بندر بھی بنائے گئے۔ لعنت ابدی میں یہاں گرفتار ہو کر عذاب آخروی کے دائمی شکار بنائے گئے۔

اس واقعہ سے ایک طرف تو یہود کو یہ جتانا مقصود ہے کہ موسیٰؑ کے زمانہ میں نافرمانی، انحراف اور پست ہمتی سے کام لے کر جو سزا تم نے پائی تھی۔ اب اس سے بہت زیادہ سخت سزا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں باغیانہ روش اختیار کرکے پاؤ گے۔ دوسری طرف مسلمانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ اگر اللہ اور اس کا نبیؐ کسی کام کرنے کا حکم دیں تو اسے بلا چون وچرا بجا لایا جائے۔

Marfat.com

قرآن مجید میں جتنے واقعات وقصص انبیاء سابقین بیان ہوئے ہیں۔
ان سے اصل مقصود یہی ہے کہ مسلمان ان واقعات وقصص سے عبرت حاصل کریں۔
اور یہود ونصاریٰ کی طرح گمراہی میں مبتلا نہ ہوں۔

حضرت آدمؑ کے بیٹوں کا قصہ، دنیا میں سب سے پہلا خون

آیت ۲۷ تا ۳۲۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ م
إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ
مِنَ الْآخَرِ ط قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ط قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ
الْمُتَّقِينَ ٥ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا
بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ج إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ
الْعَالَمِينَ ٥ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ
مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ج وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ج فَطَوَّعَتْ
لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ٥ فَبَعَثَ
اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي
سَوْءَةَ أَخِيهِ ط قَالَ يَا وَيْلَتَىٰ أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ
مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي ج فَأَصْبَحَ
مِنَ النَّادِمِينَ ج مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ ج كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي
إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ
أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ط
وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ط
وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا
مِنْهُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ٥

ترجمہ:۔ اور آپ انہیں آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا قصہ ٹھیک ٹھیک

Marfat.com

سُنا دیں۔ جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔ اس نے کہا: "میں تجھے مار ڈالوں گا" اس نے جواب دیا "اللہ تعالیٰ تو مُتقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ اُٹھائے گا۔ تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ میں اللہ ربّ العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے۔ ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے" آخر کار اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا۔ جس سے وہ نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اسے بتائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگا۔ ہائے افسوس! میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا۔ پھر تو وہ بڑا ہی پشیمان اور شرمندہ ہو گیا۔

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم لکھ دیا کہ جو کوئی کسی کو جان کے (عوض کے) یا زمین پر فساد کے عوض) کے بغیر مار ڈالے تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا اور جس نے ایک کو بچا لیا، تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو بچا لیا۔ اور یقیناً ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر کھلے ہوئے احکام لے کر آئے مگر پھر بھی ان میں بکثرت لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معانی اِبْنَیْ اٰدَمَ۔ آدم کے دو بیٹے مراد قابیل اور ہابیل۔ قُرْبَانًا۔ قربانی یہاں اصطلاحی معنی میں یعنی ذبیحہ کے مُرادف نہیں بلکہ لفظی معنی اور وسیع مفہوم میں ہے۔ نذر و نیاز کے مفہوم میں ہے۔ بَسَطْتَّ۔ دست درازی کرنا۔ ہاتھ اٹھانا۔ تَبُوْٓءَ۔ بلٹ کے معنے اُلٹ کر پڑنے کے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ (سارا وبال) تجھ پر پڑے گا۔ طَوَّعَتْ۔ آمادہ کر دیا۔ مراد یہ ہے کہ اسے نفس نے اس کام

Marfat.com

(قتل) پر رفتہ رفتہ دلیر و مستعد بنا دیا اور اسے اس کی نظر میں خوشگوار کر دکھایا۔
یَبْحَثُ ۔ کھودنا ۔ سَوْءَةَ ۔ اس کے لفظی معنے جسم کے پوشیدہ رکھے جانے والے حصے کے ہیں ۔ یہاں لاش مراد ہے۔

تفسیر و تشریح اس قصہ میں حسد و بغض، سرکشی اور تکبر کا انجام بد بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح حضرت آدم ؑ کے دو صلبی بیٹوں میں کشمکش ہو گئی اور ایک اللہ کا ہو کر، مظلوم بن کر مار ڈالا گیا اور اپنا ٹھکانا جنت میں بنا لیا اور دوسرے نے اسے ظلم و زیادتی کے ساتھ بے وجہ قتل کیا اور دونوں جہان میں برباد ہوا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپ اہل کتاب اور جملہ نوع انسانی کے سامنے حضرت آدم ؑ کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح قصہ بیان کر دیں۔ ان دونوں کا نام ہابیل و قابیل تھا۔ روایت میں آیا ہے کہ چونکہ اس وقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی، اس لئے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدم ؑ کے ہاں ایک حمل سے لڑکا لڑکی دو ہوتے تھے۔ پھر دوسرے حمل میں بھی اسی طرح اس حمل کا لڑکا اور دوسرے حمل کی لڑکی، ان دونوں کا نکاح کر دیا جاتا تھا۔ ہابیل کی بہن تو خوبصورت نہ تھی۔ لیکن قابیل کی بہن خوبصورت تھی۔ قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے نکاح کر لے۔ حضرت آدم ؑ نے اسے اس سے منع کیا۔ آخر تجویز یہ ہوا کہ تم دونوں خدا کے نام پر کچھ نکالو۔ جس کی خیرات قبول ہو جائے گی اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ ہابیل کی خیرات قبول ہو گئی۔

روایتوں میں آیا ہے کہ چھوٹے بھائی ہابیل کی نذر مخلصانہ تھی اس نے اپنے گلے کی بہترین بھیڑ پیش کر دی تھی۔ وہ قبول ہو گئی۔ بڑے بھائی قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار کا ناقص حصہ پیش کیا۔ وہ قبول نہ ہوا۔ قبول نیاز کی علامت اس زمانہ میں یہی تھی کہ ایک آگ آسمان سے آتی اور نذر کو جلا جاتی تھی۔

Marfat.com

چنانچہ جب ہابیل کی نذر قبول ہوگئی تو قابیل بڑا خفا ہوا۔ ویسے بھی عمر میں بڑا تھا۔ اپنے آپ کو بزرگی و مقبولیت کا زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔ اب شدتِ حسد سے بہت ہی برافروختہ ہو کر بے گناہ بھائی کی جان لینے کے درپے ہوگیا۔ تورات میں یہ پورا قصہ یوں درج ہے۔ "چند روز کے بعد یوں ہوا کہ قائن (قابیل) اپنے کھیت میں سے خداوند کے واسطے ہدیہ لایا اور ہابل (ہابیل) بھی اپنی پلوٹھی اور موٹی موٹی بھیڑ بکریوں میں سے لایا۔ اور خداوند نے ہابیل کو اور اس کے ہدیہ کو قبول کیا، لیکن قائن اور اس کے ہدیہ کو قبول نہ کیا۔ اس لئے قائن نہایت غضبناک اور زیرش رو ہوا اور خداوند نے قائن سے کہا کہ تجھے کیوں غصہ آیا اور تیرا منہ کیوں بگاڑتا اگر تو اچھا کرتا تو کیا مقبول نہ ہوتا؟ اور اگر تو اچھا نہ کرے تو گناہ دروازہ پر موجود ہے اور تیرا ارادہ رکھتا ہے پر تو اس پر غالب آ۔ اور قائن نے اپنے بھائی ہابل سے باتیں کیں اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے۔ تو یوں ہوا کہ قائن اپنے بھائی ہابل پر آ کھڑا ہوا اور اسے مار ڈالا" (پیدائش ۴: ۳-۸)

چنانچہ جب قابیل کی قربانی قبول نہ ہوئی تو اس نے ہابیل کو کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اس پر ہابیل نے قابیل کو کہا کہ اگر تیری قربانی قبول نہیں ہوئی تو یہ میرے کسی قصور کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ تجھ میں تقویٰ نہیں ہے۔ لہٰذا میری جان لینے کی بجائے تجھ کو اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔ یاد رکھ کہ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ یہ مطلب نہیں کہ میں ہاتھ باندھ کر تیرے سامنے قتل ہونے کے لئے بیٹھ جاؤں گا۔

اور مدافعت نہ کروں گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو میرے قتل کے درپے ہوتا ہے تو ہو، میں تیرے قتل کے درپے نہ ہوں گا۔ تو میرے قتل کی تدبیر میں لگنا چاہتا ہے تو تجھے اختیار ہے لیکن میں یہ جاننے کے بعد بھی کہ تو میرے قتل کی تیاریاں

کرد رہا ہے۔ یہ کوشش نہ کروں گا کہ پہلے میں ہی تجھے مار ڈالوں۔ یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ کسی شخص کا اپنے آپ کو خود قاتل کے آگے پیش کردینا اور ظالمانہ حملہ کی مدافعت نہ کرنا کوئی نیکی نہیں ہے۔

البتہ نیکی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میرے قتل کے درپے ہو اور میں جانتا ہوں کہ وہ میری گھات میں لگا ہوا ہے۔ تب بھی میں اس کے قتل کی فکر نہ کروں اور اسی بات کو ترجیح دوں کہ ظالمانہ اقدام اس کی طرف سے ہو نہ کہ میری طرف سے یہی مطلب تھا اس بات کا جو آدم علیہ السلام کے اس نیک اور پرہیزگار بیٹے نے کہی۔

بعض اکابر سے منقول ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا آخری وقت کا طرز عمل اسی آیت کے مطابق تھا۔ یعنی اپنی جان دینا گوارا کرلی۔ لیکن جان کے دشمنوں سے مقابلہ و قتال قبول نہ فرمایا۔

ہابیل نے قابیل کو بہترا سمجھایا کہ تو بلا وجہ میرے قتل پر کیوں آمادہ ہو گیا ہے؟ خدا سے تو بالکل نہیں ڈرتا۔ حتیٰ کہ اسے یہاں تک کہہ دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے یعنی میرے قتل کا گناہ اور وہ گناہ جس کے پاداش میں تیری نذر قبولیت سے محروم رہ گئی تھی۔ سو سارا وبال تم پر ہی پڑے۔ مجھ پر نہ پڑے اور اس طرح تو نے بھائی کا ناحق طور پر خون بہا کر اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ کیونکہ ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بجائے اس کے کہ ایک دوسرے کی قتل کی سعی میں ہم دونوں گناہ گار رہیں میں اس کو زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ دونوں کا گناہ تنہا تیرے ہی حصہ میں آ جائے۔ تیرے اپنے قاتلانہ اقدام کا گناہ بھی اور اس نقصان کا گناہ بھی جو اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہوئے میرے ہاتھ سے تجھے پہنچ جائے۔

Marfat.com

ہابیل کے سمجھانے بجھانے کا قابیل پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ مقابلہ و مزاحمت کی طرف سے بے فکر ہو کر اس کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ اور اس طرح اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لئے آسان کر دیا اور وہ اسے مار کر ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہوں۔ خسران اور نقصان اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ اس نے دنیا میں سب سے پہلا قتل کیا۔ قتل انسانی اور برادر کشی کا مرتکب ہوا اور آخرت میں عذاب شدید کا مستحق ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ ہابیل اپنے جانوروں کو لے کر پہاڑیوں پر چلا گیا تھا۔ قابیل اسے ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا اور ایک بڑا بھاری پتھر اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ اس وقت ہابیل سویا ہوا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ قتل درندے کے کاٹ کاٹ کر اور گلا دبا کر اس کو مار دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا طریقہ نہیں آتا تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اوپر سے دوسرا پتھر زور سے دے مارا۔ جس سے وہ جانور اسی وقت مر گیا۔ یہ دیکھ کر قابیل نے بھی ہابیل کو اسی طرح مار دیا۔

بہرحال قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ چونکہ روئے زمین پر یہ پہلا قتل تھا۔ اور قابیل غریب کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ اپنے مقتول بھائی کی لاش کو آخر کیا کرے؟ آخر ایک معمولی اور حقیر سا پرندہ، انتظامات تکوینی کے ماتحت، اس قاتل کو دفن کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کے ذریعے سے حضرت آدمؑ کے اس غلط کار بیٹے کو اس کی جہالت و نادانی پر متنبہ کیا، اور جب ایک مرتبہ اس کو اپنے نفس کی طرف توجہ کرنے کا موقعہ مل گیا تو اس کی ندامت صرف اس بات تک محدود نہ رہی کہ وہ لاش چھپانے کی تدبیر میں کوّے سے پیچھے کیوں رہ گیا، بلکہ اس کو یہ بھی احساس ہونے لگا کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر کے کتنی بڑی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔

Marfat.com

جب قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا تو اسے اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرے۔ کسی طرح اسے چھپائے، تو اللہ تعالیٰ نے دو کوّے بھیجے وہ دونوں بھی آپس میں بھائی بھائی تھے۔ یہ اس کے سامنے لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ پھر ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش کو رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ یہ دیکھ کر قاتل قابیل نے بہ کمال حسرت و ندامت کہا کہ مجھے تو اس مردار خور جانور کے برابر بھی فہم و شعور نہیں۔ میں تو اس کوّے سے بھی گیا گذرا ہوا کاش میں عقل و فہم میں اس کوّے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔ قتل کرنے کے بعد جو اسے دشواریاں پیش آئیں۔ ان کی وجہ سے بہت پریشان ہوا۔ توراۃ میں تو ہابیل کی تدفین کا کچھ ذکر نہیں۔ البتہ شارحین توراۃ نے ایک پرندہ کا ذکر کیا ہے۔ کہ اس کے عمل تدفین کو دیکھ کر حضرت آدمؑ اور حوا نے بھی ہابیل کا لاشہ زمین میں دفن کیا۔ لیکن پرندے کا نام بجائے کوّے کے جنگلی فاختہ آیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا۔ اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی۔ اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔ اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قتل بطور قصاص یا کسی قتل کے عوض میں ہو یا قتل کسی ایسے جرم کے پاداش میں ہو جس سے ملک میں بدامنی اور فساد کی بنیاد پڑ رہی ہو اور نظام عالم پر اسی سے ضرب لگ رہی ہو۔ مثلاً جرم رہزنی، جرم ارتداد، جرم حرامکاری وغیرہ بجز ان دو صورتوں کے جو بھی قتل کیا جائے گا۔ وہ قتل ناحق ہو گا۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ سے اشارہ قصۂ قتل ہابیل کی جانب نہیں بلکہ ان مفاسد کی جانب ہے۔ جو قتل ناحق سے لازم آتے ہیں۔ آیت پر یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک فرد کا قاتل اور جملہ نوع انسانی کا قاتل برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

تو یہ لفظ "فکانما" پر غور کرنے سے جاتا رہتا ہے۔ یہ ارشاد ہرگز نہیں ہو رہا کہ ایک کا قاتل اور سب کا قاتل قانون کی نظر میں یکساں ہوگا۔ قانون، عدالت اور ضابطہ کی نظر میں دونوں کی مساوات کا یہاں مطلق ذکر نہیں۔ مقصود قاتل کی فطرت پر روشنی ڈالنا ہے۔ جو ظالم و فاجر ایک شخص کی بھی جان بلا وجہ اور بے قصور لے ڈالنے میں نہیں ہچکچاتا۔ اس کی جسارت اور خبثِ نفس سے بعید کیا ہے۔ جو وہ پائے تو سارے انسانوں کو تہ تیغ کر کے رکھ دے۔ اصل شئے تو اس کی نظر میں قانونِ شریعت کی بے وقعتی اور اس کے خلاف ورزی پر اس کی دلیری ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی یہ مضمون ایک جگہ آیا ہے کہ روئے زمین پر جو بھی قتل ناحق ہوتا ہے۔ اس کے وبال کا ایک حصہ قابیل کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ بانی اوّل اس جور و ستم کا تو وہی ہوا ہے۔

حدیث صحیح میں بھی یہ مضمون ایک عام قاعدہ و ضابطہ کی صورت میں آیا ہے۔ جو کوئی کسی نیک رسم کی بنیاد ڈال دے اور اس پر عمل بھی کرے اسے اجر اپنا بھی ملتا ہے اور اس کے بعد اس پر تمام عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے اجر سے کچھ کم کیا جائے اور جو کوئی کسی رسم بد کی بنیاد ڈال دے، اور اس پر عمل بھی کرے اس پر گناہ اپنے کئے کا بھی پڑتا ہے اور اس کے بعد اس پر دوسرے عمل کرنے والوں کا بھی بغیر اس کے کہ ان لوگوں کا گناہ کچھ ہلکا ہو۔ چونکہ بنی اسرائیل کے اندر انہی صفات کے آثار پائے جاتے تھے۔ جن کا اظہار حضرت آدمؑ کے اس ظالم اور حاسد بیٹے نے کیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو قتلِ نفس سے باز رہنے کی سخت تاکید کی تھی اور اپنے فرمان میں یہ الفاظ لکھے تھے۔ افسوس ہے کہ آج جو بائیبل پائی جاتی ہے وہ فرمانِ خداوندی کے ان قیمتی الفاظ سے خالی ہے۔ البتہ تلمود میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے کہ "جس نے اسرائیل کی ایک جان کو ہلاک کیا مکتاب اللہ

کی نگاہ میں اس نے گویا ساری دنیا کو ہلاک کیا، اور جس نے اسرائیل کی ایک جان کو محفوظ رکھا۔ کتاب اللہ کے نزدیک اس نے گویا ساری دنیا کی حفاظت کی"۔ اسی طرح تلمود میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ قتل کے مقدمات میں بنی اسرائیل کے قاضی گواہوں کو خطاب کر کے کہا کرتے تھے کہ "جو شخص ایک انسان کی جان ہلاک کرتا ہے۔ وہ ایسی بات ہی کا مستحق ہے گویا اس نے دنیا بھر کے انسانوں کو قتل کیا ہے"۔

دنیا میں نوع انسانی کی زندگی کی بقا اس امر پر منحصر ہے کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقاء و تحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو۔ جو شخص کسی کی ناحق جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیات انسانی کے احترام سے اور ہمدردی نوع کے جذبہ سے خالی ہے۔ لہٰذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے۔ کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افرادِ انسانی میں پائی جائے تو پوری نوع کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کے برعکس جو شخص انسان کی زندگی کے قیام میں مدد دیتا ہے۔ وہ درحقیقت انسانیت کا حامی ہے کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے۔ جس پر انسانیت کے بقاء کا انحصار ہے۔

بچا لینے یا دوسرے کو زندگی بخشنے سے مراد یہ ہے کہ اسے خونِ ناحق سے بچایا جائے اس صورت میں یہ مستحق مدح واجب ہے۔ اگر بچا لینے کو اپنے مطلق اور عمومی معنے میں رکھا جائے تو موقع قصاص وغیرہ پر قتل واجب سے کسی کو بچا تا بجائے خود ایک معصیت اور اعانت علی الحرام ہے۔ ڈوبتے کو نکال لینا سب جانتے کہ بچا لینا ہے کسی کو ہلاکت سے ہٹا لینا۔ مقصد لوگوں کو خون ناحق سے روکنا اور لوگوں کی خیر خواہی اور امن و امان پر آمادہ کرنا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رض کو جب باغی گھیر لیتے ہیں تو حضرت ابو ہریرہ رض ان کے پاس جاتے ہیں اور کہتے

ہیں۔" میں آپ کی طرف داری میں آپ کے مخالفین سے لڑنے کے لئے آیا ہوں۔" یہ سن کر حضرت عثمان غنی رضؓ نے فرمایا "کیا تم اس بات پر آمادہ ہو کہ سب لوگوں کو قتل کر دو جن میں ایک میں بھی ہوں۔" حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے فرمایا "نہیں نہیں" اس کے جواب میں خلیفہ راشد نے فرمایا کہ ایک کو قتل کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے سب کا قتل کرنا۔ جاؤ، واپس لوٹ جاؤ، میری یہی خواہش ہے، اللہ تمہیں اجر دے گناہ نہ دے۔

آخر میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہمارے رسول پے در پے ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے پھر بھی ان میں بکثرت لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہم نے کئی انبیاءؑ بھیجے جو ہماری طرف سے احکام و ہدایات اور معجزات بنی اسرائیل کی طرف لے کر گئے۔ اور انہی احکام میں قتل ناحق اور خونریزی کی ممانعت بھی تھی۔ لیکن انہوں نے ہمارے احکام کو پس پشت ڈال دیا۔ پیغمبروں کی آمد کے باوجود ان (اسرائیلیوں) کی اکثریت قانون خداوندی کی مسلسل خلاف ورزی کرتی رہی۔ وہ اس قدر دلیر اور گمراہ ہو گئے کہ بعض اوقات تو خود انہی پیغمبروں کو قتل کر ڈالا۔ مسرفون کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل ہر قسم کے گناہ اور زیادتیاں کرنے لگے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی بجائے وہ اپنی خواہشات نفسانی کے بندے بن کر رہ گئے تھے۔ مسلمانوں کو اس قصہ سے یہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ قتل ناحق ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ دنیا اور آخرت میں رسوائی ہی رسوائی ہے۔

مختلف سزاؤں کا بیان

آیت ۳۳ تا ۳۴۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ

Marfat.com

أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾

ترجمہ۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد پھیلائیں ان کی سزا بس یہ ہے کہ وہ قتل کیے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بڑی سزا ہے۔ مگر جو لوگ توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ۔ تمہیں معلوم رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی یُحَارِبُوْنَ جنگ کرتے ہیں۔ جنگ کرنے سے مراد معصیت اور مخالفت ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کو توڑنا اور اس سے مقابلہ کرنا ہے۔ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا زمین میں فتنہ و فساد برپا کرنے کے لئے سعی و کوشش کرنا۔ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔ جلاوطن کر دینا۔ ملک سے باہر نکال دینا۔ خِزْیٌ۔ رسوائی۔ ذلت۔ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ان پر تم قابو پا لو یعنی انہیں گرفتار کر لو۔

تفسیر و تشریح ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ مختلف قسم کے مجرموں کے لیے سزائیں برسبیل اجمال بیان فرماتے ہیں تاکہ مسلمان حاکم وقت اپنے اجتہاد سے ہر مجرم کو اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق دے سکتا ہے۔ سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ زمین سے مراد یہاں وہ ملک یا وہ علاقہ ہے جس میں امن و انتظام قائم کرنے کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لی ہے

Marfat.com

لے رکھی ہو۔ اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کا مطلب اس نظامِ صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے اور اسی کے لیے اس نے اپنا رسول بھیجا تھا کہ زمین میں ایک ایسا صالح نظام قائم ہو جو انسان، حیوان، درخت اور ہر اس چیز کو جو زمین پر ہے امن بخشے، جس کے تحت انسانیت اپنی فطرت کے کمالِ مطلوب کو پہنچ سکے۔ جس کے تحت زمین کے وسائل اس طرح استعمال کیے جائیں کہ وہ انسان کی ترقی میں مددگار ہوں نہ کہ اس کی تباہی و بربادی میں ایسا نظام جب کسی سرزمین میں قائم ہو جائے تو اس کو خراب کرنے کی سعی کرنا، قطع نظر اس سے کہ وہ چھوٹے پیمانے پر قتل و غارت اور رہزنی و ڈکیتی کی حد تک ہو یا بڑے پیمانے پر اس صالح نظام کو اُلٹنے اور اس کی جگہ کوئی فاسد نظام قائم کر دینے کے لیے، دراصل وہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے ہر اس شخص کو جو اپنے ملک کے صدر یا بادشاہ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کرے تو وہ مجرم قرار دیا جائے گا۔ اور اس کی سزا قانون کے مطابق پھانسی ہوگی۔ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا سے مراد یہاں ڈاکو، لٹیرے اور رہزنوں کا گروہ ہے۔ عام اس سے کہ وہ کافر ہو یا مسلم۔

اس آیت میں چار سزائیں مذکور ہوئی ہیں اور چاروں الگ الگ مقرر کی گئی ہیں۔ قول صحیح و مختار یہی ہے کہ امام کو ان چار سزاؤں میں سے ہر ایک نوعیت کے لیے اختیار دے دیا گیا ہے۔ اگرچہ بعض علماء اس طرف بھی گئے ہیں۔ چنانچہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ یہ مختلف سزائیں یہاں اجمال بیان کر دی گئی ہیں تاکہ قاضی یا امامِ وقت اپنے اجتہاد سے ہر مجرم کو اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ کسی شخص کا اسلامی حکومت کے اندر رہتے ہوئے اسلامی نظام کو اُلٹنے کی کوشش کرنا بدترین جرم ہے اور

اسے ان انتہائی سزاؤں میں سے کوئی سزا دی جا سکتی ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے :-

۱- اگر رہزنوں اور ڈاکوؤں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو اور مال چھیننے کی نوبت نہ آئی ہو تو اسے قتل کر دیا جائے۔

۲- اگر قتل و غارت دونوں کا ارتکاب کیا ہو تو پھر اسے سولی پر لٹکایا جائے۔

۳- اگر صرف مال لوٹا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ اس سزا کے بارے میں فقہاء حنفیہ میں کسی قدر اختلافات ہے۔ امام محمد سے منقول ہے کہ جب قتل یا سولی کی سزا اپنے ذمہ یا جرم کی بناء پر نافذ ہو رہی ہو تو پھر قطع اعضاء کی سزا نافذ نہ کی جائے گی۔ اس لیے کہ بڑی حد کے اجراء کے بعد پھر چھوٹی حد کے اجراء کا سوال باقی نہیں رہتا مثلاً اگر کسی پر چوری اور زنا دونوں ثابت ہوں، تو سزا صرف زنا کی ملے گی اور سنگساری کے ہوتے ہوئے، ہاتھ کاٹے جانے کی الگ سزا کی ضرورت نہ رہے گی۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا فرمان ہے کہ قطع اعضاء اور سولی یہ تعداد میں دو سزائیں ہی نہیں، بلکہ مجرم کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل یا سولی ایک ہی سزا ہوگی۔ یہ سزا سخت تر ہے بے شک ہے لیکن یہ اس لئے کہ جرم بھی تو سخت تر ہے۔ اور جرم کی اشد یت یہ ہے کہ مجرم نے قتل و غارت دونوں کر کے امن عامہ کو انتہا درجہ کا نقصان پہنچا دیا۔

۴- اگر قتل کرنے اور مال لوٹنے کی نوبت نہ آئی ہو۔ محض قصد و اقدام کے بعد ہی گرفتاری ہو گئی تو اسے ملک سے نکال دیا جائے۔ یا اسے ملک میں آزاد چلنے پھرنے نہ دیں۔ بلکہ اس کی آزادی سلب کر دی جائے۔ اور وہ قید خانے میں بند کر دیا جائے۔ فقہاء حنفیہ نے آخری معنی اختیار کئے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ جلا وطنی کی صورت میں مجرم یا تو کسی دوسرے اسلامی شہر میں چلا جائے گا۔

اندر رہا تو فتنہ و فساد کا باعث بنے گا یا اگر دار الحرب چلا گیا تو وہاں دشمنان اسلام کی تقویت کا سبب بن جائے گا۔ اس لیے یہاں مراد حبس اور قید ہی ہے۔

ان چار صورتوں کے علاوہ پانچویں صورت یہ بھی ممکن ہے کہ رہزنوں نے کسی کو محض زخمی کر کے چھوڑ دیا۔ تو اس کا حکم مثل عام زخمیوں کے ہوگا۔ یہاں قانون قصاص و ضمان کی دفعات چلیں گی۔ اگر زخمی اسے معاف کر دینا چاہے تو معافی بھی ہو سکے گی۔

اسلامی سزاؤں کی سختیوں پر بعض جاہل اور مغرب زدہ طبقہ اعتراض کرتا ہے۔ ان کے نزدیک ایسی سزائیں دینا تہذیب و تمدن کے خلاف ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ جن ملکوں نے اپنے ہاں قانون کو نرم کر کے ہلکی سزائیں جاری کر دیں، ان کے ہاں جرائم اور بدامنی کا کیا حال ہے؟ اور ان قوموں کے ہاں کیا، جن کے ہاں اب تک اسلامی تعزیرات و حدود کا نفاذ جاری ہے؟ امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے ریکارڈ جرائم کے لحاظ سے بلوچستان اور ڈاکوؤں نے قتل و غارت کے لحاظ سے کیا ہے اور نجد و یمن و حجاز کا کیا ہے۔

اسلام نے معاشی، معیشت اور معاشرت کا جو بہترین نظام دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے اور فرد و جماعت دونوں کے لیے فراغ خاطری اور آسائش سہولتوں کے حقیقی مواقع بہم پہنچائے ہیں۔ ان کے بعد جو ظالم اللہ کی ان نعمتوں کی ناشکری کر کے امن عامہ پر ڈاکہ ڈالتا اور اللہ کے بندوں کی جان اور مال چھین لینا چاہتا ہے اور ثبوت جو اپنے انتہائی خبث نفس کا دے رہا ہے ایسا خبیث الفطرت مستحق بھی سخت ترین سزا کا ہے۔

عبرت و عظت کے لیے سزاؤں کا محض سخت یا جسمانی حیثیت سے تکلیف دہ ہونا ہی کافی نہیں۔ تفضیح و رسوائی، دماغی و قلبی تکلیف کا پہلو بھی ان میں

نمایاں ہونا چاہیے۔ فقہا نے یہ بھی طے کر دیا ہے کہ رہزنی اور قتل کا ارتکاب اگر ایک گروہ اور جتھے نے کیا ہے تو فرداً فرداً ہر ایک کے تعین جرم کے ثبوت کی حاجت نہیں محض اس گروہ سے وقوع جرم کا ثبوت کافی ہے۔ اس لیے کہ جتھے کے کسی فرد نے جو کچھ بھی کیا ہے سب جتھے ہی کی قوت پر بھروسہ کر کے کیا ہے۔ چنانچہ قتل بالفرض رہزنوں کی جماعت میں سے کسی ایک نے بھی کیا ہے تو سارے ہی بہرحال یہ سب اس میں شریک ہوئے اور قصاص میں سب قتل ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان مجرموں کو ایک تو دنیا میں ذلت و رسوائی سے سامنا کرنا پڑے گا دوسرے آخرت میں ان کو بہت بڑا عذاب دیا جائے گا۔

اگر امام وقت ان پر قابو پائے اس حال میں کہ وہ لوگ اپنے ان سابقہ گناہوں سے توبہ کر چکے ہوں اور سعی فساد سے باز آ گئے ہوں اور صالح نظام کو درہم کرنے یا الٹنے کی کوشش چھوڑ چکے ہوں اور ان کا بعد کا طرز عمل ثابت کر رہا ہو کہ وہ امن پسند، مطیع قانون اور نیک چلن انسان بن چکے ہیں۔ اور اس کے بعد ان کے سابقہ جرائم کا پتہ چلے تو پھر ان کو ان سزاؤں میں سے کوئی سزا نہ دی جائے گی البتہ اگر انہوں نے آدمیوں کے حقوق پر دست درازی کی تھی تو اس کی ذمہ داری ان پر سے ساقط نہ ہوگی مثلاً اگر کسی انسان کو انہوں نے قتل کیا تھا یا کسی کا مال لیا تھا یا کوئی اور جرم انسانی جان و مال کے خلاف کیا تھا تو اسی جرم کے بارے میں فوجداری مقدمہ ان پر قائم کیا جائے گا۔ لیکن بغاوت اور غداری اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف محاذ کا کوئی مقدمہ نہ چلایا جائے گا۔ تفسیر ماجدی میں ہے کہ توبہ کرنے کی صورت میں اب نہ ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے نہ سولی پر لٹکایا جائے گا اور نہ ہی ملک بدر کیا جائے گا یہ حدود جو اللہ کی مقرر کی ہوئی تھیں، توبہ کے بعد ساقط ہو جائیں گی اور کوئی دعویٰ اور مطالبہ اب حکومت اسلامی کی طرف سے باقی نہیں رہے گا۔ البتہ وارثوں۔ وارثوں کو اب بھی اختیار ہے کہ خواہ متاثر

Marfat.com

کر دیں، خواہ مال پر صلح کرلیں، خواہ خون کے بدلے خون کا مطالبہ کریں۔ اب معاملہ حضرت بندوں کے درمیان رہ گیا۔

علی نامی ایک اسدی شخص نے لڑائی کے راستے پُرخطر بنا دیئے تھے۔ لوگوں کو قتل کیا۔ مال لوٹا بادشاہِ لشکر اور رعایا نے ہر چند اسے گرفتار کرنا چاہا لیکن وہ ان کے قابو نہ آیا۔ ایک مرتبہ یہ جنگل میں تھا جو ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور وہ اس وقت یہ آیت تلاوت کر رہا تھا۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا ۔ الخ یہ اسے سن کر ٹھٹک گیا۔ اور اس سے کہا "اے خدا کے بندے! یہ آیت مجھے دوبارہ سناؤ" اس نے پھر پڑھی، خداوند تعالیٰ کی اس آواز کو سن کر وہ فرماتا ہے "اے میرے گنہگار بندو! تم میری رحمت سے نا امید نہ ہو جاؤ میں سب گناہوں کے بخشنے پر قادر ہوں میں غفور و رحیم ہوں"۔ اس شخص نے جھٹ سے اپنی تلوار کو میان میں کر لیا، اسی وقت سچے دل سے توبہ کی اور صبح کی نماز سے پہلے مدینہ پہنچ گیا غسل کیا اور مسجد نبوی ﷺ میں نماز صبح باجماعت ادا کی حضرت ابوہریرہؓ کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے ان میں یہ بھی بیٹھ گیا جب روشنی ہو گئی۔ تو لوگوں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو سلطنت کا باغی، بہت بڑا مجرم اور شریر شخص علی اسدی ہے۔ اٹھ کھڑے ہوئے کہ اسے گرفتار کرلیں۔ اس نے کہا سنو بھائیو! تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے اس لئے کہ تم مجھ پر قابو پاؤ اس سے پہلے ہی میں تو توبہ کر چکا ہوں بلکہ توبہ کے بعد تمہارے پاس خود آ گیا ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا یہ سچ کہتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مروان بن حکم کے پاس لے چلے۔ یہ اس وقت امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے وہاں پہنچ کر فرمایا۔ "یہ علی اسدی ہے۔ یہ توبہ کر چکے ہیں۔ اس لئے اب تم انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے"۔ چنانچہ کسی نے اس کے ساتھ کچھ نہ کیا۔ جب مجاہدین کی ایک جماعت رومیوں سے لڑنے کے لئے گئی تو ان مجاہدین میں یہ بھی شامل ہو گئے سمندر میں ان کی کشتی جا رہی تھی کہ سامنے سے چند کشتیاں رومیوں کی آگئیں۔ یہ اپنی کشتی

Marfat.com

میں سے رومیوں کی گردنیں مارنے لگے لئے ان کی کشتی میں کود گئے اور ان کی آبدار
تلوار کی رومی تاب نہ لاسکے اور بزدلی سے ایک طرف کو بھاگے یہ بھی ان کے
پیچھے اسی طرف چلے چونکہ سارا بوجھ ایک طرف ہو گیا اس لیے کشتی پلٹ گئی
جس سے وہ سارے رومی کفار ہلاک ہو گئے اور حضرت علی اسدی بھی ڈوب
شہید ہو گئے (خدا ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے)

چوری کی سزا کا بیان

آیت ۳۸ تا ۳۹ - وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ: اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ان کے کرتوتوں کے عوض میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور عبرتناک سزا کے، اور اللہ بڑا قوت والا ہے۔ بڑا حکمت والا ہے۔ پھر جو شخص ظلم کرنے کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرے، تو بے شک اللہ کی نظر عنایت بھی اس پر مائل ہو جائے گی۔ اللہ بہت درگذر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی السَّارِقُ چور مرد، سرقہ کے لغوی معنی تو مطلق اور چوری کے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں اس سے مراد یہ ہے کہ غیر کے مال کو کسی خاص جگہ سے اور کسی خاص مقدار میں چھپا لینا۔ نَكَالًا مِنَ اللَّهِ نکال ایسے عذاب و سزا کو کہتے ہیں جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔ فَمَنْ تَابَ جو توبہ کرے، مراد یہ ہے کہ یہ توبہ قاعدہ شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ چرائی ہوئی چیز مالک کو واپس کر دینی چاہیئے۔ اور اگر تلف ہو چکی ہو تو اس کا تاوان مالک کو دے۔ اگر اس کی

Marfat.com

استطاعت رکھتا ہو تو مالک سے معاف کرانے کی کوشش کرے یہ شرائط تکمیل توبہ میں سے ہیں۔ وَاَصْلَحَ یعنی آئندہ کے لیے ایسی عادتیں اور حرکتیں چھوڑ دے۔ توبہ کا تعلق ماضی سے تھا اور اصلاح حال کا تعلق مستقبل سے ہے۔

تفسیر و تشریح

ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ چوری کی سزا بیان فرماتے ہیں۔ چوری کرنے والا چاہے مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ اسلامی حکومت کے حکام کو یہ فرض سونپا گیا ہے کہ وہ شرعی حدود کو جاری کریں۔ السَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ لا کر یہ بتا دیا گیا ہے کہ مجرم قابلِ تعزیر کی حیثیت سے مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ یہ نہ ہوگا کہ مجرم اگر عورت ہے تو اس کی سزا کچھ بڑھا دی جائے .. .. ..

.. .. .. یا عورت ہونے کی بنا پر اس کی سزا کچھ گھٹا دی جائے ——— دوسری قوموں کے قانون میں مرد و عورت کے درمیان سزا کی عدم مساوات کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔

چور کے دونوں ہاتھ نہیں بلکہ ایک ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور امت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ پہلی چوری پر داہنا ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے گا۔ دوسری بار کی چوری میں بایاں پیر ٹخنہ سے قطع کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد کی چوریوں میں فقہاء نے سنت سے اخذ کر کے لکھا ہے۔ اب مزید سزا قطع اعضاء کی نہیں بلکہ قید کی دی جائے گی۔ چور کی یہ سزا یعنی قطع ید عرب میں اسلام سے پہلے بھی جاری تھی۔ اسلام نے اسے قائم رکھا اور اس میں چند قیود و شرائط کا اضافہ کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ لا قطع علی خائن۔ اس سے معلوم ہوا کہ سرقہ کا اطلاق خیانت پر نہیں ہوتا بلکہ صرف اس فعل پر ہوتا ہے کہ آدمی کسی کے مال کو اس کی حفاظت سے نکال کر اپنے قبضہ میں کر لے۔ یا دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ غیر کے مال کو کسی خاص جگہ سے اور کسی خاص مقدار میں چرا لینا شریعت اسلامی میں سرقہ کہلاتا ہے۔

Marfat.com

چوری کے ثبوت کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک چور کا اقرار جرم دوسرے عادل گواہوں کی شہادت۔

فقہاء نے متعدد شرطیں، کتاب و سنت کے مزاج کو سمجھ کر اور انہی سے اخذ کرکے لگائی ہیں۔ حنفی فقہ کی شرائط کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

۱۔ چور عاقل و بالغ ہو۔ بچہ اور مجنون پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

۲۔ مال نظر بچا کر لے گیا ہو کھلے خزانہ چھین جھپٹ کر نہ لے گیا ہو۔ جو لوٹ اور اُچکے کی سزائیں دوسری ہیں، حد سرقہ نہیں۔

۳۔ مال کسی کی ملک ہونا چاہیئے۔ غیر مملوک مال (مثلاً کفن، جو کسی کی ملک نہیں ہوتا) کی چوری سرقہ مستوجب الحد کی تعریف میں نہ آئے گی۔

۴۔ مال کسی غیر کی غیر مشترک ملک ہو۔ چور کے اپنے مال کے ساتھ مخلوط و مشترک نہ ہو۔ شوہر، بیوی اولاد وغیرہ پر حد اسی لیے جاری نہ ہو گی کہ ان کے ساتھ خلط و اشتراک رہا کرتا ہے۔

۵۔ مال کسی جگہ اور درجہ تک احتیاط (حفاظت) میں ہو خواہ حقیقتاً (مثلاً کسی سپاہی، چوکیدار وغیرہ کے پہرہ میں) خواہ حکماً (مثلاً مکان کے اندر، صندوق کے اندر وغیرہ) سر راہ کھلے اور پڑے ہوئے مال کے اٹھا لینے پر حد سرقہ جاری نہ ہو گی۔ چوکیدار، پہریدار وغیرہ اگر چوری کریں تو وہ خیانت کی دفعہ میں ملزم ہوں گے، چوری (سرقہ) کے مرتکب نہ ہوں گے۔ علماء متکلمین نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ امت کیلئے امام کا مقرر کرنا ضروری ہے اس لیے کہ اجراء حدود کا حکم درجۂ فرض میں ہے اور واجب کی تعمیل اجماع امت سے طے ہو چکی ہے کہ افراد سے ممکن نہیں۔ اس لیے امام کا ہونا لازمی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ ایک خاص مال کی قیمت سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ ایک ڈھال کی قیمت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ دس درہم، بروایت حضرت ابن عمرؓ تین درہم، بروایت حضرت عائشہؓ ایک چوتھائی دینار ہوتی تھی۔

Marfat.com

اسی اختلاف کی بناء پر فقہاء کے درمیان کم سے کم نصاب سرقہ میں اختلاف ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک سرقہ کا نصاب دس درہم ہے اور امام مالک رح شافعی رح اور احمد رح کے نزدیک چوتھائی دینار (اس زمانہ کے درہم میں تین ماشہ ۱/۲ ۱ رتی چاندی ہوتی تھی اور ایک چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا۔

کچھ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے گی۔ مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ (لاقطع فی ثمر ولا کثر (پھل اور ترکاری کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا) (لاقطع ید فی طعام (کھانے کی چوری میں قطع ید نہیں ہے) اور حضرت عائشہ رض کی حدیث ہے کہ حقیر چیزوں کی چوری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔ حضرت علی رض اور حضرت عثمان رض کا فیصلہ ہے اور صحابہ کرام رض میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا ہے کہ پرندے کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔ نیز حضرت عمر رض اور حضرت علی رض نے بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا اور اس معاملہ میں بھی صحابہ کرام میں سے کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ ان مآخذ کی بنیاد پر مختلف ائمہ فقہ نے مختلف چیزوں کو قطع ید کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک ترکاریاں، پھل، گوشت، پکا ہوا کھانا، غلہ جس کا ابھی کھلیان نہ کیا گیا ہو، کھیل اور گانے بجانے کے آلات وہ چیزیں ہیں جن کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے۔ نیز جنگل میں چرتے ہوئے جانوروں کی چوری اور بیت المال کی چوری میں بھی وہ قطع ید کے قائل نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسرے ائمہ نے بھی بعض چیزوں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان چوریوں پر کوئی سزا ہی نہ دی جائے گی مطلب یہ ہے کہ ان میں مجرم کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

چوری تعزیرات اسلامی میں ایک بنیادی جرم ہے۔ اسلام نے فرد کی عصمت

Marfat.com

دونوں کے لئے امن و امان اور سکونِ خاطر کا جو بہترین اور کامل ترین نظام قائم کیا ہے، چور اس میں رخنہ ڈالتا، اور اس ساری فضا کو درہم برہم کر ڈالنا چاہتا ہے۔ "جزاءً بما کسبا" نے واضح کر دیا کہ چوری کا مرتکب مجرم ایسی سخت سزا ہی کا مستحق ہے۔ شریعت موسوی کا حکم اس سے بھی سخت ہے "نقب زن کی جان سے امان اٹھ جاتی ہے۔ کوئی اگر اسے قتل کر ڈالے تو اس کے خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا۔ اگر چور کو کوئی مار بیٹھے اور وہ مر جائے تو اس کے لیے خون نہ کیا جائے گا۔" (خروج ۲۲: ۲)

اس کے بعد ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے۔ مجرم کے لئے سزا کی تجویز کرنے میں دو بڑے پہلو ہمیشہ پیش نظر ہوتے ہیں۔ ایک انتقامی یعنی مظلوم یا ستمدیدہ کے جذبات کی تسکین دوسرے انتظامی یعنی آئندہ کے مجرموں کی حوصلہ فرسائی و ہمت شکنی۔ نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ اسی دوسرے پہلو کی تاکید و تقویت کے لیے اور پھر من اللہ سے اشارہ یہ بھی ہو گیا کہ یہ خدائی فیصلہ ہے۔ بندوں کو اس میں ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل نہیں ہے۔

آیت کے آخر میں صفت عزیز لاکر یہ یاد دلایا کہ اللہ حاکم مطلق ہے۔ وہ جس جرم کی جو سزا چاہے، مقرر کر دے۔ کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ اور صفت حکیم سے اشارہ اس طرف کر دیا کہ اس کا کوئی حکم بھی حکمتوں اور مصلحتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لیے اس نے چوری کی سزا وہی مقرر کی، جو فرد اور جماعت دونوں کی مصلحتوں کے عین مطابق ہے۔ امام رازی نے اس مقام پر اصمعی کے حوالہ سے یہ حکایت نقل کی ہے کہ میں ایک روز ایک بدوی عرب کے سامنے سورۃ مائدہ زبانی پڑھ رہا تھا۔ یہ آیت آئی اور یہاں سہواً میری زبان سے غفور رحیم نکل گیا۔ بدوی نے کہا کہ یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا کلام الٰہی ہے۔ اس پر وہ

Marfat.com

بتایا کہ اسے دوبارہ پڑھو۔ میں نے پھر پڑھا اور اب مجھے تنبیہ ہوگئی کہ بجائے عزیز حکیم کے میری زبان سے غفور رحیم نکل گیا تھا۔ بدوی نے کہا کہ بیشک اب ٹھیک پڑھا ہے۔ میں نے کہا تمہیں کیسے پتہ چلا؟ اس نے جواب دیا کہ سیاق کلام سے۔ یہاں جب ذکر سزا و عقاب کا ہے تو عین مقتضائے بلاغت یہی ہے کہ مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے بجائے غفور رحیم کے عزیز حکیم ہی لائی جائیں۔

ابن جریر میں ہے کہ مخزوم قبیلے کی ایک عورت نے کچھ زیورات چرا لیے تھے چونکہ وہ عورت ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس لیے اس کے لواحقین نے ہر ممکن کوشش کی کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ انہوں نے فدیہ بھی دینا چاہا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا۔ آخر کار یہ طے پایا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے تھے ان سے سفارش کرائی جائے۔ حضرت اسامہؓ نے ان کے کہنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات سخت ناگوار گذری اور غصے میں فرمایا "اسامہؓ! تو خدا کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے؟" اب حضرت اسامہؓ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خطا ہوئی۔ میرے لیے آپ استغفار کیجئے۔ شام کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے کہ ان میں سے جب کوئی معزز یا بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ اس چور عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جائے چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے تو اللہ کی

Marfat.com

نظرِ عنایت پھر اس پر مائل ہو جائے گی۔ اللہ بہت درگذر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کٹنے کے بعد جو شخص توبہ کرے اور اپنے نفس کو چوری سے پاک کرے اللہ کا صالح بندہ بن جائے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ جائے گا اور اللہ اس کے دامن سے اس داغ کو دھو دے گا۔ لیکن اگر کسی شخص نے ہاتھ کٹوانے کے بعد بھی اپنے آپ کو بدنیتی سے پاک نہ کیا۔ اور وہی گندے جذبات اپنے اندر پرورش کیے جن کی بناء پر اس نے چوری کی اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہاتھ تو اس کے بدن سے جدا ہو گیا مگر چوری اس کے نفس میں بدستور موجود رہی۔ اس وجہ سے وہ خدا کے غضب کا اسی طرح مستحق رہے گا جس طرح ہاتھ کٹنے سے پہلے تھا۔ اس لیے اس کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ سے معافی مانگے اور اپنے نفس کی اصلاح کرے۔ کیونکہ ہاتھ کا کٹنا تو انتظامی امور کے لیے تھا اس سزا سے نفس پاک نہیں ہو سکتا۔ نفس کی پاکی صرف توبہ اور رجوع الی اللہ سے حاصل ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں مذکور ہے کہ ایک چور کا ہاتھ جب آپ کے حکم کے مطابق کٹا جا چکا تو آپ نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس سے فرمایا کہ کہہ میں خدا سے معافی چاہتا ہوں اور اس سے توبہ کرتا ہوں۔ اس نے آپ کی تلقین کے مطابق یہ الفاظ کہے پھر آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی کہ "خدایا اسے معاف فرما دے"۔

یہ توبہ قاعدہ شریعت کے مطابق ہونی چاہیئے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ چرائی ہوئی چیز مالک کو واپس کر دینی چاہیئے اور اگر تلف ہو چکی ہے تو اس کا تاوان مالک کو دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو مالک سے معاف کرانے کی کوشش کرے۔ توبہ کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کی طرف بھی توجہ دے یعنی ایسی حرکتیں اور عادتیں چھوڑ دے اور اپنے اعمال سے اللہ کا مطیع و فرمانبردار

بندہ بن کر دکھا دے۔ تو اللہ بھی اس کی طرف نظر کرم کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ بہت درگزر کرنے والا ہے یعنی اس کی توبہ کی بناء پر اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ رحم فرمانے والا ہے۔

قصاص کا بیان

آیت [illegible] - وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○

ترجمہ: - (تورات میں) ہم نے (یہودیوں پر) یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ۔ پھر جو قصاص کا صدقہ کر دے (معاف کر دے) تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

مشکل الفاظ کے معانی علیہم ضمیر یہود کی طرف ہے۔ فیہا ضمیر متعلقہ طور پر تورات کی جانب ہے۔ جروح۔ جرح کی جمع ہے زخم۔ تصدق صدقہ کر دے مراد معاف کر دے۔ بہ اس کو یعنی قصاص کو۔ اس بدلہ لینے کے حق کو۔ فہو وہ یعنی معاف کر دینا اپنے جائز حق سے دستبرداری۔ لہٗ اس معاف کر دینے والے کے حق میں۔ لم یحکم۔ فیصلہ نہ کرے۔

تفسیر و تشریح یہود کو اس آیت میں سرزنش کی جا رہی ہے کہ ان کی کتاب تورات میں صاف صاف لفظوں میں جو حکم تھا یہ کھلم کھلا

Marfat.com

اس کی بھی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور سرکشی اور لاپرواہی سے اسے بھی چھوڑ رہے ہیں۔ قتل کے بدلے انہوں نے دیت لینا شروع کر دی تھی۔ اسی طرح انہوں نے شادی شدہ زانی کی سنگساری کے حکم کو بدل دیا تھا اور اس کی بجائے منہ کالا کر کے رسوا کر کے مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔

موجودہ توراۃ میں اتنے تحریفی انقلابات کے بعد بھی یہ حکم ان الفاظ میں موجود رہ گیا ہے "اگر وہ اس صدمہ سے ہلاک ہو جائے تو تو جان کے بدلے میں جان لے اور آنکھ کے بدلے میں آنکھ، دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، جلانے کے بدلے جلانا۔ زخم کے بدلے زخم، اور چوٹ کے بدلے چوٹ" (خروج۔ ۲۱: ۲۳۔۲۵) "اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگا دے سو جیسا کرے گا ویسا ہی پائے گا۔ توڑنے کے بعد توڑنا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت جیسا وہ کسی کا نقصان کرے، اس سے ایسا ہی کیا جائے" (احبار ۲۴: ۲۰) اور "تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت۔ ہاتھ کے بدلے ہاتھ اور پاؤں کے بدلے پاؤں ہوگا" (استثناء۔ ۱۹: ۲۱)

علمائے کرام کا قول ہے کہ اگلی شریعت جو ہمارے سامنے بطور تقریر بیان کی جائے اور منسوخ نہ کی جائے تو وہ ہمارے لیے بھی شریعت ہے اور یہ احکام سب کے سب ہماری شریعت میں بھی اسی طرح ہیں۔

اس آیت کے عموم سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مرد عورت کے بدلے میں قتل کیا جاوے گا (قتل عمداً کیا ہو) کیونکہ یہاں لفظ نفس بنفس ہے جو مرد و عورت دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ مرد عورت کے قتل کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک ذمی کافر کے قتل کے بدلے میں مسلمان قتل کر دیا جائے گا۔ اور

Marfat.com

غلام کے قتل کے بدلے آزاد بھی قتل کر دیا جائے گا۔

مختصر یہ کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بدلہ ہے۔ یعنی جو کسی کو جس قدر ضرب لگائے گا اسی قدر اس کو ضرب لگائی جائے گی۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص صدقہ کی نیت سے قصاص (بدلہ) معاف کر دے اس کے حق میں یہ نیکی اس کے بہت سے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی۔ اس ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مَنْ جُرِحَ فِیْ جَسَدِہٖ جِرَاحَۃً فَتَصَدَّقَ بِہَا کَفَّرَ عَنْہُ ذُنُوْبَہٗ بِمِثْلِ مَا تَصَدَّقَ بِہٖ یعنی جس کے جسم میں کوئی زخم لگایا گیا اور اس نے معاف کر دیا تو جس درجہ کی یہ معافی ہوگی اسی کے بقدر اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

یہود کا اصلی اور سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ وہ اپنے گھڑے ہوئے قوانین و مسائل کو خدائی قوانین و مسائل کہہ کر چلاتے تھے۔ فتویٰ اپنی طرف سے دیتے اور کہتے کہ یہی مذہب کا حکم ہے۔ ایسی جسارت رکھنے والوں کے کافر ہونے میں شک ہی کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ قانونِ خداوندی کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں اور اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ قانونِ خداوندی کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے چاہے عیسائی ہوں یا یہودی یا مسلمان سب کے سب ظالم ہیں۔

الغرض ان کے قصص و حکایات بیان کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ مسلمان ان سب کاموں سے بچ جائیں جن میں سابقہ قومیں گرفتار ہو کر تباہ و برباد ہو گئیں۔ مسلمانوں کو اب اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ قانونِ خداوندی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں یا نہیں؟

Marfat.com

حضرت عیسیٰؑ کی بابت نصاریٰ کی غلط فہمی،

آیت ۷۲ تا ۷۶ - لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ۝ لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

ترجمہ :- یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ حالانکہ خود مسیحؑ نے کہا تھا کہ "اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی"۔ جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا سو اللہ اس پر جنت حرام کر دیگا اور اس کا ٹھکانا (دوزخ کی) آگ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ یقیناً ان لوگوں نے بھی کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جس جس نے کفر کیا

رہے۔ اس کو دردناک سزا دی جائے گی۔ سو یہ لوگ اللہ کے سامنے کیوں توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں مانگتے، ورنہ تحقیق اللہ بہت درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ مسیح علیہ السلام ابن مریم علیہا السلام اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول تھا۔ اس سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔ اس کی ماں ایک راستباز خاتون تھی اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم کس طرح ان کے سامنے حقیقت کی نشانیاں واضح کرتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ وہ کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی پرستش کرتے ہو جو نہ تمہارے لیے نقصان کا اختیار رکھتا ہے نہ نفع کا، حالانکہ سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا تو اللہ ہی ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی

کَفَرُوا۔ لفظی معنے بیج کو.. زمین میں دبا لینے کے ہیں۔ کافر کو کافر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ حق اور سچ کو چھپا لیتا ہے۔ مَاْوٰہُ۔ اس کا ٹھکانا۔ لَمْ یَنْتَہُوْا۔ باز نہ آئے۔ لَیَمَسَّنَّ۔ ان کو ضرور پہنچے گا، واقع ہوگا۔ اَنّٰی۔ کدھر، کہاں۔ یُؤْفَکُوْنَ۔ الٹے چلنا۔ ضَرًّا۔ نقصان۔

تفسیر و تشریح

ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح اور عقیدہ تثلیث کی تردید فرماتے ہیں۔ نصاریٰ کا ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ مسیح ہی خدا ہے حالانکہ مسیح علیہ السلام تو خدا کے بندے اور رسول تھے۔ سب سے پہلا کلمہ جو انہوں نے دنیا میں قدم رکھتے ہی گہوارے میں کہا تھا یہ تھا کہ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ یعنی میں خدا کا بندہ ہوں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں بلکہ اپنی غلامی اور بندے ہونے کا اقرار کیا تھا اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ میرا اور تم سب کا رب اللہ ہی ہے اسی کی عبادت کرو جو سب کا پروردگار اور پالنہار ہے اور یاد رکھو جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا چاہے وہ شرک ذاتی ہو یا صفاتی، اللہ اس پر جنت حرام

Marfat.com

کر دے گا۔ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور ظالموں کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا۔ المسیح کے ساتھ ابن مریم کا اضافہ بجائے خود عقیدہ الوہیت مسیح علیہ السلام پر ایک ضرب کاری ہے کہ جسے تم عین خدا قرار دے رہے ہو وہ تو خود ایک عورت کا فرزند تھا۔ قرآن مجید کے بیان کی تائید اس حد تک تو موجودہ محرف اور مسخ شدہ انجیلیں بھی کر رہی ہیں۔ "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر" (متی ۴: ۱۰) "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر" (لوقا ۴: ۸) "یسوع نے اس سے کہا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے، کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا" (لوقا ۱۸: ۱۹)

من انصار۔ صیغہ جمع لانے میں نکتہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے بہت سے ناصروں اور شافعوں کا زعم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں پڑے رہیں گے نہ ان کی کوئی سفارش کر سکے گا اور نہ وہ اس عذاب دائمی سے نجات پا سکیں گے۔ نصاریٰ کا ایک دوسرا گروہ کہتا تھا کہ خدا تین میں کا ایک ہے یعنی ان کا عقیدہ ہے کہ باپ بیٹا۔ روح القدس یہ تینوں اقنوم منفرداً بھی خدا ہیں اور مجتمعاً بھی یعنی تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں اور تینوں مل کر بھی۔ پھر ان تین کے متعلق کئی فرقے تھے جن میں بڑا اختلاف تھا اور ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا تھا اور حق یہ ہے کہ سب کے سب کافر ہیں۔ دراصل اس ذات واحد کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تمام کائنات اور موجودات کا معبود برحق وہی ہے اگر یہ اپنے تثلیث کے اس مشرکانہ قول و عقیدہ سے باز نہ آئے تو یقیناً یہ المناک عذاب کا نشانہ بنیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے کرم وجود، بخشش و انعام اور لطف و رحمت کو بیان فرما رہا ہے اور باوجود ان کے اس قدر سخت جرم، اور اتنی اشد بے حیائی، کذب و افترا کے انہیں اپنی رحمت کی دعوت دیتا ہے کہ اب بھی میری طرف جھک جاؤ، میں معاف کر دوں گا اور تمہیں دامن رحمت تلے لے لوں گا۔

Marfat.com

حضرت مسیحؑ خدا کے بندے اور رسول ہی تھے۔ ان جیسے رسول ان سے پہلے بھی ہوئے ہیں۔ نہ وہ اوتار و دیوتا تھے اور نہ یہ اوتار و دیوتا ہیں۔ ان کی والدہ ایک راستباز عورت تھیں۔ ماں بیٹا دونوں کھانے پینے کے محتاج تھے اور اپنے سارے کمالاتِ بشری کے باوجود حوائج بشری سے منزہ و بالاتر نہ تھے۔ جو ایسے صاحب احتیاج ہوں انہیں خدائی کا مرتبہ دیتے ہوئے تثلیث پرستوں کو شرم نہیں آتی؟

ان چند لفظوں میں عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیحؑ کی ایسی صاف تردید کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ صفائی ممکن نہیں ہے۔ مسیحؑ کے بارے میں اگر کوئی یہ معلوم کرنا چاہیے کہ فی الحقیقت وہ کیا تھے؟ تو ان علامات سے بالکل غیر مشتبہ طور پر معلوم کر سکتا ہے کہ وہ محض ایک انسان تھے۔ ظاہر ہے کہ جو ایک عورت فانی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا جس کا شجرہ نسب تک موجود ہے۔ جو انسانی جسم رکھتا تھا۔ جو ان تمام حدود سے محدود اور ان تمام قیود سے مقید اور ان تمام صفات سے متصف تھا جو انسان کے لیے مخصوص ہیں۔ جو سوتا تھا، کھاتا تھا۔ گرمی اور سردی محسوس کرتا تھا حتیٰ کہ جسے شیطان کے ذریعہ سے آزمائش میں بھی ڈالا گیا۔ اس کے متعلق کون معقول انسان یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ خود خدا ہے یا خدائی میں خدا کا شریک ہے۔ لیکن یہ انسانی ذہن کی ضلالت پذیری کا ایک عجیب کرشمہ ہے کہ عیسائی خود اپنی مذہبی کتابوں میں مسیحؑ کی زندگی کو صریحاً ایک انسانی زندگی پاتے ہیں اور پھر بھی اسے خدائی سے متصف قرار دینے پر اصرار کیے چلے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس تاریخی مسیح کے قائل ہی نہیں ہیں جو عالم واقعہ میں ظاہر ہوا تھا بلکہ انہوں نے خود اپنے وہم و گمان سے ایک خیالی مسیح بنا کر اسے خدا بنا لیا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے ابتدائی پیرو جو عقائد رکھتے تھے وہ بڑی حد تک

Marfat.com

اس حقیقت کے مطابق تھے جس کا مشاہدہ انہوں نے خود کیا تھا اور جس کی تعلیم ان کے ہادی و رہنما نے ان کو دی تھی مگر بعد کے عیسائیوں نے ایک طرف مسیحؑ کی عقیدت اور تعظیم میں غلو کر کے اور دوسری طرف ہمسایہ قوموں کے اوہام اور فلسفوں سے متاثر ہو کر اپنے عقائد کی مبالغہ آمیز فلسفیانہ تعبیریں شروع کر دیں اور ایک بالکل ہی نیا مذہب تیار کر لیا جس کو مسیحؑ کی اصل تعلیمات سے دور کا واسطہ بھی نہ رہا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھو ہم کس کس طرح صاف صاف دلائل ان کے سامنے بیان کر رہے ہیں پھر دیکھو کہ وہ کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں اور اس طرح کے خرافات میں برابر پڑے ہوئے ہیں کہ "باپ بیٹا اور روح القدس تین جدا جدا اور مستقل اقنوم ہیں" "عالم لاہوت میں تینوں کی وحدت یا یکا ہی خدا ہے تین خدا نہیں" "بیٹا ازل ہی میں باپ سے پیدا ہوا اور روح القدس کا صدور بھی ازل ہی میں باپ سے ہوا ہے" قرآن مجید کہتا ہے کہ ایک طرف میرے صاف، سادہ اور ہر شخص کی سمجھ میں آجانے والے بیان توحید کو دیکھو اور دوسری طرف الفاظ و اصطلاحات کے اس گورکھ دھندے پر نظر کرو۔

پھر معبودانِ باطل کی جو خدا کے سوا ہیں عبادت کرنے سے ممانعت کی جاتی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان تمام لوگوں سے عموماً اور مسیحیوں سے خصوصاً یہ کہہ دیں کہ جو تم سے ضرر دفع کرنے کی اور نفع پہنچانے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے آخر تم ان کی کیوں عبادت و پرستش کیے چلے جا رہے ہو، تمام باتوں کے سننے والا، تمام چیزوں سے باخبر خدا سے ہٹ کر بے سمع و بے بصر بے ضرر و بے نفع بے قدر اور بے قدرت چیزوں کے پیچھے پڑ جانا یہ کون سی عقلمندی ہے۔

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں شرک کی بہت مذمت کی ہے بلکہ

Marfat.com

یہاں تک فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ
مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا (النساء)

ترجمہ - اللہ اس کو بے شک نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے لیکن اس کے علاوہ وہ جس کو بھی چاہے گا بخش دے گا اور جو کوئی کسی کو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے وہ یقیناً ایک بہت بڑی گمراہی میں پڑ گیا۔
کسی کو خدا کا ہمسر قرار دینا بہت بڑا جرم ہے کیونکہ مخلوق محتاج ہے اور ہر چیز خدا سے ملتی ہے۔ نفع و نقصان سب کچھ خدا کی طرف سے آتا ہے اسلام نے شرک کرنے والے کو بہت بری نگاہ سے دیکھا ہے اور شرک کو ظلم عظیم کا نام دیا ہے۔ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ بیشک شرک ظلم عظیم ہے۔

تمام انبیاء کرام ؑ کی تعلیمات کی بنیاد توحید ہوتی اور ہر نبی اپنی قوم سے یہی کہتا تھا کہ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی اور تمہارا خدا نہیں ہے) سورۃ النحل میں ہے وَقَالَ اللّٰہُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـہَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا ہُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِیَّایَ فَارْہَبُوْنِ ۝
ترجمہ - اور اللہ نے کہہ رکھا ہے کہ دو معبود نہ قرار دینا۔ خدا تو بس وہی ایک ہے سو تم لوگ صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

حلال و طیب چیزیں کھانے کا حکم

آیت ۸۷ تا ۸۸ - یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا

Marfat.com

طَيِّبًا ص وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ:- اے ایمان لانے والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں، انہیں حرام نہ کر لو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں۔ جو کچھ حلال و طیب رزق اللہ نے تم کو دیا ہے اسے کھاؤ پیو اور اس خدا کی نافرمانی سے بچتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

مشکل الفاظ کے معانی لَا تُحَرِّمُوْا تم حرام نہ کر لو۔ اس میں تحریم اعتقادی، تحریم قولی اور تحریم عملی سب شامل ہیں۔ طَيِّبٰت۔ طَيِّبٌ کی جمع۔ پاکیزہ چیزیں۔ اس میں ہر وہ جائز لذت شامل ہے جس کی طرف قلب اور طبیعت کو میلان ہوتا ہے۔ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ حد سے نہ گزرو۔ حد سے نکل جانا یہی ہے کہ شریعت کی احتیاطوں اور قیدوں کو ناکافی سمجھ کر ان پر اپنی رائے و تجویز سے اضافہ کر لیا جائے یا اس کے برعکس انہیں زیادہ سمجھ کر ان میں سے کچھ چیزوں کو گھٹا دیا جائے۔ جو حکمت یا صنعت ہر لحاظ سے اکمل اور ہر اعتبار سے اجمل ہو اس میں ایک ذرّہ کا اضافہ کر دینا بھی اس کے کمال حسن کے غارت کر دینے کے لئے ایسا ہی کافی ہے جیسا اس میں سے گھٹا دینا یا نکال دینا۔

كُلُوْا کھاؤ۔ صیغہ امر ہے لیکن مراد یہاں وجوب نہیں صرف اباحت ہے۔ یہاں صرف کھانے کی چیزیں مراد نہیں ہیں بلکہ کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے، سواری، مکان غرض برتنے کی ساری چیزیں اس میں داخل ہیں۔

تفسیر و تشریح حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعونؓ، علیؓ بن ابی طالبؓ، ابومسعودؓ، مقداد بن اسودؓ، سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ ان صحاب نے ترک دنیا کا قصد کر لیا۔ گھروں میں بیٹھ گئے۔ عورتوں کو چھوڑ دیا۔ ٹاٹ پہن لیا، طعام و لباس کی اچھی اچھی سب چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں۔ بنی اسرائیل کے رہبانوں کا سا کھانا پینا اختیار کر لیا۔ خصّی ہونے کا قصد کیا۔ اتفاق کر لیا کہ رات بھر عبادت کیا کریں گے اور دن بھر روزہ رکھا کریں گے تو یہ آیت اتری کہ

Marfat.com

طیّبات خُداوندی کو اپنے اوپر حرام نہ بنالو، حد سے آگے نہ بڑھ جاؤ۔ ہم ایسے لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ عورتوں سے الگ رہنا، اچھا کھانا پینا اور اچھا لباس چھوڑ دینا، رات بھر عبادت کرنا، دن بھر روزہ رکھنا، خصّی ہو جانا یہ سب غلط طریقے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے۔ کبھی نفلی روزہ رکھو کبھی نہ رکھو۔ کبھی رات کو عبادت کرو اور کبھی سو جاؤ۔ جو ہمارے طریقے کو چھوڑ دے گا گویا وہ ہم میں سے نہیں ہے یہ سن کر سب نے کہا اے خدا! ہم کو ہمارے ان عزائم سے بچا اور اتباع وحی کی توفیق عنایت فرما۔

اس آیت میں دو باتیں ارشاد ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ خود حلال و حرام کے مختار نہ بن جاؤ۔ حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا ہے اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا ہے۔ اپنے اختیار سے کسی حلال کو حرام کرو گے تو قانونِ الٰہی کے بجائے قانونِ نفس کے پیرو قرار پاؤ گے۔ دوسری بات یہ کہ عیسائی راہبوں، ہندو جوگیوں، بودھ مذہب کے بھکشوؤں اور اشراقی متصوفین کی طرح رہبانیت اور قطعِ لذّات کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ مذہبی ذہنیت کے نیک مزاج لوگوں میں ہمیشہ سے یہ میلان پایا جاتا رہا ہے کہ نفس و جسم کے حقوق ادا کرنے کو وہ روحانی ترقی میں مانع سمجھتے رہیں اور یہ گمان کرتے رہیں کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا، اپنے نفس کو دُنیوی لذّتوں سے محروم کرنا، اور دنیا کے سامانِ زیست سے تعلق توڑنا بجائے خود ایک نیکی ہے اور خدا کا تقرب اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرامؓ میں بھی بعض لوگ ایسے تھے، جن کے اندر یہ ذہنیت پائی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بعض صحابیوں نے عہد کیا ہے کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھیں گے۔ راتوں کو بستر پر نہ سوئیں گے بلکہ جاگ جاگ کر عبادت کرتے رہیں گے، گوشت اور چکنائی استعمال نہ کریں گے۔ عورتوں سے واسطہ نہ رکھیں گے۔ اس پر آپؐ نے ایک خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ "مجھے ایسی

Marfat.com

باتوں کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ تمہارے نفس کے بھی تم پر حقوق ہیں۔ روزہ بھی رکھو اور کھاؤ پیو بھی۔ راتوں کو قیام بھی کرو۔ اور سوؤ بھی۔ مجھے دیکھو، میں سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں۔ روزے رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ گوشت بھی کھاتا ہوں اور گھی بھی۔ پس جو میرے طریقے کو پسند نہیں کرتا۔ وہ مجھ سے نہیں ہے۔" پھر فرمایا: "یہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہیں نے عورتوں کو اور اچھے کھانے کو اور خوشبو اور نیند اور دنیا کی لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے؟ میں نے تو تمہیں یہ تعلیم نہیں دی ہے کہ تم راہب اور پادری بن جاؤ۔ میرے دین میں نہ عورتوں اور گوشت سے اجتناب ہے اور نہ گوشہ گیری و عزلت نشینی ہے۔ ضبطِ نفس کے لیے میرے ہاں روزہ ہے، رہبانیت کے سارے فائدے یہاں جہاد سے حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ حج اور عمرہ کرو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو۔ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اس لیے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی، اور جب انہوں نے خود اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ یہ انہی کے بقایا ہیں جو تم کو صومعوں اور خانقاہوں میں نظر آتے ہیں۔" اس سلسلہ میں بعض روایات سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ ایک صحابیؓ کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ وہ ایک مدت سے اپنی بیوی کے پاس نہیں گئے ہیں اور شب و روز عبادت میں مشغول رہتے ہیں تو آپؐ نے بلا کر ان کو حکم دیا کہ ابھی بیوی کے پاس جاؤ۔ انہوں نے کہا میں روزے سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا روزہ توڑ دو اور جاؤ۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک خاتون نے شکایت پیش کی کہ میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں اور مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ حضرت عمرؓ نے مشہور تابعی بزرگ، کعبؓ بن سور الازدی کو ان کے مقدمہ کی سماعت کے لیے مقرر کیا اور انہوں نے فیصلہ دیا کہ اس خاتون کے شوہر کو تین راتوں کے لیے اختیار ہے کہ جتنی چاہیں عبادت کریں مگر چوتھی

Marfat.com

داشت لازماً ان کی بیوی کا حق ہے۔

تحریم حلال کی ایک عام صورت یہ ہے کہ کسی جائز لذت سے بہ قصد قربت حق اپنے آپ کو ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا جائے۔ غیر مذاہب والے اس عادت کا شکار بکثرت ہو چکے ہیں۔ کسی مسلمان کا ایسی جسارت کرنا گویا اس امر کا اقرار کرنا ہے کہ شریعت نے فلاں فلاں پرہیز کے مقرر نہ کرنے میں کمی ہوئی ہے اور اب میں اپنی عقل و تجربہ سے اس فروگزاشت کی تلافی کر رہا ہوں کسی جائز چیز سے کسی طبی یا انتظامی مصلحت کی بناء پر دست بردار ہو جانا اور چیز ہے، اور بعض بزرگوں سے جو ترک لذات کے مجاہدے منقول ہیں وہ سب اسی صنف میں آجاتے ہیں۔

طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ میں سب پاکیزہ اور جائز چیزیں آگئی ہیں۔ مثلاً غذا، لباس، ازدواج وغیرہ۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حد سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی حلال کو حرام کر دینا اور خدا کی ٹھہرائی ہوئی پاک چیزوں سے اس طرح پرہیز کرنا کہ گویا وہ ناپاک ہیں یہ بجائے خود ایک زیادتی ہے۔ پھر پاک چیزوں کے استعمال میں اسراف اور افراط بھی زیادتی ہے۔ پھر حلال کی سرحد سے باہر قدم نکال کر حرام کے حدود میں داخل ہونا بھی زیادتی ہے اللہ کو یہ تینوں باتیں ناپسند ہیں۔

اسلامی شریعت کے احکام عقلاء و حکماء کے گھڑے ہوئے نہیں ہیں کہ ان میں کسی قسم کی ترمیم، تنقید، اصلاح، اضافہ کی گنجائش ہو۔ وہ تمام تر حکیم مطلق اور حاکم برحق کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ اس میں اپنی رائے و تجویز کو دخل دینا مقتضیات ایمان کے سراسر خلاف اور حاکمیت الٰہی سے بغاوت ہے۔ فقہائے محققین نے لکھا ہے کہ جو غذائیں شریعت الٰہی نے حلال و طیب قرار دی ہیں۔ انہیں چھوڑ دینے میں کوئی دینی فضیلت ہرگز نہیں۔ جیسا کہ خود ساختہ مذہبوں نے ترک لذائذ کو ایک معیار تقویٰ و مقبولیت سمجھ رکھا ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشتوں میں علاوہ بکری، بھیڑ، اونٹ وغیرہ

Marfat.com

کے مرغ کا گوشت بھی تناول فرمایا ہے۔ اسی طرح پھل، شہد، بنی اور حلوے کی دوسری لذیذ قسمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نوش فرمانا ثابت ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پیو۔ لیں صرف اس امر کا لحاظ رکھو کہ اسراف اور فخر و نمائش کی حدود تک نہ پہنچ جاؤ۔

جصاص رازی نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور مشہور تابعی قاضی شریح سے لباس میں پشمینہ کا استعمال ثابت ہے۔

قسم کے کفارہ کا بیان

آیت ۸۹۔ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ ان بے معنی اور مہمل قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا جو تم کھا لیتے ہو۔ مگر جو قسمیں تم جان بوجھ کر کھاتے ہو ان پر وہ ضرور تم سے مواخذہ کریگا۔ سو ایسی قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہناؤ یا ایک غلام آزاد کرو، اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا کر توڑ دو۔ اپنی

Marfat.com

قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر گذار ہو جاؤ۔

مشکل الفاظ کے معانی لَا یُؤَاخِذُکُمْ تم سے مواخذا نہیں کرتا یا نہیں کریگا۔ کوئی گرفت نہیں کرنا مراد یہ ہے کہ کوئی دنیوی سزا نہیں دیتا یعنی ایسی قسم کا کفارہ واجب نہیں۔

اللَّغْوِ فِیْ اَیْمَانِکُمْ مراد ان قسموں سے ہے جو ناواقفیت کی بنا پر یا بے خیالی میں محض عادۃً زبان سے نکل جاتی ہیں اور جھوٹ کی آمیزش ان میں بلا قصد ہو جاتی ہے۔ بِمَا عَقَّدْتُّمْ عقار کے لفظی معنے گرہ دینے کے ہیں۔ مجازاً عہد قسم .. بیع وغیرہ کے مؤکد کرنے پر بولا جاتا ہے۔ یعنی جن قسموں کو تم مضبوط کر چکے ہو مراد خوب سوچ سمجھ کر جو قسم کھائی ہو۔ کفارۃ۔ اس کے لغوی معنے چھپانے والی چیز۔ کسی کار خیر کو گناہ کا کفارہ قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نیکی اس گناہ پر چھا جاتی ہے اور اسے ڈھانپ لیتی ہے جیسے کسی دیوار پر داغ لگ گیا ہو اور اس پر سفیدی پھیر کر داغ کا اثر مٹا دیا جائے۔ اِطْعَام کھانا کھلانا۔ یہ کھانا کھلانا دونوں وقتوں کا ہوگا۔ یہ کھانا چاہیے دس شخصوں کو ایک دن میں کھلا دیا جائے یا ایک ہی شخص کو دس دن تک کھلایا جائے۔ کِسْوَتُھُمْ انہیں کپڑے دو۔ کپڑا ایسا ہو کہ جسم کے اکثر حصے کے لیے کافی ہو۔ تحریر رَقَبَۃ لفظی معنی گردن آزاد کرانے کے ہیں مراد غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے۔

تفسیر و تشریح آیت ۸۷ میں آ چکا ہے کہ بعض لوگوں نے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی قسم کھا رکھی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں قسم کا حکم بھی بیان فرما دیا کہ اگر کسی شخص کی زبان سے بلا ارادہ قسم کا لفظ نکل گیا ہے تو اس کی پابندی کرنے کی ویسے ہی ضرورت نہیں کیونکہ ایسی قسم کو اگر توڑ بھی دیا جائے تو اس پر کوئی گرفت نہیں ہے اور اگر

Marfat.com

جان بوجھ کر کسی نے قسم کھائی ہے اور اسے وہ پھر توڑ دے تو پھر اسے کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

جو قسمیں بلا ارادہ یا بطور تکیہ کلام زبان سے نکل جاتی ہیں۔ایسی قسموں پہ نہ کفارہ ہے اور نہ ان پر مواخذہ ہوگا۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے کسی بات کی قسم کھائی ہو اور بعد میں اس پر واضح ہو جائے کہ اس قسم کے توڑ دینے ہی میں بھلائی ہے۔ اسے قسم توڑ دینی چاہیئے اور کفّارہ ادا کرنا چاہیئے قسم توڑنے کا کفّارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا یا تین دن کے روزے رکھنا ہے۔

عزم صمیم والی قسم توڑنے کا کفّارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔کھانا اوسط قسم کا ہونا چاہیئے یعنی جیسا اہل وعیال کو کھلایا جاتا ہے۔ ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ بعض لوگ اپنے اہل وعیال کو اپنی حیثیت سے بھی خراب غذا کھلاتے ہیں اور بعض اپنی حیثیت سے بھی اچھی اسی واسطے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کھانا اوسط قسم کا ہو نہ اس میں بخل سے کام لیا گیا ہو اور نہ ہی دل کھول کر خرچ کیا گیا ہو۔ بہرحال صبح وشام دو وقت دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا ایک مسکین کو ہی دو وقت کا دس دن تک کھانا دیا جائے یا اسے کھلا دیا جائے۔اگر قسم توڑنے والا کھانا کھلانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو پھر ان دس میں سے ہر ایک کو اس قدر کپڑا دیا جائے جس پہ لباس کا اطلاق ہو سکتا ہو۔ جیسے ایک قمیض۔ ایک پاجامہ یا چادر یا عمامہ۔ مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ ہر ایک کو اتنا لباس دینا ضروری ہے۔ جتنا کہ نماز پڑھنے میں ضروری ہوتا ہے۔ اگر یہ بھی نہ کر سکے تو پھر ایک غلام مرد یا باندی کو آزاد کرا دیا جائے۔ مذکورہ بالا تین قسم کے کفّاروں میں سے جس قسم کا کا بھی کفّارہ ادا کیا جائے گا، ادا ہو جائے گا۔

Marfat.com

قرآن مجید میں سب سے پہلے سہل کا ذکر ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ یعنی کھانا کھلانا زیادہ آسان ہے۔ لباس دینے سے پھر لباس دینا۔ غلام آزاد کرنے سے زیادہ سہل ہے۔ سب کے آخر میں یہ فرما دیا گیا۔ کہ اگر مکلف ان تینوں میں سے کسی پر بھی قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا روزے پے درپے رکھے یا الگ الگ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پے درپے روزے رکھنا واجب نہیں ہے۔ احناف اور حنابلہ کے نزدیک روزے پے درپے رکھنا واجب ہے۔

پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ قسم کی حفاظت کے کئی مفہوم ہیں:۔

ایک یہ کہ قسم کو صحیح مصرف میں استعمال کیا جائے، فضول باتوں اور معصیت کے کاموں میں استعمال نہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جب کسی بات پر آدمی قسم کھائے تو اسے یاد رکھے، ایسا نہ ہو کہ اپنی غفلت کی وجہ سے وہ اسے بھول جائے۔ اور پھر اس کی خلاف ورزی کرے۔ تیسرے یہ کہ جب کسی صحیح معاملہ میں بالارادہ قسم کھائی جائے تو اسے پورا کیا جائے۔ اور اگر اس کی خلاف ورزی ہو جائے تو اس کا کفارہ ادا کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ یعنی اس ذات واحد وحکیم مطلق کا شکریہ ادا کرو جس نے تمہاری چھوٹی بڑی، دینی ودنیوی، انفرادی واجتماعی ساری مصلحتوں اور ضرورتوں کا لحاظ اور سب کی رعایت رکھ لی ہے۔

شراب، جوئے، آستانوں اور پانسوں کی حرمت

آیت نمبر ۹۰ تا ۹۳۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ

Marfat.com

الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ
فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ
اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ
وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ
اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ع

ترجمہ:- اے ایمان لانے والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہوگے؟ اللہ اور اس کے رسول کی بات کو مانو اور باز آجاؤ، لیکن اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر بس صاف صاف حکم پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی۔ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرنے لگے انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا۔ اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ بشرطیکہ وہ آئندہ ان چیزوں سے بچے رہیں (جو حرام کی گئی ہیں) اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اچھے کام کریں، پھر جس جس چیز سے روکا جائے۔ اس سے رکیں اور جو فرمان الٰہی ہو اسے مانیں پھر خدا ترسی کے ساتھ نیک رویہ رکھیں۔ اللہ نیک کردار لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

Marfat.com

مشکل الفاظ کے معانی | اَلْخَمْرُ شراب۔ اس کے تحت ہر وہ نشہ آور مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کردے۔ اَلْمَیْسِرُ جوا۔ پھر جوئے کے تمام اقسام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اَلْاَنْصَابُ نُصُبٌ کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ سب مقامات ہیں جن کو غیر اللہ کی نذر و نیاز چڑھانے کے لئے لوگوں نے مخصوص کر رکھا ہو، خواہ وہاں کوئی پتھر ہو یا لکڑی کی مورت ہو یا نہ ہو۔ ہماری زبان میں اس کا ہم معنی لفظ آستانہ یا استھان ہے جو کسی بزرگ یا دیوتا سے، یا کسی خاص مشرکانہ اعتقاد سے وابستہ ہو۔ اَلْاَزْلَامُ زَلَمٌ کی جمع ہے۔ قرعہ اندازی کے تیر۔ عربی زبان میں ازلام فال گیری اور قرعہ اندازی کی اس صورت کو کہتے ہیں جو مشرکانہ عقائد اور وہمیات سے آلودہ ہو۔ رِجْسٌ۔ پلید۔ گندے فَاجْتَنِبُوْهُ اس سے بچے رہو۔ ہٗ کی ضمیر رجس کی طرف ہے۔ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے۔ ذکر اللہ کے ساتھ نماز میں مناسبت باہمی یہ ہے کہ نماز ذکر الٰہی ہی کی ایک اعلیٰ و افضل شاخ ہے اور عام کے ساتھ اس کی صورتِ خاص کی تصریح کر دینا قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے۔ اس سے نماز کی عظمت اور اہمیت و اشرفیت پر پوری روشنی پڑ گئی۔ وَاحْذَرُوْا احتیاط رکھو۔ باز آجاؤ۔ جُنَاحٌ گناہ، گرفت

تفسیر و تشریح | اس آیت میں چار چیزیں قطعی طور پر حرام کی گئی ہیں۔ ایک شراب، دوسرے قمار بازی۔ تیسرے وہ مقامات جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے یا خدا کے سوا کسی اور کے نام پر قربانی اور نذر و نیاز چڑھانے کے لیے مخصوص کیے گئے ہوں۔ چوتھے پانسے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ شراب کی حرمت کے سلسلے میں تین احکام آئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے

Marfat.com

اس وقت لوگ شراب پیتے تھے جوئے کا مال کھاتے تھے حضور اکرم صلی اللہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا گیا۔ تو یہ وحی نازل ہوئی۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط (سورۃ البقرۃ)

ترجمہ (آپ سے پوچھتے ہیں کہ شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ کہو: ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں۔ مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے) اس پر لوگوں نے کہا کہ فائدہ کم اور نقصان زیادہ بتایا گیا ہے حرام نہیں کہا گیا ہے۔ چنانچہ وہ حسب معمول شراب پیتے رہے۔ لیکن ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک مہاجر صحابیؓ نے نماز مغرب میں قرآن مجید پڑھتے وقت نشے کے عالم میں قرآن مجید کو غلط سلط کر دیا۔ چنانچہ اس پر یہ آیت اُتری "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (سورۃ النساء)

ترجمہ (اے ایمان لانے والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ نماز اس وقت پڑھنی چاہیے جب تم جانو کہ تم کیا کہہ رہے ہو) غالباً ۳ھ ہجری کی ابتداء میں یہ حکم آیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے اپنے شراب پینے کے اوقات بدل دیئے اور ایسے اوقات میں شراب پینی چھوڑ دی جن میں یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں نشہ ہی کی حالت میں نماز کا وقت نہ آجائے۔ چونکہ ابھی تک صراحتاً ممانعت کا کوئی حکم نہ آیا تھا اس لیے لوگ بدستور اسے پیتے رہے۔

اب اس آخری حکم (نمبر۴ حکم) کے آنے سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں لوگوں کو متنبہ فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کو شراب سخت ناپسند ہے۔ بعید نہیں کہ اس کی قطعی حرمت کا حکم آجائے۔ لہٰذا جن لوگوں کے

Marfat.com

پاس شراب موجود ہو وہ اسے فروخت کر دیں۔ اس کے کچھ مدت بعد یہ
آیت نازل ہوئی اور آپؐ نے اعلان کرا دیا کہ اب جن کے پاس شراب ہے
وہ اسے نہ پی سکتے ہیں۔ نہ بیچ سکتے ہیں۔ بلکہ وہ اسے ضائع کر دیں چنانچہ
اسی وقت مدینہ کی گلیوں میں شراب بہا دی گئی۔ بعض لوگوں نے پوچھا ہم یہودیوں
(۱) کو تحفہ کیوں نہ دے دیں؟ آپؐ نے فرمایا "جس نے یہ چیز حرام کی ہے
اس نے اسے تحفہ دینے سے بھی منع کر دیا ہے" بعض لوگوں نے پوچھا ہم
(۲) شراب کو سرکے میں کیوں نہ تبدیل کر لیں؟ آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا
اور حکم دیا کہ "نہیں، اسے بہا دو" ایک صاحب نے باصرار دریافت کیا کہ
(۳) دوا کے طور پر استعمال کی تو اجازت ہے؟ فرمایا "نہیں، وہ دوا نہیں
ہے بلکہ بیماری ہے۔ . . . . " ایک اور صاحب نے عرض کیا
یا رسول اللہ! ہم ایک ایسے علاقے کے رہنے والے ہیں جو نہایت سرد
ہے، اور ہمیں محنت بھی بہت کرنی پڑتی ہے۔ ہم لوگ شراب سے تھکان
(۴) اور سردی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا جو چیز تم پیتے ہو وہ نشہ کرتی
ہے؟ انہوں نے عرض کیا مگر ہمارے علاقے کے لوگ تو نہیں مانیں گے۔
فرمایا "اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر اور اس کے پینے
پر اور پلانے والے پر اور بیچنے والے اور خریدنے والے پر اور کشید
کرنے والے پر اور کشید کروانے والے پر اور ڈھو کر لے جانے والے پر
اور اس شخص پر جس کے لیے وہ ڈھو کر لے جائی گئی ہو"

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستر
پر کھانا کھانے سے منع فرمایا جس پر شراب پی جا رہی ہو۔ ابتداءً آپؐ نے
ان برتنوں کے استعمال کو منع فرما دیا تھا۔ جن میں شراب بنائی اور

Marfat.com

جاتی تھی۔ بعد میں جب شراب کی حرمت کا حکم پوری طرح نافذ ہو گیا تب آپؐ نے برتنوں پر سے یہ قید اٹھا دی۔

خمر کا لفظ عرب میں انگوری شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا اور مجازاً گیہوں، جو، کشمش، کھجور اور شہد کی شرابوں کے لیے یہ لفظ بولتے تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت کے اس حکم کو تمام ان چیزوں پر عام قرار دیا جو نشہ پیدا کرنے والی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ واضح ارشادات ملتے ہیں کہ "ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔" "ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے حرام ہے۔" "اور میں ہر نشہ آور سے منع کرتا ہوں۔" حضرت عمرؓ نے جمعہ کے خطبہ میں شراب کی یہ تعریف بیان کی تھی کہ "خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانک لے۔"

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بھی بیان فرمایا کہ "جس چیز کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے" "جس چیز کا ایک پورا فرق نشہ پیدا کرتا ہو اس کا ایک چلو پینا بھی حرام ہے"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب پینے والے کے لیے کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی۔ جو شخص اس جرم میں گرفتار ہو کر آتا اسے گھونسے، لاتیں، مکے، بل دی ہوئی چادروں کے سونٹے اور کھجور کے سنٹے مارے جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ چالیس ضربیں آپؐ کے زمانہ میں اس جرم پر لگائی گئی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں چالیس کوڑے مارے جاتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ابتداءً چالیس کوڑوں ہی کی سزا دی۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ اس جرم سے باز نہیں آتے تو انہوں نے صحابہ کرامؓ کے مشورے سے اسّی کوڑے سزا مقرر کی۔ اسی سزا کو امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور ایک روایت کے بموجب امام شافعیؒ

Marfat.com

بھی شراب کی حد قرار دیتے ہیں۔ مگر امام احمد بن حنبل رح اور ایک دوسری روایت کے مطابق امام شافعی رح چالیس کوڑوں کے قائل ہیں۔ اور حضرت علی رض نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔

شریعت کی رُو سے یہ بات حکومت اسلامی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شراب کی بندش کرے اس حکم کو بزور وقوت نافذ کرے۔ حضرت عمر فاروق رض کے زمانہ میں بنی ثقیف کے ایک شخص رُویشد نامی کی دوکان اس بناء پر جلوادی گئی کہ وہ خفیہ طور پر شراب بیچتا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک پورا گاؤں حضرت عمر فاروق رض کے حکم سے اس قصور پر جلا ڈالا گیا کہ وہاں خفیہ طریقہ سے شراب کی کشید اور فروخت کا کاروبار ہو رہا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رض سے روایت ہے کہ یہ آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ؕ تورات میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق کو اس لیے نازل کیا ہے کہ باطل کو نابود کر دے اور گانے بجانے کے آلات، بربط، ستار، سارنگی، دف، طنبورے وغیرہ کو باطل کر دے۔ اللہ تعالیٰ اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ بعد از حرمت شراب جو اسے پیئے گا۔ میں اس کو قیامت کے روز پیاسا رکھوں گا اور جو اس کو چھوڑ دے گا۔ میں اس کو جنت کے پاکیزہ چشموں سے شراب پلاؤں گا۔

ابن العاص رض سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نشہ کی وجہ سے ایک وقت کی نماز کھو دی تو گویا اس سے ساری دنیا کی دولت جو اسے حاصل تھی چھن گئی۔ اور جس نے نشہ کی وجہ سے چار وقت کی نماز کھو دی تو اب خدا کو حق ہے کہ اسے طینۃ الخبال پلائے۔ لوگوں نے پوچھا طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا کہ جہنمیوں کے جسم سے نچڑی ہوئی گندگی۔

Marfat.com

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تین ایسے آدمی ہونگے جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ ایک وہ جو اپنے والدین کا نافرمان ہے۔ دوسرے وہ جو ہمیشہ شراب پیتا ہے۔ تیسرے وہ جو احسان کر کے جتلاتا ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ احسان جتلانے والا۔ والدین کا نافرمان اور ہمیشہ شراب پینے والا یہ تینوں کبھی جنت میں نہیں جائیں گے۔

حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے کہ شراب سے بچتے رہو کیونکہ وہ ساری برائیوں کی جڑ ہے (اُمّ الخبائث) ابن کثیر نے واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص بڑا عابد تھا۔ لوگوں کو چھوڑ چھاڑ کر بستی سے الگ تھلگ عبادت خانے میں عبادت کرتا رہتا۔ ایک بدکار عورت کی اس پر نظر تھی۔ اس نے اپنی خادمہ کو بھیجا کہ ایک گواہی کے بہانے اسے بلا لائے۔ وہ بیچارا آگیا۔ جب وہ مکان کے اندر داخل ہوا تو باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ بدکار عورت کے پاس ایک بچہ اور شراب کا ایک مٹکا رکھا ہوا تھا وہ اس عابد و زاہد سے کہنے لگی کہ خدا کی قسم! میں نے تجھے کسی گواہی کے لیے نہیں بلایا ہے بلکہ اس لیے یا تو تو میرے ساتھ رات گزار یا یہ کہ اس بچہ کو قتل کر دے یا یہ کہ شراب پی لے۔ اس عابد و زاہد نے زنا کرنے اور بچے کو قتل کرنے کی نسبت شراب کا پینا کم گناہ سمجھا۔ چنانچہ اس نے شراب پی لی۔ اب وہ جام پہ جام پینے لگا یہاں تک کہ شراب کے نشے میں اس نے اس بچے کو بھی قتل کر دیا اور اس عورت کے ساتھ بھی زنا کر لیا۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زانی جس وقت زنا کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا۔ چور جب چوری کرتا

Marfat.com

ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔ شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے شراب پی، اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس سے ناخوش رہتا ہے اگر وہ اسی حالت میں مر جائے تو وہ کافر کی حیثیت سے مریگا۔ اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا۔

پھر جوئے کی حرمت کا حکم ہے۔ مجاہد اور طاؤس سے مروی ہے کہ ہر چیز جس میں قمار کا لگاؤ ہو، جوا ہے حتیٰ کہ بچوں کا شرطیں لگا کر منکوں یا کوڑیوں سے کھیلنا بھی جوا ہے۔ قبل از اسلام جوا کھیلا جاتا تھا ان میں بالعموم یہ جوا یوں ہوتا تھا کہ ایک بکری یا دو بکری کا گوشت شرط کے طور پر بیچ دیا جاتا تھا۔ اسی طرح شطرنج، چوسر وغیرہ کھیلنا سب اس میں شامل ہیں۔ شطرنج کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ یہ چوسر سے بھی برا ہے اور وہ اسے قمار میں شمار کرتے ہیں۔

جوئے کی جدید ترین شکلیں بیمہ کمپنیوں سے جوئے کی گھڑ دوڑ کے جوئے، لاٹریوں کے جوئے، سٹے وغیرہ سب حرام ہیں۔

انصاب سے مراد سب وہ مقامات ہیں جن کو غیر اللہ کی نذر و نیاز چڑھانے کے لیے لوگوں نے مخصوص کر رکھا ہو، خواہ وہاں کسی پتھر یا لکڑی کی مورت ہو یا نہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہاں کی چیزیں بھی تمہارے لیے حرام ہیں کیونکہ وہ غیر اللہ کے نام پر ہوتی ہیں اور جو چیز غیر اللہ کے نام پر ہو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ حرام ہے۔

چوتھی چیز جس کی حرمت کا حکم ہے وہ پانسے ہیں۔ اگرچہ پانسے (ازلام) اپنی نوعیت کے اعتبار سے میسر (جوئے) ہی کی ایک قسم ہے لیکن ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ عربی زبان میں ازلام فال گیری اور قرعہ اندازی کی اس صورت کو کہتے ہیں جو مشرکانہ عقائد اور وہمیات سے آلودہ اور

Marfat.com

میسر کا اطلاق ان کھیلوں اور کاموں پر ہوتا ہے جن میں اتفاقی امور کو کمائی اور قسمت آزمائی اور تقسیم اموال و اشیاء کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔
(ازلام کی تفصیل کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۹۳)

یہ چاروں چیزیں شیطانی کام ہیں۔ اس لیے اے مسلمانو! تم ان سے پرہیز کرو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔ فلاح میں دینی، دنیوی، مادی و روحانی، جسمانی و دماغی، انفرادی و اجتماعی ہر قسم کی فلاح شامل ہے۔
مفسر زمخشری نے لکھا ہے کہ حرمت خمر و میسر کے متعدد طریقے قرآن نے اس آیت میں جمع کر دیئے ہیں:۔

۱۔ آیت کی ابتداء کلمہ حصر اِنّما سے کی یعنی ان چیزوں کی بس یہی حقیقت ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔
۲۔ ان دونوں چیزوں کا ذکر انصاب و ازلام جیسی مسلّم گندی چیزوں کے ساتھ کیا۔
۳۔ انہیں رجس قرار دیا۔
۴۔ انہیں عمل شیطان ٹھہرایا۔
۵۔ صاف صاف ان سے اجتناب کا حکم دیا۔
۶۔ ان سے احتراز کو موجب فلاح بتایا۔
۷۔ ان کی دینی و دنیوی مضرتوں کا ذکر کیا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت و بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟ شراب نوشی اور قمار بازی کی دنیوی مضرتیں اور اخلاقی قباحتیں بے شمار ہیں۔ قرآن مجید نے یہاں ان کی صرف سب سے بڑی اور کلیدی مضرت خانہ جنگی کی طرف اشارہ کر دیا۔ شراب و قمار دونوں کے مضر اثرات شر و فساد کی شکل

Marfat.com

ہیں روزمرہ کے مشاہدے ہیں۔ مے نوشی گالیاں بکواتی ہے، بے حیائی پھیلاتی ہے۔ حرامکاری کی طرف بلاتی ہے۔ بلوے، دنگے کراتی ہے، چوری ٹھگی پر آمادہ کرتی ہے۔ قتل کی نوبت لے آتی ہے۔ ہر عبادت سے، طہارت سے یہ روکتی ہے اور اسراف تو اس کے لیے کوئی بات ہی نہیں۔ اسی طرح قمار بازی کی لت میں پڑ کر بڑے بڑے مشاہیر و اکابر کا اپنی دولت و سلطنت، عزت و ناموس تک گنوا بیٹھنا ہندوستان کے قدیم ترین قصہ مہابھارت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ جاہلیت عرب کے مہذب باشندے ان دونوں بلاؤں میں بُری طرح مبتلا تھے۔ ٹھیک اسی طرح جاہلیت فرنگ کی مہذب آبادی پر بھی یہ دونوں بلائیں بُری طرح مسلط ہیں۔

یہ فخر تاریخ میں اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے ایک اشارہ سے اپنے حدود مملکت سے ان خبائث کا خاتمہ کر دیا۔ سر ولیم میور لکھتا ہے "اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترکِ مے کشی کرانے میں جیسا وہ کامیاب ہوا ہے کوئی اور مذہب نہیں ہوا ہے" ایک ممتاز پادری اسحٰق ٹیلر کا قول ہے "دنیا میں انسداد مے نوشی کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے برخلاف اس کے ہماری یورپین تجارت کے قدم جہاں جہاں پہنچے تھے، مے نوشی و بدکاری اور لوگوں کی اخلاقی پستی بڑھتی ہی جاتی تھی"

بڑے بڑے ڈاکٹر اور ماہرین سائنس شراب کے نقصانات پر بیانات اور اعداد برابر شائع ہی کرتے رہتے ہیں لیکن ان ساری کوششوں کے باوجود انہی لوگوں کو یہ اقرار ہے کہ شراب کو قطعی حرام کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

دنیوی مضرتوں کے بیان کرنے کے بعد دینی مضرتیں بیان فرمائیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص شراب کے نشہ میں ہوگا اس کی نماز کا کیا حال ہوگا۔

چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ اسے سنتے ہی پکار اٹھے

Marfat.com

کہ ہم باز آگئے ہم باز آگئے۔ کس قدر ڈسپلن بابرکات نبوّت کا اور کیسی زبردست
اصلاحی قوت تھی۔ عرب کے اس اُمّی حکیم کی کہ دم کے دم میں بڑے سے بڑے
پرانے اور عمر بھر کے شرابیوں اور جواریوں کو پاکباز، متقی، عابد، پاکباز، ولی
اور متقیوں کا سردار بنا دیا۔ اکبر الٰہ آبادی نے سچ کہا ہے ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے   کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

پھر دوبارہ تاکید کی جا رہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔
بُرے کاموں سے رک جاؤ ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور
اپنی زندگی احکام الٰہی کے مطابق بسر کرو اگر تم ایسا نہ کروگے تو یہ جان لو کہ
تمہیں اس کی سزا دنیا اور آخرت دونوں میں دی جائے گی اور رسول پر تو صرف
ہمارے احکام تم تک پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی تاکہ اتمام حجت ہو جائے
اور تم یہ کہنے کے قابل نہ رہو کہ ہمارے پاس کوئی احکام بتانے والا نہیں آیا تھا۔
اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے
انہوں نے پہلے جو کچھ ان حرام چیزوں میں سے کھایا پیا تھا اس پر کوئی گرفت نہ
ہوگی۔ روایات میں آتا ہے کہ جب شراب قمار کی حرمت کی آیت نازل ہوئی
تو لوگوں نے سوال کیا کہ پھر ان کا کیا حشر ہوگا جو اب تک شراب پیتے اور
قمار کا مال کھاتے رہے؟ اور اب زندہ بھی نہیں ہیں جو توبہ و استغفار
سے کام لیں بلکہ وفات پا چکے ہیں؟ یہ آیت اسی پر نازل ہوئی کہ جو کچھ وہ
اس سے پہلے کر چکے وہ انہیں معاف ہے اور کوئی گرفت نہ ہوگی بشرطیکہ
آئندہ ان چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں
اور اچھے کام کریں۔ پھر جس جس چیز سے روکا جائے اس سے رکیں اور جو
فرمان الٰہی ہو، اسے مانیں، پھر خدا ترسی کے ساتھ نیک رویہ رکھیں بیشک
اللہ تبارک و تعالیٰ نیک کردار لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

جصاص رازی نے لکھا ہے کہ تقویٰ کا ذکر آیت میں تین مرتبہ آیا ہے۔

Marfat.com

اور ہر مرتبہ ایک نئی مراد ہے پہلے تقویٰ سے اشارہ ماضی کی طرف ہے اور دوسرے سے مستقبل کی طرف اور تیسرے سے مراد بندوں پر ظلم و زیادتی سے بچنا ہے۔

حالت احرام میں شکار کی ممانعت

آیت ۹۴ تا ۹۵۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

ترجمہ :- اے ایمان لانے والو! اللہ تمہیں اس شکار کے ذریعے سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکیں گے۔ تاکہ اللہ یہ معلوم کرے کہ تم میں سے کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، پھر جس کسی نے اس تنبیہ کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لئے دردناک سزا ہے۔

اے ایمان لانے والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو اور اگر تم میں سے کوئی جان بوجھ کر ایسا کر گزرے تو جو جانور اس نے مارا ہے اس کے ہم پلہ ایک جانور اسے مویشیوں میں سے نذر دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے اور یہ نذرانہ کعبہ پہنچایا جائے گا، یا نہیں تو اس گناہ کے کفارہ میں چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا، یا اس کے

Marfat.com

بقدر روزے رکھنے ہوں گے ۔ تاکہ وہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے۔ پہلے جو کچھ ہو چکا اُسے اللہ نے معاف کر دیا، لیکن اب اگر کسی نے اس حرکت کا اعادہ کیا تو اس سے اللہ بدلہ لے گا، اللہ سب پر غالب ہے اور بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی لَيَبْلُوَنَّكُمْ ۔ تمہاری ضرور آزمائش کرے گا۔ تَنَالُهٗ ۔ اسے پا سکیں گے۔ پہنچ سکیں گے۔ رِمَاحُ ۔ رُمْحٌ کی جمع نیزے۔ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۔ اس حالت میں کہ تم احرام میں ہو۔ مُتَعَمِّدًا ۔ جان بوجھ کر۔ عمداً۔ النَّعَم ۔ چوپایوں میں سے یَحْكُمُ بِهٖ ۔ اس کا فیصلہ کرے گا۔ هَدْيًا ۔ قربانی کا جانور۔ یہاں مراد نذرانہ ہے۔ عَدْلُ ۔ برابر۔ مساوی۔

تفسیر و تشریح روایات میں آتا ہے کہ یہ ذکر مقام حدیبیہ ۶ھ ہجری کا ہے۔ شکار کے جانور مسلمانوں کے بالکل آس پاس تھے حتیٰ کہ ان کے ٹھکانوں کے اندر داخل ہو گئے تھے اور اتنا شکار تھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ چونکہ مسلمان حالت احرام میں تھے اس لیے شکار سے محتاط و محترز رہے۔ اس میں مسلمانوں کی آزمائش تھی کہ شکار کی ممانعت کے بعد خواہ بڑا شکار ہو یا چھوٹا ہو، حالت احرام میں اس سے مسلمان بچتے ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو کوئی ہمارے احکام کی مخالفت کرے گا اور مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا۔ اسے قیامت کے روز دردناک عذاب دیا جائے گا۔

احرام باندھنے کے بعد محرم پر بہت سی حلال چیزیں بھی حرام ہو جاتی ہیں۔ مثلاً خوشبو کا لگانا۔ حجامت بنوانا۔ شکار کرنا اور مباشرت کرنا۔ چنانچہ اس کا ذکر اسی سورت کے شروع میں بھی کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حالت احرام میں کسی جانور کا شکار نہ کرو۔ جانور سے مراد وہ ہے جس کو انسان

Marfat.com

جیسے یا تیر سے اپنے کھانے کے لیے شکار کرے۔ شکار خواہ آدمی خود کرے، یا کسی دوسرے کو شکار میں کسی طور پر مدد دے، دونوں باتیں حالت احرام میں منع ہیں۔ نیز اگر محرم کی خاطر شکار مارا تب بھی اس کا کھانا محرم کے لیے جائز نہیں البتہ اگر کسی شخص نے اپنے لیے خود شکار کیا اور پھر وہ اس میں سے محرم کو بھی تحفۃً کچھ دے دے تو اس کے کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اس حکم سے عام موذی جانور مستثنیٰ ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزیں فاسق ہیں۔ ان کو احرام میں بھی قتل کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ تکلیف پہنچانے والے جانور ہیں۔ کتا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹنے والا کتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان پانچ کو قتل کرنا محرم کے لیے گناہ نہیں۔

اگر باوجود اس حکم کے محرم نے جان بوجھ کر کسی جانور کا شکار کر لیا تو پھر اسے کفارہ کی صورت میں مندرجہ ذیل چیزوں میں سے کسی ایک کو ادا کرنا ہوگا۔

مثل یا قیمت یعنی شکار شدہ جانور کے مثل مویشیوں میں سے ایک جانور بطور نذرانہ دینا ہوگا۔ اور یہ نذرانہ کعبہ تک پہنچایا جائے گا۔ اس کا فیصلہ دو عادل آدمی کریں گے۔ اگر اس جیسا کوئی جانور نہ ملے تو پھر قیمت دینا بھی جائز ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شکار شدہ جانور پالتو جانور کے مشابہ ہو یا غیر پالتو کے، ہر صورت میں اس کا مثل دینے کے بجائے قیمت ہی دینا چاہیے اور اس شکاری کو اختیار ہے کہ چاہے اس کی قیمت صدقہ کر دے یا قربانی کا کوئی جانور خرید لے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلے سے شتر مرغ کے شکار کے بدلے میں اونٹ، جنگلی گائے کے شکار کے بدلے میں گھریلو گائے اور ہرن کے شکار کے بدلے میں بکری بطور کفارہ ادا کرنے چاہئیں۔ لیکن جہاں کوئی شکار شدہ جانور کے مثل کوئی پالتو جانور بھی میسر نہ ہو وہاں بقول حضرت ابن عباسؓ قیمت کعبہ کی طرف روانہ

Marfat.com

کردی جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے پاس ایک اعرابی آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ میں نے حالت احرام میں ایک ہرن مارا ہے۔ سو اس کا کیا کفارہ ہے؟ حضرت عمرؓ عبدالرحمن بن عوفؓ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور انہیں فیصلہ کرنے کے لیے کہتے ہیں۔ عبدالرحمن بن عوفؓ نے پوچھا کیا تم نے اسے عمداً مارا تھا یا خطاءً۔ اس نے کہا کہ خطاءً۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اسے کہتے ہیں کہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ تو اپنی ناقہ کو ذبح کردے۔ لیکن بہتر ہے اس جرم کی مکافات کر جائے۔

پھر اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ جب کسی محرم سے یہ جرم سرزد ہو تو اس وقت کے دو حکم ہونے چاہئیں یا صحابہ کرامؓ کے فیصلے ایسے مسائل کے وقت جو صادر ہو چکے ہیں۔ ان کی روشنی میں فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے اس بارے میں جو فیصلے دے دیئے ہیں ان کی پیروی کی جائے اور ان سے انحراف نہ کیا جائے۔ ..

.. .. جس میں صحابہؓ کا کوئی حکم یا فیصلہ موجود نہ ہو تو پھر اپنے زمانے کے عادلین کی طرف رجوع کریں۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر حکم اپنے زمانے کے ہر ہر فرد پر الگ الگ لگے گا اور اپنے زمانے کے ہی دو عادل فیصلہ کریں گے۔ خواہ صحابہ کرامؓ کا کوئی فیصلہ موجود ہو یا نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لفظ منکم استعمال کیا ہے۔

المختصر مراد یہ ہے کہ اس جانور کی قیمت کا تخمینہ تم میں سے دو متدین، اہل اور صاحب بصیرت اشخاص کریں۔

پھر ارشاد ہے کہ یہ قربانی (کفارہ کی) کعبے (حدود حرم کے اندر) تک پہنچائی جائے، وہیں ذبح کی جائے اور حرم ہی کے مساکین میں اس کا گوشت تقسیم کیا جائے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر محرم مجرم شکار شدہ جانور کا مثل نہ

پائے تو پھر اس جانور کی قیمت کا تخمینہ لگائے اور اس قیمت سے اناج خرید کر مسکینوں کو کھلا دے۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ کھانا کہاں کھلایا جائے امام شافعیؒ کے نزدیک حرم میں کھلایا جائے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اس جگہ کھلایا جائے۔ جہاں شکار کو قتل کیا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقام کی کوئی تخصیص نہیں ہے خواہ حرم ہو یا غیر حرم۔

۴۔ اگر کھانا کھلانے کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو پھر ہر مسکین کے حصہ کا ایک ایک روزہ رکھے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کفارہ کا جانور کعبہ بھیجا جائے یا مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا اسی کے برابر روزے رکھے جائیں۔ مثلاً اگر کسی نے ہرن یا اس کے مثل کوئی جانور قتل کیا تو اس پر بکری لازم آئے گی جو مکے بھیج کر ذبح کی جائے گی۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو چھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر تین روزے رکھے جائیں گے۔

یہ کفارہ جس طرح قصد و تعمد میں واجب ہے اسی طرح خطاء و نسیان میں بھی۔ حدیث سے بھی ثابت ہے اور فقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

یہ سب کچھ اس لیے تاکہ مجرم اپنے جرم کی سزا پالے یعنی جو اس نے خداوند تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی تھی یہ اس کی سزا ہے۔ قبل اسلام یا قبل نزول حکم جو کچھ گزر چکا ہے۔ اس سے درگذر کر دی جائے گی۔

اگر کوئی دوبارہ احرام کی حالت میں شکار کرے گا تو پھر اس سے اللہ تعالیٰ انتقام لے گا۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے اور انتقام پر قادر ہے۔ یعنی پہلے جرم پر تو اس کو سزا دی جائے گا۔ اگر وہ دوبارہ اس حرکت کا اعادہ کریگا۔ تو اس کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ اس کا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا جائیگا

Marfat.com

حالت احرام میں بحری جانوروں کے شکار کی حلت اور خشکی کے شکار کی ممانعت

آیت نمبر ۹۶ - اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

قافلے کے لیے زادِ راہ

ترجمہ :- تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے۔ جہاں تم ٹھہرو وہاں بھی تم اسے کھا سکتے ہو اور قافلے کے لیے زادِ راہ بھی بنا سکتے ہو۔ البتہ خشکی کا شکار، جب تک تم احرام کی حالت میں رہو، تم پر حرام کر دیا گیا ہے۔ پس بچو اس خدا کی نافرمانی سے جس کے حضور میں تم سب کو جمع کیا جائے۔

مشکل الفاظ کے معانی صَيْدُ الْبَحْرِ - سمندر کا شکار۔ یعنی وہ شکار جس کا مولد بھی پانی ہے اور مسکن بھی پانی۔ طَعَامُهٗ اس کا کھانا ۂ کی ضمیر صید کی طرف ہے۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سمندر کا طعام اگر ہٗ کی ضمیر بحر کی جانب ہو۔ پس صَيْدُ الْبَحْرِ سے مراد وہ جانور ہوا جس کا شکار کر کے اسے مارا جائے اور طعام البحر سے وہ جانور مراد ہوا جسے دریا خود پھینک دے یا جو پانی کے پیچھے ہٹ جانے سے رہ جائے۔ مَتَاعًا لَّكُمْ تمہارے نفع اور قوت کے لیے۔ سَيَّارَةٌ سیّار کی جمع ہے قافلے۔

تفسیر و تشریح اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے لیے حالت احرام میں دریائی شکار اور اس کا کھانا جائز کیا گیا ہے۔ چنانچہ صید سے مراد سمندر یا دریا کے جانور کا شکار ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے کہ جو شکار سمندر سے زندہ حاصل کیا گیا ہو وہ صید البحر ہے اور طعام سے وہ مراد ہے جس کو سمندر نے مار کر ساحل پر

Marfat.com

پھینک دیا ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کہتے ہیں کہ طعام سے ہر وہ چیز مراد ہے جو سمندر میں ہے۔

چونکہ سمندر کے سفر میں ایسا اوقات زادِ راہ ختم ہو جاتا ہے اور غذا کی فراہمی کے لیے بجز اس کے کہ آبی جانوروں کا شکار کیا جائے اور کوئی تدبیر ممکن نہیں ہوتی اس لیے بحری شکار حلال کر دیا گیا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ خشکی کا شکار بحالت احرام میں تم پر حرام کر دیا گیا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم نے حاضر ہونا ہے یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرو گے تو پھر تمہیں اس کا اچھا بدلہ دیا جائے گا۔ اور اگر اس کی نافرمانی و مخالفت کرو گے تو پھر تمہیں سزا دی جائے گی۔

سورۃ المائدہ کے شروع میں بھی یہ حکم دیا گیا تھا اور پھر اسی صورت میں آیت نمبر ۹۵ میں دوبارہ تاکید کی اب پھر تیسری مرتبہ اسی کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے صفحہ ۱۸۵

بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی حرمت

آیت ۱۰۳ ۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۖ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝

ترجمہ: ۔ اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔ مگر یہ کافر اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل سے کام ہی نہیں لیتے۔

مشکل الفاظ کے معانی بحیرہ ۔ اس اونٹنی کو کہتے تھے جو پانچ دفعہ بچے جن چکی ہو اور آخری بار اس کے ہاں بچہ پیدا

Marfat.com

ہوا ہو۔ اس کا کان چیر کر سانڈ کی طرح اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ پھر نہ کوئی اس پر سوار ہوتا۔ نہ اس کا کوئی دودھ پیتا، نہ اسے ذبح کیا جاتا۔ نہ اس کی اون اتاری جاتی۔ اسے حق تھا کہ جس کھیت اور جس چراگاہ میں چاہے چرے اور جس گھاٹ سے چاہے پانی پیئے۔

سائبہ۔ اس اونٹ یا اونٹنی کو کہتے تھے جسے کسی منت کے پورا ہونے یا کسی بیماری سے شفا پانے یا کسی خطرے سے بچ جانے پر بطور شکرانہ کسی دیوتا کے نام پر آزاد چھوڑ دیا گیا ہو۔ نیز جس اونٹنی نے دس مرتبہ بچے دیئے ہوں اور ہر بار مادہ ہی جنی ہو اُسے بھی آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔

وصیلہ۔ اگر بکری کا پہلا بچہ نر ہوتا تو وہ خداؤں کے نام پر ذبح کر دیا جاتا۔ اور اگر وہ پہلی بار مادہ جنتی تو اسے اپنے لیے رکھ لیا جاتا تھا۔ لیکن اگر نر اور مادہ ایک ساتھ پیدا ہوتے تو نر کو ذبح کرنے کے بجائے یونہی خداؤں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور اس کا نام وصیلہ تھا۔

حام۔ اگر کسی اونٹ کا پوتا سواری دینے کے قابل ہو جاتا تو اس بوڑھے اونٹ کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ نیز اگر کسی اونٹ کے نطفہ سے دس بچے پیدا ہوتے تو اسے بھی آزادی مل جاتی۔

یہ سب اصطلاحیں عرب جاہلیت کی ہیں:۔

تفسیر و تشریح

جس طرح ہمارے ملک میں بکثرت بیل اور بکرے خدا کے نام پر یا کسی بُت یا قبر یا دیوتا یا پیر کے نام پر چھوڑ دیے جاتے ہیں اور ان سے کوئی خدمت لینا اور انہیں ذبح کرنا یا کسی طور پر ان سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت میں اہل عرب بھی مختلف طریقوں سے جانوروں کے الگ الگ نام رکھ کر چھوڑتے تھے

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام مشرکین کی اختراع ہیں اور اس قسم کی گھڑی ہوئی رسمیں اور ایسے

Marfat.com

جانوروں کا ادب و احترام ہرگز مشروع نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے
کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو
دوزخ میں پیٹ کے بل گھسٹتے ہوئے دیکھا ہے کیونکہ اس نے سب سے
پہلے جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنے کا طریقہ رائج کیا تھا۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ یہ مشرکین اور کافر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حلال اور مشروع قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے
کہ یہ رسمیں جو انہوں نے خود گھڑی ہوئی ہیں مشروع نہیں ہیں بلکہ حرام ہیں
اور ان کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل نہیں کر سکتے جیسا کہ وہ گمان
کرتے ہیں۔ اس جھوٹ تہمت اور افترا پردازی کے جرم میں ان کو سزا دی
جائے گی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ کافر و مشرکین اس وجہ سے
یہ رسمیں ادا کرتے ہیں کیونکہ ان میں عقل کا فقدان ہے۔ اگر ان میں ذرہ
بھر بھی عقل ہوتی تو وہ ایسی حرکات نہ کرتے بلکہ اپنی زندگی خدا کے بتائے
ہوئے طریقے کے مطابق بسر کرتے۔

موت کے وقت وصیت کے گواہوں کا ذکر

آیت ۱۰۶ تا ۱۰۸ - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ
إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا
عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ
فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا
مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي
بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ
إِنَّا إِذًا لَمِنَ الْآثِمِينَ ۝ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا
إِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ

Marfat.com

عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ
مِن شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذًا لَّمِنَ
الظَّالِمِينَ ۝ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ
وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَن تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ
وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

ترجمہ:۔ اے ایمان لانے والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو اس کے لیے شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنائے جائیں۔ یا اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیر مسلموں ہی میں سے دو گواہ لے لیے جائیں۔ پھر اگر تم کو کوئی شک پڑ جائے تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو (مسجد میں) روک لیا جائے اور وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ "ہم کسی ذاتی فائدے کے عوض شہادت بیچنے والے نہیں ہیں اور خواہ کوئی ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو (ہم اس کی بھی رعایت کرنے والے نہیں) اور نہ خدا واسطے کی گواہی کو ہم چھپانے والے ہیں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو گناہ گاروں میں شمار ہوں گے"۔ لیکن اگر پتہ چل جائے کہ ان دونوں نے اپنے آپ کو گناہ میں مبتلا کیا ہے تو پھر ان کی جگہ دو اور شخص جو ان کی بہ نسبت شہادت دینے کے زیادہ اہل ہوں ان لوگوں میں سے کھڑے ہوں جن کی حق تلفی ہوئی ہے اور وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ "ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے اپنی گواہی میں کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ اگر ہم ایسا کریں تو ظالموں میں سے ہوں گے"۔ اس طریقہ سے زیادہ توقع کی جا سکتی ہے کہ لوگ ٹھیک ٹھیک شہادت دیں گے، یا کم از کم اس بات ہی کا خوف کریں گے کہ ان کی قسموں کے بعد دوسری قسموں سے کہیں ان کی تردید نہ ہو جائے۔ اللہ سے ڈرو اور سنو۔ اللہ نافرمانی کرنے والوں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔

Marfat.com

مشکل الفاظ کے معانی ذَوَا عَدْلٍ دو صاحب عدل آدمی۔ دیندار، راست باز اور قابلِ اعتماد مسلمان۔ اٰخَرَانِ مِنْ غَیْرِکُمْ۔ غیر مسلموں میں سے دو۔ تَحْبِسُوْنَھُمَا ان دونوں (گواہوں) کو روک لو۔ اِنِ ارْتَبْتُمْ اگر تمہیں شک یا شبہ پڑ جائے۔ وَ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ ورنہ ہم چھپائیں گے۔ لَمِنَ الْاٰثِمِیْنَ اٰثم کی جمع ہے یعنی گناہگاروں میں شمار ہوں گے۔ عُثِرَ عَلٰی اگر اس کی خبر ہو جائے پتہ چل جائے۔ اِسْتَحَقَّا اِثْمًا گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں یا گناہ کے مستحق ہوئے ہیں۔ ذٰلِكَ اَدْنٰی زیادہ قریب ہے۔ عَلٰی وَجْھِھَا بلا آمیزش حقیقت کے مطابق۔ وَاسْمَعُوْا اللہ کے احکام کو سنتے اور مانتے رہو۔

تفسیر و تشریح ان آیات میں اہل ایمان کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی وفات پانے کے قریب ہو تو بہتر یہ ہے کہ ترکہ کو تقسیم کرتے وقت دو دیندار، راست باز اور قابلِ اعتماد آدمیوں کو گواہ بنا لیا جائے۔ یہ گواہ تم میں سے ہوں، تمہارے قبیلہ کے ہوں۔ اگر تم سفر کی حالت میں ہو۔ وہاں موت کا حادثہ پیش آ جائے اور مسلمان گواہ میسر نہ ہوں تو پھر دو غیر مسلموں کو بھی گواہ بنا لیا جائے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلم کو گواہ بنانا صرف اس حالت میں درست ہے جب کہ کوئی مسلمان گواہ بننے کے لیے میسر نہ آ سکے۔

اگر تمہیں کچھ شک پڑ جائے کہ گواہ غلط بیانی سے کام لیں گے یا خیانت کریں گے تو ایسی صورت میں ان کو نماز کے بعد مسجد میں روک لو اور وہ گواہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم کسی ذاتی فائدے کے بدلے شہادت بیچنے والے نہیں ہیں اور خواہ کوئی ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ہم اس کی رو رعایت کرنے والے نہیں ہیں۔ اور نہ خدا واسطے کی گواہی کو ہم چھپانے والے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ کہیں کہ ہم دنیائے فانی کی تھوڑی سی کمائی کی خاطر جھوٹی قسم نہیں

Marfat.com

کھائیں گے، بلکہ سچی بات کریں گے اور کسی کا کوئی لحاظ نہ رکھیں گے۔ اگر ہم نے شہادت میں کوئی تحریف و تبدیلی کی یا اس کو بالکل چھپا دیا تو پھر ہم گناہ گاروں میں ہوں گے۔

اگر بعد میں ان دونوں گواہوں کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ انہوں نے خیانت کی ہے اور جھوٹی قسم کھا کر متوفی کا مال وارثوں کو پہنچانے میں کچھ غبن کیا۔ تو پھر جن کا حق مارا گیا ہے ان میں سے دو گواہ ان کی بجائے اٹھ کھڑے ہوئے یعنی مستحقین ترکہ میں سے دو وارث کھڑے ہوں اور یہ دونوں ورثاء میں سے سب سے قریب ترین ہوں اور خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ "ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے اپنی گواہی میں کوئی زیادتی نہیں کی ہے اگر ہم ایسا کریں تو ظالموں میں سے ہوں گے" یعنی اگر ہم نے ان سابقہ گواہوں پر جھوٹا الزام لگایا ہے اور ان کی قسموں کو غلط طور پر رد کردیا ہے تو پھر ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا شمار ظالموں میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہی ایک صورت ایسی ہے کہ گواہ اپنی گواہی بلا آمیزش اور حقیقت کے مطابق دیں گے اور انہیں خوف رہے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان مسلمانوں اور ورثاء کی دوبارہ قسموں کے بعد ہماری پہلی قسمیں رد کردی جائیں۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یعنی اپنے تمام معاملات میں اور ادائے شہادت میں بھی اور اللہ کے احکام کو سنتے اور مانتے رہو۔ اگر تم متقی بن کر اللہ پر ایمان رکھتے رہو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں اور فاسقوں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا یعنی جو لوگ اپنی عملی زندگی خدا کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق بسر نہیں کرتے اور اس کی اطاعت نہیں کرتے تو گویا وہ نافرمان ہیں اور نافرمانوں کے لیے دنیا میں یہ سزا ہے کہ انہیں راہ راست پر چلنے کی توفیق نہیں ہوتی اور نہ آخرت میں انہیں اس کا ثمرہ (جنت) نصیب ہو گی۔

Marfat.com

سورۃ الانعام

تمہید سورۃ الانعام مکی سورت ہے۔ اس سورت میں کل ایک سو پینسٹھ ۱۶۵ آیات ہیں۔ جن میں سے پہلی ایک سو دس ۱۱۰ آیات ساتویں پارے میں اور باقی پچپن ۵۵ آیات آٹھویں پارے میں ہیں۔ قرآن مجید کی کل ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتیں ہیں جن میں اس سورت کا چھٹا نمبر ہے۔

نام اور وجہ تسمیہ انعام (مویشی) کا لفظ عربی زبان میں اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری پر بولا جاتا ہے۔ اس سورت میں مندرجہ ذیل آیات میں لفظ انعام استعمال ہوا ہے:-

۱۔ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا ..... (۱۳۶)

ترجمہ:- ان لوگوں نے اللہ کے لیے خود اسی کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہے۔

۲۔ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (۱۳۸)

ترجمہ:- کہتے ہیں یہ جانور اور یہ کھیت محفوظ ہیں۔ انہیں صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں، جنہیں ہم کھلانا چاہیں۔ حالانکہ یہ پابندی ان کی خود ساختہ ہے۔ پھر کچھ جانور ہیں جن پر سواری اور باربرداری حرام کر دی گئی ہے اور کچھ جانور ہیں جن پہ اللہ کا نام نہیں لیتے اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ پر افترا کیا ہے۔ عنقریب اللہ انہیں ان افترا پردازیوں کا بدلہ دے گا۔

۳۔ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ..... (۱۴۲)

Marfat.com

ترجمہ :- اور وہ وہی ہے جس نے مویشیوں میں سے وہ جانور بھی پیدا کیے جن سے سواری و باربرداری کا کام لیا جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ

اس سورت میں چونکہ بعض انعام (مویشیوں) کی حرمت اور بعض کی حلت کے متعلق اہل عرب کے توہمات کی تردید کی گئی ہے اسی مناسبت سے اس کا نام اَلْاَنْعَام رکھا گیا ہے ۔

قرآن مجید کی ہر سورت میں اس قدر وسیع مضامین بیان ہوئے کہ ان کے لیے مضمون کے لحاظ سے جامع عنوانات تجویز نہیں کیے جاسکتے ۔ عربی زبان اگرچہ اپنی لغت کے اعتبار سے نہایت مالدار ہے مگر بہرحال ہے تو انسانی زبان ہی ۔ انسان جو زبانیں بھی بولتا ہے ۔ وہ اس قدر تنگ اور محدود ہیں کہ وہ ایسے الفاظ یا فقرے فراہم نہیں کرسکتیں جو ان وسیع مضامین کے لیے جامع عنوان بن سکتے ہوں ۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے قرآن مجید کی بیشتر سورتوں کے لیے عنوانات کے بجائے نام تجویز فرمائے ہیں جو محض علامت کا کام دیتے ہیں ۔ اس سورت کو انعام کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں صرف انعام (مویشیوں) پر بحث کی گئی ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ سورت جس میں انعام (مویشیوں) کا ذکر آیا ہے ۔

زمانہ نزول :- حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ پوری سورت مکہ میں ایک ہی رات کے اندر یکبارگی نازل ہوئی تھی ۔ اس کو ستر ہزار فرشتے لے کر حاضر ہوئے تھے اور تسبیح و تحمید پڑھتے جارہے تھے ۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کی چچازاد بہن حضرت اسماء بنت یزیدؓ کہتی ہیں کہ جب یہ سورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو رہی تھی ۔ اس وقت آپ ناقہ پر سوار تھے اور میں اس کی نکیل پکڑے ہوئے تھی ۔ وحی کے بوجھ کے مارے ناقہ کا یہ حال ہو رہا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی ہڈیاں اب ٹوٹ جائیں گی ۔ ملائکہ زمین و آسمان کو گھیرے ہوئے تھے ۔ سورت آنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

تسبیح پڑھنے لگے اور فرمایا اس سورت کی مشایعت میں فرشتے افق تا افق گھیرے ہوئے تھے، فرشتوں کی سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اور سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم کی گونج سے زمین و آسمان میں ہنگامہ تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی تسبیح پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا کہ پوری سورت انعام ایک ہی دفعہ نازل ہوئی ہے۔ اور ستر ہزار فرشتوں کی تسبیح و تحمید کی گونج کے ساتھ اتری تھی"۔ روایات میں اس کی تصریح ہے کہ جس رات یہ نازل ہوئی۔ اسی رات آپ نے اسے قلمبند کرا دیا۔

اس کے مضامین پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مکی دور کے آخری زمانہ میں نازل ہوئی ہوگی۔ حضرت اسماء بنت یزید رض کی روایت بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ کیونکہ موصوفہ انصار میں سے تھیں اور ہجرت کے بعد ایمان لائی تھیں۔ اگر قبول اسلام سے پہلے محض بربنائے عقیدت وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں گی تو یقیناً یہ حاضری آپ کی مکی زندگی کے آخری سال ہی میں ہوئی ہوگی۔ اس سے پہلے آپ کے تعلقات اہل یثرب کے ساتھ اتنے بڑھے ہی نہ تھے کہ وہاں سے کسی عورت کا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا ممکن ہوتا۔

شانِ نزول زمانۂ نزول متعین ہو جانے کے بعد ہم بآسانی اس پس منظر کو دیکھ سکتے ہیں جس میں یہ سورت نازل ہوئی۔ اس وقت اللہ کے رسول کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے بارہ سال گزر چکے تھے قریش کی مزاحمت اور ستم گری و جفاکاری انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اسلام قبول کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ان کے ظلم و ستم سے عاجز آکر مکہ چھوڑ چکی تھی اور حبش میں مقیم تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و حمایت کے لیے نہ ابوطالب باقی رہے تھے اور نہ حضرت خدیجہ رض اس لیے ہر دنیوی سہارے سے محروم ہوکر ہو کر آپ شدید مزاحمتوں کے مقابلہ میں تبلیغ رسالت کا فرض انجام دے رہے تھے۔ آپ کی تبلیغ کے اثر سے مکہ میں اور گردو نواح کے قبائل میں بھی صالح افراد

Marfat.com

پے در پے اسلام قبول کرتے جا رہے تھے، لیکن قوم بحیثیت مجموعی رد و انکار پر تلی ہوئی تھی۔ جہاں کوئی شخص اسلام کی طرف ادنیٰ میلان بھی ظاہر کرتا تھا اسے طعن وملامت، جسمانی اذیت اور معاشی ومعاشرتی مقاطعہ کا ہدف بننا پڑتا تھا۔ اس تاریک ماحول میں صرف ایک ہلکی سی شعاع یثرب کی طرف سے نمودار ہوئی تھی جہاں سے اوس اور خزرج کے بااثر لوگ آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے اور جہاں کسی اندرونی مزاحمت کے بغیر اسلام پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ مگر اس حقیر سی ابتداء میں مستقبل کے جو امکانات پوشیدہ تھے انہیں کوئی ظاہر بین آنکھ نہ دیکھ سکتی تھی۔ بظاہر دیکھنے والوں کو جو کچھ نظر آتا تھا۔ وہ بس یہ تھا کہ اسلام ایک کمزور سی تحریک ہے جس کی پشت پر کوئی مادی طاقت نہیں، جس کا داعی اپنے خاندان کی ضعیف سی حمایت کے سوا کوئی زور نہیں رکھتا اور جسے قبول کرنے والے چند مٹھی بھر بے بس اور منتشر افراد اپنی قوم کے عقیدہ ومسلک سے منحرف ہو کر اس طرح سوسائٹی سے نکال پھینکے گئے ہیں جیسے پتے اپنے درخت سے جھڑ کر زمین پر پھیل جاتے ہیں۔

مباحث:- اس سورت کے مضامین کو سات بڑے بڑے عنوانات پر تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

۱۔ شرک کا ابطال اور عقیدۂ توحید کی طرف دعوت

۲۔ عقیدۂ آخرت کی تبلیغ اور اس غلط خیال کی تردید کہ زندگی جو کچھ ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔

۳۔ جاہلیت کے ان توہمات کی تردید جن میں لوگ مبتلا تھے۔

۴۔ ان بڑے بڑے اصول اخلاق کی تلقین جن پر اسلام سوسائٹی کی تعمیر چاہتا تھا۔

۵۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی دعوت کے خلاف لوگوں کے اعتراضات کا جواب۔

٦- طویل جدوجہد کے باوجود دعوت کے نتیجہ خیز نہ ہونے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں کے اندر اضطراب اور دل شکستگی کی جو کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ اس پر تسلی۔

٧- منکرین اور مخالفین کو ان کی غفلت و سرشاری اور نادانستہ خودکشی پر نصیحت، تنبیہ اور تہدید۔ (از تفہیم القرآن)

اجمالی مطالب آیت ۱تا ۳ سورۃ المائدۃ کا اختتام عقیدہ تثلیث کے ابطال سے ہوا تھا۔ اس سورت کا آغاز شرک فی الذات کے عقیدہ ثنویت سے کیا ہے اور بتایا ہے ... کہ یہ خیال غلط ہے کہ خدا دو ہیں ایک خالق شر و ظلمت کا اور دوسرا خالق خیر و انوار کا۔ یہ آتش پرستوں کا عقیدہ تھا۔ چنانچہ فرمان ہے کہ تعریف اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا۔ اس پر بھی جو کافر ہیں وہ اپنے پروردگار کے برابر دوسروں کو ہمسر ٹھہرا رہے ہیں۔ وہ اللہ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور معین وقت اس کے علم میں ہے۔ پھر بھی تم شک میں پڑے ہوئے ہو۔ اور وہی ایک اللہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں بھی۔ وہ تمہارے پوشیدہ حال کو بھی جانتا ہے۔ اور ظاہر حال کو بھی اور جو برائی یا بھلائی تم کماتے ہو اس سے خوب واقف ہے۔

آیت ۴تا ۹۔ کفار اور منکرین کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں جو ان کے سامنے آئی ہو اور انہوں نے اس سے منہ نہ موڑ لیا ہو۔ اب جو حق (دین اسلام) ان کے پاس آیا تو اسے بھی انہوں نے جھٹلا دیا۔ سو عنقریب ہی انہیں خبر معلوم ہو جائے گی اس چیز کی جس کے بارے میں وہ تمسخر کیا کرتے تھے یعنی مشرکین و کفار کو شکست ہوگی اور آخرت میں عذاب سے دوچار ہوں گے۔ کیا ان کفار و مشرکین اور منکرین نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں۔

Marfat.com

جنہیں ہم نے روئے زمین پر وہ قوت دے رکھی تھی جو تمہیں نہیں دی ہے اور ان پر آسمان سے خوب کثرت سے بارشیں برسائیں اور ان کے نیچے نہریں بہائیں پھر ہم نے انہیں ان کے گناہوں کے باعث ہلاک کر ڈالا۔ اور ان کے بعد دیگر جماعتوں کو پیدا کر دیا۔ ان مشرکین، منکرین کا تو یہ حال ہے کہ اگر ہم آپ پر کوئی کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب بھی اُتار دیتے اور یہ اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے۔ پھر بھی یہ یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی بجائے عجیب عجیب قسم کی باتیں بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا۔ جو ان کی حفاظت کرتا جالانکہ ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اگر ہم نے فرشتہ اُتار دیا ہوتا تو اب تک کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ پھر انہیں کوئی مہلت بھی نہ دی جاتی اور اگر ہم فرشتے کو اُتارتے تب بھی اسے انسانی شکل ہی میں اُتارتے اور اس طرح وہ پھر اسی اشتباہ میں مبتلا ہو جاتے جس میں وہ اب مبتلا ہیں۔

آیت ۱۰ تا ۱۸ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اُڑایا جا چکا ہے۔ پھر ان لوگوں کو جو ان پیغمبروں کا مذاق اُڑایا کرتے تھے، اسی عذاب نے آگھیرا جس پر وہ تمسخر کیا کرتے تھے آپ ان سے کہہ دیں کہ زمین پر چل پھر کر جھٹلانے والوں کا انجام تو دیکھ لو۔ ان منکرین سے یہ پوچھو کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ آخر کس کا ہے؟ آپ خود ہی ان کو بتا دیں کہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ اُس نے اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے۔

اسی لیے وہ تمہیں نافرمانیوں اور سرکشیوں پر جلدی سے نہیں پکڑ لیتا۔ وہ تم سب کو قیامت کے روز ضرور جمع کرے گا۔ اس بارے میں کوئی شک نہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خود گھاٹے اور خسارے میں کر رکھا ہے۔ وہ کسی صورت میں بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اور یاد رکھو کہ اسی اللہ کی ملکیت میں ہے جو رات کے اندھیرے

Marfat.com

اور دین کے احاطے میں ہے اور وہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ آپؐ ان منکرین کو کہہ دیں کہ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا کارساز بنالوں؟ اس خدا کو چھوڑ کر جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کی تو شان یہ ہے کہ سب کو روزی دیتا ہے اور خود دوسروں سے روزی نہیں لیتا۔ آپؐ ان کو کہہ دیں کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں اس کے آگے سر تسلیم خم کروں اور تاکید کی گئی ہے کہ کوئی شرک کرتا ہے تو کرے لیکن میں خود شرک کرنے والوں میں نہ ہو جاؤں۔ آپؐ ان سے کہہ دیں کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے خوفناک دن مجھے اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ وہ دن (قیامت کا) ایسا ہوگا کہ اگر کسی پر سے وہ عذاب اس روز ہٹا دیا جائے گا گویا اس پر اللہ کا بڑا فضل ہوگا اور یہی نمایاں کامیابی ہے۔ اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں اس نقصان سے بچا سکے، اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں پر کامل اختیارات رکھتا ہے اور دانا اور باخبر ہے۔

آیت ۱۹ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپؐ ان منکرین حق سے پوچھیں کہ کس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے؟ پھر آپؐ ان کو خود ہی بتلا دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور یہ قرآن میرے پاس بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ سے تمہیں ڈراؤں اور جس جس کو یہ پہنچے۔ کیا تم لوگ واقعی یہ شہادت دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی شریک ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ میں تو گواہی نہیں دیتا بلکہ آپ ان کے سامنے علی الاعلان کہہ دیں کہ خدا تو وہی ایک ہے اور میں اس شرک سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔

آیت ۲۰ تا ۲۱۔ اہل کتاب کا ذکر ہے کہ ہم نے ان کو کتاب (تورات) دی ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جس طرح اپنے لڑکوں کو پہچانتے ہوں یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کھلی

Marfat.com

ہوئی علامتیں ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں، اور وہ جان بوجھ کر آپ ؐ کا انکار کر رہے ہیں۔ مگر جنھوں نے اپنے آپ کو خود خسارے میں ڈال رکھا ہے۔ ان کو آپ ؐ پر ایمان لانے کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے۔ جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی نشانیوں کو جھٹلائے؟ یقیناً ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

آیت ۲۲ تا ۲۴۔ قیامت کے روز ان مشرکین کو جب ہم اکٹھا کریں گے۔ اور ان سے پوچھیں گے کہ اب وہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک کہاں ہیں، جن کو تم اپنا خدا سمجھتے تھے۔ پھر ان کا انجام اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ اے ہمارے آقا! تیری قسم ہم ہرگز مشرک نہ تھے۔ یعنی جھوٹا بیان دے کر جان چھڑانے کی کوشش کریں گے۔ اس وقت بھی یہ جھوٹ بولنے سے باز نہ آئیں گے اور وہاں ان کے سارے بناوٹی معبود گم ہو جائیں گے۔

آیت ۲۵ تا ۲۶۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان منکرین میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو تمہاری بات کان لگا کر سنتے ہیں۔ لیکن ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں کہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی ڈال دی ہے۔ یعنی وہ دین اسلام کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ اس لیے ہم بھی انہیں سمجھنے کی توفیق نہیں دیتے ان کا تو یہ حال ہے کہ اگر کوئی نشانی بھی دیکھ لیں جب بھی اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اس کے باوجود وہ تمہارے پاس آ کر تم سے جھگڑتے ہیں۔ اور ان میں سے کفار سب کچھ سننے کے بعد صرف یہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ (قرآن مجید) ایک داستان پارینہ کے سوا کچھ نہیں۔ وہ دوسروں کو بھی دین حق سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں اور بزعم خود ایسا کرنے سے وہ تمہارا کچھ بگاڑ رہے ہیں، حالانکہ یہ اپنے آپ ہی کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ مگر انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

آیت ۲۷ تا ۳۲۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ قیامت

Marfat.com

کے روز جب وہ دوزخ کے کنارے کھڑے کیے جائیں گے۔ تو اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش کوئی صورت ایسی ہو کہ ہم دنیا میں پھر واپس بھیجے جائیں اور اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں، لیکن قیامت کے روز تو ان کے سب اعمال ظاہر ہو جائیں گے۔ جن کو وہ دنیا میں چھپایا کرتے تھے اگر یہ منکرین واپس بھیج بھی دیئے جائیں تو بھی یہ وہی اعمال کریں گے جن سے روکے گئے تھے اور وہ تو بالکل جھوٹے ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ زندگی جو کچھ بھی ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہم مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے کاش وہ منظر تم دیکھ سکو جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اس وقت ان کا رب ان سے پوچھے گا۔ "کیا یہ قیامت امر واقعی نہیں؟" یہ کہیں گے "ہاں اے ہمارے رب! یہ حقیقت ہی ہے" اللہ تعالیٰ پھر فرمائے گا کہ اچھا! تو اب اپنے انکار حقیقت کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو۔ بیشک وہ لوگ گھاٹے میں پڑ گئے۔ جنہوں نے اللہ سے ملنے (البعث بعد الموت اور جزاء اعمال) کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ جب وہ مقررہ گھڑی (موت یا قیامت) آجائے گی تو یہی لوگ کہیں گے "افسوس! ہم سے اس معاملہ میں کیسی تقصیر ہوئی" اور ان کا حال یہ ہوگا کہ اپنے گناہ اپنی پشتوں پر لادے ہوں گے۔ دیکھو! کیسا برا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں۔ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور ایک تماشا ہے۔ حقیقت میں آخرت ہی کا مقام ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، پھر اے منکرین کیا تم عقل سے کام نہ لوگے؟

آیت ۳۳ تا ۳۹۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان سے آپؐ کو رنج پہنچتا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ آپؐ کو نہیں جھٹلا رہے۔ بلکہ اللہ کی نشانیوں ہی سے انکار کر رہے ہیں آپؐ حوصلہ نہ ہاریں بلکہ صبر اور مستقل مزاجی سے فریضہ رسالت انجام دیں کیونکہ آپؐ سے قبل بھی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں۔ انہوں نے بھی اس تکذیب اور

اذیتوں پر جو انہیں پہنچائی گئیں، صبر کیا یہاں تک کہ انہیں ہماری امداد آپہنچی
اللہ کی باتوں کو بدلنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے اور سابقہ رسولوں کے ساتھ
جو کچھ پیش آیا، اس کی خبریں آپؐ کو پہنچ ہی چکی ہیں۔ اگر ان منکرین کی بے رخی
اور اعراض آپؐ سے برداشت نہیں ہوتی تو پھر آپؐ میں اگر کچھ زور ہے تو
زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ لو یا آسمان میں سیڑھی لگا لو اور ان کے پاس نشانی (معجزہ)
لانے کی کوشش کرو جس کو یہ دیکھ کر ایمان لے آئیں۔ لیکن اگر اللہ چاہتا تو ان
سب کو ہدایت دے دیتا۔ آپؐ بے صبری نہ کریں اور اس طرح نادان مت بنیں۔
ہمیشہ یاد رکھو کہ دعوتِ حق پر لبیک وہی لوگ کہتے ہیں۔ جو دل و دماغ سے
سنتے ہیں اور جہاں تک ہٹ دھرموں اور منکرین کا تعلق ہے سو وہ تو مُردے
ہیں انہیں تو بس اللہ قبروں ہی سے اٹھائے گا اور پھر اس کی طرف واپس لائے
جائیں گے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نبیؐ پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں
نہیں اتری؟ آپؐ کہہ دیں کہ اللہ نشانی (معجزہ) اتارنے پر پوری قدرت رکھتا
ہے۔ ان میں سے اکثر بیچ نادانی میں مبتلا ہے۔ تمام چرند، درند پرند یہ سب تمہاری
طرح کی انواع ہیں۔ ہم نے اپنے رجسٹر میں کوئی چیز درج کرنے سے نہیں چھوڑ رکھی ہے پھر
سب قیامت کے روز اپنے پروردگار کے پاس جمع کیے جائیں گے۔ ان لوگوں کو
معلوم ہونا چاہیے جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں وہ حقیقت میں بہرے اور
گونگے ہیں اور طرح طرح کی تاریکیوں میں گرفتار ہیں۔ اللہ جسے چاہے بے راہ
کر دے اور جسے چاہے سیدھے راستے پر لگا دے۔

آیت ۴۰ تا ۴۹ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپؐ ان
سے کہہ دیں کہ غور کر کے بتاؤ کہ اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی بڑی مصیبت آ
پڑے یا آخری گھڑی (موت یا قیامت) آجائے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو؟ اگر
تم سچے ہو۔ تمہیں علم ہے کہ تم اس وقت بھی صرف اسی ذاتِ واحد کو پکارو گے پھر
اس مصیبت کے ہٹانے کے لیے تم اسے پکارتے ہو وہ چاہے تو اسے دور بھی کر

دیے اور ایسے نازک موقعوں پر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھی بھول جاتے ہو۔
اے رسول! ہم نے آپ سے پہلے بھی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے پھر ہم نے ان امتوں کو
مصائب و آلام میں مبتلا کیا۔ تاکہ وہ عاجزی کے ساتھ ہمارے سامنے جھک جائیں۔
پس جب ہماری طرف سے ان پر سختی پہنچی تو ان کو چاہیے تھا کہ عاجزی اختیار کرتے
مگر ان کے دل تو اور بھی سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کو اطمینان دلایا کہ جو کچھ تم کر
رہے ہو ٹھیک کر رہے ہو۔ پھر ہم نے بھی جب انہوں نے اس نصیحت کو جو انہیں کی گئی
تھی بھلا دیا تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیے۔
یہاں تک کہ جب وہ ان میں خوب مگن ہو گئے۔ تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور ان کی
نافرمانیوں کے واسطے آ گئے۔ اس طرح ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ جنہوں نے
ظلم کیا تھا اور تعریف تو اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔ اثبات توحید اور ابطال شرک
پر دلائل و براہین دیے جا رہے ہیں کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ
اگر اللہ تعالیٰ تمہاری بینائی اور سماعت تم سے چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے
یعنی سوچنے سمجھنے کی قوت بھی سلب کر لے تو پھر اللہ کے سوا اور کونسا خدا ہے جو یہ
قوتیں تمہیں واپس دلا سکتا ہو؟ ہم ان کے سامنے بار بار دلائل (توحید) بیان کرتے ہیں
لیکن پھر بھی یہ بے رخی کیے چلے جاتے ہیں۔ اے منکرین! کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ
کی طرف سے تم پر اچانک یا خبر دے کر عذاب آ جائے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی
اور ہلاک ہو گا؟ بے شک ہمارا رسولوں کو بھیجنے کا مقصد یہی ہے کہ وہ نیک
کردار لوگوں کو خوشخبری دیں اور بدکرداروں کو ڈرائیں۔ پھر جو ان کی بات مان
لیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں۔ ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں
ہے۔ اور جو ہماری آیات کو جھٹلائیں گے۔ وہ اپنی نافرمانیوں کی پاداش میں سزا
بھگتتے رہیں گے۔

آیت نمبر ۵۰ تا ۵۵۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپ
ان کو کہہ دیں کہ میں انسانیت سے ماوراء نہیں ہوں۔ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے

Marfat.com

پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ میں غیب کا علم جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔ آپؐ ان سے کہہ دیں کہ کیا اندھا اور بینا دونوں برابر ہو سکتے ہیں یعنی میں تو وحی کے ذریعے حقائق کو جانتا ہوں اور تم اس سے محروم ہو لہٰذا میرے اور تمہارے درمیان بینا اور نابینا کا سا فرق ہے اور اسی اعتبار سے مجھے تم پر فوقیت حاصل ہے۔ نہ اس اعتبار سے کہ میرے پاس خدائی کے خزانے ہیں یا میں عالم الغیب ہوں یا انسانی کمزوریوں سے مبرا ہوں۔ آپؐ ان کو اس (وحی یعنی قرآن) کے ذریعے سے ڈرایئے جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں کوئی نہ ہوگا۔ جو ان کا حامی و مددگار ہو، یا ان کی سفارش کرے۔ شاید کہ اس نصیحت سے ہی متنبہ ہو کر وہ خدا ترسی کی روش اختیار کرلیں۔ اے نبیؐ! ان کو دور نہ پھینکو جو رات دن اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ آپؐ کے ذمہ ان کا حساب ذرا بھی نہیں اور نہ ان کے ذمہ آپؐ کا ذرا بھی حساب ہے۔ اس پر بھی اگر آپؐ ان کو اپنے سے دور رکھنے کی کوشش کریں گے۔ تو پھر ظالموں میں شمار ہوگے۔ اس طرح ہم نے غریبوں اور مفلسوں اور ایسے لوگوں کو جو سوسائٹی میں ادنیٰ حیثیت رکھتے تھے۔ سب سے پہلے ایمان کی توفیق دے کر دولت اور عزت کا گھمنڈ رکھنے والے لوگوں کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اور وہ انہیں دیکھ کر یہ کہیں گے کہ کیا یہی لوگ ہمارے درمیان میں سے ہیں جن پر اللہ نے اپنا فضل کیا ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں کو خوب جانتا ہے۔ سو اے نبیؐ! جب یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو ان سے کہہ دو کہ تم پر سلامتی ہے۔ تمہارے رب نے رحم و کرم اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے بے شک یہ اس کا رحم و کرم ہی تو ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اپنی حالت درست کرے تو وہ اسے معاف کر دیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے

Marfat.com

اس طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر پیش کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی راہ بالکل نمایاں ہو جائے۔

آیت ۵۶ تا ۵۸ ۔ توحید پرستوں پر انعامات و احسانات کا ذکر ہے۔ توحید کے علمبردار اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور بتایا کہ کس طرح آپ شرک اور بت پرستی سے محفوظ اور خطرات کے راستے پر گامزن رہے اور بڑے زور سے یہ اعلان کیا کہ میں اللہ کو چھوڑ کر تمہاری خواہشات کی پیروی نہ کروں گا ورنہ میں بے راہ ہو جاؤں گا۔ پھر توحید کو بیّنۃ کا نام دیا ہے اور بتایا ہے کہ میں خدا کے راستہ پر ہوں اور تم اسی (توحید) کو جھٹلاتے ہو۔ اب میرے اختیار میں عذاب الٰہی تو نہیں ہے جس کے بارے میں تم جلدی کر رہے ہو۔ بے شک فیصلہ کا سارا اختیار اللہ کو ہے وہی امر حق بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ آپؐ ان کو کہہ دیں کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو اب تک میرے اور تمہارے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ مگر اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ ظالموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جانا چاہیئے۔

آیت ۵۹ تا ۶۲ ۔ خالص توحید کا سبق دیا جا رہا ہے اور ذات واحد کی صفات بتائی جا رہی ہیں کہ اسی ذات واحد کے پاس ہی غیب کے خزانے ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحر و بر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں لکھا ہوا ہے۔ وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے۔ پھر دوسرے دن وہ تمہیں اسی کاروبار کے عالم میں واپس بھیج دیتا ہے۔ تاکہ زندگی کی مقررہ مدت پوری ہو۔ آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ اپنے بندوں پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے اور تم پر نگرانی

Marfat.com

کرنے والے (فرشتے) مقرر کر کے بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے۔ تو اس کے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی جان نکال لیتے ہیں۔ اور وہ اپنا فرض انجام دینے میں ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر سب کے سب حقیقی آقا کی طرف واپس لائے جائیں گے۔ خبردار ہو جاؤ۔ فیصلہ کے سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں اور وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپ ان سے پوچھیں کہ صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ وہ کونسی ذات ہے جس سے تم مصیبت کے وقت گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے تو نے ہم کو بچا لیا تو ہم ضرور شکرگذار ہوں گے؟ ..... آپ ہی انہیں کو بتا دیں کہ اللہ ہی تمہیں اس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ آپ ان کو کہہ دیں کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ تم پر اوپر سے کوئی عذاب نازل کر دے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کر دے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے سے بھڑا دے اور تمہیں ایک دوسرے کو لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ دیکھو ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ شاید کہ یہ حقیقت کو سمجھ لیں۔

آیت ۶۶ تا ۷۲ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ تمہاری قوم دین برحق کا انکار کر رہی ہے سو آپ ان سے کہہ دیں کہ میرا کام تو صرف حق اور باطل کو ممیز کر کے تمہارے سامنے پیش کر دینا ہے اب اگر تم اسے نہیں مانتے تو جس برے انجام سے میں تمہیں ڈراتا ہوں وہ اپنے وقت پر خود تمہارے سامنے آجائے گا۔ جب آپ دیکھیں کہ لوگ ہماری آیات کو مشغلہ بنا رہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر کبھی آپ کو اس ہدایت سے شیطان بھلا دے تو جس وقت یاد آجائے اس کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ ان کے حساب میں سے کسی چیز کی ذمہ داری پرہیزگاروں

Marfat.com

لوگوں پر نہیں ہے۔ البتہ ان کا فرض ہے کہ نصیحت کرتے رہیں۔ شاید کہ وہ غلط روی سے بچ جائیں۔ آپؐ ان لوگوں کو چھوڑ دیں۔ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ ہاں مگر یہ قرآن سنا کر ان کو نصیحت اور تنبیہ کرتے رہو کہ کوئی شخص اپنے کیے کے بدلے میں پھنس نہ جائے اور اس کا حال بھی ایسا ہو کہ اللہ سے اسے بچانے والا کوئی حامی و مددگار اور کوئی سفارشی اس کے لیے نہ ہو۔ اور اگر وہ (دوزخ سے) ہر ممکن چیز فدیہ میں دے کر چھوٹنا چاہے تو وہ بھی اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ بس ایسے لوگ اپنے بُرے اعمال کے بدلے میں پکڑے جائیں گے۔ قیامت کے روز ان کو دین برحق سے انکار کرنے کی بنا پر کھولتا ہوا پانی پینے کو اور دردناک عذاب دیا جائے گا۔ آپؐ ان سے پوچھیں کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکاریں جو نہ ہمیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان؟ اور جبکہ اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا چکا ہے۔ تو کیا اب ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ کیا ہم اپنا حال اس شخص کا سا کر لیں جسے شیطانوں نے صحرا میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران و سرگرداں پھر رہا ہو درآں حالانکہ اس کے ساتھی اسے پکار رہے ہوں کہ ادھر آ یہ سیدھی راہ موجود ہے؟ آپ ان سے کہہ دیں کہ حقیقت میں صحیح رہنمائی تو صرف اللہ کی راہنمائی ہے۔ اور اس کی طرف سے ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ مالک کائنات کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ نماز قائم کریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔ آخر کار اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ وہی ذات واحد ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا اور جس دن وہ کہے گا کہ حشر ہو جا اسی دم ہو جائیگا اس کا ارشاد عین حق ہے۔ جس روز صور پھونکا جائے گا۔ اس روز بادشاہی اسی کی ہوگی۔ وہ غیب اور ظاہر کا علم رکھنے والا ہے اور دانا اور باخبر ہے۔

آیت ۷۴ تا ۸۳ حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ آذر سے کہا تھا: کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔ ہم نے حضرت ابراہیمؑ

Marfat.com

کو اسی طرح آسمانوں اور زمین کی حکومت دکھا دی تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ حضرت ابراہیمؑ بھی اپنی قوم کے سامنے اثبات توحید اور ابطال شرک پر دلائل و براہین پیش کرتے ہیں۔ اس طرح کہ جب رات چھا گئی تو انہوں نے ایک تارا دیکھا۔ بولے یہی میرا پروردگار ہے۔ مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولے میں ڈوب جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا (یعنی میرا معبود نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو فانی ہے) پھر جب چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بولے یہی میرا پروردگار ہے۔ لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے کہ اگر میرا پروردگار میری رہنمائی نہ کرتا تو میں بھی گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔ پھر جب سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بولے یہی میرا پروردگار ہے۔ یہی سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے اے لوگو! میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اور میں ہرگز شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی تو انہوں نے قوم سے کہا کیا تم لوگ اللہ کے معاملے میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے راہ راست دکھا دی ہے۔ اور میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا، ہاں اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ اور میں اس سے کیوں ڈرنے لگوں جس کو تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے۔ جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو خدائی میں شریک بناتے وقت نہیں ڈرتے اور اس بارے میں تم پر کوئی دلیل بھی نہیں اتاری ہے؟ ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ امن و اطمینان کا مستحق ہے؟ بتاؤ۔ اگر تم علم رکھتے ہو۔ حقیقت میں تو امن انہی کے لیے ہے اور راہِ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے مخلوط نہیں کیا۔ یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو ان کی

Marfat.com

قوم کے مقابلے پر دی تھی۔ ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں حق یہ ہے کہ آپ کا رب نہایت دانا اور علیم ہے۔

آیت ۸۴ تا ۹۰۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کا ذکر ہے کہ ہم نے حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کو بھی راہ راست دکھائی وہی راہ راست جو ہم نے اس سے پہلے حضرت نوحؑ کو دکھائی تھی۔ ہم نے حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ کو ہدایت بخشی۔ ہم نیکو کاروں کو ان کی نیکی کا بدلہ دیتے ہیں۔ پھر اس کی اولاد سے حضرت زکریاؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت الیاسؑ کو ہدایت دی۔ یہ سب صالحین میں سے تھے۔ اسی کے خاندان سے حضرت اسماعیلؑ، حضرت الیسعؑ، حضرت یونسؑ، حضرت لوطؑ کو سیدھا راستہ دکھایا۔ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام دنیا والوں پر فضیلت عطا کی۔ نیز ان کے آباء و اجداد، ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعضوں کو ہم نے اپنی خدمت (رسالت) کے لیے چن لیا اور سیدھے راستے کی طرف ان کی راہنمائی کی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے راہنمائی کرتا ہے۔ لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان سب کے اعمال اکارت جاتے۔ یہ تو وہ لوگ تھے جنہیں ہم نے کتاب، حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔ اب اگر یہ لوگ اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ تو پرواہ نہیں ہم نے کچھ اور لوگوں کو یہ نعمت (قبول اسلام) سونپ دی ہے۔ جو اس سے منکر نہیں ہیں (اہل ایمان) اے نبیؐ! وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے۔ انہی کے راستہ پر چلیے۔ آپ کہہ دیں میں تم سے اس (تبلیغ رسالت) کے بدلے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ وہ یعنی قرآن تو بس ایک نصیحت ہے دنیا جہان والوں کے لیے اس پر عمل کرکے ہی تم دنیا و آخرت میں فلاح پا سکتے ہو۔

آیت ۹۱۔ یہود کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اللہ نے کسی

Marfat.com

بشر پر کچھ نازل نہیں کیا ہے یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر قرآن نازل نہیں ہوتا۔ اگر وہ اپنے اس قول میں سچے ہیں تو اے نبی! آپ ان سے پوچھیں کہ پھر وہ کتاب (تورات) جسے حضرت موسیٰ لے کر آئے تھے کو آخر کون نازل کرنے والا تھا؟ وہ تورات جو تمام انسانوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی اور جسے تم نے مختلف اوراق کر رکھا ہے کچھ دکھاتے ہو اور بہت کچھ چھپا جاتے ہو، اور جس کے ذریعے تم کو وہ علم دیا گیا جو تم اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے۔ بس آپ ان کو بتا دیں کہ اس کا بھی نازل کرنے والا اللہ ہی تھا۔ پھر ان کو ان کے مشغلوں میں ہی چھوڑ دیں۔

آیت ۹۲ تا ۹۴۔ قرآن مجید کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ کتاب الٰہی بھی تورات ہی کی طرح ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ بڑی خیر و برکت والی ہے۔ اس چیز کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے آئی تھی۔ اور اس کے نزول کا مقصد ہی یہی ہے کہ اس کے ذریعے آپ بستیوں کے اس مرکز (مکہ) اور اس کے اطراف و جوانب میں رہنے والوں کو ڈرائیں۔ بے شک جو لوگ آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان گھڑے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ درآنحالیکہ اس پر کوئی وحی نازل نہیں کی جاتی، یا اللہ کی نازل کردہ چیز کے مقابلے میں کہے میں بھی ایسی وحی نازل کر سکتا ہوں؟ کاش آپ ظالموں کو اس حالت میں دیکھ سکیں جب کہ وہ موت کی سختیوں میں ڈبکیاں کھا رہے ہوں اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ اپنی جانیں جلد نکالو۔ آج تمہیں ان باتوں کی پاداش میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ جو تم اللہ پر تہمت لگا کر ناحق بکا کرتے تھے۔ اور اس کی نشانیوں کے مقابلے میں تکبر کیا کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب تو تم ہمارے سامنے ویسے ہی تن تنہا حاضر ہو گئے۔ جیسا ہم نے تمہیں اول بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ مال و متاع اولاد وغیرہ میں سے ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا۔

Marfat.com

وہ سب تم پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور اب تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ کیا کرتے تھے کہ تمہارے کام بنانے میں ان کا بھی کچھ حصہ ہے۔ اب تو تمہارے آپس کے سب تعلقات ٹوٹ گئے اور سب تم سے گم ہو گئے جن کا گمان کیا کرتے تھے۔

آیت ۹۵ تا ۱۰۲۔ ان آیات میں قدرت کاملہ کے بعض مظاہر کی طرف توجہ دلا کر توحید کا سبق دیا ہے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا اللہ ہے۔ وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے خارج کرتا ہے۔ یہ سارے کام کرنے والا تو اللہ ہے، پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو؟ وہ صبح کا برآمد کرنے والا ہے، اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے۔ یہ سب اسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھہرائے ہوئے انداز ہیں۔ اور وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعے سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ پاؤ۔ ہم نے نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ اور وہ وہی ذات ہے جس نے ایک ہی شخص سے تم کو پیدا کیا پھر ایک کے لیے ایک جائے قرار ہے اور ایک اس کے سونپے جانے کی جگہ۔ یہ نشانیاں ہم نے واضح کر دی ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگائی۔ پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے۔ پھر ان سے تہ بہ تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور پھر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں۔ یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور پھر ان کے پکنے کی کیفیت کو ذرا غور کی نظر سے دیکھو، ان چیزوں میں نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو ایمان کی طلب رکھتے ہیں۔ ان سب

Marfat.com

مظاہر کو دیکھنے کے باوجود بھی کچھ لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا حالانکہ اسی ذاتِ واحد نے ان کو بھی پیدا کیا اور لوگوں نے بے جانے بوجھے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تراش رکھی ہیں۔ حالانکہ وہ پاک اور بالاتر ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اس کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں ہے۔ اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اے مخاطبین! یہ ہے اللہ تمہارا رب! کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے۔ ہر چیز کا خالق، لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کفیل ہے۔ اسے نگاہیں نہیں پا سکتیں وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے، وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔

آیت ۱۰۴ تا ۱۰۷۔ مظاہر قدرت کو بیان کرنے کے بعد فرمایا اے نبیؐ! ان کو کہہ دو کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلائل پہنچ چکے ہیں۔ اب جو کوئی بصارت سے کام لیگا اپنا ہی بھلا کریگا اور جو اندھا بنے گا۔ خود نقصان اٹھائیگا۔ اور میں (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر کوئی نگران نہیں ہوں۔ میرا کام تو احکامِ خداوندی تم تک پہنچا دینا تھے۔ اب ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم دلائل کو خوب مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ جس سے یہ کافر یوں کہیں گے کہ آپؐ نے کسی سے پڑھ لیا ہے۔ اور جو لوگ علم رکھتے ہیں ان کے لیے اس قرآن کو خوب کھول دیں۔ اے نبیؐ! آپؐ اس وحی کی پیروی کیے جائیں۔ جو آپؐ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے کیونکہ اس ایک رب کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے اور ان مشرکین کی جانب سے بے التفات رہیئے۔ اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی تو وہ خود ایسا بندوبست کر سکتا تھا کہ یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپؐ کو ان پر کوئی نگران مقرر نہیں کیا ہے اور نہ آپؐ ان پر مختار ہیں۔

آیت ۱۰۸۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ بے شک شرک حد درجہ خبیث عقیدہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز

Marfat.com

نہیں ہے کہ تم معبودانِ باطلہ کو سب و شتم سے یاد کرنے لگو اور مشرکین اس کے جواب میں شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بناء پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔ اسی طرح مذہبی منافرت سے بچایا ہے۔ لوگ عموماً اس اصول کو نظرانداز کر کے محض مذہب کی خاطر ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ حالانکہ مذہب تو صلح، امن، آشتی اور باہم حسنِ سلوک کا علمبردار ہوتا ہے۔ پھر فرمان ہے کہ ہم نے اسی طرح ہر گروہ کے لیے اس کے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے۔ پھر انہیں اپنے رب ہی کی طرف پلٹ کر آنا ہے۔ اس وقت وہ انہیں بتلائے گا۔ کہ وہ کیا کرتے تھے۔

آیت ۱۰۹ تا ۱۱۷۔ منکرین اور مشرکین کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگ کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس کوئی (نشانی) معجزہ آجائے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اے نبیؐ! آپ کہہ دیں کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور اے نبیؐ اور مسلمانو! تمہیں کیسے سمجھایا جائے کہ اگر نشانیاں آ بھی جائیں تو بھی یہ ایمان لانے والے نہیں، ہم بھی ان کے دلوں اور نظروں کو پھیر رہے ہیں۔ جس طرح یہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ہم فرشتے بھی نازل کر دیتے اور مُردے ان سے باتیں کرتے اور دنیا بھر کی چیزوں کو ان کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے، سوائے اس کے کہ اللہ ہی چاہے کہ وہ ایمان لائیں مگر اکثر لوگ جہالت سے ہی کام لیتے ہیں۔ ہم نے تو اسی طرح ہمیشہ شیطان نما انسانوں اور شیطان نما جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے۔ جو ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں۔ اگر پروردگار کی مشیت یہ ہوتی کہ وہ ایسا نہ کریں تو وہ کبھی نہ کرتے پس آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ یہ سب کچھ (افترا پردازیاں) ہم انہیں اسی لیے کرنے دے رہے ہیں تاکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کے دل اس خوشنما دھوکے کی طرف مائل ہو جائیں اور وہ اس کو پسند کرنے لگیں۔ اور ان برائیوں کے مرتکب ہو جائیں جو وہ کرنا چاہتے

Marfat.com

ہیں۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ قول ادا کیا جا رہا ہے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو بطور حاکم تلاش کروں۔ حالانکہ اس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب (قرآن) نازل کر دی ہے؟۔ اور جن لوگوں کو ہم نے آپ سے پہلے کتاب دی تھی وہ جانتے تھے کہ یہ کتاب آپ کے رب ہی کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جاؤ۔ آپ کے پروردگار کا یہ کلام صدق و عدل کے لحاظ سے کامل ہے۔ کوئی اس کے کلام کو نہیں بدل سکتا۔ اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ اے نبی! اگر آپ ان مشرکین کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔ کیونکہ وہ خود تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ اور آپ کا پروردگار زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور کون سیدھی راہ پر ہے۔

آیت ۱۱۸ تا ۱۲۱۔ عقائد اور خیالات کا تعلق انسان کی غذا کے ساتھ بھی بہت گہرا ہے۔ اس لیے ان غذاؤں سے بھی پرہیز کرنے کی تلقین کی ہے۔ جن کا تعلق شرک کے ساتھ ہے۔ چنانچہ ان آیات میں اسی کا ذکر ہے کہ اے مومنو! اگر تم اللہ کی آیات پر واقعی ایمان رکھتے ہو تو جس جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اس کا گوشت کھاؤ۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تم وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور اللہ نے تمہیں ان چیزوں کی تفصیل بھی بتائی ہے۔ جنہیں تم پر حرام کر دیا ہے۔ لوگوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ وہ علم کے بغیر محض اپنی خواہشات کی بناء پر گمراہ کن باتیں کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان حد سے گزرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ کھلے اور چھپے گناہوں سے اجتناب کرو۔ جو لوگ گناہ کمارہے ہیں۔ وہ اپنی اس کمائی کا بدلہ عنقریب پالیں گے اور جس جانور کو اللہ کا نام لیکر ذبح نہ کیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ۔ یاد رکھو کہ شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں شکوک و اعتراضات القاء کرتے ہیں۔ تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔

Marfat.com

اور اگر تم بھی ان کا (مشرکین کا) کہا ماننے لگو تو اس کے معنے یہ ہیں کہ تم خود بھی مشرک ہو۔

آیت ۱۲۲ تا ۱۲۷ - ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ مومن جسے کفر سے نجات مل گئی ہو اور کافر جو کفر کے دبیز اندھیروں میں پڑا ہے ۔کہیں دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کفار کے لیے تو اسی طرح ان کے اعمال خوشنما بنا دیئے گئے ہیں اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کو مرتکب بنا دیا تاکہ وہ اپنے مکر و فریب کا جال پھیلائیں ۔حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے فریب کے جال میں آپ پھنستے ہیں ۔مگر انہیں اس کا شعور نہیں ہے ۔ان منکرین کا تو یہ حال ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی آیت (معجزہ) آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے ۔جب تک کہ وہ چیز ہم کو بھی نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے ۔لیکن ان کم عقلوں کو اتنا علم نہیں کہ اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی رسالت کا اہل ہے ۔قریب ہے وہ وقت جب یہ مجرم اپنی مکاریوں کے پاداش میں اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب سے دوچار ہوں گے ۔پس یہ حقیقت ہے کہ جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے اور ایسا کہ جیسے کہ اسلام کا تصور کرتے ہی اسے یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے ۔اسی طرح اللہ ناپاکی ان لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے ۔حالانکہ تیرے پروردگار کا یہی سیدھا راستہ ہے اور اس کے نشانات ان لوگوں کے لیے واضح کر دیئے گئے ہیں جو نصیحت قبول کرتے ہیں ۔اس کے بدلے میں ان کے واسطے ان کے پروردگار کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کا سرپرست ہے ۔اس صحیح طرز عمل کی وجہ سے جو انہوں نے اختیار کیا۔

آیت ۱۲۸ تا ۱۳۱ قیامت کا ذکر ہے کہ اس دن وہ سب لوگوں کو جمع کرے گا اور جنوں سے (شیاطین) مخاطب کر کے فرمائے گا کہ اے گروہ جن!

Marfat.com

تم نے تو نوع انسانی کو گمراہ کرنے میں بڑا حصہ لیا تھا۔ یہ سن کر انسانوں میں سے جو ان کے رفیق بنتے رہے (عرض) کریں گے کہ "اے پروردگار! واقعی ہم نے ایک دوسرے سے خوب فائدہ حاصل کیا تھا اور اب ہم اس وقت پر آ پہنچے ہیں جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا۔" اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا "اچھا اب دوزخ تمہارا ٹھکانا ہے۔ اس میں تم ہمیشہ رہو گے۔" اس سے صرف وہی بچیں گے جنہیں اللہ بچانا چاہے گا۔ بے شک تمہارا رب دانا اور علیم ہے۔ اسی طرح (آخرت میں) ہم ظالموں کو ایک دوسرے کے قریب رکھیں گے اس کمائی کی وجہ سے جو وہ دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کیا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے یہ بھی پوچھے گا کہ "اے گروہ جن و انس! کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو میرے احکام سناتے تھے اور اس دن (آخرت) کے انجام سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے "ہاں! ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں۔" آج دنیا کی زندگی نے ان لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ مگر اسی وقت وہ خود اپنے ہی خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔ یہ شہادت ان سے اس لیے لی جائے گی تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ تمہارا رب بستیوں کو ظلم کے ساتھ تباہ کرنے والا نہ تھا۔ جب کہ ان کے باشندے حقیقت سے ناواقف ہوں یعنی اس نے رسول صرف اسی وجہ بھیجے تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔

آیت ۱۳۲ تا ۱۳۵۔ ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ پروردگار عالم ہر شخص کے عمل سے اچھی طرح واقف ہے۔ اور ہر شخص کا درجہ اس کے عمل کے لحاظ سے ہے اور پروردگار سب سے بے نیاز ہے اور مہربانی اس کا شیوہ ہے۔ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو مٹا لے اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے جس طرح اس نے تمہیں کچھ اور لوگوں کی نسل سے پیدا کیا ہے۔ تم سے جس چیز (قیامت) کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً آئے گی اور تم اللہ کو عاجز

Marfat.com

کر دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اے نبیؐ! آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو اور میں بھی اپنے طور پر عمل کر رہا ہوں۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ انجام کار کس کے حق میں بہتر ہے۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

آیت ۱۳۶ تا ۱۴۰۔ مشرکانہ رسوم جب کسی قوم کی روزمرہ زندگی کا حصہ بن جاتی اور خون میں رچ بس جاتی ہیں۔ تو انہیں دور کرنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے اثبات توحید اور ابطال شرک پر دلائل و براہین پیش کرنے کے بعد آخر میں ان مشرکانہ رسوم سے بحث کی ہے۔ اور ان کا بڑے زور سے ابطال کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی بنائی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہے اور بزعم خود شارع بن کر کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے لیے ہے اور یہ ان کے لیے جنہیں ہم نے اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے۔ پھر جو حصہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا مگر جو کچھ اللہ کے لیے مقرر کیا ہوتا ہے وہ ان کے ٹھہرائے ہوئے معبودان باطلہ کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ لوگ کیسے بُرے فیصلے کرتے ہیں اور دراصل اسی طرح بہت سے مشرک ہیں کہ ان کی نظر میں ان معبودان باطلہ نے قتل اولاد جیسا وحشیانہ فعل بھی خوشنما کر دکھایا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ (اخلاقی) قومی اور اجتماعی ہلاکت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور بعض جانوروں اور کھیتیوں کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ انہیں صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں۔ جنہیں ہم کھلانا چاہیں حالانکہ ان کی یہ پابندی خودساختہ ہے پھر کچھ جانور ہیں جن پر سواری اور باربرداری حرام کر دی گئی ہے اور کچھ جانور ہیں کہ ذبح کرتے وقت ان پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا۔ یہ سب کچھ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے۔ عنقریب اللہ انہیں ان کی ان افترا پردازیوں کا بدلہ دے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ ان چوپایوں کے پیٹ میں سے جو زندہ بچہ پیدا ہو وہ مردوں کے لیے تو حلال

Marfat.com

ہے لیکن عورتوں کے لیے حرام۔ اور اگر مُردہ ہو تو پھر اس کے کھانے میں مرد و عورت سب شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ باتیں جو انھوں نے گھڑ لی ہیں۔ ان کا بدلہ اللہ انہیں دے کر رہے گا۔ یقیناً وہ لوگ خسارے میں ہیں۔ جنھوں نے اپنی اولاد کو جہالت و نادانی کی بناء پر قتل کیا اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اللہ پر افترا کر کے حرام ٹھہرا لیا۔ یقیناً وہ بھٹک گئے اور ہرگز راہ راست پانے والوں میں سے نہ تھے۔

آیت ۱۴۱ تا ۱۴۲۔ ان آیات میں ارشاد ہو رہا ہے کہ سارے نباتات، اشجار و اثمار کا پیدا کرنے والا وہی ایک خالق بے ہمتا ہے نہ کہ زراعت کا کوئی دیوتا یا بارش کی کوئی دیوی وغیرہ۔ وہ وہی اللہ ہے جس نے وہ باغات بھی پیدا کیے جو ٹٹیوں پہ چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے ہیں اور نخلستان پیدا کیے۔ کھیتیاں اُگائیں۔ جن سے قسم قسم کے ماکولات حاصل ہوتے ہیں۔ زیتون اور انار کے درخت پیدا کیے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں۔ سو ان کی پیداوار کھاؤ جب کہ یہ پھلیں اور اللہ کا حق ادا کرو جب ان کی فصل کاٹو۔ اور حد سے نہ گزرو۔ بیشک اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر وہی ہے جس نے مویشیوں میں سے بڑے قد کے (اونٹ وغیرہ) اور چھوٹے قد کے (بھیڑ بکری) پیدا کیے۔ سو ان چیزوں میں سے کھاؤ جو اللہ نے تمھیں بخشی ہیں اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

آیت ۱۴۳ تا ۱۴۵۔ ان آیات میں بعثت اسلام سے قبل عربوں کے بعض توہمات کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح ایک ہی جانور کا نر حلال اور مادہ حرام یا مادہ حلال اور نر حرام کر لیے گئے ہیں یا جانور خود حلال ہے مگر اس کا بچہ حرام۔ غرض ایسی لغویات کا ابطال کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ سب فضول رسمیں ہیں۔ اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا؟ جو اللہ کی طرف جھوٹی

Marfat.com

بات منسوب کرے اور علم کے بغیر لوگوں کی غلط راہ نمائی کرے۔ یقیناً اللہ ایسے ظالموں
کو راہِ راست نہیں دکھاتا۔ اے نبی! آپ ان سے کہہ دیں کہ مجھ پر جو وحی آئی
ہے۔ اس میں تو میں کھانے والے کے لیے اور کچھ حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ
وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کیونکہ وہ (سور کا گوشت)
بالکل گندہ ہے۔ یا فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر جو
شخص مجبوری کی حالت میں کوئی چیز ان میں سے کھالے اور اس کا نافرمانی کا ارادہ
نہ ہو اور حدِ ضرورت سے تجاوز نہ کرے تو یقیناً آپ کا رب درگزر سے کام لینے
والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

آیت ۱۴۶۔ یہود کا ذکر ہے کہ ہم نے ان کی سرکشی کی وجہ سے سزا کے
طور پر ان پر سب ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری کی
چربی بھی بجز اس کے جو اس کی پیٹھ یا آنتوں سے لگی ہوئی ہو یا ہڈی سے لگی
رہ جائے۔ اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں۔ بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔

آیت ۱۴۷ تا ۱۵۰۔ اگر آپ کو مخالفین و معاندین جھٹلائیں تو ان سے کہہ دیں تمہارے
پروردگار کا دامنِ رحمت وسیع ہے اور مجرموں سے عذاب ٹل نہیں سکتا۔ یہ مشرک لوگ
آپ کی ان باتوں کے جواب میں ضرور کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا
نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ایسی ہی باتیں بنا بنا کر ان سے پہلے لوگوں نے بھی حق کو جھٹلایا
تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ آپ ان سے کہہ
دیں کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو؟ تم
تو محض گمان پر چل رہے ہو اور محض اٹکل پچو سے کام لیتے ہو۔ پھر آپ ہی
ان کو کہہ دیں کہ تمہاری اس حجت کے مقابلے میں حقیقت رس حجت تو اللہ
کے پاس ہے بے شک اگر اللہ چاہتا تو سب کو ضرور ہدایت دے دیتا۔ آپ
ان مشرکین سے کہیں کہ "لاؤ اپنے وہ گواہ جو اس بات کی شہادت دیں کہ
اللہ ہی نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے" پھر اگر وہ (جھوٹی) شہادت دے دیں

Marfat.com

تو آپ ان کے ساتھ شہادت نہ دیں اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے ہرگز نہ چلیں، جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے اور جو آخرت کے منکر ہیں اور جو دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔

آیت ۱۵۱ تا ۱۵۳ - ان پابندیوں کا ذکر ہے۔ جو اللہ نے انسانی زندگی کو منضبط کرنے کے لیے عائد کی ہیں۔ چنانچہ فرمان ہے کہ اے نبی! ان کو بتا دو کہ پابندیاں وہ نہیں ہیں، جن میں تم گرفتار ہو بلکہ اصل پابندیاں یہ ہیں کہ (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے (۲) والدین کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ (۳) اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کیا جائے، کیونکہ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔ (۴) بے حیائیوں کے پاس بھی نہ جایا جائے۔ خواہ وہ علانیہ ہوں۔ خواہ پوشیدہ (۵) کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے قتل نہ کیا جائے مگر حق کے ساتھ۔ ان سب کا اللہ نے تمہیں حکم دے رکھا ہے شاید کہ تم عقل سے کام لو اور یہ کہ (۶) یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ یعنی اس کی جائیداد میں کسی قسم کا تصرف روا نہ رکھو۔ مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو یہاں تک کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائے اور اس کے مال کو اس کے سپرد کر دو (۷) ناپ تول میں پورا انصاف کرو۔ ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا بوجھ اتنا ہی ڈالتے ہیں جتنا اس کے امکان میں ہے۔ (۸) جب بات کہو تو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ داری کا کیوں نہ ہو (۹) اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کا اللہ نے حکم دیا ہے، شاید کہ تم نصیحت قبول کرو (۱۰) نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کیونکہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گے۔ ان سب کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

آیت ۱۵۴ تا ۱۶۵ - اثبات توحید اور ابطال شرک کا مضمون مفصل شرح کے بیان کرنے کے بعد رسالت و نبوت کا مضمون شروع ہوتا ہے، چنانچہ فرمان ہے کہ

Marfat.com

ہم نے موسیٰؑ کو کتاب (تورات) عطا کی تھی جو بھلائی کی روش اختیار کرنے والے انسان پر نعمت کی تکمیل اور ہر ضروری چیز کی تفصیل اور سراسر ہدایت و رحمت تھی اور اس لیے بنی اسرائیل کو دی گئی تھی کہ شاید لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں۔ اور اسی طرح یہ کتاب (قرآن مجید) ہم نے نازل کی ہے۔ ایک خیر و برکت والی کتاب ہے پس اب اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو، بعید نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اس کے نزول کے بعد تم یہ نہیں کہہ سکتے کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) کو دی گئی تھی اور ہم (مشرکین) کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کیا پڑھتے پڑھاتے تھے اب تم یہ بہانہ بھی نہیں کر سکتے کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی گئی ہوتی تو ہم ان (یہود و نصاریٰ) سے زیادہ راست رو ثابت ہوتے۔ سو اب تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل اور ہدایت و رحمت آ گئی ہے۔ اب اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا۔ جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور ان سے منہ موڑے یاد رکھو کہ جو لوگ ہماری آیات سے منہ موڑتے ہیں انہیں اس روگردانی کے باعث ہم بدترین سزا دے کر رہیں گے۔ کیا یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے سامنے فرشتے آ کھڑے ہوں یا پروردگار خود آ جائے یا اللہ کی طرف سے بعض صریح نشانیاں نمودار ہوں۔ یاد رکھو کہ جس روز اللہ کی بعض مخصوص نشانیاں نمودار ہو جائیں۔ پھر کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان کے ذریعے کوئی بھلائی یا نیکی نہ کی ہو۔ اے نبیؐ! آپؐ ان سے کہہ دیں کہ اچھا تم انتظار کرو۔ اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں کہ ہم میں سے کون راہ راست پر ہے۔ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔ یقیناً آپؐ ان کی کچھ بھی ذمہ داری نہیں ہے ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے۔ وہی ان کو بتلائے گا کہ انہوں نے دنیوی زندگی میں کیا کچھ کیا ہے۔ جو کوئی نیکی لے کر آئے گا۔ اس کو اس کے مثل دس نیکیاں ملیں گی اور جو بدی لے کر آئے گا۔ اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا۔ جتنا اس نے قصور کیا ہے

Marfat.com

اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

آیت نمبر ۱۶۱ تا ۱۶۵۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپؐ ان مشرکین سے کہہ دیں کہ میرے رب نے مجھے ایک سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، وہی طریقہ جو ابراہیمؑ کا تھا اور انہوں نے اسے یکسو ہو کر اختیار کیا تھا۔ اور وہ (حضرت ابراہیمؑ) مشرکوں میں سے نہ تھے۔ آپؐ کہہ دیں کہ میری نماز میری ساری عبادتیں، میری زندگی، میری موت سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی کا مجھے حکم ملا ہے اور میں اس دعوت پر ہی سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔ کہہ دیں کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں، حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے۔ ہر شخص جو کچھ کماتا ہے (اعمال وغیرہ) اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ یعنی ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ ایک کے عمل کی ذمہ داری دوسرے پر نہیں ہے۔ پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف واپس جانا ہے۔ اس وقت وہ تمہارے اختلافات کی حقیقت تم پر کھول دے گا۔ اور وہ وہی ذات واحد ہے۔ جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا۔ اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجے دیئے۔ تاکہ تمہیں ان چیزوں میں آزمائے جو تمہیں دے رکھی ہیں اور یاد رکھو کہ تمہارا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے۔ اور بہت درگذر کرنے اور رحم فرمانے والا بھی ہے۔

Marfat.com

سورۃ الانعام کی اہم آیات کی تفسیر و تشریح

توحید کا سبق: آیت ۱ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝

ترجمہ ۔ ہر تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا ۔ پھر بھی کافر لوگ اپنے رب کے برابر (دوسروں کو) ٹھہرا رہے ہیں ۔

مشکل الفاظ کے معانی: خَلَقَ ۔ پیدا کیا یعنی ایجاد و ابداع کیا ۔ نیست سے ہست کیا ۔ ظُلُمٰت ۔ ظُلْمَةٌ کی جمع ہے ۔ تاریکیاں ۔ اندھیرے ۔ روشنی کے مقابلے میں تاریکیوں کو بصیغہ جمع بیان کیا گیا ہے ۔ کیونکہ تاریکی نام ہے ۔ عدم نور کا اور عدم نور کے بے شمار مدارج ہیں اس لیے نور واحد ہے اور تاریکیاں بہت ہیں ۔ مزید اشارہ اس طرف بھی ہے کہ گمراہیاں ایک نہیں بہت سی ہو سکتی ہیں اور راہ حق صرف ایک ہی ہے ۔ دو نوں نقطوں کے درمیان خطوط منحنی بے شمار ہو سکتے ہیں ۔ لیکن خطِ مستقیم ایک ہی ممکن ہے ۔ يَعْدِلُوْنَ ۔ برابر قرار دینا ۔ مساوی قرار دینا ۔

تفسیر و تشریح: سورۃ مائدۃ کا اختتام عقیدہ تثلیث کے ابطال سے ہوا تھا ۔ اس سورت کا آغاز شرک فی الذات کے عقیدہ ثنویت سے کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ خیال غلط ہے کہ خدا دو ہیں ۔ ایک خالق شر و ظلمت کا اور دوسرا خالق خیر و انوار کا ۔ یہ آتش پرستوں کا عقیدہ تھا ۔ گو سورتوں کی ترتیب نزول قرآن کے مطابق نہیں ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ

نے ان صورتوں کو اللہ کے حکم سے ان کی طبعی صورتوں کے مطابق ترتیب دیا تھا۔ اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا لیکن ان مظاہر قدرت کو دیکھنے کے باوجود بھی کافر لوگ دوسروں کو اپنے رب کے برابر درجہ دے رہے ہیں۔ مثلاً عیسائی مسیحؑ کو، روح القدس کو، مریم صدیقہؑ کو یہود حضرت عزیرؑ کو مشرک قومیں اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں کو اور بہت سی مشرک قومیں آسمان اور زمین کو دیوی، دیوتا تسلیم کر رکھا ہے۔ جیسا کہ اس سورت کے آغاز میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ سورت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور اس کے مخاطب وہ مشرکین عرب ہیں۔ جو اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ ہے، وہی دن نکالتا اور رات لاتا ہے اور اسی نے آفتاب و ماہتاب کو وجود بخشا ہے۔ ان میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ یہ کام لات یا ہبل یا عزیٰ یا کسی اور دیوی دیوتا کے ہیں۔ اس لیے ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ نادانو! جب تم خود یہ مانتے ہو کہ زمین و آسمان کا خالق اور گردش لیل و نہار کا فاعل اللہ ہے۔ تو یہ دوسرے کون ہوتے ہیں کہ ان کے سامنے سجدے کرتے ہو، نذریں اور نیازیں چڑھاتے ہو۔ دعائیں مانگتے ہو اور اپنی حاجتیں پیش کرتے ہو۔

یہ سورت عقیدہ توحید کی طرف دعوت اور عقیدہ شرک کے ابطال سے ہی شروع کی گئی ہے اور مخاطبین کو ہدایت کی ہے کہ اللہ پر ایمان لے آؤ۔ جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اسی میں ہی دنیوی و اخروی فلاح و کامیابی مضمر ہے۔

مشرکین کا رسول کے بشر ہونے پر اعتراض آیت ۷ تا ۱۰

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ

Marfat.com

لَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ
اُنْزِلَ عَلَیْہِ مَلَکٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ
لَا یُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰہُ مَلَکًا لَّجَعَلْنٰہُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْھِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ۝
وَلَقَدِ اسْتُھْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا
مِنْھُمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ۝

مشکل الفاظ کے معانی:- مَلَکٌ ۔ فرشتہ ۔ لَقُضِیَ الْاَمْرُ ۔ فیصلہ ہو چکا ہوتا ۔ مراد عذاب الٰہی کا واقع ہوتا ہے ۔
لَا یُنْظَرُوْنَ ۔ ان کو مہلت نہ دی جاتی ۔ حَاقَ ۔ گھیر لیا ۔

ترجمہ:- اے پیغمبر! اگر ہم آپ پر کوئی نوشتہ کاغذ پر لکھا لکھایا بھی نازل کر دیتے پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے ۔ تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے اور یہ کہتے کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا ۔ حالانکہ اگر ہم کوئی فرشتہ اتار دیتے تو قصہ ہی ختم ہو جاتا اور ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی ۔ اور اگر ہم فرشتے کو اتارتے تب بھی اسے انسانی شکل ہی میں اتارتے ۔ اور اس طرح انہیں اسی شبہ میں مبتلا کر دیتے جس میں اب یہ مبتلا ہیں ۔ اے محمدؐ! آپؐ سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر کیا گیا ہے ۔ پھر ان لوگوں کو جو پیغمبروں کی ہنسی اڑاتے تھے ۔ اسی عذاب نے آگھیرا جس پر وہ تمسخر کیا کرتے تھے ۔

تفسیر و تشریح:- مشرکین کے شدت ضد و عناد کا بیان ہو رہا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان آیات میں فرماتے ہیں کہ ان مشرکین کو تو قرآن مجید اور اسلام سے اس قدر ضد و عداوت ہے کہ اگر ہم اسے (قرآن) لکھا لکھایا آسمان سے ایک کتاب کی شکل میں بھی اتار دیتے اور یہ لوگ اپنی آنکھوں سے اسے اترتا ہوا دیکھ لیتے ۔ بلکہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر ٹٹول کر بھی پورا اطمینان کر لیتے ۔ جب بھی یہ اس کی تصدیق نہ کرتے اور اس پر

Marfat.com

ایمان نہ لاتے بلکہ یہی کہنے لگتے کہ یہ تو نظر بندی وغیرہ سے ہم کو فریب میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ہم اس پر ایمان نہیں لاتے۔

مُشرکین یہ بھی کہا کرتے تھے کہ جب یہ شخص (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے تو آسمان سے ایک فرشتہ اُترنا چاہیئے تھا جو لوگوں سے کہتا کہ یہ خدا کا پیغمبر ہے۔ اس کی بات مانو ورنہ تمہیں سزا دی جائے گی۔ جاہل مُشرکین کو اس بات پر بڑا تعجب تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو پیغمبر مقرر کرے اور پھر اسی طرح اسے بے یار و مددگار پتھر کھانے، گالیاں سُننے کے لیے چھوڑ دے۔ اتنے بڑے بادشاہ کا سفیر اگر کسی بڑے محافظ دستے کے ساتھ نہ آیا تھا۔ تو کم از کم ایک فرشتہ تو اس کی حفاظت کے لیے ضرور ہونا چاہیئے تھا جو لوگوں کو اس امر کا بھی یقین دلاتا کہ یہ واقعی اللہ کا رسول ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم فرشتے کو بھیج دیتے۔ پھر تو معاملہ ہی ختم ہو جاتا کیونکہ فرشتہ کا نزول دنیا میں اس طرح کہ وہ کافروں تک کو آنکھ سے نظر آ جائے تو یہ دستورِ الٰہی میں عین وقوعِ عذاب کا وقت ہوتا ہے اس کے بعد پھر مہلت کا امکان ہی کہاں ہے؟

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ہم رسول کے ساتھ کسی فرشتے کو بھی نازل کرتے تو وہ بھی انسان ہی کی شکل و صورت میں ان کے سامنے آتا تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کے احکام بتاتا اور لوگ اس سے انتفاع کر سکتے۔ اور جب یوں ہوتا تو پھر بھی بات ان پر مشتبہ ہو جاتی۔ جیسے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مامور من اللہ ہونے میں پیش آ رہی ہے۔ ملک بشری کے بارے میں بھی یہی شک انہیں دامنگیر ہوتا۔ کیونکہ وہ بھی آخر بشر ہی کی شکل و صورت رکھتا۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آسمان سے تو ہم فرشتہ اس وقت اُتارتے جب کہ زمین پر بھی فرشتے ہی چلتے پھرتے ہوتے اور جب ایسا نہیں تو پھر آسمان سے فرشتہ کیوں اُتارا جائے؟

یہ تو خدا کی رحمت ہے کہ جب مخلوق کی طرف وہ کوئی رسول بھیجتا ہے تو انہیں میں

Marfat.com

سے بھیجتا ہے تا کہ ایک دوسرے سے بات کر سکیں اور اس رسول سے ان لوگوں کے لیے انتفاع ممکن ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومنین پر خدا کا یہ احسان ہے کہ ان کا رسول انہیں میں سے ایک آدمی ہے جو ان پر خدا کی آیتیں پیش کرتا ہے اور ان کو پاک بناتا ہے۔

آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھارس بندھائی جارہی ہے کہ آپ سے پہلے بھی انبیاء کے ساتھ اس قسم کا مذاق کیا گیا اور اس مذاق و استہزا کی بناء پر وہ قومیں ہلاک ہو گئیں۔ اگر مشرکین آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو گھبرایئے نہیں۔ بلکہ مستقل مزاجی سے فریضۂ رسالت انجام دیتے رہیئے۔ سابقہ انبیاء کے ساتھ استہزاء اور اس کی سزا کا ذکر توراۃ میں بھی جا بجا ہے۔ مثلاً "لیکن انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اڑایا اور ان کی باتوں کو ناچیز جانا اور اس کے نبیوں سے بدسلوکی کی، یہاں تک کہ خدا کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا۔" (۲۔ تواریخ ۳۰: ۱۶۔۱۷)

آیت ۲۰۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۠

ترجمہ:۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دے رکھی ہے وہ ان (صاحب) کو اس طرح پہچانتے ہیں۔ جیسے اپنے بیٹوں کو۔ لیکن جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا ہے وہ اسے نہیں مانتے۔

تفسیر و تشریح:۔ اہل کتاب خصوصاً یہود کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب اچھی طرح بغیر کسی اشتباہ التباس کے پہچانتے ہیں۔ کیونکہ سابقہ کتب میں ایک نبی آخر الزمان کی آمد کے بابت پیش گوئیاں اس صراحت سے مذکور ہیں کہ یہود کو آپ کی شناخت میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی وہ جس طرح اسرائیلی انبیاء کو پہچان لیتے تھے۔ ٹھیک اسی طرح آپ کو بھی

Marfat.com

پہچان سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ آپ کے متعلق سب کچھ تورات میں موجود پاتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے والوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال رکھا ہے۔ حالانکہ آپ کی رسالت بالکل واضح ہے۔ سابقہ انبیاء نے آپ کے آنے کی بشارتیں دیں اور قدیم زمانے سے آپ کی پیغمبری اور آپ کے وجود کی پیش گوئیاں کرتے چلے آئے ہیں۔ سو یہ اہل کتاب جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لا رہے یقیناً یہ اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رہے ہیں اور آخرت کے روز بھی ان کو اس پاداش کا مزہ چکھنا ہوگا۔ کیونکہ انھوں نے جان بوجھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا اور گمراہی میں مبتلا رہے۔

رسول کی بعثت کا مقصد

آیت ۴۸ تا ۴۹ - وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۚ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝

ترجمہ:- اور ہم پیغمبروں کو تو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے کی حیثیت سے بھیجتے ہیں۔ پھر جو لوگ ان کی بات مان لیں اور اپنی درستی کر لیں۔ ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں وہ اپنی نافرمانیوں کی پاداش میں عذاب بھگت کر رہیں گے۔

تفسیر و تشریح:- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پیغمبروں کی بعثت کی غرض تمام تر ترغیب و ترہیب ہوتی ہے۔ وہ اپنی عجائبات کرنے کے لیے نہیں آتے اور نہ صرف معجزات ہی دکھانا ان کا مقصود ہوتا ہے۔ بلکہ وہ نیک کردار لوگوں کو خوشخبری دینے والے اور بدکردار لوگوں کو جہنم سے ڈرانے والے ہوتے ہیں۔ جو ان پر ایمان لے آتے اور ایمان لانے کے بعد

Marfat.com

اپنی زندگی ان کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق بسر کرے تو پھر اس پر قیامت کے دن کے بارے میں کوئی خوف نہیں اور سابقہ غلطیوں پر حسرت اور رنج وغیرہ نہیں اور جو نبی کی تنبیہ و انذار کے بعد بھی ہماری نشانیوں کو جھٹلائے تو پھر اس کو ہم دنیا میں بھی سزا دیں گے۔ اور آخرت میں اسے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ اس نے اپنی زندگی ساری نافرمانی میں گزاری۔

علم غیب صرف اللہ کے پاس ہے

آیت ۵۹ تا ۶۰۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

مشکل الفاظ کے معانی: مَفَاتِحُ الْغَيْبِ۔ غیب کے خزانے۔ مَفْتَح اور مِفْتَح کی جمع ہے مَفْتَح کے معنی خزانہ اور مِفْتَح کے معنی کنجی۔ غیب کے خزانے اس کے ہاتھ میں ہیں یا غیب کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ مراد دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے یعنی یہ کہ غیب کا مالک صرف وہی ہے۔ حَبَّةٍ۔ دانہ۔ رَطْبٍ وَيَابِسٍ تر اور خشک۔ يَتَوَفّٰىكُمْ۔ تمہیں وفات دیتا ہے۔ جَرَحْتُمْ۔ تم کرتے ہو۔ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى تاکہ میعاد معین تمام کر دی جائے۔

ترجمہ: اور اس کے پاس غیب کے خزانے ہیں۔ انہیں بجز اس کے کوئی نہیں جانتا۔ اور وہی جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور کوئی پتہ

Marfat.com

نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ اُسے جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں ایسا نہیں۔ جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ تر اور خشک سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہے۔ وہ وہی تو ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اُسے جانتا ہے۔ پھر دوسرے دن وہ تمہیں اسی کاروبار کے عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تاکہ زندگی کی مقررہ مدت پوری ہو جائے پھر اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو

تفسیر و تشریح:۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ غیب کی باتیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیب کی پانچ باتیں ہیں:۔ (۱) قیامت کب واقع ہوگی (۲) مینہ کا برسنا (۳) ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی (۴) کوئی شخص کل کیا کرنے والا ہے (۵) کوئی شخص کس مقام پر مرے گا۔ اللہ ہی ان باتوں سے خبردار ہے۔ اس کا علم جمیع موجودات بری و بحری کو محیط ہے۔ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں۔ وہ درخت کے پتے کو گرنے تک جانتا ہے۔ یعنی جب وہ جمادات تک کی حرکات کو جانتا ہے تو پھر حیوانات اور خصوصاً جن و انس کی حرکات و اعمال کو کیسے نہ جانتا ہوگا۔ جب کہ وہ مکلف بھی ہیں۔ اسی طرح وہ دانہ تک کو جانتا ہے اگرچہ وہ زمین کی تاریکیوں میں ہی ہو۔ اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ تمام رطب و یابس یعنی تر و خشک، ٹیڑھی سیدھی بات اور زمین کی تاریکیوں کے اندر کا ایک ایک ذرہ تک لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے

پھر فرمایا کہ وہ اللہ ہی تو ہے جو رات کے وقت تمہیں .. نیند کی صورت میں وفات دے دیتا ہے۔ تم کاروبار سے رک جاتے ہو لیکن دن میں تم اپنے کاموں میں لگے رہتے ہو اور وہ تمہارے دن بھر کے اعمال کو جانتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اپنی مخلوق پر رات کے وقت بحالت سکون

Marfat.com

اور دن کے وقت بحالتِ حرکات محیط ہے۔ اس ظاہری موت (نیند) کے بعد دوبارہ دوسرے دن تمہیں زندگی بخش دیتا ہے اور تم جاگ اٹھتے ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جب وہ سو جاتا ہے تو وہ اس کی روح کو اللہ کے پاس لے جاتا ہے۔ اگر اللہ فرمائے کہ اس کی روح کو روک لو تو وہ روک لیتا ہے ورنہ پھر اس کے جسم میں واپس کر دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ آخر وہ وقت بھی آجاتا ہے۔ جب انسان کی زندگی کی مدت پوری ہو جاتی ہے اور اس کا اسی دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آجاتا ہے۔ چنانچہ مقررہ وقت پر اس کی روح نکال لی جاتی ہے اور پھر قیامت کے روز تم سب کو اللہ کے حضور میں پیش کیا جائیگا۔ اللہ ہی تمہیں تمہارے اعمال کے متعلق پوری پوری خبر دے دیگا اور تم نے یہ نیک کام کیے اور یہ برے کام۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کو بت پرستی سے روکنا

آیت نمبر ۷۴ تا ۷۵: وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝

ترجمہ:۔ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو جب کہ اس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے؟ بے شک میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام کو ہم اسی طرح آسمانوں اور زمین کا نظام سلطنت دکھاتے تھے اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

مشکل الفاظ کے معانی:۔ اَتَتَّخِذُ کیا تو پکڑتا ہے؟ کیا تو قرار دیتا ہے؟

اَصْنَام ۔ صنم کی جمع ہے ۔ بت الٰھۃ ۔ معبود ۔ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ۔ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے ۔ مُوْقِنِیْنَ کی جمع ہے ۔

تفسیر و تشریح :- ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کا ذکر اس امر کی نمائندگی اور شہادت میں پیش کیا جا رہا ہے کہ جس طرح اللہ کی بخشی ہوئی ہدایت سے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھیوں نے شرک سے انکار کیا ہے اور سب مصنوعی خداؤں سے منہ موڑ کر صرف ایک مالک کائنات کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے اسی طرح کل بھی کچھ حضرت ابراہیمؑ بھی کر چکے ہیں اور جس طرح آج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والوں میں سے ان کی جاہل قوم جھگڑ رہی ہے اسی طرح کل حضرت ابراہیمؑ سے بھی ان کی قوم بھی جھگڑا کر چکی ہے اور کل جو جواب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو دیا تھا ۔ آج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروؤں کی طرف سے ان کی قوم کا بھی وہی جواب ہے ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس راستہ پر ہیں جو حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ اور نسل ابراہیمؑ کے تمام انبیاء کا راستہ رہا ہے اب جو لوگ ان کی پیروی سے انکار کر رہے ہیں ۔ انہیں معلوم ہو جانا چاہیئے کہ وہ انبیاء کے طریقہ سے ہٹ کر ضلالت کی راہ پر چل رہے ہیں ۔

عرب کے لوگ بالعموم حضرت ابراہیمؑ کو اپنا پیشوا اور مقتدا مانتے تھے خصوصاً قریش کے فخر و ناز کی ساری بنیاد ہی یہ تھی کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد اور ان کے تعمیر کردہ خانۂ خدا کے خادم ہیں ۔ اس لیے ان کے سامنے حضرت ابراہیمؑ کے عقیدۂ توحید کا ، اور شرک سے ان کے انکار ، اور مشرک قوم سے ان کے نزاع کا ذکر کرنے کے معنی یہ تھے کہ قریش کا سارا سرمایۂ فخر و ناز ، اور کفار عرب کا اپنے مشرکانہ دین پر سارا اطمینان ان سے چھین لیا جائے ، اور ان پر ثابت کر دیا جائے کہ آج مسلمان اس مقام پر ہیں جس پر حضرت ابراہیمؑ تھے اور

Marfat.com

تمہاری حیثیت وہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ سے لڑنے والی جاہل قوم کی تھی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدین اور قادری النسب پیرزادوں کے سامنے حضرت شیخؒ کی اصل تعلیمات اور ان کی زندگی کے واقعات پیش کر کے یہ ثابت کر دے کہ جن بزرگ کے تم نام لیوا ہو، تمہارا اپنا طریقہ ان کے بالکل خلاف ہے اور تم نے آج انہی گمراہ لوگوں کی حیثیت اختیار کر لی ہے، جن کے خلاف تمہارے مقتداء تمام عمر جہاد کرتے رہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر نہیں تھا بلکہ تارخ تھا۔ آذر ایک بت کا نام تھا۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ کے والد اس بت کے خادم اور پجاری تھے اس لیے یہی نام ان پر غالب آ گیا۔ واللہ اعلم۔

تارخ (آذر) کی بت پرستی کا ذکر موجودہ توراۃ میں بھی ملتا ہے "خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تمہارے باپ دادے تارخ ابراہام کا باپ اور نحور کا باپ قدیم زمانہ میں نہر کے پار رہتے تھے اور غیر معبودوں کی بندگی کرتے تھے" (یشوع ۲:۲۴) یہود کی مستند کتاب جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اتنا اور بھی ہے :- " وہ علاوہ بت پرست ہونے کے بت ساز اور بت فروش بھی تھا" (جلد ۱۲ ص ۱۰۷)

حضرت ابراہیمؑ ایک بت پرست و ستارہ پرست قوم کے درمیان اپنے آبائی ملک بابل یا کلدان (موجودہ عراق) میں بحیثیت مبلغ توحید، دعوت اسلام و توحید سب سے پہلے اپنے خاندان ہی کے رکن اعظم یعنی اپنے والد کے سامنے پیش کرتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں کہ اے والد محترم! اس کی عبادت نہ کرو جو نہ سنتا نہ دیکھتا ہے اور نہ تمہارا کام نکالتا ہے۔ اے باپ! خدا کی طرف سے مجھے وہ علم حاصل ہوا ہے جو تمہیں نہیں ہوا۔ اس لیے میری بات سنو۔ میں تمہیں بالکل سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ اے باپ! شیطان کی عبادت نہ کرو۔

Marfat.com

شیطان خدا کا دشمن ہے۔ اے باپ! سخت اندیشہ ہے کہ تم پہ عذاب نازل ہو جائے گا اور تم شیطان کے دوست قرار پاؤ گے۔ اس پہ آذر نے جواب دیا کہ اے ابراہیمؑ! کیا تو میرے خداؤں سے منہ موڑ گیا ہے اگر تم اس روش سے باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور تمہیں بالکل چھوڑ دوں گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا، سلام عرض ہے۔ میں خدا سے تمہارے لیے استغفار کروں گا میرا خدا بڑا مہربان ہے میں تم کو بھی چھوڑتا ہوں اور تمہارے معبودانِ باطل کو بھی۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ کے لیے استغفار کرتے رہے اور جب وہ شرک پر ہی مر گیا اور حضرت ابراہیمؑ کو معلوم ہو گیا کہ شرک کے لیے استغفار بھی کام نہیں دیتا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے روز حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے ملیں گے تو وہ ان سے کہے گا کہ "اے بیٹے! آج میں تمہاری نافرمانی نہ کروں گا"۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ اپنے رب سے عرض کریں گے کہ اے رب تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن ذلیل نہ کرے گا۔ اور آج میرے لیے اس سے بڑی اور کونسی رسوائی ہو سکتی ہے کہ میرا باپ اس حال میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے ابراہیمؑ اپنے پیچھے دیکھو تو وہ اپنے باپ کی بجائے ایک بجو کو دیکھیں گے جو کیچڑ میں لتھڑا ہو گا اور اس کی ٹانگیں پکڑ کر دوزخ کی طرف گھسیٹ کر لے جایا جا رہا ہو گا۔

حضرت ابراہیمؑ کی قوم میں شرک محض ایک مذہبی عقیدہ اور بت پرستانہ عبادات کا مجموعہ ہی نہ تھا بلکہ درحقیقت اس قوم کی پوری معاشی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کا نظام اسی عقیدے پر مبنی تھا۔ اس کے مقابلے میں حضرت ابراہیمؑ توحید کی جو دعوت لے کر اٹھے تھے، اس کا اثر صرف بتوں کی پرستش ہی پر نہ پڑتا تھا بلکہ شاہی خاندان کی معبودیت اور حاکمیت، پجاریوں اور اونچے طبقے کی معاشرتی، معاشی اور سیاسی حیثیت، اور پورے ملک کی اجتماعی زندگی اس کی زد میں آئی جاتی تھی۔ ان کی دعوت کو قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ نیچے

ست اور پر تکبر ساری سوسائٹی کی عمارت ادھیڑ ڈالی جائے اور اس سے از سر نو توحید اللہ کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے۔ اسی لیے حضرت ابراہیمؑ کی آواز بلند ہوتے ہی عوام اور خواص، پجاری اور نمرود سب کے سب بیک وقت اس کو دبانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

پھر فرمان باری تعالیٰ ہے کہ جس طرح تم لوگوں کے سامنے آثارِ کائنات نمایاں ہیں اور اللہ کی نشانیاں تمہیں دکھائی جا رہی ہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے سامنے بھی یہی آثار تھے اور یہی نشانیاں تھیں۔ مگر تم لوگ انہیں دیکھنے پر بھی اندھوں کی طرح کچھ نہیں دیکھتے اور حضرت ابراہیمؑ نے انہیں آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔ یہی سورج اور چاند اور تارے جو تمہارے سامنے روزانہ طلوع و غروب ہوتے ہیں اور روزانہ تم کو طلوع ہوتے وقت جیسا گمراہ پاتے ہیں۔ ویسا ہی غروب ہوتے وقت چھوڑ جاتے ہیں۔ انہی کو اس آنکھوں والے انسان نے بھی دیکھا تھا اور انہی نشانات سے وہ حقیقت تک پہنچ گیا تھا۔

ملکوت کے بارے میں ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی نگاہوں کے سامنے آسمان پھٹ گئے تھے اور حضرت ابراہیمؑ آسمان کی سب چیزوں کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی نظر عرش تک جا پہنچی اور ساتوں زمینیں ان کے لیے کھل گئیں اور وہ زمین کے اندر کی چیزیں دیکھنے لگے۔ بعض نے اس مضمون کا بھی اضافہ کیا ہے کہ وہ لوگوں کے معاصی کو بھی دیکھنے لگے اور ان گناہگاروں پر بددعا کرنے لگے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! ایسا مت کرو۔ میں تم سے زیادہ اپنے بندوں پر کریم ہوں۔ کیا عجب کہ وہ توبہ کر لیں اور رجوع کر لیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنی قدرت سے زمین و آسمان کی پوشیدہ اور علانیہ ساری چیزیں دکھلا دیں، ان سے کچھ بھی چھپا نہ رہا۔ اور جب وہ گناہگاروں پر لعن و ملامت کرنے لگے

Marfat.com

بنتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسا ٹھیک نہیں اور ان کی بددعا کو رد کر دیا گیا۔
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے سب کچھ بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ اور
خدا کی حکمت قاہرہ اور دلائل قاطعہ کو معلوم کر لیا ہو۔

المختصر اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت و مالکیت کے طریقے ان کے
دل میں اسی طرح اُتار دیئے جس طرح کہ اب پر ان کی قوم اور ان کے والد کی گمراہی روشن
کر دی تھی۔

زمین و آسمان پر حق تعالیٰ کی حکومت قاہرہ کے مشاہدہ سے ان کے دل پر توحید
کا نقش کامل طور پر بیٹھ گیا اور ان دیکھا معرفت نے انہیں مرتبہ ایقان تک پہنچا دیا۔

حضرت ابراہیم اور چاند اور سورج

آیت ۷۶تا ۸۰۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ
هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ
بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ
لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً
قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ
بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۚ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ
فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ
اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا ۗ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ اَفَلَا
تَتَذَكَّرُوْنَ ۝

مشکل الفاظ کے معانی۔ جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ اس پر چھا گئی تاریکی، تاریکی ہو گئی رات نے ان کو ڈھانپ لیا۔ اَفَلَ غروب
ہونا، ڈوب جانا۔ اٰفِلِيْن اسم فاعل اٰفِل کی جمع غروب ہو جانے والا۔ بَازِغًا

Marfat.com

چمکتا ہوا۔ روشن۔ الضَّالِّیْنَ ۔ ضَآلّ کی جمع گمراہ ۔ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ ۔ اپنے چہرے یا رُخ کو یکسو کرنا ہے مراد اطاعت گزار ہوتا ہوں۔ فَطَرَ پیدا کیا۔ عدم سے وجود میں لایا حَنِیْفًا حنیف وہ ہے جو معبودان باطلہ سے یکسو ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جائے۔ حَآجَّهٗ اس سے جھگڑے لڑنے سمجھانے۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیمؑ پر رات چھا گئی تو انہوں نے ایک تارے کو دیکھا بولے یہی میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو بولے میں غروب ہو جانیوالوں سے محبت نہیں کرتا پھر جب چمکتے ہوئے چاند کو دیکھا تو بولے یہی میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے کہ اگر میرے پروردگار نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا۔ پھر جب روشن سورج کو دیکھا تو بولے یہی میرا پروردگار ہے یہی سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے اے لوگو! میں ان سب سے بے زار ہوں۔ جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رُخ اس ہستی کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اور ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی تو وہ بولے کیا تم لوگ اللہ کے معاملے میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے راہِ راست دکھا دی ہے اور میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا ہاں اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے۔ میرے پروردگار کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟"

تفسیر و تشریح: بیشتر اس سے کہ ان آیات کی تفسیر کی جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی قوم کے مذہبی حالات پر ایک نظر ڈالی جائے۔ چنانچہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی .. تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ اُر کے کتبات میں تقریباً ۵ ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے۔ ہر شہر کا ایک خاص محافظ خدا ہوتا تھا۔ اُر کا رب البلد جہاں دیوتا ریئس الآلہہ سمجھا جاتا تھا اور اس کا احترام دوسرے معبودوں سے زیادہ ہوتا تھا۔ اُر کا رب (الہیلیہ ننار (چاند دیوتا) تھا اور اسی مناسبت سے بعد کے لوگوں نے اس شہر کا

"قربیۃ" بھی لکھا ہے۔ دوسرا بڑا شہر لرسہ تھا۔ جو بعد میں اُر کے بجائے مرکزِ سلطنت ہوا اس کا ربّ البلد "شماش" (سورج دیوتا) تھا۔ ان بڑے خداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے چھوٹے خدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمانی تاروں اور سیاروں میں سے اور کم تر زمین سے منتخب کیے گئے تھے اور لوگ اپنی مختلف فرعی ضروریات ان سے متعلق سمجھتے تھے۔ ان آسمانی اور زمینی دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہیں بتوں کی شکل میں بنا لی گئی تھیں۔ اور تمام مراسم عبادت انہی کے آگے بجا لائے جاتے تھے۔

"ننّار" کا بُت اُر میں سب سے اونچی پہاڑی پر ایک عالی شان عمارت میں نصب تھا۔ اسی کے قریب ننّار کی بیوی "ننگل" کا معبد تھا۔ ننّار کے معبد کا شان ایک شاہی محل سرا کی سی تھی۔ اس کی خواب گاہ میں روزانہ رات کو ایک پوجارن جا کر اس کی دلہن بنتی تھی۔ مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف تھیں، اور ان کی حیثیت دیوداسیوں کی سی تھی۔ وہ عورت بڑی معزز خیال کی جاتی تھی جو "خدا" کے نام پر اپنی بکارت قربان کر دے۔ کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو "راہِ خدا" میں کسی اجنبی کے حوالے کرنا عورت کے لیے ذریعۂ نجات خیال کیا جاتا تھا۔ اس مذہبی قحبہ گری سے مستفید ہونے والے زیادہ تر پوجاری حضرات ہی ہوتے تھے۔

ننّار محض دیوتا ہی نہ تھا بلکہ ملک کا سب سے بڑا زمیندار، سب سے بڑا تاجر، سب سے بڑا کارخانہ دار اور ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا۔ بکثرت باغ، مکانات اور زمینیں اس مندر کے لیے وقف تھیں۔ اس جائیداد کی آمدنی کے علاوہ کسان، زمیندار، تجار سب ہر قسم کے غلے، دودھ، سونا، کپڑا اور دوسری چیزیں لا کر مندر میں نذر بھی کرتے تھے۔ جنہیں وصول کرنے کے لیے مندر میں ایک بہت بڑا اسٹاف موجود تھا۔ بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے۔ تجارتی کاروبار بھی بہت بڑے پیمانے

Marfat.com

یہ مندر کی طرف سے ہوتا تھا۔ یہ سب کام دیوتا کی نیابت میں پوجاری ہی انجام دیتے تھے۔ پھر ملک کی سب سے بڑی عدالت مندر ہی میں تھی۔ پوجاری اس کے جج تھے اور ان کے فیصلے خدا کے فیصلے سمجھے جاتے تھے۔ خود شاہی خاندان کی حاکمیت بھی ننار ہی سے ماخوذ تھی۔ اصل بادشاہ ننار تھا اور فرمانروائے ملک اس کی طرف سے حکومت کرتا تھا۔ اس تعلق سے بادشاہ خود بھی معبودوں میں شامل ہو جاتا تھا اور خداؤں کی مانند اس کی پرستش کی جاتی تھی۔

یہ تھا ماحول جس میں حضرت ابراہیم نے آنکھ کھولی اور پھر ایسے گندے ماحول میں علم توحید بلند کیا۔

بعض مفسرین کے نزدیک جو کچھ ان آیات میں بیان ہوا ہے حضرت ابراہیم کا اپنی قوم سے مناظرہ کی حیثیت سے ہے اور بعض کے نزدیک حضرت ابراہیم کے اس ابتدائی تفکر کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو منصب نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے ان کے لیے حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنا۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ ایک صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت انسان جس نے سراسر شرک کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور جسے توحید کی تعلیم کہیں سے حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ کس طرح آثار کائنات کا مشاہدہ کر کے اور ان پر غور و فکر اور ان سے صحیح استدلال کر کے امر حق معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حضرت ابراہیم نے جب ہوش سنبھالا تھا تو ان کے گرد و پیش ہر طرف چاند، سورج اور تاروں کی خدائی کے ڈنکے بج رہے تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر حضرت ابراہیم کی جستجوئے حقیقت کا آغاز اسی سوال سے ہونا چاہیے تھا کہ کیا فی الواقع ان میں سے کوئی رب ہو سکتا ہے؟ اسی مرکزی سوال پر انہوں نے غور و فکر کیا۔ اور آخر کار اپنی قوم کے سارے خداؤں کو ایک اٹل قانون کے تحت غلاموں کی طرح گردش کرتے دیکھ کر وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ جن جن کے رب ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان میں سے کسی کے اندر بھی ربوبیت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ رب صرف وہی

Marfat.com

ایک ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور بندگی پر مجبور کیا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ:۔

اس قصہ کے الفاظ سے عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ جب رات طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا، اور جب وہ ڈوب گیا تو یہ کہا، پھر چاند دیکھا اور جب وہ ڈوب گیا تو یہ کہا، پھر سورج دیکھا اور جب وہ ڈوب گیا تو یہ کہا۔ اس پر ایک عام ناظر کے ذہن میں فوراً یہ سوال کھٹکتا ہے کہ کیا بچپن سے آنکھ کھولتے ہی روزانہ حضرت ابراہیمؑ پر رات طاری نہ ہوتی رہی تھی اور کیا وہ ہر روز چاند، تارے اور سورج کو طلوع و غروب ہوتے نہ دیکھتے تھے؟ ظاہر ہے کہ یہ غور و فکر تو انہوں نے سن رشد کو پہنچنے کے بعد ہی کیا ہوگا۔ پھر یہ قصہ اس طرح کیوں بیان کیا گیا ہے کہ جب رات ہوئی تو یہ دیکھا اور دن نکلا تو یہ دیکھا؟ گویا اس خاص واقعہ سے پہلے انہیں یہ چیزیں دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا، حالانکہ ایسا ہونا صریحاً مستبعد ہے۔ یہ شبہ بعض لوگوں کے لیے اس قدر ناقابل حل بن گیا کہ اسے رفع کرنے کی کوئی صورت انہیں اس کے سوا نظر نہ آئی کہ حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش اور پرورش کے متعلق ایک غیر معمولی قصہ تصنیف کریں۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش اور پرورش ایک غار میں ہوئی تھی۔ جہاں سن رشد کو پہنچنے تک وہ چاند، تاروں اور سورج کے مشاہدے سے محروم رکھے گئے تھے۔ حالانکہ بات بالکل صاف ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے اس نوعیت کی کسی داستان کی ضرورت نہیں ہے نیوٹن کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے باغ میں ایک سیب کو درخت سے گرتے دیکھا اور اس سے اس کا ذہن اچانک اس سوال کی طرف متوجہ ہو گیا کہ اشیاء آخر زمین پر ہی کیوں گرا کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ غور کرتے کرتے وہ قانون جذب و کشش کے استنباط تک پہنچ گیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس واقعہ

Marfat.com

سے پہلے نیوٹن نے کبھی کوئی چیز زمین پر گرتے نہیں دیکھی تھی؟ ظاہر ہے کہ ضرور دیکھی ہوگی اور بار بار دیکھی ہوگی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسی خاص تاریخ کو سیب گرنے کے مشاہدے سے نیوٹن کے ذہن میں وہ حرکت پیدا ہوئی۔ جو اس سے پہلے روزمرہ کے ایسے سینکڑوں مشاہدات سے نہ ہوئی تھی؟ اس کا جواب اگر کچھ ہو سکتا ہے تو یہی کہ غور و فکر کرنے والا ذہن ہمیشہ ایک طرح کے مشاہدات سے ایک ہی طرح متاثر نہیں ہوا کرتا۔ بار ہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک چیز کو ہمیشہ دیکھتا رہتا ہے اور اس کے ذہن میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی، مگر ایک وقت اسی چیز کو دیکھ کر یکایک ذہن میں ایک کھٹک پیدا ہو جاتی ہے، جس سے فکر کی قوتیں ایک خاص مضمون کی طرف کام کرنے لگتی ہیں۔ یا پہلے سے کسی سوال کی تحقیق میں ذہن الجھ رہا ہوتا ہے اور یکایک روزمرہ ہی کے مشاہدات میں سے کسی ایک چیز پر نظر پڑتے ہی گتھی کا وہ سرا ہاتھ لگ جاتا ہے جس سے ساری الجھنیں سلجھتی چلی جاتی ہیں۔ ایسا ہی معاملہ حضرت ابراہیم ؑ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ راتیں روز آتی تھیں اور گزر جاتی تھیں۔ سورج اور چاند اور تارے سب ہی آنکھوں کے سامنے ڈوبتے اور ابھرتے رہتے تھے لیکن وہ ایک خاص دن تھا جب ایک ستارے کے مشاہدے نے ان کے ذہن کو اس راہ پر ڈال دیا جس سے بالآخر وہ توحید الٰہ کی مرکزی حقیقت تک پہنچ کر رہے۔ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کا ذہن پہلے سے اس سوال پر غور کر رہا ہو کہ جن عقائد پر ساری قوم کا نظام زندگی چل رہا ہے، ان میں کس حد تک صداقت ہے اور پھر ایک تارا یکایک سامنے آ کر کشود کار کے لیے کلید بن گیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تارے کے مشاہدے ہی سے ذہنی حرکت کی ابتدا ہوئی ہو۔

اس سلسلہ میں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جب حضرت ابراہیم ؑ نے تارے کو دیکھ کر کہا یہ میرا رب ہے، اور جب چاند اور سورج کو

دیکھ کر انہیں اپنا رب کہا، تو کیا اس وقت عارضی طور پر ہی سہی، وہ شرک میں مبتلا نہ ہو گئے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک طالب حق اپنی جستجو کی راہ میں سفر کرتے ہوئے بیچ کی جن منزلوں پر غور و فکر کے لیے ٹھہرتا ہے، اصل اعتبار ان منزلوں کا نہیں ہوتا بلکہ اصل اعتبار اس سمت کا ہوتا ہے جس میں وہ پیش قدمی کر رہا ہوتا ہے اور اس آخری مقام کا ہوتا ہے۔ جہاں پہنچ کر وہ قیام کرتا ہے۔ بیچ کی منزلیں ہر جویائے حق کے لیے ناگزیر ہیں ان پر ٹھہرنا بسلسلۂ طلب و جستجو ہوتا ہے نہ کہ بصورت فیصلہ۔ اصلاً یہ ٹھہراؤ سوالی و استفہامی ہوا کرتا ہے نہ کہ حکمی۔ طالب جب ان میں سے کسی منزل پر رک کر کہتا ہے کہ "ایسا ہے" تو در اصل یہ اس کی آخری رائے نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ "ایسا ہے؟" اور تحقیق سے اس کا جواب نفی میں پا کر وہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ اثنائے راہ میں جہاں جہاں وہ ٹھہرتا رہا وہاں وہ عارضی طور پر کفر یا شرک میں مبتلا رہا۔

بعض مفسرین کے نزدیک حضرت ابراہیمؑ کا یہ مکالمہ اپنی قوم سے مناظرہ کی حیثیت سے تھا۔ چنانچہ آپ نے جب ایک تارا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ آپ نے یہ اپنی ستارہ پرست قوم کو دکھا کر اور سنا کر ان پر حجت الزامی قائم کرنے کے لیے کہا تھا۔ جب وہ تارا غروب ہو گیا تو آپ نے اس کے معبود ہونے کی نفی کر دی اور آپ کی یہ نفی ان کی محبوبیت محض کی نہیں محبوبیت معبودی کی نفی گویا آپ نے یوں فرمایا کہ جو ہستیاں خود ہی غیر ثابت اور تغیر پذیر ہیں ان کے لیے میرے دل میں کوئی جگہ عزت و وقعت کی کیسے ہو سکتی ہے؟ عدم محبت سیاق عبارت میں صاف عدم معبودیت کے مرادف ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ استدلال کہ جو تاثیر پذیر ہے وہ کسی کا محکوم و مسخر ہے۔ وہ اس قابل کب ہے کہ خدا مانا جائے

Marfat.com

ظاہر ہے کہ خود اپنے لیے نہ تھا بلکہ اپنی مشرک قوم کو قائل کرنے کے لیے تھا۔ ستارہ پرستی کی طرح قمر پرستی بھی مشرک اور جاہل قوموں میں بہت عام رہی ہے اور اہل باطل بھی اس کا شکار تھے۔ چنانچہ جب چاند بھی غروب ہو گیا تو بولے کہ اگر میرا پروردگار میری رہنمائی نہ کرتا تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کبار تک اپنے کسی کمال کو اپنی جانب منسوب نہیں کرتے بلکہ اسے تمام تر عطیہ الٰہی سمجھتے اور کہتے ہیں۔

سورج دیوتا کی پوجا بھی دنیا میں ہمیشہ بڑی دھوم دھام سے بڑے بڑے درجوں سے ہوتی رہی ہے اور اہل کلدانیہ سورج پرستی میں امتیاز خاص رکھتے تھے۔

لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کہہ کر گویا حضرت ابراہیمؑ اپنے دعویٰ پر دلیل بھی ساتھ ساتھ پیش کرتے جاتے ہیں گویا فرماتے ہیں کہ میں تو اس خدا کا قائل ہوں جو تمہارے خود ساختہ زمینی و آسمانی خداؤں اور دیوتاؤں کا خالق ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی قوم حضرت کی صاف، سیدھی، فطری تعلیم کو مان لینے کے بجائے الٹی آپ کے سر ہو گئی اور طرح طرح کی کج بحثیاں کرنے لگی جیسا کہ ہر غبی، جاہل، مشرک قوم کا شیوہ ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب یہ دیکھا تو پھر قوم سے گویا یوں مخاطب ہوئے کہ "اللہ کی شان! تم مجھ سے توحید کے مسئلہ میں بحث و جدل کرنے چلے ہو جو میرا او پر بالکل کھل چکا ہے اور مجھے ہدایت علم الیقین کیا معنیٰ عین الیقین کے ساتھ مل چکی ہے"! لَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جب آپ نے اثبات توحید پر یہ دلائل قائم کیے تو مذہب شرک کے پرستاروں سے اور کچھ تو نہ بنا، ہاں یہ ڈراوے اور دھمکیاں دینے لگے کہ اچھا ہمارے دیوتاؤں کو چھوڑتے ہو مگر یہ دیکھنا کہ وہ بھی تمہیں سمجھ لیں گے۔ ان کی قوت و غضب سے واقف نہیں ہو۔ تمہیں تہس نہس کر ڈالیں گے۔

Marfat.com

الغرض حضرت ابراہیمؑ نے اثباتِ توحید اور ابطالِ شرک پر دلائل و براہین پیش کیے تاکہ قوم راہِ راست پہ آجائے اور معبودانِ باطلہ کی پرستش کرنا چھوڑ دے۔

قرآن مجید کی صفات اور اس کے نازل کرنے کا مقصد

آیت ۹۲- وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝

مشکل الفاظ کے معانی:- مُصَدِّقُ - تصدیق کرنے والی - اسم فاعل صدق سے - لِتُنْذِرَ تاکہ تو ڈرائے - اُمَّ الْقُرٰى بستیوں کا مرکز - اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اہل یہاں سے محذوف ہے یعنی بستیوں کے مرکز (مکہ) کے رہنے والوں کو۔

ترجمہ - اور یہ ایک کتاب (قرآن مجید) ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ بڑی خیر و برکت والی ہے۔ اس چیز کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آئی تھی اور اس لیے نازل کی گئی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے آپ اُم القریٰ (مکہ) اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو ڈرائیں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس (کتاب) پر بھی ایمان لے آتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

تفسیر و تشریح:- اس آیت میں قرآن مجید کی صفات بیان کی جا رہی ہیں چنانچہ اس کی سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ یہ ایک مبارک کتاب ہے اس سے خلق جتنا چاہے بہ قدر اپنے ظرف و ہمت کے استفادہ کرے اور اس کتاب میں انسان کی فلاح و بہبود کے لیے بہترین اصول پیش کیے گئے

Marfat.com

ہیں، عقائد صحیحہ کی تعلیم ہے، بھلائیوں کی ترغیب ہے، اخلاق فاضلہ کی تلقین ہے، پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی ہدایت ہے اور پھر یہ جہالت، خود غرضی، تنگ نظری، ظلم، فحش اور دوسری برائیوں سے بالکل پاک ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ اس سے پہلے خدا کی طرف سے جو ہدایت نامے بنی نوع انسان کے لیے آئے تھے یہ کتاب بھی اسی طرح کا ایک ہدایت نامہ ہے اور جو کچھ ان کتب میں پیش کیا گیا تھا یہ اس کی تصدیق و تائید کرتی ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ کتاب اسی مقصد کے لیے نازل کی گئی ہے جو ہر زمانہ میں اللہ کی طرف سے کتابوں کے نزول کا مقصد رہا ہے یعنی غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو خبردار کرنا اور ان کو برے اعمال کے انجام بد سے ڈرانا۔

چوتھے یہ کہ اس کتاب کی دعوت کو صرف دنیا پرستی اور خواہش نفس کے بندوں نے قبول نہیں کیا بلکہ ان لوگوں نے جو خوف آخرت رکھتے ہیں وہ مواخذہ اخروی کے ڈر سے پوری ذمہ داری اور اہتمام کے ساتھ حق کی تلاش و طلب میں رہتے ہیں اور اسی لیے قرآن کی بھی صداقت و حقانیت کے قائل ہو جاتے ہیں اور ایمان لانے کے بعد پھر اپنے عمل سے بھی ثابت کر دیتے ہیں کہ ہم واقعی اس کتاب پر جو منزل من اللہ ہے۔ ایمان لے آئے ہیں وہ اپنی نمازوں کی بھی پابندی کرتے ہیں۔ اس سے نماز کی عظمت اور فضیلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

قدرت کاملہ کے بعض مظاہر کا ذکر اور توحید کا سبق

آیت ۹۵ تا ۱۰۳ ۔ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ
يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ

Marfat.com

وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ
تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ
النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ
اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۚ
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ
كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ
وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ
مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ
غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ اُنْظُرُوْآ اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ
وَيَنْعِهٖ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَ
خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ
سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ بَدِيْعُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ
وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۚ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ
وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَا تُدْرِكُهُ
الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَ
هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝

مشکل الفاظ کے معانی: فَالِقُ: فلق سے اسم فاعل،

Marfat.com

پھاڑنے والا۔ حَبّ۔ دانہ۔ نَویٰ۔ گٹھلی۔ اَنّٰی۔ کہاں۔ کدھر۔ تُؤْفَكُوْنَ
تم الٹے چلے جا رہے ہو۔ سَكَنًا۔ سکون و آرام کا وقت۔ حُسْبَانًا۔
حساب سے۔ یعنی سورج اور چاند کے طلوع و غروب کو مصالح خلق سے
بالکل متناسب ایسے حساب کے مطابق جس میں نہ کمی کا احتمال ہے نہ زیادتی
کا۔ لِتَهْتَدُوْا۔ تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ رہنمائی حاصل کرو۔ اَنْشَاَكُمْ
تم کو پیدا کیا (خطاب عام نسل انسانی سے ہے) مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔
ایک شخص سے یعنی حضرت آدمؑ سے۔ مُسْتَقَرٌّ۔ قرار پکڑنے کی جگہ۔
مُسْتَوْدَعٌ۔ سونپے جانے کی جگہ۔ مُسْتَقَرٌّ اور مُسْتَوْدَعٌ دونوں
میں یہ فرق کیا گیا ہے کہ مُسْتَوْدَعٌ۔ بہت سریع الزوال کو کہتے ہیں
اور مُسْتَقَرٌّ اتنا زود فنا نہیں۔ مُسْتَقَرٌّ کی کئی تفسیریں منقول
ہیں لیکن اکثر نے اس سے مراد رحم مادر لی ہے۔ اکثر صحابہ اور تابعین بھی
اسی طرف گئے ہیں۔ مُسْتَوْدَعٌ کی بھی کئی تفسیریں منقول ہیں لیکن اکثر
نے پشت پدر لی ہے۔ بعض کے نزدیک مُسْتَوْدَعٌ سے مراد دنیوی زندگی
اور مُسْتَقَرٌّ سے اخروی زندگی مراد ہے۔ خَضِرًا۔ سبز۔ ہرے بھرے
حَبًّا مُّتَرَاكِبًا۔ اوپر تلے چڑھے دانے۔ تہ بہ تہ چڑھے ہوئے دانے۔
نَخْل۔ کھجور کے درخت۔ طَلْع۔ شگوفہ۔ گچھے۔ قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ
قنوان قِنْوٌ کی جمع ہے۔ تازہ کھجوروں کے گچھے۔ جو قریب ایک
دوسرے کے بہت قریب ہوں۔ ابن عباسؓ کے قول کے مطابق قِنْوَانٌ
دَانِيَةٌ سے چھوٹے چھوٹے کھجوروں کے درخت، جن کے خوشے زمین
سے لگے ہوں مراد ہیں۔ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ۔ عِنَبٌ۔ انگور۔
یعنی انگوروں کے باغات۔ رُمَّانٌ۔ انار۔ يَنْعِهٖ۔ اس کے پکنے کو
(پھل کے) خَرَقُوْا۔ انہوں نے دل سے گھڑ لیا۔ بَدِيْعٌ۔ موجد۔
عدم محض سے ہستی کرنے والا۔ بدعت کو بدعت اس لیے کہتے ہیں کہ سلف

Marfat.com

ہیں اس کی نظیر نہیں ہوتی۔ لوگ کسی عمل کو اپنی طرف سے ایجاد کرکے اسکی بزعم خود ثواب کا کام سمجھنے لگتے ہیں۔ صاحبۃ۔ بیوی۔ شریک حیات تُدرِکُہ۔ اس کو نہیں پا سکتیں۔ ادراک سے ہے۔

ترجمہ:۔ بیشک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے۔ اور بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے۔ یہ سارے کام کرنیوالا تو اللہ ہے۔ پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو؟ وہی صبح کا برآمد کرنیوالا ہے۔ اور اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے۔ اسی نے سورج اور چاند کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے۔ یہ سب اسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھہرائے ہوئے اندازے ہیں۔ وہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ پاؤ۔ بے شک ہم نے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ اور وہ وہی تو ہے جس نے ایک نفس سے تم کو پیدا کیا پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی اور ایک جگہ چند روز رہنے کی۔ یہ نشانیاں ہم نے واضح کر دی ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات اگائی۔ پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ ہم اس سے اوپر تلے چڑھے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں۔ اور ہم نے انگور، زیتون اور انار کے باغ پیدا کیے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور جدا جدا بھی ہیں۔ اس کے پھل کو ذرا غور کی نظر دیکھو اور اس کے پکنے کی کیفیت کو۔ بے شک ان سب چیزوں میں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں نشانیاں ہیں۔ اس پر بھی لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا۔ حالانکہ وہ ان کا خالق ہے۔ اور بے جانے بوجھے اس

کے لیے بیٹے اور بیٹیاں دل سے گھڑ لی ہیں۔ حالانکہ وہ پاک اور بالاتر ہے۔ ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ کوئی اس کی شریک زندگی (بیوی) ہی نہیں ہے۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب، کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے۔ ہر چیز کا خالق، لہٰذا تم اسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔ نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے۔ وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔

تفسیر و تشریح:۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قدرت کاملہ کے بعض مظاہر کی طرف توجہ دلا کر توحید کا سبق دیا ہے۔ جمادات، نباتات، حیوانات ہر صنف موجودات کا نظام تکوینی و تخلیقی سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز کا دارومدار اسی پر ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی دیوی دیوتا کی طرف متوجہ ہونا، کسی مشرکانہ نظریہ کو یا عقیدہ کو قابل التفات سمجھنا بہت بڑی حماقت و بے دانشی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ کا مطلب یہ ہے کہ نباتات کا خدا کوئی دیوی یا دیوتا نہیں جیسا بعض مشرکین قوموں کا خیال ہے۔ نہ یہ ہے کہ نباتات میں روئیدگی از خود آ جاتی ہے۔ بلکہ ہر بیج، ہر گٹھلی میں پھٹنے پھوٹنے کی صلاحیت پیدا کرنا، پھر وقت مناسب پر اس صلاحیت کو فعلیت میں لانا، یہ سب کام اسی پروردگار عالم کے ہیں۔

وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے۔ بے جاندار کو جاندار سے نکالنے کی مثال جیسے انڈے سے مرغی یا نطفہ سے انسان۔ جاندار سے بے جان کو نکالنے کی مثال جیسے مرغی سے انڈا یا انسان سے نطفہ۔ فاجر سے ولد صالح اور مرد صالح سے ولد فاجر کیونکہ نیک بمنزلہ جاندار کے ہے اور بد بمنزلہ بے جان کے۔

Marfat.com

فرمان ہے کہ جب ان سب کا فاعل اللہ وحدہٗ لاشریک ہے تو پھر تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو؟ حق سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ کیوں غیر خدا کی پرستش کرتے ہو؟

وہ وہی ذات واحد تو ہے جو پردہ شب کو چاک کر کے صبح نکالتا ہے۔ اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے۔ اس نے چاند اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے یعنی سورج اور چاند اپنے اپنے ضابطہ اور حساب سے چلتے رہتے ہیں۔ ان کے قانون رفتار میں ذرہ بھر تغیر نہیں ہوتا، نہ ادھر اُدھر بھٹکتے ہیں بلکہ ہر ایک کی منازل مقرر ہیں۔ سردیوں اور گرمیوں میں اپنے اپنے اصول پر چلتے رہتے ہیں اور اسی مقررہ قاعدے سے دن اور رات گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ سارا عظیم الشان کارخانۂ حیات، یہ نظام ارضی و نظام فلکی یوں ہی اٹکل پچو سے نہیں چل رہا ہے۔ بلکہ اس کے قانون کے مطابق اور اس کے ضابطہ کے ماتحت چل رہا ہے، جو العزیز ہے۔ ہر غالب پر غالب، ہر قادر پر قادر جس کی راہ پر رکاوٹ سے خالی ہے اور جو العلیم بھی ہے۔ یعنی علم و حکمت سے یہ کام سرانجام دے رہا ہے۔

پھر فرمایا ہے کہ وہ وہی ذات واحد تو ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ ان کے ذریعے سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ پاؤ۔ ستارے ایک طرف تو آسمان کی زینت ہیں اور دوسرے یہ کہ شیاطین کو ان سے رجم کیا جاتا ہے اور تیسرے یہ کہ ان سے خشکی و تری کی تاریکیوں میں راستہ متعین کیا جا سکتا ہے۔ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ کہہ کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ستارے تو خود ہی انسان کے نفع کی غرض سے اس کی خدمت کے لیے بنائے گئے ہیں، الٹا ان کی پرستش میں لگ جانا اور خادموں کو مخدوم سمجھ لینا جہالت و حماقت نہیں ہے تو اور

Marfat.com

کیا ہے ۔ پھر فرمایا کہ ہم نے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں ۔ ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں ۔ یعنی اس حقیقت کی نشانیاں کہ خدا صرف ایک ہے ، کوئی دوسرا نہ خدائی کی صفت رکھتا ہے کہ خدائی کے اختیارات میں حصہ دار ہے ، اور نہ خدائی کے حقوق میں سے کسی حق کا مستحق ہے مگر ان نشانیوں اور علامتوں سے حقیقت تک پہنچنا ۔ جاہلوں کے بس کی بات نہیں ، اس دولت سے بہرہ ور صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو علمی طریق پر آثار کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں ۔ علم سے فکر و استدلال کرنے والے یا عقل رکھنے والے بھی مراد لیے گئے ہیں ۔ حق کو پہچان کر باطل سے اجتناب کریں ۔

اس کے بعد فرمایا کہ وہ وہی اللہ ہے ۔ جس نے تم کو ایک ہی شخص سے پیدا کیا یعنی "ابے نسل انسانی ! تمہارا مورث اعلیٰ ایک ہی یعنی حضرت آدم علیہ السلام ہے کئی نہیں ہیں" ۔ بعض ناقص فلسفیوں اور بعض باطل مذہب والوں کے نزدیک مورث اعلیٰ ایک نہیں بلکہ کئی ہیں ۔ پس تمہارے لیے ایک جائے قرار ہے اور ایک سونپے جانے کی جگہ ہے نشانیاں صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں ۔ یعنی نوع انسانی کی تخلیق اور اس کے اندر مرد و زن کی تفریق ، اور تناسل کے ذریعہ سے اس کی افزائش اور رحم مادر میں انسانی بچہ کا نطفہ قرار پا جانے کے بعد سے زمین میں اس کے سونپے جانے تک اس کی زندگی کے مختلف اطوار پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس میں بے شمار کھلی کھلی نشانیاں آدمی کے سامنے آئیں گی ۔ جن سے وہ اس حقیقت کو پہنچ سکتا ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے ۔ مگر ان نشانیوں سے یہ معرفت حاصل کرنا ۔ انہی لوگوں کا کام ہے جو سمجھ بوجھ سے کام لیں ۔ جانوروں کی طرح زندگی بسر کرنے والے ، جو صرف اپنی خواہشات سے اور انہیں پورا کرنے کی تدبیروں سے ہی غرض رکھتے ہیں ۔ ان نشانیوں میں کچھ

Marfat.com

بھی نہیں دیکھ سکتے۔

اور وہ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگائی۔ پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے، پھر ان سے تہ بر تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں اور انگور زیتون اور انار کے باغ پیدا کیے۔ جن کے پھل ایک دوسرے سے (صورت میں) ملتے جلتے بھی ہیں اور پھر ہر ایک کی خصوصیات (ذرسے ہیں) جدا جدا بھی ہیں (صورت، شکل، رنگ، مزہ، وزن وغیرہ کے اعتبار سے) یہ درخت جب پھلتے ہیں۔ تو ان میں پھل آنے اور پھر ان کے پکنے کی کیفیت کو ذرا غور کی نظر سے دیکھو۔

یہ اللہ کی قدرت ہی تو ہے کہ پانی ایک ہی ہوتا ہے لیکن نباتات اس سے کیسی رنگا رنگ اور مختلف قسموں کی پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے یہاں فرمایا کہ اے لوگو! اس میں خدا کی قدرت و حکمت کی کمال دلائلیں ہیں اس کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جو ایمان کی تلاش و طلب رکھتے ہوں اور تحقیق کی فکر میں لگے ہوئے ہوں۔

ان تمام مظاہر قدرت کاملہ کے باوجود کچھ لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا حالانکہ اسی ذات واحد نے ان کو پیدا کیا ہے نہ کہ جنات نے۔ ھُم کی ضمیر اگر جن کی جانب لی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اسی خدا نے ان کو بھی پیدا کیا ہے۔ اور پھر جنات مخلوق ہو کر معبود اور خدا کے شریک کیونکر ہو سکتے ہیں آ پھر انہی گمراہ قوموں کا بیان ہے کہ انہوں نے خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں بے سند تراش رکھی ہیں۔ جیسے یہود کا حضرت عزیزؑ کو نصاریٰ کا حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہنا اور جہلائے عرب کا یہ قول کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں مشرکین ان خرافاتی عقائد پر نہ کوئی عقلی دلیل رکھتے ہیں اور نہ نقلی۔ اللہ پر صاحب اولاد

Marfat.com

ہونے کا صرف بہتان لگا رکھا ہے۔ حالانکہ اس کی ذات ہر آلائش و انتساب سے پاک ہے
وہ زمین و آسمان کا موجد اور خالق ہے۔ سب اسی کی مخلوق ہیں۔ آیت ۱۰۲۔ جس طرح
کہ کہ مشرکین پر حجت قائم کر دی کہ تم جب خدا کے صاحب اولاد ہونے کے قائل ہو لازمی
طور پر پہلے اس کے صاحب زوجہ ہونے کے بھی قائل ہو۔ اس کا ثبوت لاؤ۔ کیسی
لغو باتیں منہ سے نکال رہے ہو۔ لیکن اس کا بیٹا کیسے ہوتا۔ اس کے تو بیوی
ہی نہیں اور بیٹا تو دو جنسوں ملنا جنسین سے پیدا ہوتا ہے لیکن اللہ کے مثل
و مشابہ تو کوئی چیز بھی نہیں ہے (لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ)

یہ ہے اللہ تمہارا رب۔ کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے۔ ہر چیز کا خالق
لہٰذا تم اسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔ یعنی رشتہ عبدیت
اس کے سوا کسی سے جوڑنا درست نہیں ہے وہ اپنی ذات میں منفرد ہے
اور ہر شئے کا وہی خالق و کارساز ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا
ہے وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔ لا تدرکہ الابصار کے الفاظ
پر جو شبہ پیش کیا گیا ہے کہ جب انسانی آنکھیں حق تعالیٰ کی زیارت کر
ہی نہیں سکتیں تو پھر جنت میں اس کی رویت کیسے ہوگی؟ نیز معراج میں
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے ہوئی؟ مفسرین و محققین نے شبہ کو نقل
کر کے مفصل و شافی جوابات دیئے ہیں۔ بقول عبد الماجد دریا آبادی اس
آیت میں ذکر تو اسی مادی اور ناسوتی دنیا کے قویٰ کا ہے۔ جنت میں
تو قویٰ ہی دوسرے ہونگے۔ عالم ناسوت میں نفی دیدار سے جنت کے
دیدار کو تعلق ہی کیا؟ علیٰ ہذا معراج میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی زیارت حق کا تعلق ان قوائے ناسوتی سے نہیں ہوا۔ وہ واقعہ تو
خود ہی عالم آخرت کا ہے جس کا تجربہ و مشاہدہ بطور معجزہ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی دنیا میں کرا دیا گیا تھا۔

Marfat.com

وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح ناقص القویٰ نہیں۔ اس کا علم ہر کلیہ و جزئیہ کو محیط ہے۔
مذکورہ بالا نعمتوں کے بیان سے خدا تعالیٰ کا بندے کو یہ نعمتیں دلانا مقصود ہے کہ اللہ وہی ہے۔ جو یہ چیزیں بناتا ہے اور جس نے تمہیں ان سے فائدہ اٹھانے کی قدرت دی۔ ان چیزوں کے بیان کرنے کا مقصد حق تعالیٰ کی قدرت و ربوبیت کی معرفت کے بعد اس کی اطاعت و بندگی پر انسانوں کو آمادہ کرنا ہوتا ہے۔

صرف اس ذبیحہ کے کھانے کا حکم جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو

آیت ۱۱۸ تا ۱۲۱۔ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ۝ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ۝ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ۝

مشکل الفاظ کے معانی :- مَا اضْطُرِرْتُمْ۔ تم بحالت اضطراری رہے قراری لاچاری ہو جاؤ۔ اَهْوَاءٌ۔ خواہشات۔ ذَرُوا۔ چھوڑ دو۔ يَقْتَرِفُونَ۔ وہ کرتے رہتے ہیں۔ کماتے رہتے ہیں۔ فِسْقٌ۔ نافرمانی۔ لَيُوحُونَ۔ القا کرتے ہیں۔

Marfat.com

اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ - اگر تم ان کی اطاعت کرو گے۔

ترجمہ۔ سو اس جانور (کے گوشت) سے کھاؤ جس پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اگر تم واقعی اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو۔ اور تمہارے لیے آخر کیا وجہ ہے کہ تم وہ (جانور) چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو (ذبح کرتے وقت) جب کہ اللہ نے تمہیں ان جانوروں کی تفصیل بتادی ہے جنہیں اس نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہیں۔ لوگوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ علم کے بغیر محض اپنی خواہشات کی بنا پر گمراہ کن باتیں کرتے ہیں۔ ان حد سے گزرنے والوں کو تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ تم کھلے گناہوں اور چھپے گناہوں سے بچو۔ بے شک جو لوگ گناہ کا اکتساب کرتے ہیں۔ وہ اپنی اس کمائی کا بدلہ پا کر رہیں گے اور جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ۔ ایسا کرنا فسق ہے۔ شیاطین اپنے دوستوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑا کریں لیکن اگر تم نے ان کی اطاعت قبول کر لی تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

تفسیر و تشریح:۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس کے احکام کو مانتے ہو تو ان تمام اوہام اور تعصبات کو چھوڑ دو جو کفار و مشرکین میں پائے جاتے ہیں۔ ان سب پابندیوں کو توڑ دو جو خدا کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر لوگوں نے خود عائد کر رکھی ہیں۔ حرام صرف اسی چیز کو سمجھو جسے خدا نے حرام کیا ہے اور حلال اسی کو ٹھہراؤ جس کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے۔ جس ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے تم کھا سکتے ہو اور جس حلال جانور کو ذبح کرتے وقت خدا کا نام نہ لیا گیا۔ یا خدا کا نام تو لیا گیا ہو لیکن اس کے ساتھ دوسرے کو بھی شریک کیا گیا ہو تو اس جانور کا گوشت کھانا حرام ہے۔ پھر دوبارہ

Marfat.com

تاکید کی جا رہی ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ تم وہ چیز یا حلال جانور جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو، نہ کھاؤ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمام ان جانوروں کی تفصیل بتا دی ہے۔ جو تم پر حرام کیے گئے ہیں۔ یہ تفصیل یا تو قرآن مجید ہی کی دوسری آیتوں خصوصاً سورۂ نحل میں بیان کر دی گئی ہے یا پھر انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے علم ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم مضطر ہو جاؤ تو اس صورت میں حرام کردہ چیز بھی تمہارے لیے حلال ہے مثلاً شدت کی بھوک لگی ہو اور کوئی حلال غذا نہ مل رہی ہو تو ایسی حالت میں حرام بھی حلال کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے اور جو چیزیں بھی حرام ہیں ان میں سے کھانے کی اجازت ہو جائے گی۔ سورۂ مائدہ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ چنانچہ وہاں حرام چیز کے استعمال کرنے کی اجازت صرف تین شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ واقعی مجبوری کی حالت ہو مثلاً بھوک یا پیاس سے جان پر بن گئی ہو یا بیماری کی وجہ سے جان کا خطرہ ہو اور اسی حالت میں حرام چیز کے سوا اور کوئی چیز میسر نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا کے قانون کو توڑنے کی خواہش دل میں موجود نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ مثلاً حرام چیز کے چند لقمے یا چند قطرے یا چند گھونٹ اگر جان بچا سکتے ہوں تو ان سے زیادہ اس چیز کا استعمال نہ ہونے پائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں کی اکثریت (مشرکین وغیرہ) ایسی ہے جو محض اپنی خواہشات کی پیروی میں دوسروں کو بلا کسی علم صحیح کے جو سند کا کام دے سکے، گمراہ کرتے ہیں۔ مشرکین و ملحدین کے پاس اپنی بات کی حمایت کے لیے نہ کوئی عقلی دلیل ہوتی ہے نہ نقلی۔ بس یونہی ایک بات بک دیتے ہیں۔ ذبیحہ اور مردار جانور کے گوشت کے درمیان طبی حیثیت سے جو عظیم الشان فرق ہے اس کا تو ادراک بھی نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ ان تجاوز کرنے والوں سے خوب واقف ہے اور ان کو ان اعمالِ بد کے بدلے سزا دے گا۔

Marfat.com

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن گناہ چھوڑ دو۔ بعض مفسرین کے نزدیک گناہ کے ظاہر سے مراد اس کی عملی شکل اور اس کے باطن سے مراد غلط اعتقاد ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ ظاہر سے مراد وہ گناہ ہیں جو خلق کی نظر کے سامنے علانیہ کیے جائیں اور باطن سے مراد وہ گناہ ہیں جو خلق کی نظر سے چھپا کر پوشیدہ طور پر کیے جائیں۔ اور پھر فرمایا کہ جو لوگ گناہ کے کام کرتے ہیں، عنقریب ان کو قیامت میں ان گناہوں کا بدلہ مل کر رہے گا۔

پھر تاکید کی جا رہی ہے کہ اے مسلمانو! جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔ خواہ اس جانور کو ذبح کرنے والا مسلمان رہا ہو یا مشرک۔ وہ ایسا تو بہرحال اللہ کا نام نہ لے گا، اس لیے اس کا ذبیحہ تو کھلا ہوا حرام ہے۔

اگر مسلمان ذبح کرتے وقت یا شکاری مسلمان اپنے جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے یا عمداً اور دانستہ نہ لے تو فقہاء کے نزدیک پہلی صورت میں اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ البتہ دوسری صورت میں وہ حرام ہے۔ اس حکم حرمت کے تحت وہ ذبیحے بھی آجاتے ہیں۔ جن پر بسم اللہ کے بجائے کسی اور کا نام لیا گیا ہو یا اللہ کے ساتھ ملا کر بھی کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔

"وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ" سے تاکید کر دی گئی ہے اور "انّہ" کی ضمیر "اکل" کی طرف عائد ہوتی ہے یعنی ایسے ذبیحہ کا گوشت کھانا، جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو فسق ہے۔

پھر فرمایا ہے کہ مشرکین اپنے شیطانوں سے تعلیم پا کر مسلمانوں سے طرح طرح کی بحثیں اور حجتیں کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہتے ہیں کہ یہ کیا غضب ہے کہ انسان مار ڈالے۔ جب تو جانور حلال ہو جائے لیکن جس جانور کو خدا مار ڈالے یعنی وہ خود بخود مر جائے تو وہ حرام ہو جائے وہ اس قسم کے سوالات گھڑ گھڑ کر پیش کرتے ہیں تاکہ عوام کے دلوں میں شبہات ڈالیں اور وہ حق سے فرار ہو جائیں۔

Marfat.com

پھر فرمایا کہ اے مسلمانو! اگر تم نے ان کی (مشرکین) اطاعت کر لی یعنی اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال ٹھہرا لیا تو گویا تم نے شرک کیا۔ یعنی ایک طرف اللہ کی خداوندی کا اقرار کرنا اور دوسری طرف اللہ سے پھرے ہوئے لوگوں کے احکام پر چلنا، اور ان کے مقرر کیے ہوئے طریقوں کی پابندی کرنا شرک ہے۔ توحید یہ ہے کہ زندگی سراسر اللہ کی اطاعت میں بسر ہو۔ اللہ کے ساتھ اگر دوسرے کو اعتقاداً مستقل بالذات مطاع مان لیا جائے تو یہ اعتقادی شرک ہے اور اگر عملاً ایسے لوگوں کی اطاعت کی جائے جو اللہ کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر خود امر و نہی کے مختار بن گئے ہوں تو یہ عملی شرک ہے۔

اسلام کے لیے دل کی فراخی ہدایت کی دلیل ہے

آیت ۱۲۵۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

مشکل الفاظ کے معانی: ضَيِّقًا حَرَجًا۔ بہت تنگ۔ كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ۔ گویا کہ وہ چڑھ رہا ہے۔ بلندی کی طرف جا رہا ہے۔

ترجمہ:۔ جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو بہت تنگ کر دیتا ہے اور ایسا بھینچتا ہے کہ (اسلام کا تصور کرتے ہی) اسے یوں معلوم ہونے لگتا ہے ۔۔ کہ گویا اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے۔ اسی طرح اللہ (حق سے فرار اور نفرت کی) ناپاکی ان لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

Marfat.com

تفسیر و تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کو اللہ ہدایت کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ (دل) اسلام کے لیے کھول دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اسے دین اسلام کی صداقت پر پوری طرح مطمئن کر دیتا ہے اور شکوک و شبہات اور تذبذب و تردد کو دور کر دیتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے دریافت کیا کہ شرح صدر کیا ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "ایک نور ہوتا ہے۔ جو دل میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس سے دل کھل جاتا ہے اور وہ وسیع ہو جاتا ہے۔ اور تنگ دلی باقی نہیں رہتی" صحابہؓ نے پھر پوچھا کہ "ہم اسے کس طرح پہچانیں کہ اس کو شرح قلب حاصل ہے"۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ "اس کا پتہ اس بات سے چلے گا کہ کون دار الآخرت کی طرف زیادہ جھکا ہوا ہے اور دنیوی زندگی کے تمتعات سے کس قدر دور رہتا ہے اور موت سے پہلے ہی اپنے آپ کو موت کے لیے کس قدر تیار رکھتا ہے۔

جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے۔ یعنی وہ ایسا گمراہ ہو جاتا ہے کہ اس کا سینہ ہدایت کے لیے ذرا بھی کشادہ نہیں ہوتا اور ایمان اس میں راہ نہیں پاتا۔ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار اپنی تنگدلی کے سبب وہ کر ہی نہیں سکتا۔ ایمان لانا اس پر اس قدر دشوار ہے جیسے کسی کا آسمان پر چڑھنا۔ یعنی جس طرح ابن آدم آسمان پر نہیں چڑھ سکتا۔ اسی طرح توحید کا عقیدہ اس کے دل میں گھر نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا کہ اسی طرح، یعنی جس طرح کافر ایمان لانے میں تنگی صدر محسوس کرتا ہے اللہ تعالیٰ حق سے فرار اور نفرت کی ناپاکی ان لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ الرجس کے لفظی معنی گندگی کے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد محرومی ہے یعنی بدبختی ہے۔ ... ... مطلب یہ ہوا کہ ان کو ایمان لانے کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔

Marfat.com

مویشیوں کی حرمت وحلت کے متعلق اہل عرب کے توہمات کی تردید

آیت ۱۳۶ تا ۱۴۰ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ
نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ج فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ
فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ج وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ط سَآءَ
مَا يَحْكُمُونَ ۝ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ
شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ط
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ وَقَالُوا
هٰذِهٖ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ قلے لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ
بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ
اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ط سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا
يَفْتَرُونَ ۝ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ
لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ج وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً
فَهُمْ فِيهِ شُرَكَآءُ ط سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ط اِنَّهٗ
حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ط
قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

مشکل الفاظ کے معانی: مِمَّا ذَرَاَ ۔ جو پیدا کیا ہے ۔ نَصِيبًا ۔ حصہ ۔ فَلَا يَصِلُ ۔ وہ نہیں پہنچتا ۔ سَآءَ ۔ برا ۔ مَا يَحْكُمُونَ ۔ جو وہ فیصلے کرتے ہیں ۔ زَيَّنَ ۔ خوشنما بنا دیا ہے ۔ لِيُرْدُوهُمْ ۔ تاکہ انہیں تباہ و برباد کریں ۔ لِيَلْبِسُوا ۔ تاکہ مخلوط کر دیں، مشتبہ بنا دیں ۔ فَذَرْهُمْ ۔ ان کو چھوڑ دو ۔ حِجْرٌ ۔ ممنوع حرام ۔ لِذُكُورِنَا ۔ ہمارے مردوں کے لیے ۔ سَفَهًا ۔ حماقت و نادانی کی بنا پر ۔ قَدْ ضَلُّوا ۔

Marfat.com

یقیناً وہ گمراہ ہو گئے۔ راہ راست سے بھٹک گئے۔

ترجمہ:- اور ان لوگوں (مشرکین) نے کھیتی اور مویشیوں میں سے جو اللہ ہی نے پیدا کیے ہیں، کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر رکھا ہے اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ حصہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے۔ پھر جو حصہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا مگر جو اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے۔ کیسے برے فیصلے کرتے ہیں یہ لوگ! اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا دیا ہے تاکہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان پر ان کے دین کو مخبوط کر دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے لہٰذا آپ ان کو اور ان کی گمراہ منت کو ان کے حال پر چھوڑے رہیں۔ اور (مشرکین) کہتے ہیں کہ یہ جانور اور یہ کھیت ممنوع ہیں انہیں صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جنہیں ہم کھلانا چاہیں، حالانکہ یہ پابندی ان کی خود ساختہ ہے۔ پھر کچھ جانور ہیں جن پر سواری اور باربرداری حرام کر دی گئی ہے اور کچھ جانور ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ پر افترا کیا ہے عنقریب اللہ انہیں ان افترا پردازیوں کا بدلہ دے گا۔ اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹ میں ہے یہ ہمارے مردوں کے لیے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام، لیکن اگر وہ مردہ ہو تو دونوں اس کے کھانے میں شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ باتیں جو انہوں نے گھڑ لی ہیں ان کا بدلہ اللہ انہیں دے کر رہے گا۔ یقیناً وہ حکیم ہے اور سب باتوں سے باخبر ہے۔ یقیناً خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت و نادانی کی بنا پر قتل کیا اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اللہ پر افترا پردازی کر کے حرام ٹھہرا لیا۔ یقیناً وہ بھٹک گئے اور ہرگز وہ راہ راست چلنے والوں میں سے نہ تھے۔

تفسیر و تشریح: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکانہ رسوم کی جو اہل عرب میں پائی جاتی تھیں، تردید فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ ان مشرکین نے اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ مقرر کر رکھا ہے اور

Marfat.com

کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے لیے ہے، بزعم خود، اور یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے پھر جو حصہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا مگر جو اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے، یہ مشرکین کیسے برے فیصلے کرتے ہیں۔

" مشرکین اس بات کے خود قائل تھے کہ زمین اللہ کی ہے اور کھیتیاں وہی اگاتا ہے نیز ان جانوروں کا خالق بھی اللہ ہی ہے، جن سے وہ اپنی زندگی میں خدمت لیتے تھے، لیکن ان کا تصور یہ تھا کہ ان پر یہ فضل ان دیویوں اور دیوتاؤں اور فرشتوں اور جنات اور آسمانی ستاروں اور بزرگان سلف کی ارواح کے طفیل و برکت سے ہے جو ان پر نظر کرم رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے کھیتوں کی پیداوار اور اپنے جانوروں میں سے دو حصے نکالتے تھے۔ ایک حصہ اللہ کے نام کا، اس شکریہ میں کہ اس نے یہ کھیت اور یہ جانور انہیں بخشے اور دوسرا حصہ اپنے قبیلہ یا خاندان کے سرپرست معبودوں کی نذر و نیاز کا، تاکہ ان کی مہربانیاں ان کے شامل حال رہیں۔ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ان کے اسی ظلم پر گرفت فرماتا ہے کہ سب مویشی ہمارے پیدا کیے ہوئے اور عطا کردہ ہیں ان میں یہ دوسروں کی نذر و نیاز کیسی؟ یہ نمک حرامی نہیں تو کیا ہے کہ تم اپنے محسن کے احسان کو، جو اس نے سراسر خود اپنے فضل و کرم سے تم پر کیا ہے، دوسروں کی مداخلت اور ان کے توسّط کا نتیجہ قرار دیتے ہو اور شکریہ کے استحقاق میں انہیں اس کے ساتھ شریک کرتے ہو۔ پھر اشارۃً دوسری گرفت اس بات پر بھی فرمائی ہے کہ یہ اللہ کا حصہ جو انہوں نے مقرر کیا ہے وہ بھی بزعم خود کر لیا ہے، اپنے شارع خود بن بیٹھے ہیں آپ ہی جو حصہ چاہتے ہیں اللہ کے لیے مقرر کر دیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں دوسروں کے لیے طے کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اصل مالک اللہ ہے اور یہ بات اسی کی شریعت کے مطابق طے ہونی چاہیے کہ اس بخشش میں سے کتنا حصہ اس کے شکریہ کے لیے نکالا جائے اور باقی میں کون کون حق دار ہیں۔ پس درحقیقت اس خود مختارانہ طریقے سے جو حصہ یہ لوگ اپنے زعم باطل میں خدا کے لیے نکالتے ہیں اور غرباء و مساکین پر خرچ کرتے ہیں وہ بھی کوئی نیکی نہیں ہے۔ خدا کے ہاں اس کے مقبول ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔

Marfat.com

وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ حصّہ جو خدا کے نام کا نکالتے تھے اس میں بھی طرح طرح کی چالبازیاں کر کے کمی کرتے رہتے تھے اور ہر صورت سے اپنے خود ساختہ شریکوں کا حصّہ بڑھانے کی کوشش کرتے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں خدا کے بجائے شریکوں سے زیادہ دلچسپی ہے۔ مثلاً جو غلّے یا پھل وغیرہ خدا کے نام پر نکالے جاتے۔ ان میں سے اگر کچھ گر جاتا تو وہ شریکوں کے حصّہ میں شامل کر دیا جاتا۔ اور اگر شریکوں کے حصّہ میں سے گرتا اور خدا کے حصّے میں مل جاتا تو اسے انہی کے حصّہ میں واپس کر دیا جاتا۔ کھیت کا جو حصّہ شریکوں کی نذر کے لیے مخصوص کیا جاتا تھا اگر اس میں سے پانی اس حصّہ کی طرف بہہ آتا۔ جو خدا کی نذر کے لیے مختص ہوتا تھا تو اس (خدا کے حصّے) کی ساری پیداوار شریکوں کے حصّہ میں داخل کر دی جاتی۔ لیکن اگر اس کے برعکس صورت پیش آتی تو خدا کے حصّہ میں کوئی اضافہ نہ کیا جاتا۔ اگر خشک سالی کی وجہ سے نذر و نیاز کا غلّہ خود استعمال کرنے کی ضرورت پیش آجاتی تو خدا کا حصّہ تو کھا لیتے تھے مگر شریکوں کے حصّہ میں کچھ کمی آجاتی تو وہ خدا کے حصّے سے پوری کی جاتی تھی لیکن خدا کے حصّہ میں کمی ہوتی تو شریکوں کے حصّہ میں سے ایک دانہ بھی اس میں نہ ڈالا جاتا۔ اگر کوئی ان کے اس طرزِ عمل پر نکتہ چینی کرتا تو جواب میں طرح طرح کی دلفریب توجیہیں کی جاتی تھیں۔ مثلاً کہتے تھے کہ "خدا تو غنی ہے اس کے حصّہ میں سے کچھ کم بھی ہو جائے تو اسے کیا پروا ہو سکتی ہے۔ رہے یہ شریک، تو یہ بندے ہیں، خدا کی طرح غنی نہیں ہیں"۔

جہلائے عرب اپنے مال میں سے جو حصّہ خدا کے لیے نکالتے تھے وہ فقیروں، مسکینوں مسافروں اور یتیموں وغیرہ کی مدد میں صرف کیا جاتا تھا اور جو حصّہ شریکوں کی نذر و نیاز کے لیے نکالتے تھے وہ یا تو براہِ راست مذہبی طبقوں کے پیٹ میں جاتا تھا یا آستانوں پر چڑھاوے کی صورت میں پیش کیا جاتا اور اس طرح بالواسطہ مجاوروں اور پجاریوں تک پہنچ جاتا تھا۔ اسی لیے ان خود غرض مذہبی پیشواؤں نے ان جاہلوں کے دل میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ خدا کے حصّہ میں کمی ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں مگر خدا کے پیاروں کے حصّہ میں کمی نہ ہونی چاہیے۔ بلکہ حتّی الامکان کچھ بیشی ہی ہوتی رہے تو بہتر ہے۔

Marfat.com

پھر فرمایا کہ بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا دیا ہے۔ یہاں شریکوں سے مراد ایک تو وہ معبودان باطلہ اور دیوتا ہیں جن کو خوش کرنے کیلئے وہ اپنی اولاد تک کو قتل کر دیتے تھے دوسرے اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ انسان اور شیطان جنہوں نے قتل اولاد کو ان لوگوں کی نگاہ میں ایک جائز اور پسندیدہ فعل بنا دیا تھا۔ قتل اولاد کی تین صورتیں اہل عرب میں رائج تھیں اور قرآن میں تینوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:- (۱) لڑکیوں کا قتل' اس خیال سے کہ کوئی ان کا داماد نہ بنے' یا لڑائیوں میں وہ دشمن کے ہاتھ نہ پڑیں' یا کسی دوسرے سبب سے وہ ان کے لیے سبب عار نہ بنیں۔ (۲) بچوں کا قتل' اس خیال سے کہ ان کی پرورش کا بار نہ اٹھایا جا سکے گا اور ذرائع معاش کی کمی کے سبب سے وہ ناقابل برداشت بوجھ بن جائیں گے۔ (۳) بچوں کو اپنے معبودوں کی خوشنودی کے لیے بھینٹ چڑھانا۔

شریکوں نے قتل اولاد کو خوشنما بنا دیا ہے تاکہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان کے دین کو ان پر مخبوط کر دیں۔ ہلاکت سے مراد اخلاقی ہلاکت بھی یعنی جو انسان سنگدلی اور شقاوت کی اس حد کو پہنچ جائے کہ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے لگے۔ اس میں تو پھر انسانیت تو درکنار جوہر حیوانیت تک باقی نہیں رہتا اور نوعی وقومی ہلاکت بھی کہ قتل اولاد کا لازمی نتیجہ نسلوں کا گھٹنا اور آبادی کا کم ہونا ہے۔ جس سے نوع انسانی کو بھی نقصان پہنچتا ہے' اور وہ قوم بھی تباہی کے گڑھے میں گرتی ہے جو اپنے حامیوں اور اپنے تمدن کے کارکنوں اور اپنی میراث کے وارثوں کو پیدا نہیں ہونے دیتی یا پیدا ہوتے ہی اپنے ہاتھوں انہیں ختم کر ڈالتی ہے۔ اور اس سے مراد انجامی ہلاکت بھی ہے کہ جو شخص معصوم بچوں پر یہ ظلم کرتا ہے۔ اور جو اپنی انسانیت کو بلکہ اپنی حیوانی فطرت تک کو یوں الٹی چھری سے ذبح کرتا ہے اور جو نوع انسانی کے ساتھ اور خود اپنی قوم کے ساتھ یہ دشمنی کرتا ہے وہ اپنے آپ کو خدا کے شدید عذاب کا مستحق بناتا ہے۔ اسی طرح ان شریکوں نے ان کے دین کو مشتبہ کر دیا ہے۔ اصل دین ابراہیمی سے ہٹ کر وہ بدعات اور غلط رسوم میں مبتلا ہیں سو انہیں معلوم نہیں کہ اصل مذہب کیا تھا اور بعد

Marfat.com

کیا چیزیں کس زمانہ میں کس نے کس طرح اضافہ کیں۔ اس طرح ان کا پورا دین شتربے مہار ہو کر رہ گیا تھا۔ نہ کسی چیز کے متعلق یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے تھے کہ یہ اس اصل دین کا جز ہے جو خدا کی طرف سے آیا تھا اور نہ یہ جانتے تھے کہ یہ بدعات اور غلط رسوم ہیں جو بعد میں لوگوں نے بڑھا دیں۔

اگر اللہ چاہتا کہ وہ ایسا نہ کریں (اولاد کو قتل نہ کریں) تو وہ کبھی نہ کر سکتے تھے لیکن چونکہ اللہ کی مشیت یہی تھی کہ ہر شخص جس راہ پر جانا چاہتا ہے۔ اسے جانے کا موقع دیا جائے۔ اسی لیے یہ سب کچھ ہوا۔ پس اگر یہ لوگ تمہارے سمجھانے سے نہیں مانتے اور ان افترا پردازیوں پر ہی انہیں اصرار ہے تو جو کچھ یہ کرنا چاہتے ہیں کرنے دو۔ ان کے پیچھے پڑنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

دوسری رسم جو ان میں پائی جاتی تھی یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ "یہ مویشی اور یہ کھیت ممنوع ہیں۔ انہیں صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں۔ جنہیں ہم کھلانا چاہیں" حالانکہ ان کی یہ پابندی خود ساختہ تھی۔ اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ بعض جانوروں کے متعلق یا بعض کھیتوں کی پیداوار کے متعلق منت مان لیتے تھے کہ یہ فلاں آستانے یا فلاں حضرت کی نیاز کے لیے مخصوص ہے۔ اس نیاز کو ہر ایک نہ کھا سکتا تھا بلکہ اس کے لیے ان کے ہاں ایک مفصل ضابطہ تھا جس کی رُو سے مختلف نیازوں کو مختلف قسم کے مخصوص لوگ ہی کھا سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس فعل کو نہ صرف مشرکانہ افعال میں شمار کرتا ہے۔ بلکہ اس پہلو پر تنبیہ فرماتا ہے کہ یہ ضابطہ ان کا خود ساختہ ہے۔ یعنی جس خدا کے رزق میں سے وہ یہ منتیں مانتے اور نیازیں کرتے ہیں۔ اس نے نہ ان منتوں اور نیازوں کا حکم دیا ہے اور نہ ان کے کھانے کے متعلق یہ پابندیاں لگائی ہیں۔ یہ سب کچھ ان خود سر اور باغی بندوں نے اپنے اختیار سے خود ہی گھڑ لیا ہے۔

اسی طرح بعض جانوروں کو دیوتاؤں کے نام پر نامزد کر کے سانڈ بنا کر چھوڑ دیتے۔ اور پھر ان سے نہ سواری کا کام لیا جاتا اور نہ باربرداری کا اور

Marfat.com

اپنے گمان کے مطابق ہی ان کو اپنے استعمال کے لیے حرام قرار دے لیتے۔ کچھ جانوروں پر اللہ کا نام نہ لیتے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب کے بعض مخصوص منتوں اور نذروں کے جانور ایسے ہوتے تھے جن پر خدا کا نام لینا جائز نہ سمجھا جاتا تھا۔ ان پر سوار ہو کر حج کرنا ممنوع تھا، کیونکہ حج کے لیے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہنا پڑتا تھا۔ اسی طرح ان کا دودھ دوہتے وقت، یا ان پر سوار ہونے کی حالت میں، یا ان کو ذبح کرتے ہوئے، یا ان کا گوشت کھانے سے وقت اہتمام کیا جاتا تھا کہ خدا کا نام زبان پر نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب قاعدے کلیے خدا کے مقرر کیے ہوئے نہیں ہیں۔ مگر وہ ان کی پابندی یہی سمجھتے ہوئے کر رہے ہیں کہ انہیں خدا نے مقرر کیا ہے۔ اور ایسا سمجھنے کے لیے ان کے پاس خدا کے حکم کی کوئی سند نہیں ہے بلکہ صرف یہی سند ہے کہ باپ دادا سے یونہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ الغرض انہوں نے یہ سب حلال و حرام مقرر کر کے اللہ پر افترا کیا ہے اور اللہ انہیں ان افترا پردازیوں کا بدلہ دے گا۔

پھر ان میں ایک یہ بھی دستور تھا کہ اگر جانوروں کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہو تو اس کا گوشت صرف مرد کھا سکتے ہیں۔ عورتوں کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔ لیکن اگر وہ بچہ مردہ ہو یا مر جائے تو پھر اس کا گوشت کھانے میں مرد و عورت سب شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ انہوں نے گھڑ لیا ہے۔ ان کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ اللہ ان کو ان بدعات اور رسم و رواج کا بدلہ دیگا۔ بے شک وہ بڑا حکمت والا ہے اور ان سب باتوں سے باخبر ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یقیناً خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت و نادانی کی بناء پر قتل کیا اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اللہ پر افترا پردازی کر کے حرام ٹھہرا لیا۔ یقیناً وہ بھٹک گئے اور راہ راست پانے والوں میں سے نہ تھے۔

Marfat.com

رِزْقَہُمُ اللّٰہُ سے مراد کھانے پینے کی چیزیں ہیں یعنی اپنے وہم وگمان سے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اللہ نے ایسا حکم دیا ہے۔ وہ اللہ پر بہتان لگاتے ہیں اور وہ اللہ کے احکام سے سرکشی اور نافرمانی کر کے راہ راست سے بھٹک گئے ہیں۔ (تفہیم القرآن)

مُشرکین کی خود ساختہ حلّت و حرمت کا بیان اور اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کا بیان

آیت ۱۴۳ تا ۱۴۵ - ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ
مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ
اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ
قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ
اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ
اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً
اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا
اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ
فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

مشکل الفاظ کے معانی اَزْوَاجٌ - زوج کی جمع ہے - نر اور مادہ دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے یہاں مراد جوڑا ہے۔ الضَّاْنِ - بھیڑ - مَعْز - بکری - الذَّكَرَيْنِ - الذکر کا تثنیہ ہے یعنی دو نر - اُنْثَيَيْنِ - انثیٰ کا تثنیہ ہے یعنی دو مادہ - اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ - جب اللہ نے تمہیں حکم دیا تھا - مُحَرَّمًا - حرام - طَاعِمٍ - کھانے والا - دَمًا مَّسْفُوْحًا - بہایا ہوا خون۔

Marfat.com

ترجمہ۔ (اللہ ہی نے) آٹھ جوڑے پیدا کیے۔ دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے۔ آپ کہیے کہ (اللہ نے) آیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادوں کو، یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادائیں (بھیڑ اور بکری) اپنے رحم میں لیے ہوئے ہیں۔ ٹھیک ٹھیک علم کے ساتھ مجھے بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ اور اسی طرح دو قسمیں ہیں اونٹ میں بھی اور دو قسمیں ہیں گائے میں بھی۔ آپ کہیے کہ (اللہ نے) آیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادوں کو یا اس (بچہ) کو جسے دونوں مادائیں اپنے رحم میں لیے ہوئے ہیں۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تم کو اس (حلال و حرام) کا حکم دیا تھا۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ، بہتان باندھے بغیر علم کے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے۔ اللہ تو ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ آپ کہہ دیجیے مجھ پر جو وحی آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو الا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے، یا فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبوری کی حالت میں (کوئی چیز ان میں سے کھا لے) بغیر اس کے کہ وہ نافرمانی کا ارادہ رکھتا ہو اور بغیر اس کے کہ وہ حدِ ضرورت سے تجاوز کرے، تو یقیناً تیرا رب درگزر سے کام لینے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

تفسیر و تشریح:۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ مشرکین کے توہمات کو بیان کرتا ہے اور یہ سوال اس تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ . . . . . .
کہ ان پر خود ان کے توہمات کی غیر معقولیت واضح ہو جائے۔ یہ بات کہ ایک ہی جانور کا نر حلال ہو اور مادہ حرام، یا مادہ حلال ہو اور نر حرام، یا جانور خود حلال ہو مگر اس کا بچہ حرام، یہ صریحاً ایسی نامعقول بات ہے کہ عقلِ سلیم اسے ماننے سے انکار کرتی ہے اور کوئی ذی عقل انسان یہ تصور نہیں کر سکتا کہ خدا نے ایسی لغویات کا حکم دیا ہوگا۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم اس حلال و حرام کے معاملے میں سچے ہو تو ٹھیک ٹھیک علم کے ساتھ بتاؤ۔ صرف گمان و وہم یا آبائی روایات پیش نہ کرو بلکہ علم پیش کرو اگر وہ تمہارے پاس ہے اور یہ بتاؤ کہ کیا اللہ نے براہِ راست مخاطب کر کے ان چیزوں کو تمہارے لیے حرام کیا ہے۔

Marfat.com

پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر افترا باندھے یعنی تحلیل و تحریم ما کولات کا مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے لے اور اسے خدا کی تعلیم سمجھے اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتا پھرے بے شک اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

آپ ان سے کہدیں کہ جو وحی مجھ پر آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون یا سور کا گوشت کیونکہ وہ بالکل گندہ ہے یا جو فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ لیکن مجبوری کی حالت میں حرام کردہ چیزیں بھی حلال ہیں بشرطیکہ نافرمانی مقصود نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ نہ کھائے (تفصیل کیلئے دیکھئے صفحہ ۱۹۰)

سورۃ مائدہ میں صرف خون کی حرمت کا حکم تھا یہاں اسکے ساتھ مسفوح کی قید لگادی گئی ہے یعنی ایسا خون جو کسی جانور کو زخمی کرکے یا ذبح کرکے نکالا گیا ہو۔ گویا یہ اس خون کی تشریح ہے۔

اس آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مشرکین کی غلط رسوم اور خود ساختہ پابندیوں کی تردید مقصود ہے۔ انہوں نے اپنے اوپر بعض چیزیں حرام کرکے نیکی بدعت رائج کرلی تھی جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ کی حرمت۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے فرمان سے ان کو خبردار کیا کہ ایسے جانوروں کی حرمت کا تو کہیں ذکر نہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو ان کے کھانے سے بچنے کی کوئی ضرورت نہیں صرف مردار، بہایا ہوا خون اور سور کے گوشت اور غیر اللہ کے ذبیحہ کے کھانے کی ممانعت ہے۔ اس کے سوا اور کسی چیز کو خدا نے حرام نہیں کیا۔ اور جس کو خدا نے حرام نہیں کیا تم کہاں سے اس کو حرام بنا رہے ہو۔

اللہ کی طرف سے نیکیاں کئی گنا زیادہ کردی جاتی ہیں

آیت ۱۶۰۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

مشکل الفاظ کے معانی: حَسَنَةٌ: نیکی، بھلائی کا کلام۔ ایسا کلام جس سے کہ خدا اور اس کا رسول راضی ہو۔ سَیِّئَةٌ: برائی۔

Marfat.com

گناہ کا کام۔

ترجمہ:۔ جو کوئی نیکی لے کر آئے گا۔ اس کو اس کے مثل دس نیکیاں ملیں گی۔ (دس گنا اجر) اور جو بدی لے کر آئے گا۔ اس کو بس اس کے برابر ہی بدلہ ملے گا۔ اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

تفسیر و تشریح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا رب عزوجل بڑا رحیم و کریم ہے۔ کسی شخص نے اگر کسی نیک کام کا ارادہ کر لیا لیکن اس پر عمل نہ کر سکا تو بھی اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اور اگر عمل بھی کر لیا تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ یہ اضافہ حسن نیت کا لحاظ کرتے ہوئے سات سو گنا تک بھی جا پہنچتا ہے۔ اور اگر کسی نے ایک گناہ کا ارادہ کیا۔ تو ارادہ کی بناء پر اس کے نام بدی کا اندراج نہیں ہو گا۔ جب تک کہ وہ عمل نہ کر لے۔ ... ... پس اگر عمل کرے تو دس بدیوں کے بجائے ایک ہی بدی اس کے نام پر لکھی جائے گی۔ اور ارادے کے باوجود اگر گناہ سے باز آ گیا۔ تو بلا عمل بھی ایک نیکی کا اندراج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسی کا گناہ سے باز رہنا مجھ سے خوف کی بناء پر تھا۔

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ہر مہینے تین دن روزہ رکھے۔ تو اس نے ... گویا سال بھر کے روزے رکھ لیے۔ یہ اجر بھی اسی اصول موضوعہ کی بناء پر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق اپنی کتاب میں فرما دی ہے۔ چنانچہ ایک دن کا روزہ دس دن کے برابر ہوا تو سال بھر میں چھتیس ۳۶ روزوں کا اجر تین سو ساٹھ ۳۶۰ روزوں کا حجم بن جاتا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیت مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا میں حسنۃ سے مراد کلمہ توحید یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ میں لفظ سیئۃ سے شرک مراد ہے۔

Marfat.com

سُورَۃُ الاَعْرَاف

تمہید:- یہ مکی سورۃ ہے۔ اس میں کل دو سو چھ (۲۰۶) آیات ہیں۔ جن میں سے پہلی ستاسی (۸۷) آیات آٹھویں پارے میں اور باقی ایک سو انیس (۱۱۹) آیات نویں پارے میں ہیں۔ قرآن پاک کی کل ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ جن میں اس سورۃ کا ساتواں نمبر ہے۔

نام اور وجہ تسمیہ: اعراف کا مادہ ع ر ف ہے۔ اعراف عرف کی جمع ہے۔ عرف اونچی جگہ کو کہا جاتا ہے۔ مرغ کی کلغی کو بھی عرف اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بلند ہوتی ہے۔ ابن عباسؓ کے نزدیک جنت و دوزخ کے درمیان ایک ٹیلہ ہے۔ جہاں گناہگار لوگ روک لیے جائیں گے۔ عرف کے معنی پہچاننا بھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ اعراف اس لیے نام رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں کے لوگ اپنے لوگوں کو پہچان لیں گے۔

۱- وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ۝ (۴۶)

ترجمہ:- اور ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی۔ جس کی بلندیوں (اعراف) پر کچھ اور لوگ ہوں گے۔ یہ ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچان لیں گے۔ اور جنت والوں سے پکار کر کہیں گے کہ "سلامتی ہو تم پر" یہ لوگ جنت میں داخل تو نہیں ہوئے مگر اس کے امیدوار ہوں گے۔

۲- وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ۝ (۴۸)

ترجمہ:- پھر یہ اعراف کے لوگ (دوزخ کی) چند بڑی بڑی شخصیتوں کو

Marfat.com

انکی علامتوں سے پہچان کر پکاریں گے کہ " دیکھ لیا تم نے آج نہ تمہارے جتھے کسی کام آئے اور نہ وہ ساز و سامان جن کو تم بڑی چیز سمجھتے تھے۔

یعنی اصحاب الاعراف وہ لوگ ہوں گے۔ جن کی زندگی کا نہ تو مثبت پہلو ہی اتنا قوی ہوگا کہ جنت میں داخل ہو سکیں اور نہ منفی پہلو ہی اتنا خراب ہوگا کہ دوزخ میں جھونک دیئے جائیں۔ اس لیے وہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک سرحد پر رہیں گے۔

گو مفسرین کی تعبیر میں اصحاب الاعراف کے بارے میں مختلف ہیں لیکن سب اس معنی پر متفق نظر آتے ہیں کہ ان سے مراد وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں گی۔

گویا سورۃ اعراف کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سورت جس میں اعراف کا ذکر ہے۔ یہ نام محض علامت کے طور پر رکھا گیا ہے۔ سورت کے مضامین سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں۔ صرف دوسری سورتوں سے تمیز کرنے کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔

زمانہ نزول:۔ اس کا نزول تقریباً وہی ہے جو سورۃ انعام کا ہے لہٰذا سورۃ انعام کے زمانہ نزول پر نظر ڈال لی جائے تاکہ اس سورت کے مضامین اچھی طرح سمجھ میں آسکیں۔

مباحث:۔ اس سورت میں خصوصیت کے ساتھ نبوت پر بحث ہے اور بتایا گیا ہے کہ کتاب اللہ کے نزول کی کیا ضرورت ہوتی ہے کس طرح وحی الٰہی انسان کو شیطان کے حملوں سے محفوظ کر سکتی ہے۔ کس طرح حق کی مخالفت کرنے والے آخر نامراد رہتے ہیں۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عامہ کا ذکر ہے اور میثاق شریعت سے میثاق فطرت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ:۔

تمام سورت کا مدعا یہ ہے کہ مخاطبوں کو خدا کے فرستادہ پیغمبرؐ کی پیروی

Marfat.com

اختیار کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ لیکن اس دعوت میں انذار (تنبیہ اور ڈرانے) کا رنگ زیادہ نمایاں پایا جاتا ہے، کیونکہ جو لوگ مخاطب ہیں (یعنی اہل مکہ) ان کو سمجھاتے سمجھاتے ایک طویل زمانہ گذر چکا ہے اور ان کی گمراہی، ہٹ دھرمی اور مخالفانہ ضد اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ عنقریب پیغمبر کو ان سے مخاطبہ بند کر کے دوسروں کی طرف رجوع کرنے کا حکم ملنے والا ہے۔ اس لیے تفہیمی انداز میں قبول رسالت کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ ان کو یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ جو روش تم نے اپنے پیغمبر کے مقابلے میں اختیار کر رکھی ہے، ایسی ہی روش تم سے پہلے کی قومیں اپنے پیغمبروں کے مقابلہ میں اختیار کر کے بہت برا انجام دیکھ چکی ہیں۔ پھر چونکہ ان پر حجت تمام ہونے کے قریب آ گئی ہے، اس لیے تقریر کے آخری حصہ میں دعوت کا رخ ان سے ہٹ کر اہل کتاب کی طرف پھر گیا ہے اور ایک جگہ تمام دنیا کے لوگوں سے عام خطاب کیا گیا ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ اب ہجرت قریب ہے اور وہ دور جس میں نبی کا خطاب تمام تر اپنے قریب کے لوگوں سے ہوا کرتا ہے، خاتمہ پر آ لگا ہے۔

دوران تقریر میں چونکہ خطاب کا رخ یہود کی طرف بھی پھر گیا ہے۔ اس لیے ساتھ ساتھ دعوت رسالت کے اس پہلو کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ پیغمبر پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ منافقانہ روش اختیار کرنے، اور سمع و طاعت کا عہد استوار کرنے کے بعد اسے توڑ دینے، اور حق و باطل کی تمیز سے واقف ہو جانے کے بعد باطل پرستی میں مستغرق رہنے کا انجام کیا ہے۔

سورت کے آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رض کو حکمت تبلیغ کے متعلق چند اہم ہدایات دی گئی ہیں اور خصوصیت کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی ہے کہ مخالفین کی اشتعال انگیزیوں اور چیرہ دستیوں کے مقابلہ میں صبر و ضبط سے کام لیں اور جذبات کے ہیجان میں مبتلا ہو کر کوئی ایسا اقدام نہ کریں جو اصل مقصد کو نقصان پہنچانے والا ہو۔

Marfat.com

آیت ۱ تا ۲۱ سورت کا آغاز رسالت رسول اللہ صلی اللہ
اجمالی مطالب :- علیہ وسلم سے کیا ہے کہ یہ ایک کتاب (سورت اعراف) ہے جو آپؐ پر نازل کی گئی ہے۔ پس آپؐ کے دل میں کسی قسم کا خوف یا جھجک پیدا نہ ہو۔ آپ اس کے ذریعے سے لوگوں کو (آخرت سے) ڈرائیں اور ایمانداروں کے لیے تو یہ (قرآن) نصیحت ہے۔

آیت ۲ تا ۵ - جملہ نوع انسانی سے خطاب ہے کہ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے) نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی پیروی نہ کرو۔ ہمیں اس چیز کا علم ہے کہ تم نصیحت کم ہی قبول کرتے ہو۔ اس کے بعد ان کا ذکر ہے۔ جنہوں نے انبیاء کی دعوت توحید کو ٹھکرا دیا تو اس کی پاداش میں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ .. ..

.. .. ان پر ہمارا عذاب اچانک رات کے وقت ٹوٹ پڑا یا دن دہاڑے ایسے وقت آیا جب کہ وہ آرام کر رہے تھے۔ عذاب کے پہنچنے کے بعد انہوں نے خود اپنے ظلم (شرک) کا اقرار کیا۔

آیت ۶ تا ۹ - قیامت کے دن کا ذکر ہے کہ اُس روز ایک طرف تو رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے نوع انسانی تک خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے کیا کچھ کیا؟ دوسری طرف جن لوگوں تک رسولوں کا پیغام پہنچا۔ ان سے سوال کیا جائے گا۔ کہ اس پیغام کے ساتھ تم نے کیا برتاؤ کیا؟ اس دن ہم ان کے سامنے پورے علم کے ساتھ ان کے تمام اعمال پیش کر دیں گے۔ آخر کار ہم غائب تو نہیں تھے اس روز وزن (عقائد و اعمال کا) برحق ہے۔ جن کا وزن بھاری ہو گا۔ وہی فلاح پائیں گے اور جن کا وزن ہلکا ہو گا۔ وہ اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے۔ کیونکہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہے تھے۔

۱۰ تا ۲۵ - خطاب عام عالم انسانی کو ہے کہ کس طرح ہم نے تمہارے مورث اعلیٰ

کو پیدا کیا۔ شیطان نے انہیں ورغلایا اور جنت سے باہر کیا۔ کیونکہ وہ بنی نوع انسان کا کھلا دشمن ہے۔ چنانچہ فرمان ہے۔ اے لوگو! ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمہارے لئے سامان زندگی پیدا کیا مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہیں۔ حضرت انسان کی تخلیق کے بارے میں فرمایا کہ ہم .. نے تمہیں پیدا کیا تمہاری صورت بنائی پھر فرشتوں سے کہا آدمؑ کو سجدہ کرو اس حکم پر سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ ابلیس سے پوچھا گیا کہ "تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا" ابلیس بولا "میں اس (آدمؑ) سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے۔ اللہ نے فرمایا کہ "اچھا تو پھر یہاں سے نیچے اتر جا۔ تجھے حق نہیں ہے کہ یہاں (جنت) بڑائی کا گھمنڈ کرے۔ نکل جا۔ درحقیقت تو ان لوگوں میں سے ہے جو خود اپنی ذلت چاہتے ہیں"۔ اس پر ابلیس بولا کہ مجھے قیامت تک مہلت دے۔ اللہ نے فرمایا کہ جا تجھے مہلت ہے ابلیس بولا کہ جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا، آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور ان میں سے اکثر کو ناشکر گزار ہی پائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حکم دیا کہ "یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا۔ اور یاد رکھ کہ ان (بنی نوع انسان) میں سے جو تیری پیروی کریں گے۔ تجھ سمیت ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

اے آدمؑ، تو اور تیری بیوی دونوں اس جنت میں رہو جس چیز کو تمہارا جی چاہے کھاؤ پیو، مگر اس (خاص) درخت کے پاس مت جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے" پھر دونوں کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے اس نے ان دونوں سے کہا۔ تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے

Marfat.com

لڑکا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے۔" اور اس نے ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ اس طرح دھوکہ دے کر وہ ان دونوں کو رفتہ رفتہ اپنے ڈھب پر لے آیا۔ آخر کار جب انہوں نے اس (خاص) درخت کا مزہ چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ دونوں اپنے جسموں کو جنت کے (درختوں کے) پتوں سے ڈھانکنے لگے اس پر ان کے رب نے انہیں پکارا کیا میں نے تمہیں اس (خاص) درخت سے نہ روکا تھا اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ وہ دونوں بول اٹھے اے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے اس پر اللہ نے فرمایا اُتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے ایک خاص مدت تک زمین ہی میں جائے قرار اور سامانِ زیست ہے۔" فرمایا کہ "وہیں تم کو جینا اور وہیں مرنا ہے اور اسی میں سے تم کو آخر کار نکالا جائے گا۔"

ع۲۶۔ لباس کے متعلق ارشاد ہے کہ اے اولادِ آدم! اس کی بنیادی غرض جسم کے قابلِ شرم حصوں کی پردہ پوشی ہے۔ اس کے بعد جسم کی حفاظت اور زینت۔ بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے شاید کہ یہ لوگ اس سے سبق لیں۔

ع۲۷ تا ع۲۹۔ بنی آدم ؑ سے خطاب ہے کہ شیطان کی طرف سے ہوشیار رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پھر تمہیں فتنے میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا۔ اور ان کے لباس تک ان سے اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو جائیں۔ یاد رکھو کہ وہ (شیطان) اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ یہ شیاطین ان لوگوں کے رفیق و سرپرست ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ یہ لوگ (مشرکین) جب شرمناک کام (برہنہ طواف) کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے

Marfat.com

اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور اللہ ہی نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اے نبیؐ! آپؐ ان سے کہہ دیں کہ اللہ بے حیائی کا حکم کبھی نہیں کرتا۔ کیا تم اللہ کا نام لے کر وہ باتیں کہتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں، آپؐ ان سے کہہ دیں کہ میرے رب نے تو راستی و انصاف کا حکم دیا ہے اور اس کا حکم تو یہ ہے کہ ہر عبادت میں اپنا رُخ ٹھیک رکھو اور اسی کو پکارو، اپنے دین کو اس طرح خالص رکھو کہ جس طرح اس نے تمہیں اب پیدا کیا ہے اسی طرح تم پھر (حشر و نشر کو) پیدا کیے جاؤ گے۔ ہدایت یافتہ گروہ کا ذکر ہے کہ ایک گروہ جس نے اپنی قوتِ اختیار و انتخاب سے صحیح کام لیا تو ہم نے سیدھا راستہ دکھایا ہے اور دوسرے گروہ، جس نے اپنی قوتِ اختیار و انتخاب سے غلط کام لیا پر گمراہی چسپاں ہو کر رہ گئی ہیں، کیونکہ اس دوسرے گروہ نے خدا کے بجائے شیاطین کو اپنا سرپرست بنایا اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں۔

ع۳۱۔ بنی آدم کو خطاب ہے کہ ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت (مکمل لباس) سے آراستہ رہو کھاؤ پیو، مگر حد سے تجاوز نہ کرو کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۳۲ تا ع۳۳۔ اے نبیؐ آپ ان (مشرکین) سے پوچھیں کہ کس نے اللہ کی زینت کو حرام کر دیا ہے کہ تم برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے ہو حالانکہ اللہ نے اسے اپنے بندوں کے لئے نکالا ہے اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی چیزیں ممنوع کر دی ہیں؟ آپ ان کو بتا دیں کہ یہ ساری چیزیں دنیوی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصتاً انہی کے لیے ہوں گی۔ اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ اے نبیؐ! آپ ان کو بتا دیں۔ کہ یہ چیزیں حرام ہیں۔

۱۔ بے شرمی کے کام خواہ کھلے ہوں یا چھپے۔
۲۔ گناہ اور کسی پر ناحق زیادتی۔

Marfat.com

۳۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا جس کے لیے اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔

۴۔ اور یہ کہ اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کہنا جس کے متعلق علم نہ ہو۔

ع۳۴۔ اللہ تعالیٰ ایک قاعدہ کلیہ بیان کر رہے ہیں کہ ہر قوم کے لیے ایک میعاد معین ہوتی ہیں اور جب میعاد معین پوری ہو جاتی ہے تو ایک گھڑی بھر کی تاخیر و تقدیم بھی نہیں ہوتی یعنی جب وہ قوم اللہ کی نافرمانی اور سرکشی میں حد سے گزر جاتی ہے تو پھر اس بدکار و بدصفات قوم کو مزید مہلت نہیں دی جاتی بلکہ اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔

ع۳۵ تا ع۵۱۔ اللہ کے اطاعت گذار اور نافرمانبردار بندوں کے لیے جزا و سزا کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ اے بنی آدمؑ! اگر تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایسے رسول آئے جو تمہیں میری آیات سنا رہے ہیں۔ پس جو کوئی تقویٰ اختیار کرے اور اپنی اصلاح کرے تو ان پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ ہمارے احکام کو جھٹلائیں گے اور ان سے تکبر کریں گے وہ اہل دوزخ ہوں گے۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ سو ان سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی طرف جھوٹی باتیں گھڑ کر منسوب کرے یا اس کی سچی بات کو جھٹلائے۔ ایسے اپنے نوشتۂ تقدیر کے مطابق اپنا حصہ پاتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ہمارے قاصد (فرشتے) ان کے پاس جانیں قبض کرنے آ جائیں گے۔ اس وقت (عالم نزع میں) وہ ان سے پوچھیں گے کہ اب کہاں ہیں وہ تمہارے معبود جنہیں تم خدا کے سوا پکارا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ واقعی ہم سے سب معبودان باطل غائب ہو گئے اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ ہم واقعی منکرِ حق تھے۔ اللہ فرمائے گا کہ جاؤ تم بھی اسی جہنم میں چلے جاؤ جس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے گروہ جن و انس کے جا چکے ہیں۔ ہر گروہ جب جہنم میں داخل ہوگا تو اپنے پیش رو گروہ پر لعنت کرتا ہوا داخل ہوگا۔ حتیٰ کہ جب سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ہر بعد والا گروہ پہلے گروہ کے حق میں کہے گا کہ "اے رب! یہ لوگ تھے۔ جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا لہٰذا انہیں آگ کا دوہرا عذاب دے"۔ اللہ فرمائے گا "ہر ایک کے لیے دوہرا ہی عذاب ہے مگر تم جانتے نہیں ہو" اور پہلا گروہ

دوسرے گروہ سے کہے گا "کہ تم کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں اب اپنی کمائی کے نتیجہ میں عذاب کا مزہ چکھو"۔ یاد رکھو، جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور ان کا جنت میں داخل ہونا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا۔ مجرموں کو ہمارے ہاں سے ایسا ہی بدلا ملا کرتا ہے۔ ان کے لیے تو جہنم ہی کا بچھونا ہوگا اور اسی کا اوڑھنا۔ ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ــــ ہم کسی شخص کے ذمہ اس کی استطاعت سے زاید کام نہیں رکھتے۔ وہ اہل جنت ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے ان کے دلوں میں جو کچھ ایک دوسرے کے خلاف کدورت ہوگی اسے ہم نکال دیں گے ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور وہ کہیں گے "کہ ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں راستہ دکھایا ہم خود راہ نہ پا سکتے تھے اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ کرتا ہمارے رب کے بھیجے ہوئے رسول واقعی حق ہی لے کر آئے تھے۔ اس وقت ندا آئے گی کہ "یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، تمہیں یہ ان اعمال کے بدلے میں ملی ہے جو تم کرتے رہتے تھے" پھر یہ جنت کے لوگ دوزخ والوں سے پکار کر کہیں گے "ہم نے ان سارے وعدوں کو ٹھیک پا لیا جو ہمارے رب نے ہم سے کیے تھے، کیا تم نے بھی ان وعدوں کو ٹھیک پا لیا جو تمہارے رب نے تم سے کیے تھے"؟ وہ جواب دیں گے "ہاں"۔ تب ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان پکارے گا۔ کہ "خدا کی لعنت ان ظالموں پر جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے اور آخرت کے منکر تھے۔

ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک اوٹ حائل ہوگی جس کی بلندیوں (اعراف) پر کچھ اور لوگ ہوں گے، یہ ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچانیں گے اور جنت والوں سے پکار کر کہیں گے کہ "سلامتی ہو تم پر" یہ لوگ جنت میں داخل تو نہیں ہوئے مگر اس کے امیدوار ہوں گے اور جب ان کی نگاہیں دوزخ والوں کی طرف پھیریں گی تو

Marfat.com

کہیں گے "اے رب! ہمیں ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کرنا"۔ پھر یہ اعراف کے لوگ دوزخ کی چند بڑی بڑی شخصیتوں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر پکاریں گے کہ "دیکھ لیا تم نے" آج نہ تمہارے جتھے تمہارے کسی کام آئے اور تمہارا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور کیا یہ اہل جنت وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان کو تو خدا اپنی رحمت میں سے کچھ بھی نہ دے گا لیکن آج انہی سے کہا گیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ تمہارے لیے نہ خوف ہے نہ رنج"۔

دوزخ جنتیوں کو عرض کریں گے کہ کچھ تھوڑا سا پانی ہم پر بھی ڈال دو یا جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ ہماری طرف بھی پھینک دو۔ جنتی جواب دیں گے کہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں ان منکرین حق پر حرام کر دی ہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تفریح بنا لیا تھا۔ اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا رکھا تھا۔ اللہ فرمائے گا کہ آج ہم بھی انہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح وہ اس دن کی (آخرت) ملاقات کو بھولے رہے اور ہماری آیات کا انکار کرتے رہے۔

۵۲ تا ۵۳۔ قرآن مجید کا ذکر ہے کہ ہم نے ان لوگوں کے پاس ایسے علم کی بناء پر مفصل بنا کر بھیج دیا ہے یہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ اور منکرین اس پر ایمان نہیں لائیں گے وہ تو صرف اس دن (یوم آخرت) کے منتظر ہیں جس کے متعلق یہ کتاب (قرآن مجید) خبر دے رہی ہے جس روز وہ انجام سامنے آگیا تو وہی لوگ جنہوں نے پہلے اس نظر انداز کر دیا تھا۔ کہیں گے کہ "واقعی ہمارے رب کے رسول سچ ہی لے کر آئے تھے۔ پھر کیا اب ہمیں کوئی سفارشی ملیں گے جو ہمارے حق میں سفارش کریں؟ یا ہمیں دوبارہ دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تاکہ جو کچھ ہم پہلے کرتے تھے۔ اس کے بجائے اب دوسرے طریقے (اعمال صالحہ) پر کام کر کے دکھائیں"۔ انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا اور سارے جھوٹ جو وہ گھڑا کرتے تھے ان سے گم ہو گئے۔

۵۴ تا ۵۸۔ خالص توحید کا بیان ہے فرمان ہے کہ حقیقت میں تمہارا رب اللہ

Marfat.com

ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا۔ رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے اور پھر دن رات کو جلدی سے آ لیتا ہے۔ سورج، چاند اور ستاروں کو اسی نے پیدا کیا۔ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ خبردار رہو! اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے سارے جہانوں کا مالک اور پروردگار اللہ بڑا بابرکت ہے۔ سوائے اولاد آدمؑ! اپنے رب سے عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے دعا کیا کرو۔ یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ زمین میں اس کی درستی کے بعد فساد نہ مچاؤ۔ اور اللہ کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے بہت نزدیک ہے۔ وہی ذات واحد ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت (بارش) سے قبل خوشخبری کے طور پر بھیجتا ہے پھر جب وہ ہوائیں بھاری (پانی سے لدے ہوئے) بادل اٹھا لیتی ہیں تو انہیں وہ کسی مردہ زمین کی طرف ہانک لے جاتا ہے اور وہاں مینہ برسا کر اس مردہ زمین سے طرح طرح کے پھل نکالتا ہے۔ دیکھو اسی طرح ہم مردوں کو حالت موت سے نکالتے ہیں شاید کہ تم اس مشاہدے سے سبق حاصل کر لو۔ جو زمین اچھی ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے خوب پھل پھول لاتی ہے اور جو زمین خراب ہوتی ہے اس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نبی کی بعثت کے بعد انسانیت ہمیشہ دو حصوں میں تقسیم ہوتی رہی ہے۔ ایک طیب حصہ جو فیض رسالت سے پھلا اور پھولا اور برگ و بار لایا۔ دوسرا خبیث حصہ جس نے کسوٹی کے سامنے آتے ہی اپنی ساری کھوٹ نمایاں کر کے رکھ دی۔ اسی طرح ہم نشانیوں کو بار بار ان لوگوں کے لیے پیش کرتے ہیں جو شکر گزار ہونے والے ہیں۔

ع۵۹ تا ع۶۴ حضرت آدمؑ اور ان سے متعلقات کا قصہ بیان کرنے کے بعد انبیاء سابقین کے دعوت توحید کے قصص و واقعات شروع ہوتے ہیں ابتدا حضرت نوح علیہ السلام سے کی جا رہی ہے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے

Marfat.com

تمہارا کوئی معبود ہونے کے قابل نہیں۔ مجھے تمہارے لیے ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔" ان کی قوم کے سرداروں نے جواب دیا "ہم تو تم کو بھی گمراہی میں مبتلا دیکھتے ہیں۔" انہوں (نوحؑ) نے فرمایا "اے میری قوم! میں کسی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوں بلکہ میں تو رب العالمین کا رسول ہوں۔ تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔ تمہارا خیر خواہ ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں ہے۔ کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک آدمی کے ذریعے سے نصیحت پہنچی ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم غلط روی سے بچ جاؤ اور تم پر رحم کیا جائے؟" مگر انہوں نے ان کو جھٹلایا۔ آخر کار ہم نے حضرت نوح عؑ اور ان کے ساتھیوں کو ایک کشتی میں نجات دی اور ان لوگوں کو ڈبو دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ یقیناً وہ اندھے لوگ تھے۔

ع ۶۵ تا ۷۲۔ قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی حضرت ہودؑ کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ "اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ سو کیا تم ڈرتے نہیں۔ ان کی قوم میں جو سردار لوگ کفر کرتے تھے۔ بولے ہم تو تم کو حماقت میں (مبتلا) دیکھتے ہیں۔ اور ہم تو تم کو جھوٹوں میں خیال کرتے ہیں۔ ہودؑ نے (کہا) اے میری قوم والو مجھ میں تو (کوئی بھی) حماقت نہیں بلکہ میں تو رسول ہوں (سارے) جہانوں کے پروردگار کی طرف سے پیغام پہنچاتا ہوں۔ .. .. اور تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ کیا تمہیں اس بات پر حیرت ہے کہ تمہارے پاس خود تمہاری اپنی قوم کے ایک آدمی کے ذریعہ سے تمہارے رب کی نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے نوح کی قوم کے بعد تمہیں جانشین بنایا اور تمہیں خوب تنومند کیا۔ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔" انہوں نے جواب دیا "کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں؟ اچھا تو لے آ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکیاں دیتا ہے اگر تو سچا ہے۔" حضرت ہودؑ نے کہا کہ "تمہارے رب کی پھٹکار تم پر پڑ گئی۔

Marfat.com

اور اس کا غضب ٹوٹ پڑا۔ کیا تم مجھ سے ان ناموں پر جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں (کسی کو بارش کا دیوتا کسی کو ہوا کا وغیرہ وغیرہ) جن کے لیے اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری؟۔ اچھا تو تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں"۔ آخر کار ہم نے اپنی رحمت سے ہود اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جو ہماری آیات کو جھٹلا چکے تھے اور ایمان لانے والے نہ تھے۔

ع ۲۳ تا ۷۹۔ قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا "اے میری قوم۔ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی ایک کھلی دلیل آگئی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی کے طور پر ہے لہٰذا اسے (اونٹنی) چھوڑ دو تاکہ وہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔ اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا اور تم نے کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے ہو اور اس کے پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو" ان کی قوم کے سرداروں نے جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے، کمزور طبقہ کے ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے کہا کہ "کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اپنے رب کا فرستادہ پیغمبر ہے؟ انہوں نے جواب دیا بے شک جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے۔ اسے ہم مانتے ہیں، وہ متکبر لوگ کہنے لگے ہم تو اس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لاچکے ہو" پھر انہوں (قوم ثمود) نے اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اور پورے تمرد کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کر گزرے اور صالح سے کہہ دیا کہ "لے آ۔ وہ عذاب، جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو واقعی پیغمبروں میں سے ہے" آخر کار ایک زلزلہ نے ان کو آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔ اور صالح یہ کہتا ہوا ان کی بستیوں سے نکل گیا کہ "اے میری قوم

میں نے اپنے رب کا پیغام تجھے پہنچا دیا تھا۔ اور میں نے تمہاری بہت خیر خواہی کی تھی مگر تم تو خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔

۸۰ تا ۸۴ اور لوطؑ کو بھی ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا "کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا؟ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم بالکل حد ہی سے گزر جانے والے لوگ ہو" مگر ان کی قوم کا جواب اسی کے سوا کچھ نہ تھا کہ "ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے نکال دو، یہ بڑے پاک صاف بنتے ہیں!" آخر کار ہم نے لوطؑ اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی ——— بچالیا اور اس قوم پر (پتھروں کی) بارش برسائی پھر دیکھو کہ ان مجرموں کا کیا انجام ہوا۔

۸۵ تا ۹۳ اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ انہوں نے کہا "اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے کھلا نشان آچکا ہے لہٰذا (i) ناپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں کا نقصان ان کی چیزوں میں مت (ii) زمین میں اس کی درستی کے بعد فساد نہ مچاؤ اس میں تمہاری بھلائی ہے اگر تم واقعی مومن ہو۔ (iii) (زندگی کے) ہر راستے پر رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ تاکہ لوگوں کو خوف زدہ کرو اور ایمان لانے والوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ یاد کرو وہ زمانہ جب تم تھوڑے تھے پھر اللہ نے تمہیں بڑھا دیا اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دنیا میں مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے اگر تم میں سے ایک گروہ اس تعلیم پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، ایمان لاتا ہے اور دوسرا ایمان نہیں لاتا تو صبر کے ساتھ دیکھتے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔" اس پر اس کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا "اے شعیبؑ! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تجھ پر ایمان لائے ہیں، اپنی بستی

Marfat.com

سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ" شعیبؑ نے جواب دیا کیا ہمیں زبردستی پھیرا جائے گا۔ خواہ ہم راضی بھی نہ ہوں؟ اگر تمہارے مذہب میں پلٹ آئیں تو اس صورت میں ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے جب کہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے ہمارے لیے تو اس (دین باطل) کی طرف پلٹنا اب کسی طرح ممکن نہیں الا یہ کہ خدا ہمارا رب ہی ایسا چاہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے اسی پر ہم نے اعتماد کیا ہے اے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے" حضرت شعیبؑ کی قوم کے سرداروں نے، جو ان کی بات ماننے سے انکار کر چکے تھے، آپس میں کہا "اگر تم شعیب کی پیروی کرنے لگے تو بڑا نقصان اٹھاؤ گے" پھر انہیں زلزلے نے آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔ جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا۔ وہ ایسے مٹے کہ گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے شعیبؑ کے جھٹلانے والے آخر کار نقصان اٹھانے والے ہو کر رہے۔ اور شعیبؑ یہ کہہ کر ان کی بستیوں سے نکل گئے کہ "اے میری قوم! میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیے تھے اور تمہاری خیر خواہی کی تھی اب میں اس قوم پر کیسے افسوس کروں جو قبول حق سے انکار کرتی ہے۔

۹۴ تا ۱۰۲۔ ایک ایک نبی اور ایک قوم کا معاملہ الگ الگ بیان کرنے کے بعد اب وہ جامع ضابطہ بیان کیا جا رہا ہے۔ جو ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کی بعثت کے موقع پر اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ ہم نے جس کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا۔ اس کے باشندوں کو ہم نے تنگی اور سختی میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی پر اتر آئیں پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوشحالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ "تنگی اور راحت تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پیش آتی رہی تھی" آخرکار ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کی ہوتی تو ہم ان

Marfat.com

آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے ہیں لیکن انہوں نے تو جھٹلایا سو ہم نے ان کی کرتوتوں کے پاداش میں ان کو پکڑ لیا پھر کیا بستیوں کے لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ پڑے گی جب کہ وہ سو رہے ہوں؟ یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکایک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جب کہ وہ کھیل میں لگے ہوں؟ کیا یہ لوگ اللہ کی خفیہ تدبیروں سے بے خوف ہیں؛ اللہ کی تدبیر سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔

اور کیا ان لوگوں کو جو سابق اہل زمین کے بعد زمین کے وارث ہوئے ہیں اس امر واقعی نے کچھ سبق نہیں دیا کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ سکتے ہیں (مگر وہ سبق آموز حقائق سے تغافل برتتے ہیں) اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔

یہ قومیں جن کے قصے ہم تمہیں سنا رہے ہیں (تمہارے سامنے بطور مثال موجود ہیں۔ ان کے رسول ان کے پاس کھلے ہوئے نشان لے کر آئے مگر جس چیز کو وہ ایک دفعہ جھٹلا چکے تھے پھر اسے وہ ماننے والے نہ تھے اسی طرح ہم منکرین حق کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں اور ہم نے ان میں سے اکثر میں پاس عہد نہ پایا۔ بلکہ ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا۔

۱۰۳ تا ۱۳۷ حضرت موسیٰ کی دعوت توحید جو انہوں نے فرعون کو دی تھی کا ذکر شروع ہو رہا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰؑ (ان قوموں اور انبیاء کے بعد) کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا۔ مگر انہوں نے بھی ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا پس دیکھو کہ ان مفسدوں کا کیسا برا انجام ہوا موسیٰؑ نے کہا "اے فرعون! میں پروردگار عالم کی طرف سے پیغمبر ہو کر آیا ہوں، میرا منصب یہی ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے سوا نہ کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے صریح

Marfat.com

دلیل رسالت لے کر آیا ہوں - لہٰذا بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے اس
نے کہا "اگر تو کوئی نشانی لایا ہے - اور اپنے دعویٰ میں سچے ہو
نے اپنا عصا پھینکا اور وہ یکایک ایک صاف اژدھا بن گیا اور نے
اپنا ہاتھ باہر نکالا اور سب کے سامنے چمک رہا تھا۔ قوم فرعون کے سرداروں نے
یہ دیکھ کر کہا "واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے، چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین
سے نکال دے۔ اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ وہ سب بولے کہ اسے اور اس کے بھائی
(ہارونؑ) کو انتظار میں رکھیے - اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے تاکہ وہ
آپ کے پاس سارے ماہر جادوگر لے آئیں۔ چنانچہ جادوگر فرعون کے پاس آ گئے
انہوں نے کہا "اگر ہم غالب رہے تو ہمیں اس کا انعام ضرور ملے گا؟ فرعون نے
جواب دیا "ہاں ضرور بلکہ تم تو ہمارے مقربوں میں بھی داخل ہو جاؤ گے"
پھر انہوں (جادوگروں) نے موسیٰؑ سے کہا "تم پھینکتے ہو یا ہم پھینکیں"؟ موسیٰؑ
نے جواب دیا "تم ہی پھینکو"۔ پھر جب انہوں نے زمین پر اپنی لاٹھیوں اور رسیوں
کو پھینکا تو لوگوں کی نظر بند کر دی اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور ایک طرح
کا جادو دکھلایا تو ہم نے بھی موسیٰؑ کو اشارہ کر دیا کہ اپنا عصا پھینک دے۔ اس کا
پھینکنا تھا۔ کہ وہ آن کی آن میں ان کے گھڑے ہوئے شعبدہ کو نگلتا چلا گیا۔ اسی طرح
حق کا حق ہونا ظاہر ہو گیا اور جو کچھ انہوں نے بنا رکھا ہے وہ باطل ہو کر رہ گیا۔ فرعون
اور اس کے ساتھی میدان مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور فتحمند ہونے کی بجائے الٹے ذلیل ہو گئے
اور جادوگروں کا حال یہ ہوا کہ وہ سجدے میں گر پڑے اور بول اٹھے کہ "ہم نے رب العالمین
پر ایمان لے آئے اسی رب پر جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا ہے۔ فرعون نے ان کو مخاطب کر کے
کہا کہ تم میری اجازت کے بغیر ایمان لے آئے ہو۔ یقیناً یہ ایک خفیہ سازش تھی جو تم لوگوں
نے اس دارالسلطنت میں کی تاکہ اس کے مالکوں کو اقتدار سے بے دخل کر دو۔ اچھا تو اس کا نتیجہ
اب تمہیں معلوم ہو جاتا ہے میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا اور اس کے بعد تم سب کو
سولی پر چڑھاؤں گا۔ انہوں نے جواب دیا بہر حال ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے اور تو جس
بات پر ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارے رب کی نشانیاں

Marfat.com

ہمارے سامنے آگئیں تو ہم نے انہیں مان لیا۔ اور ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر (کے مشکیزے) انڈیل دے اور ہماری جان اسلام پر نکالنا۔

اس کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے کہا تو موسیٰؑ اور اس کی قوم کو یونہی ہی چھوڑ دے گا تاکہ ملک میں فساد پھیلاتے پھریں اور وہ تیری اور تیرے معبودوں کی بندگی چھوڑ بیٹھیں؟ فرعون نے جواب دیا کہ "میں ان کے بیٹوں کو قتل کراؤں گا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دوں گا ہم ان پر ہر طرح سے غالب ہیں۔ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا "اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور آخری کامیابی انہی کے لیے ہے جو اس سے ڈرتے ہوئے کام کریں" اس کی قوم کے لوگوں نے کہا تیرے (موسیٰؑ) آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جاتے تھے اور اب تیرے آنے پر بھی ستائے جا رہے ہیں" موسیٰؑ نے جواب دیا "وہ وقت ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین کا حاکم بنا دے، پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

ہم نے فرعون کے لوگوں کو کئی سال تک قحط اور پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا کہ شاید ان کو ہوش آجائے مگر ان کا یہ حال تھا کہ جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لیے ہی ہے اور اگر انہیں بدحالی پیش آتی تو موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کو فالِ بد ٹھہراتے حالانکہ درحقیقت ان کی فالِ بد تو اللہ کے پاس تھی مگر ان میں سے اکثر اتنی موٹی بات بھی نہ جانتے تھے۔ انہوں نے موسیٰؑ سے کہا کہ "تم ہمیں مسحور کرنے کے لیے کیسا ہی نشان لے آؤ ہم تو تیری بات ماننے والے نہیں ہیں" آخر کار ہم نے ان پر طوفان بھیجا۔ ٹڈی دل چھوڑے، جوئیں پھیلائیں، مینڈک نکالے اور خون برسایا۔ یہ سب نشانیاں الگ الگ کر کے دکھائیں مگر وہ سرکشی ہی کرتے رہے اور وہ بڑے ہی مجرم لوگ تھے جب کبھی ان پر کوئی بلا نازل ہوتی تو کہتے اے موسیٰؑ، ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو جس کا اس نے تم سے وعدہ

Marfat.com

کر رکھا ہے اگر تو ہم پر سے یہ بلا ٹلوا دے تو ہم تیری بات مان لیں گے اور بنی اسرائیل
کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے۔ مگر جب ہم ان سے عذاب کو اس مدت تک کے لیے
ہٹا دیتے جس تک انہیں پہنچنا تھا تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔ تب ہم
نے ان سے انتقام لے لیا۔ اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری
نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ان کی طرف سے بالکل ہی غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔
ہم نے ان کی جگہ ان لوگوں کو جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے اس سرزمین کے مشرق
و مغرب کا وارث بنا دیا جسے ہم نے برکتوں سے مالا مال کیا تھا۔ اسی طرح بنی اسرائیل
کے حق میں تیرے رب کا نیک وعدہ پورا ہوا کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا اور
فرعون اور اس کی قوم کا وہ سب کچھ برباد کر دیا گیا جو وہ بناتے اور چڑھاتے تھے۔

ع ۱۳۸ تا ع ۱۵۵۔ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا قصہ شروع ہوتا ہے چنانچہ
ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتار دیا۔ پھر وہ
ایسے لوگوں سے گزرے جو اپنے بتوں کے گرویدہ ہو کے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے
"اے موسیٰؑ! ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود
ہیں۔" موسیٰؑ نے کہا "تم لوگ بڑی جہالت نادانی کی باتیں کرتے ہو یہ لوگ جس
طریقہ کی پیروی کر رہے ہیں وہ تو برباد ہونے والا ہے اور جو عمل وہ کر رہے
ہیں۔ وہ سراسر باطل ہے۔" پھر موسیٰؑ نے کہا کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور
معبود تمہارے لیے تلاش کروں؟ حالانکہ اسی نے تمہیں دنیا بھر کی قوموں پر فضیلت
بخشی ہے۔ اور اللہ فرماتا ہے کہ وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے
نجات دلائی تھی۔ جو تم کو سخت عذاب میں مبتلا رکھتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو
قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے
رب کی طرف سے تمہاری سخت آزمائش تھی۔

ہم نے موسیٰؑ سے تیس شبوں کا وعدہ کیا اور بعد میں دس اور راتوں کا
اضافہ کیا۔ اس طرح اس کے رب کی مقرر کردہ مدت پورے چالیس دن ہو گئی موسیٰؑ

Marfat.com

نے چلتے ہوئے اپنے بھائی ہارون ؑ سے کہا تھا کہ میرے بعد میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کی روش پر نہ چلنے لگنا۔ جب موسیٰ ؑ ہمارے وقت مقرر پر پہنچا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا تو موسیٰ ؑ نے التجا کی کہ اے رب! مجھے اپنا دیدار دکھلا دیجئے اور میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہ جائے تو البتہ تو مجھے دیکھ سکیگا چنانچہ اس کے رب نے پہاڑ پر تجلّی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ ؑ غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو عرض کرنے لگا۔ پاک ہے تیری ذات میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا۔ اے موسیٰ ؑ! میں نے تمام انسانوں پر ترجیح دے کر تم کو اپنی پیغمبری اور ہمکلامی کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ اس کے بعد ہم نے موسیٰ ؑ کو ہر شعبہ زندگی کے متعلق نصیحت اور ہر پہلو کے متعلق واضح ہدایات تختیوں پر لکھ کر دے دیں اور اس سے کہا۔

ان ہدایات کو مضبوط ہاتھوں سے پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے اچھے اچھے احکام لازم رکھیں عنقریب میں تم لوگوں کو نافرمانوں کا گھر دکھا دونگا۔ میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کی نگاہیں پھیر دوں گا جو بغیر کسی بڑائی کے زمین میں بڑے بنتے ہیں اگر یہ ساری نشانیاں بھی دیکھ لیں، جب بھی اس پر ایمان نہیں لائیں گے اگر سیدھا راستہ ان کے سامنے آئے تو اسے اختیار نہ کریں گے اور اگر ٹیڑھا راستہ نظر آئے تو اس پر چل پڑیں گے اس لیے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پروائی کرتے رہے۔ ہماری نشانیوں کو جس کسی نے جھٹلایا اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا اس کے سارے اعمال اکارت گئے اور ان کو بدلہ اسی کا ملے گا جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں۔ موسیٰ ؑ کی قوم نے ان کے جانے کے بعد ایک بچھڑا اپنے زیوروں سے بنایا یعنی ایک پتلا جس کے اندر سے ایک بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ کیا انہیں نظر نہ آتا تھا کہ وہ (بچھڑے کا پتلا) نہ اُن سے بولتا ہے نہ کسی معاملہ میں ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ مگر پھر بھی انہوں نے اسے معبود بنا دیا اور وہ سخت ظالم تھے۔ پھر جب ان کی فریب خوردگی اور طلسم ٹوٹ گیا اور انہوں نے دیکھ لیا کہ درحقیقت وہ گمراہ ہو گئے

Marfat.com

ہیں تو کہنے لگے کہ "اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہم سے درگزر نہ کیا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔" ادھر سے موسیٰؑ غصے اور رنج میں بھرا ہوا اپنی قوم کی طرف واپس آیا۔ آتے ہی اس نے کہا "تم لوگوں نے میرے بعد بہت بری جانشینی کی! کیا تم سے اتنا صبر نہ ہوا کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر لیتے؟" اور تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی ہارونؑ کے سر کے بال پکڑ کر اسے کھینچا۔ ہارونؑ نے کہا "اے میرے ماں جائے بھائی! ان لوگوں نے مجھے دبا لیا ہے اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے۔ پس تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور اس ظالم گروہ کے ساتھ مجھے شامل نہ کر۔" تب موسیٰؑ نے کہا "اے رب! مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے بڑا رحیم ہے۔" اللہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا وہ ضرور اپنے رب کے غضب میں گرفتار ہو کر رہیں گے اور دنیا کی زندگی میں ذلیل ہوں گے۔ جھوٹ گھڑنے والوں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور جو لوگ برے عمل کریں پھر توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو یقیناً اس توبہ و ایمان کے بعد رب درگزر اور رحم فرمانے والا ہے۔

پھر جب موسیٰؑ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے وہ تختیاں اٹھا لیں جن کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت تھی جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور موسیٰؑ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو انتخاب کیا تاکہ وہ ہمارے وقت موعود پر حاضر ہوں جب ان لوگوں کو سخت زلزلہ نے آ پکڑا تو موسیٰؑ نے عرض کیا "اے میرے رب، آپ چاہتے تو پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک کر سکتے تھے۔ کیا آپ اس قصور میں جو ہم میں چند بیوقوفوں نے کیا تھا ہم سب کو ہلاک کر دیں گے یہ تو بس آپ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس کے ذریعے سے آپ جسے چاہتے ہیں گمراہی میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ہدایت بخش دیتے ہیں۔ ہمارے سرپرست تو آپ ہی ہیں۔ پس ہمیں معاف کر دیجیے اور ہم پر رحم

Marfat.com

فرمائیے، آپ سب سے بڑھ کر معاف کرنے والے ہیں ہمارے لیے اس دنیا کی بھلائی بھی لکھ دیجئے۔ اور آخرت کی بھی، ہم نے آپ کی طرف رجوع کر لیا اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا "اپنا عذاب میں اس پر واقع کرتا ہوں جس کے لیے چاہتا ہوں اور میری رحمت تو ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے سو اسے (رحمت) ان لوگوں کے لیے تو ضرور ہی لازم کر دونگا جو خوفِ خدا رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں اور میری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

۱۵۷ تا ۱۵۷۔ بنو اسرائیل کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتباع کی دعوت دی جا رہی ہے۔ چنانچہ فرمان ہے۔ .... آج یہ رحمت صرف ان لوگوں کا حصّہ ہے جو اس پیغمبر، نبی اُمّی کی پیروی اختیار کریں۔ جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس (نبی اُمّی) پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت و نصرت کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہو وہی فلاح پانے والے ہیں۔

۱۵۸ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوتِ عامہ کا ذکر ہے چنانچہ فرمان ہے کہ اے محمدؐ! آپ تمام انسانوں کو کہہ دیں، کہ میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو آسمان اور زمین کی بادشاہی کا مالک ہے اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور اس کی پیروی اختیار کرو۔ اُمید ہے تم ایسا کرنے سے راہِ راست پا لوگے۔"

۱۵۹ تا ۱۶۲ حضرت موسیٰؑ کی قوم کا ذکر پھر شروع ہوتا ہے چنانچہ فرمان ہے کہ موسیٰؑ کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی تھا۔ جو حق کے مطابق ہدایت کرتا اور

Marfat.com

توقع ہو کے مطابق انقیاد کرتا تھا۔ اور ہم نے اس قوم کو بارہ گھرانوں میں تقسیم کر کے انہیں مستقل گروہوں کی شکل دے دی تھی اور جب موسیٰ سے اس کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو چنانچہ اس پتھر سے یکایک بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کا مقام متعین کر لیا۔ ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا اور ان پر من وسلویٰ اتارا اور کہا۔ کہ پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں مگر اس کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا، تو ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے وہ وقت بھی یاد کرو جب ان سے کہا گیا تھا کہ اس بستی میں جا کر سکونت اختیار کرو اور وہاں کھاؤ، جہاں سے بھی تم چاہو اور کہتے جاؤ کہ توبہ ہے اور شہر کے دروازے میں سجدہ ریز ہوتے ہوئے داخل ہو، ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور نیک رویہ رکھنے والوں کو مزید فضل سے نوازیں گے"
مگر جو لوگ ان میں سے ظالم تھے انہوں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی بدل ڈالا تھا تو اس کے نتیجہ میں ہم نے بھی آسمان سے ایک آفت بھیجی اس لئے کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے رہتے تھے۔

۱۶۳ تا ۱۷۱ - یہود نے جب احکام ربانی کو پس پشت ڈال دیا — اور نفس کے بندے بن کر رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر طرح طرح کے عذاب نازل کئے چنانچہ اس کا یہاں ذکر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ یہود سے اس بستی کا حال دریافت کرو، جو سمندر کے کنارے واقع تھی انہیں وہ واقعہ یاد دلاؤ کہ وہاں کے لوگ سبت (ہفتہ) کے دن احکام الٰہی کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے اور یہ کہ مچھلیاں سبت ہی کے دن ابھر ابھر کر سطح پر ان کے سامنے آتی تھیں اور سبت کے سوا باقی دنوں میں نہیں آتی تھیں۔ یہ اس لئے ہوتا تھا کہ ہم ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو آزمائش میں ڈال رہے تھے اور انہیں یہ بھی یاد دلاؤ کہ جب ان میں سے ایک گروہ نے دوسرے گروہ سے کہا تھا۔

Marfat.com

کہ "تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے" تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ "ہم یہ سب کچھ تمہارے رب کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کیلئے کرتے ہیں اور اس امید پر کرتے ہیں کہ شاید یہ لوگ اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنے لگیں"

آخر کار جب وہ اُن ہدایات کو بالکل ہی فراموش کر گئے جو انہیں یاد کرائی گئی تھیں تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے روکا کرتے تھے اور جو ظلم کرتے تھے انہیں ہم نے ان کی نافرمانیوں پر سخت عذاب میں پکڑ لیا۔ پھر جب وہ پوری سرکشی کے ساتھ وہی کام کیے چلے گئے جس سے انہیں روکا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہہ دیا کہ بندر ہو جاؤ ذلیل اور خوار۔

اور وہ وقت یاد کرو جبکہ تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ "وہ قیامت تک برابر ایسے لوگوں کو بنی اسرائیل پر مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیں گے۔ بے شک تمہارا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے۔ اور یقیناً وہ درگزر اور رحم سے بھی کام لینے والا ہے۔

ہم نے ان (بنی اسرائیل) کو زمین میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت سی قوموں میں تقسیم کر دیا۔ اُن میں سے بعض نیک بھی تھے اور بعض اس سے مختلف۔ اور ہم انہیں خوشحالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید وہ باز آ جائیں۔ پھر ان کے بعد ان کے جانشین ایسے ناخلف لوگ ہوئے جو کتاب (تورات) الٰہی کے وارث ہو کر اسی دنیائے دنی کے فائدے سمیٹتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہماری تو ضرور مغفرت ہو جائے گی۔ اور اگر ان کے پاس ویسا ہی مال پھر آ جائے تو اسے بھی پالیں۔

کیا ان (یہود) سے کتاب (تورات) میں اس کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ کے نام پر وہ بات کہیں جو حق ہو؟ انہوں نے خود بھی پڑھ لیا ہے جو کچھ کتاب میں لکھا ہے اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو ڈرتے رہتے ہیں۔ کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے؟

Marfat.com

جو لوگ کتاب (آسمانی) کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں سو ہم نیک کردار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے۔ انہیں (یہود) وہ وقت بھی کچھ یاد ہے جبکہ ہم نے ان کے اوپر پہاڑ معلق کر دیا تھا۔ اس طرح کہ گویا وہ سائبان ہے۔ اور انہیں یہ یقین ہو گیا تھا۔ کہ وہ ان کے اوپر گرا ہی چاہتا ہے اور اس وقت ہم نے فرمایا تھا۔ کہ جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے اسے مضبوطی کے ساتھ تھامو۔ اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے یاد کرو تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

۱۷۲ تا ۱۷۹ بنی اسرائیل سے خطاب ختم ہو جاتا ہے اور عام انسانوں سے خطاب شروع ہو جاتا ہے جن میں خصوصیت کے ساتھ روئے سخن ان لوگوں کی جانب ہے جو براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب تھے۔

اولاد آدمؑ سے توحید پر قائم رہنے کا جو عہد و پیمان روز ازل کو لیا گیا تھا اسے یاد کرایا جا رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے نبیؐ! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے اولاد آدمؑ کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا تھا اور خود انہی کو ان کی جانوں پر گواہ کر کے پوچھا تھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں" ؟ سب نے جواب دیا تھا "ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔" یہ ہم نے اس لیے کیا تھا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ کہہ دو کہ "ہم تو اس بات سے بے خبر تھے" یا یوں کہنے لگو کہ "شرک کی ابتداء تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی۔ اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل سے پیدا ہوئے سو کیا آپ ان غلط راہ والوں کے فعل پر ہم کو ہلاک کرتے ہیں" ہم اسی طرح نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ (بغاوت و انحراف کی روش چھوڑ کر بندگی و اطاعت کے رویہ کی طرف) واپس آ جائیں۔

اے نبیؐ! ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم دیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے بھاگ نکلا۔ آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا اور وہ گمراہوں میں داخل ہو گیا۔ اگر ہم چاہتے تو اسے ان آیات

Marfat.com

کی بدولت بلندی عطا کر دیتے مگر وہ تو دنیا ہی کی طرف جھک کر رہ گیا۔ اور اپنی خواہش نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا۔ سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی۔ کہ اگر تم اسی پر حملہ کرو تب بھی زبان لٹکائے رہے اور اسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رہے۔ یہی مثال ہے ان سب لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں سو آپ ان کے سامنے یہ حکایات بیان کرتے رہیں شاید کہ یہ کچھ غور و فکر کریں۔ کیسی بُری مثال ہے۔ ان لوگوں کی جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت بخشے بس وہی راہ راست پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کر دے وہ ناکام و نامراد ہو کر رہتا ہے بے شک ہم نے دوزخ کیلئے بہت سے جنات اور انسان پیدا کیے ہیں۔ ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

آیت ۱۸۰ تا ۱۸۶ اب تقریر (سورت) اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے اس لیے خاتمہ کلام پر نصیحت اور ملامت کے ملے جلے انداز میں لوگوں کو ان کی چند نمایاں ترین گمراہیوں پر متنبہ کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی پیغمبرؐ کی دعوت کے مقابلہ میں انکار و استہزاء کا جو رویہ انہوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ اس کے بُرے نتائج سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو ان ناموں سے ہی اللہ کو پکارا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں اس کا بدلہ ضرور انہیں ملے گا ہماری مخلوق میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کے مطابق لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں انہیں ہم بتدریج ایسے طریقہ سے تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہو گی میں ان کو مہلت دے رہا ہوں میری تدبیر بڑی مضبوط ہے کیا ان لوگوں نے اس

Marfat.com

بات پر کبھی غور نہیں کیا؟ ان کے ساتھی (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والے ہیں۔

ص۱۸۵ تا ۱۸۶ آسمان و زمین کی پیدائش پر غور و فکر کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں؟ اور کیا انہوں نے یہ بھی کبھی نہیں سوچا کہ شاید ان کی مہلت زندگی پوری ہونے کا وقت قریب آ لگا ہے۔ پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟ یاد رکھو کہ جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور اللہ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔

ص۱۸۷ منکرین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمسخر و استہزاء کے طور پر قیامت کے متعلق سوال کیا کرتے تھے کہ وہ کب واقع ہو گی اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اے نبیؐ! آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے اسے اپنے وقت پر وہی ظاہر کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا سخت وقت ہوگا وہ تم پر اچانک آپڑے گی" یہ لوگ آپؐ سے اس کے متعلق اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپؐ اس کی تحقیق کر چکے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ "اس کا علم تو صرف اللہ کو ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔

ص۱۸۸ اس آیت بتایا جا رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا علم نہیں جانتے بلکہ وہ نذیر اور بشیر ہیں۔ چنانچہ فرمان ہے کہ اے نبیؐ! آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔

ص۱۸۹ تا ۱۹۸ توحید کا سبق دیا جا رہا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ وہ اللہ

Marfat.com

ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس کے پاس سکون حاصل کرے پھر جب وہ (مرد) اسے ڈھانک لیتا ہے تو اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے پھر وہ اسے لیے لیے چلتی پھرتی ہے پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو دونوں وہ (میاں بیوی) اپنے اللہ رب سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں صحیح سالم بچہ دے دیا تو ہم تیرے بڑے شکر گزار ہوں گے۔ مگر جب اللہ انہیں ایک صحیح سالم بچہ دے دیتا ہے تو وہ لوگ اللہ کی دی ہوئی چیز میں دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔ اللہ بہت بلند و برتر ہے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں کیا اللہ کے ساتھ انہیں شریک کرتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہ کر سکیں بلکہ خود ہی پیدا کیے گئے ہیں۔ جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں۔ اگر تم انہیں سیدھی راہ پر آنے کی دعوت دو تو وہ تمہاری پیروی نہ کریں گے تم خواہ انہیں پکارو یا خاموش رہو۔ دونوں صورتوں میں تمہارے لیے یکساں ہیں۔ بے شک (اے مشرکین) جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے ہیں۔ سو اگر تم سچے ہو تو تم انہیں (معبودان باطلہ کو) پکار دیکھو پھر ان کو چاہیے کہ جواب دیں۔ کیا وہ پاؤں رکھتے ہیں کہ ان سے چلیں؟ کیا وہ ہاتھ رکھتے ہیں کہ ان سے پکڑیں؟ کیا وہ آنکھیں رکھتے ہیں کہ ان سے دیکھیں؟ کیا وہ کان رکھتے ہیں کہ ان سے سنیں۔ اے نبیؐ! ان سے کہہ دو کہ "تم اپنے سب شریکوں کو بلا لو پھر میرے خلاف چال چلو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میرا حامی و ناصر وہ خدا ہے جس نے مجھ پر یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ ہمیشہ نیک آدمیوں کی ہی حمایت کرتا ہے۔ بخلاف اس کے تم جنہیں خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی مدد ہی کرنے کے قابل ہیں۔ بلکہ اگر تم (اے نبیؐ) انہیں سیدھی راہ پر لانے کے لیے کہو تو وہ تمہاری بات سن بھی نہیں سکتے بظاہر تم کو ایسا نظر آتا ہے کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں۔ مگر فی الواقع وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے"

Marfat.com

۱۹۹ تا ۲۰۳ دعوت و تبلیغ اور ہدایت و اصلاح کی حکمت کے چند اہم نکات بتائے جا رہے ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ کہ اے نبیؐ! درگذر کا طریقہ اختیار کرو، نیک کام کا حکم دیتے جاؤ، اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ اگر کبھی کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو وہ فوراً اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں۔ ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ جب انہیں کوئی خطرہ شیطانی لاحق ہوتا ہے تو وہ یاد الٰہی میں لگ جاتے ہیں۔ پھر انہیں نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریق کار کیا ہے اور جو شیطان کے بھائی ہیں۔ شیطان انہیں گمراہی میں کھینچے رہتے ہیں اور انہیں بھٹکانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

اے نبیؐ! جب آپ ان کے سامنے کوئی معجزہ پیش نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں۔ کہ آپ نے اپنے لئے کوئی معجزہ کیوں نہ منتخب کر لیا؟ آپؐ فرما دیجیے۔ کہ میں تو صرف اس وحی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب نے میری طرف بھیجی ہے۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور اور ہدایت اور رحمت ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو اسے قبول کریں۔

۲۰۴ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو شاید کہ تم پر بھی رحمت ہو جائے۔

۲۰۵ تا ۲۰۶۔ ذکر الٰہی کی ترغیب اور تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے پست لہجہ میں دعا مانگنے کی نصیحت کی جا رہی ہے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ اے مخاطب! اپنے رب کو صبح شام یاد کیا کرو۔ اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ نہ کہ چلانے کی آواز سے۔ اور اہل غفلت میں نہ شامل ہو جا۔ بے شک جو (ملائکہ) تیرے رب کے نزدیک ہیں، وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

Marfat.com

ابوالبشر حضرت آدمؑ کی فضیلت اور ابلیس کا جنت سے اخراج

۱۱ تا ۱۸۔ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

مشکل الفاظ کے معانی: خَلَقْنٰکُمْ - ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ - پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی یعنی پہلے ہم نے تمہاری نوع کا سلسلہ قائم کرنے کا مادہ بنایا۔ پھر اس مادہ کو ہم نے صورت بشری دی۔ اُسْجُدُوْا - تم سجدہ کرو۔ سجدہ سے یہ سمجھنا ضروری نہیں کہ اس نماز والے سجدہ کی ہیئت متعارفہ و مخصوصہ کے ساتھ ہو۔ سجدہ کے لفظی معنی تواضع و تذلل کے ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ ابلیس لفظی معنی یاس زدہ کے۔ قرآن مجید میں یہ مصدر ابلاس مختلف موقعوں پر اسی مفہوم میں آیا ہے۔ ابلیس اسی سے مشتق ہے اور

Marfat.com

یہاں بطورِ علم کے شیطان کے لیے آیا ہے۔ ناری مخلوق یعنی جن تھا۔ نہ کہ نوری مخلوق یا فرشتہ۔ فَاهْبِطْ مِنْهَا۔ تو یہاں سے نیچے اُتر۔ مِنْهَا میں ھا کی ضمیر اکثر نے جنت کی جانب سمجھی ہے۔ الصّٰغِرِيْنَ۔ صاغر کے معنی ہیں وہ جو ذلت اور صغار اور چھوٹی حیثیت کو خود اختیار کرے۔ اَنْظِرْنِيْ تو مجھے مہلت دے۔ اَغْوَيْتَنِيْ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ میں ان کے لیے گھات میں بیٹھوں گا۔ مَذْءُوْمًا معیب و ذلیل۔ عیب کے موقع پر ذم کا لفظ استعمال کرنا زیادہ بلیغ ہے۔ مَّدْحُوْرًا۔ دور اور راندہ ہوا۔ مذءوم اور مذموم دراصل ایک ہی ہیں۔

ترجمہ:- اور ہم ہی نے تم کو پیدا کیا پھر ہم ہی نے تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ سو سب نے سجدہ کیا۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ اللہ نے فرمایا "تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا۔ کہنے لگا "میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے۔ اور اُسے مٹی سے" اللہ نے فرمایا "اچھا تو یہاں (جنت) سے نیچے اُتر۔ تو اس لائق نہیں کہ اس (جنت) میں رہ کر بڑائی کرتا رہے۔ نکل جا در حقیقت تو ان لوگوں میں سے ہے جو خود اپنی ذلت چاہتے ہیں" بولا "مجھے اس دن تک مہلت دے جب کہ یہ سب دوبارہ اٹھائے جائیں گے" اللہ نے فرمایا "تجھے مہلت ہے" بولا "اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا۔ آگے اور پیچھے دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا" اللہ نے فرمایا "نکل جا یہاں سے ذلیل و خوار اور ٹھکرایا ہوا ہو کر۔ ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا۔ تجھ سمیت ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

تفسیر و تشریح:- اللہ تبارک و تعالیٰ ان آیات میں ابو البشر حضرت آدمؑ

Marfat.com

کی ذریت اور ان کے دشمن ابلیس کا ذکر فرمایا ہے جس کو نبی آدم اور آدمؑ سے بغض ہے تاکہ لوگ اس دشمن ابلیس سے بچیں اور اس کے راستے پر نہ چلیں چنانچہ فرمایا کہ ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں ڈھالیں، پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے پہلے تمہاری تخلیق کا منصوبہ بنایا اور تمہارا مادۂ آفرینش تیار کیا۔ پھر اس مادے کو انسانی صورت عطا کی، پھر جب ایک زندہ ہستی کی حیثیت سے انسان (آدمؑ) وجود میں آگیا تو فرشتوں کو اسے سجدہ کرنے کے لیے حکم دیا۔ قرآن مجید میں سورۃ صٓ میں ہے۔ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ۔ ترجمہ: اس وقت کا تصور کرو جب کہ تمہارے ربّ نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں، پھر جب میں اسے پوری طرح تیار کر لوں اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر جانا۔ اس آیت میں بھی وہی تین مراتب ایک دوسرے انداز میں بیان کیے گئے ہیں یعنی پہلے مٹی سے ایک بشر کی تخلیق، پھر اس کا تسویہ یعنی اس کی شکل و صورت بنانا اور اس کے اعضاء اور اس کی قوتوں کا تناسب قائم کرنا پھر اس کے اندر اپنی روح سے کچھ پھونک کر آدمؑ کو وجود میں لے آنا۔ اسی مضمون کو سورۃ حجر میں بایں الفاظ ادا کیا گیا ہے۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ ترجمہ۔ اور اس وقت کا تصور کرو جب کہ تمہارے ربّ نے فرشتوں سے کہا کہ میں خمیر اُٹھی ہوئی مٹی کے گارے سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں، پھر جب میں اسے پوری طرح تیار کر لوں اور اس کے اندر اپنی روح سے کچھ پھونک دوں۔ تو تم سب اسکے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔

سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ

تو اس سے پوچھا کہ اے ابلیس! جب میں نے تجھے آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو پھر کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا اور تجھے آخر نافرمانی کی کیا سوجھی؟ اس پر ابلیس نے جواب دیا کہ میں اس (آدمؑ) سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے گویا ابلیس نے کہا (۱) آگ خاک سے افضل ہے (۲) افضل غیر افضل کے آگے نہیں جھک سکتی۔ میں آگ کی فرع ہوں اور آدمؑ خاک کی فرع ہیں۔ اس لیے میں آدمؑ کے آگے نہیں جھک سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تو یہاں سے نیچے اتر جا کیونکہ تو نافرمانی کر چکا ہے اور نافرمان کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔ تو یہاں (جنت میں) رہتے ہوئے تکبر نہیں کر سکتا لہذا یہاں سے نکل جا کیونکہ تو نافرمانی کر کے خود ذلیل ہوا ہے یعنی بندہ اور مخلوق ہونے کے باوجود تیرا اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہونا اور اپنے رب کے حکم سے اس بنا پر سرتابی کرنا کہ اپنی عزت و برتری کا جو تصور تو نے خود قائم کر رکھا ہے اس کے لحاظ سے وہ حکم تجھے اپنے لیے موجب توہین نظر آتا ہے یہ در اصل یہ معنی رکھتا ہے کہ تو خود اپنی ذلت چاہتا ہے۔ بڑائی کا جھوٹا پندار، عزت کا بے بنیاد ادعا اور کسی ذاتی استحقاق کے بغیر اپنے آپ خواہ مخواہ بزرگی کے منصب پر فائز ہو بیٹھنا، تجھے بڑا، ذی عزت اور بزرگ نہیں بنا سکتا۔ بلکہ یہ تجھے جھوٹا، ذلیل اور پست ہی بنائے گا اور اپنی ذلت و خواری کا سبب تو آپ ہی ہوگا۔

فقہا و مفسرین نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ معصیت و نافرمانی میں بندہ کی اپنی ذلت ہے۔ ابلیس نے اللہ کو کہا کہ مجھے اس دن تک مہلت دے جب کہ یہ سب دوبارہ اٹھائے جائیں گے اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تجھے مہلت ہے جب ابلیس کو مہلت مل گئی تو پھر کہنے لگا۔ اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا آگے اور پیچھے دائیں اور بائیں ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ یعنی ان پر حملہ کرتا رہوں گا۔ انہیں ہر سمت سے گھیرنے کی کوشش

Marfat.com

کا کوئی دقیقہ ان کے گمراہ کرنے میں اُٹھا نہ رکھوں گا۔ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْہِمْ سے مراد دنیا بھی مراد لی گئی ہے۔ اور مِنْ خَلْفِہِمْ سے دین۔ گویا ابلیس یہ کہہ رہا ہے کہ میں ان پر دنیا کی راہ سے بھی حملہ کروں گا۔ اور دین کے راستے سے بھی۔ عَنْ اَیْمَانِہِمْ سے مراد نیکی سے روکنا اور عَنْ شَمَائِلِہِمْ سے بدی پر جرأت دلانا مراد لیا گیا ہے گویا ابلیس یہ اعلان کر رہا ہے کہ میں انہیں نیکیوں سے روکوں گا۔ اور بدی پر بھی آمادہ کرونگا حق تعالیٰ نے عین انتہائی عتاب کے وقت ایسے موقع پر نافرمان کی درخواست قبول کر لی اور اسے مہلت دے دی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ دعا کا قبول ہو جانا مقبولیت کی کافی دلیل نہیں دعا تو شیطان کی بھی قبول ہو گئی لیکن وہ بدستور مردود ہی رہا۔

شیطان نے دعا کی قبولیت ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ کو گویا یہ چیلنج دیا۔ کہ یہ مہلت جو آپ نے مجھے قیامت تک کے لیے دی ہے اس سے فائدہ اٹھا کر میں یہ ثابت کرنے کے لیے پورا زور صرف کروں گا کہ انسان اس فضیلت کا مستحق نہیں ہے جو آپ نے میرے مقابلے میں اسے عطا کی ہے میں آپ کو دکھاؤں گا کہ وہ کیسا ناشکرا، نمک حرام اور کیسا احسان فراموش ہے۔

یہ مہلت جو شیطان نے مانگی اور خدا نے اسے عطا کر دی، اس میں محض وقت ہی نہیں ہے بلکہ اس کام کا موقع دینا بھی ہے جو وہ کرنا چاہتا ہے یعنی اس کا مطالبہ یہ تھا کہ مجھے انسان کو بہکانے اور اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اس کی نااہلی ثابت کرنے کا موقع دیا جائے اور یہ موقع اللہ تعالیٰ نے اسے دے دیا سورۃ بنی اسرائیل میں اس کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اختیار دے دیا کہ آدم اور اس کی اولاد کو راہِ راست سے ہٹا دینے کے لیے جو چالیں وہ چلنا چاہتا ہے چلے۔ ان چال بازیوں سے اسے روکا نہیں جائے گا۔ بلکہ وہ سب راہیں کھلی رہیں گی جن سے وہ انسان کو فتنہ میں ڈالنا چاہے گا لیکن اس کے ساتھ شرط لگا دی کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطَانٌ یعنی میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار نہ ہوگا۔ تو صرف اس بات کا مجاز ہوگا کہ ان کو غلط فہمیوں میں ڈالے

جھوٹی امیدیں دلائے یا بدی اور گمراہی کو ان کے سامنے خوش نما بنا کر پیش کرے لذتوں اور فائدوں کے سبز باغ دکھا کر اُن کو غلط راستوں کی طرف دعوت دے مگر یہ طاقت تجھے نہیں دی جائے گی کہ انہیں پکڑ کر زبردستی اپنے راستے پر کھینچ لے جائے اور اگر وہ خود راہِ راست پر چلنا چاہیں تو تو انہیں نہ چلنے دے۔ یہی بات سورۃ ابراہیم میں فرمائی گئی ہے کہ قیامت میں عدالتِ الٰہی سے فیصلہ صادر ہو جانے کے بعد شیطان اپنے پیرو انسانوں سے کہے گا کہ میرا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں کہ میں نے اپنی پیروی پر تمہیں مجبور کیا ہو، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ تمہیں اپنی راہ پر بلایا اور تم نے میری دعوت قبول کر لی۔ لہٰذا اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔

اور یہ جو شیطان نے خدا پر الزام لگایا ہے کہ تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اپنی معصیت کی ذمہ داری خدا پر ڈالتا ہے۔ اس کو شکایت ہے کہ آدمؑ کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دے کر تو نے مجھے فتنے میں ڈالا اور میرے نفس کے تکبر کو ٹھیس لگا کر مجھے اس حالت میں مبتلا کر دیا۔ کہ میں نے تیری نافرمانی کی۔ گویا اس احمق کی خواہش یہ تھی کہ اس کے نفس کی چوری پکڑی نہ جاتی بلکہ جس پندارِ غلط اور جس سرکشی کو اس نے اپنے اندر چھپا رکھا تھا۔ اس پر پردہ ہی پڑا رہنے دیا جاتا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس! تو یہاں سے ذلیل و خوار اور ٹھکرایا ہوا ہو کر نکل جا۔ اور یاد رکھ کہ جو تیری پیروی کریں گے میں ایسے سب لوگوں سے تجھ سمیت تیرے گروہ سے جہنم کو بھر دوں گا۔

لباس کی غرض و غایت کا بیان

آیت ۲۶ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝

Marfat.com

مشکل الفاظ کے معانی: یُوَارِیْ: چھپاتا ہے۔ سَوْاٰتِکُمْ: سَوْاٰۃٌ کے لفظی معنی جسم کے پوشیدہ رکھے جانے والے حصے کے ہیں، تمہارے قابلِ شرم حصوں کو۔ رِیْشًا: وہ لباس جو زینت کے لیے پہنا جاتا ہے۔

ترجمہ: اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا ہے جو تمہارے قابلِ شرم حصوں کو چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ شاید کہ یہ لوگ اس سے سبق لیں۔

تفسیر و تشریح: اہلِ عرب لباس کو صرف زینت اور موسمی اثرات کی حفاظت کے لیے استعمال کرتے تھے لیکن اس کی سب سے پہلی بنیادی غرض یعنی جسم کے قابلِ شرم حصوں کی پردہ پوشی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ انہیں اپنے ستر دوسروں کے سامنے کھول دینے میں کوئی باک نہ تھی۔ برہنہ منظرِ عام پر نہا لینا، راہ چلتے قضائے حاجت کے لیے بیٹھ جانا، ازار کھل جائے تو ستر کے بے پردہ ہو جانے کی پرواہ نہ کرنا ان کے شب و روز کے معمولات تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ان میں سے بکثرت لوگ حج کے موقعہ پر کعبہ کے گرد برہنہ طواف کرتے تھے اور اس معاملہ میں عورتیں مردوں سے بھی کچھ زیادہ بے حیا تھیں۔ ان کی نگاہ میں یہ ایک مذہبی فعل تھا اور نیک کام سمجھ کر وہ ایسا کرتے تھے پھر چونکہ یہ کوئی عربوں ہی کی خصوصیت نہ تھی، دنیا کی اکثر قومیں اس بے حیائی میں مبتلا رہی ہیں اور آج تک ہیں۔ اس لیے خطاب اہلِ عرب کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ عام ہے اور سارے بنی آدمؑ کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا جو ہمارا ایک انعام خاص ہے تاکہ وہ تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانکے یعنی اس کا اصل مقصود ستر پوشی کرنا ہے اور اس کے ظاہری لباس یعنی دنیاوی کا معنوی لباس اصلی ہے۔ لباس سے بھی بڑھ کر ضروری ہے اور اس لباس کا پیدا کرنا جس سے ستر پوشی اور زینت دونوں مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ کے فضل و کرم کی نشانیوں میں سے ہے۔

Marfat.com

نبی کی بعثت کے بعد قوموں کو بدحالی اور خوشحالی میں آزمائش کے لیے مبتلا کرنا

۹۴ تا ۹۵ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوا وَّقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ فَأَخَذْنَاهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

مشکل الفاظ کے معانی:۔ قریۃ۔ بستی۔ بأساء۔ بدنی تکلیف، جسمانی امراض و اسقام۔ ضراء۔ وہ مصیبت جو فقر و حاجت کی ہوتی ہے۔ حتی عفوا یعنی خوب بڑھے، خوب پھلے، خوب پھولے، دولت، صحت، اکثریت آبادی، ہر طرح انہیں ترقی ہی ترقی ہوئی۔ سراء۔ راحت، خوشحالی۔ بغتۃ۔ اچانک۔ دفعتاً

متن ترجمہ:۔ اور ہم نے جس کسی بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا۔ اس کے باشندوں کو ہم نے تنگدستی اور بیماری میں مبتلا کیا تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں۔ اس کے بعد ہم نے ان کی بدحالی کو خوشحالی میں بدل دیا۔ یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ تنگی اور راحت تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پیش آتی رہی تھی۔ آخرکار ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور وہ اس کا گمان بھی نہ رکھتے تھے۔

تفسیر و تشریح:۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ وہ جامع ضابطہ بیان کرتا ہے جو ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے موقع پر اختیار فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی نبی بھیجا گیا تو ہم نے پہلے انہیں مصائب و آفات میں مبتلا کیا۔ قحط، وبا، تجارتی خسارے، جنگی شکست یا اور اسی طرح کی تکلیفیں ان پر ڈالی گئیں۔ تاکہ وہ ہماری طرف رجوع کریں۔ ہم سے ڈریں اور اس مصیبت کے دور ہونے کی درخواست کریں۔ لیکن جب انہوں نے ایسا نہ کیا تو پھر ہم نے ان کو خوشحال بنا دیا۔ مرض کے بجائے صحت و عافیت

Marfat.com

دے دی۔ فقر کے بجائے دولت مندی بخشی تاکہ وہ شکریہ ادا کریں اور کفرانِ نعمت چھوڑ دیں۔ اُن کے مال و اولاد میں برکت دی۔ الغرض مسرت و مضرت دونوں چیزوں سے ہم نے انہیں آزمایا تاکہ اللہ کے سامنے عاجزی کے ساتھ جھک جائیں لیکن نہ وہ ہمارے شکرگزار ہوئے نہ صبر و عاجزی اختیار کی بلکہ یوں کہتے ہیں کہ یہ انقلاب راحت و مصیبت تو آباء و اجداد کے زمانہ سے چلا آرہا ہے اور ہمیشہ سے ایسا ہی ہوا ہے کہ زمانہ کبھی ایسا ہے تو کبھی ویسا۔ اس طرح اگر کسی مصیبت میں پھنس گئے یا راحت کے دن آگئے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ زمانہ کا دستور ہی ایسا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اس اشارے سے خدا کے عذاب کو تاڑ جاتے اور خدا کی آزمائش کی طرف ان کا ذہن منتقل ہو جاتا ہے لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مصیبت مومن کی تو اصلاح کرتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس بھٹی سے نکلتا ہے تو ساری کھوٹ سے صاف ہو کر نکلتا ہے لیکن منافق کی حالت بالکل گدھے کی سی ہوتی ہے جو کچھ نہیں سمجھتا کہ اس کے مالک نے کیوں اسے باندھا تھا اور کیوں اسے چھوڑ دیا۔" پس جب کسی قوم کا یہ حال ہے کہ نہ مصائب سے اس کا دل خدا کے آگے جھکتا ہے، نہ نعمتوں پر وہ شکرگزار ہوتی ہے اور نہ کسی حال میں اصلاح قبول کرتی ہے تو پھر اس کی بربادی اس کے سر پر منڈلانے لگتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے موقع پر بھی یہی ضابطہ برتا گیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباس دونوں کی متفقہ روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جب قریش نے آپ کی دعوت کے خلاف سخت رویہ اختیار کرنا شروع کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ خدایا، یوسفؑ کے زمانے میں جیسا ہفت سالہ قحط پڑا تھا ویسے ہی ان لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد کر۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت قحط میں مبتلا کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگ مردار کھانے لگے، چمڑے، ہڈیاں اور اون تک کھا گئے۔ آخر کار اللہ کے لوگوں نے جن میں ابوسفیان پیش پیش تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

Marfat.com

درخواست کی کہ ہمارے لیے خدا سے دعا کیجیے۔ مگر جب آپؐ کی دعا سے اللہ نے وہ بُرا وقت ٹال دیا۔ اور بھلے دن آگئے تو ان لوگوں کی گردنیں پہلے سے زیادہ اکڑ گئیں۔ اور جن کے دل تھوڑے سے بہت پسیج گئے تھے۔ ان کو بھی اشرارِ قوم نے یہ کہہ کر ایمان سے روکنا شروع کر دیا۔ کہ میاں، یہ تو زمانے کا اتار چڑھاؤ ہے پہلے بھی قحط آتے ہی رہے ہیں۔ کوئی نئی بات تو نہیں ہے کہ اس مرتبہ ایک لمبا قحط پڑ گیا۔ لہٰذا ان چیزوں سے دھوکہ کھا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پھندے میں نہ پھنس جانا۔

آخر کار ہم نے انہیں ان کی سرکشی اور بغاوت کے جرم میں اچانک پکڑ لیا (اور ان کو دنیا میں سزا دی) اور وہ آخرت میں اس سے بھی زیادہ ہی عذاب میں رہیں گے۔

نبی اُمّی کی پیروی کرنے کا حکم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انسانوں کے لیے پیغمبر ہونے کا ذکر۔

آیت ۱۵۷ تا ۱۵۸ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

Marfat.com

مشکل الفاظ کے معانی :- اُمّی - ان پڑھ - اُم القریٰ والا یعنی مکی بھی - امت والا بھی مراد ہو سکتا ہے - اِصْر - بوجھ - اَغْلَال - طوق، بندشیں عَزَّرُوْهُ - اس کی حمایت و نصرت کرتے ہیں - نور - قرآن و سنت مراد ہے تفسیر و تشریح :- بنی اسرائیل کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی دعوت دی جا رہی ہے کہ اسے بنی اسرائیل اتم پر خدا کی رحمت نازل ہونے کے لیے جو شرائط کا تقاضا ہے کہ تم اس پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ۔ تم سے کہا گیا ہے کہ خدا کی رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے جو نافرمانی سے پرہیز کریں تو آج تم رحمت خداوندی کے صرف اسی صورت میں حق دار ہو سکتے ہو کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو اور اس کی رسالت کا اقرار کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہاں اُمّی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے - بنی اسرائیل اپنے سوا دوسری قوموں کو اُمّی کہتے تھے اور ان کا قومی فخر و غرور کسی اُمّی کی پیشوائی تسلیم کرنا تو در کنار، اس پر بھی تیار نہ تھے کہ اُمیوں کے لیے اپنے برابر انسانی حقوق تسلیم کر لیں۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں آتا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ "لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ" یعنی اُمیوں کے مال مار کھانے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ انہی کی اصطلاح استعمال کر کے فرماتا ہے کہ اب تو اسی اُمّی کے ساتھ تمہاری قسمت وابستہ ہے۔ اس کی پیروی قبول کرو گے تو میری رحمت سے حصہ پاؤ گے ورنہ وہی غضب تمہارے لیے مقدر ہے جس میں صدیوں سے گرفتار چلے آ رہے ہو۔

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ نبی اُمّی کی پیروی کرتے ہیں اور مسلمان ہو جاتے ہیں انہیں اس پیش گوئی کا علم ہے جو ان کی کتابوں تورات و انجیل میں نبی اُمّی سے متعلق لکھی ہوئی ہے کتب سابقہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مذکور ہیں۔ انبیاء سابقین نے اپنی امت کو آپ کی بعثت کی خوشخبری دی۔ اور ان کا مذہب اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے ان کے علماء اور راہب اس چیز کو

Marfat.com

جانتے ہیں۔

مسند امام احمد میں ہے کہ ایک بدوی نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، میں دودھ بیچنے کے لیے مدینے گیا۔ دودھ فروخت کرنے کے بعد میں نے کہا۔ چلو ان (محمد) سے بھی مل لوں اور ان سے کچھ باتیں سنوں۔ میں نے دیکھا۔ کہ آپ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے ساتھ جا رہے ہیں۔ میں بھی پیچھے ہو لیا۔ یہ تینوں ایک یہودی کے گھر پہنچے جو تورات جانتا تھا۔ اس کا نوجوان اور خوبصورت لڑکا بستر مرگ پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ یہودی اس کے پاس بیٹھا تورات پڑھ رہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی سے باتیں کرنے لگے۔ اور کہا کہ تمہیں تورات نازل کرنے والے کی قسم ہے سچ بتاؤ کہ اس میں میرا اور میری بعثت کا ذکر بھی ہے یا نہیں؟۔ اس نے سر ہلا کر کہا کہ "نہیں" تو اس کا لڑکا جو مرنے کے قریب تھا بول اٹھا کہ تورات نازل کرنے والے کی قسم ہم آپ کی صفت اور بعثت کی خبر اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں یہ کہہ کر وہ مر گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مسلمان ہے یہودیوں کو یہاں سے ہٹا دو۔ پھر آپ نے اس کے کفن اور نماز جنازہ کا انتظام کیا۔

موجودہ تورات و انجیل میں باوجود تحریف و تضعیف کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق صاف اشارات موجود ہیں۔ تورات میں ہے

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے ان پر جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی" (استثناء ۳۳ : ۲) آتشی شریعت بھی ہمارے ہی رسول کی تھی۔ فتح مکہ کے وقت آپ ہی دس ہزار پاک نفس صحابہ (قدسیوں) کے جلو میں شہر میں داخل ہوئے اور سینا (حضرت موسیٰ) اور شعیر (حضرت عیسیٰ) کی نبوتوں کے بعد فاران سے جو نور نبوت جلوہ گر ہوا وہ بھی ہمارے ہی نبی کا تھا (فاران مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے) وہ نبی امی ٹیک باتوں

Marfat.com

کا حکم دیتا ہے اور بُری باتوں سے روکتا ہے۔ ان کے لیے پاک چیزوں کو جنہیں انہوں نے حرام کر رکھا ہے وہ حلال قرار دیتا ہے اور جن ناپاک چیزوں کو یہ لوگ حلال کیے بیٹھے ہیں انہیں وہ حرام قرار دیتا ہے۔

نبی اُمّی اس بوجھ کو جو لوگوں کے دلوں پر تھا ہلکا کرتا ہے اور رواج کی جن زنجیروں میں وہ جکڑے ہوئے تھے وہ ان کو ہٹا دیتا ہے وہ آسانی، بخشش اور معافی لے کر آیا ہے۔ یعنی بنی اسرائیل کے فقیہوں نے اپنی قانونی موشگافیوں سے ان کے روحانی مقتداؤں نے اپنے تورّع کے مبالغوں سے، اور ان کے جاہل عوام نے اپنے توہمات اور خود ساختہ حدود و ضوابط سے ان کی زندگی کو جن بوجھوں تلے دبا رکھا ہے اور جن جکڑ بندیوں میں کس رکھا ہے۔ یہ پیغمبر اُمّی وہ سارے بوجھ اتار دیتا ہے اور تمام بندشیں توڑ کر زندگی کو آزاد کر دیتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ میں آسانی اور آمیزش سے پاک دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔

لہذا جو لوگ اس نبی اُمّی پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت و نصرت کریں اور اس روشنی (قرآن و سنت) کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے وہی دنیا و آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمّی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی امید ہے کہ تم راہ راست پا لو گے۔ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ پر ایک محکم و روشن دلیل ہے یعنی قرآن کی دعوت عالمگیر ہے اس کی مخاطب ساری دنیا ہے نہ کہ عرب قوم یا چھٹی یا ساتویں صدی عیسوی کی دنیا۔ نبوت آپ پر ختم ہوتی ہے اور آپ قیامت تک ساری دنیا کے پیغمبر ہیں۔

Marfat.com

یوم قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے

آیت ۱۸۷ ۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

مشکل الفاظ کے معنی :۔ اَیَّانَ ۔ کب ۔ مُرْسٰهَا ۔ اس کا وقوع لَا یُجَلِّیْهَا اس کو نہ ظاہر کرے گا ۔ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ۔ گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں ۔

ترجمہ :۔ یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ آخر وہ قیامت کی گھڑی کب واقع ہوگی ؟ کہو اس کا علم میرے رب ہی کے پاس ہے اسے اپنے وقت پر وہی ظاہر کرے گا ۔ آسمانوں اور زمین میں وہ بڑا سخت وقت ہوگا ۔ وہ تم پر اچانک آجائے گی ۔ یہ لوگ اس کے متعلق آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا کہ آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں ۔ کہو اس کا علم تو صرف اللہ کو ہے مگر اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں ۔

تفسیر و تشریح :۔ منکرین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم و واقفیت کے لیے نہیں بلکہ تمسخر و استہزاء کی راہ سے پوچھا کرتے تھے کہ وہ قیامت کب آئے گی جس کی آپ دھمکی دیتے رہتے ہیں کہ اے نبی آپ ان سے کہہ دیں کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے اس کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے کہ کب آئے گی ۔ اس کو اپنے مقررہ وقت پر اللہ ہی ظاہر کرے گا ۔ جب وہ گھڑی آئے گی تو آسمانوں اور زمین میں وہ بڑا سخت وقت ہوگا ۔ ابن عباس رضی کہتے ہیں کہ کوئی چیز بھی ایسی نہ ہوگی جس کو قیامت کا ضرر نہ پہنچے گا آسمان

Marfat.com

چھٹ جائیں گے۔ ستارے ٹوٹ پڑیں گے۔ سورج تاریک ہو جائے گا اور خدا نے جو کچھ اس وقت کے متعلق کہا ہے سب کچھ ہوگا۔ آسمان والوں کو بھی اس کا علم نہیں وہ اچانک آجائے گی۔ لوگوں کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور مشرق میں غروب ہوگا۔ دو آدمی کپڑے کا لین دین کر رہے ہونگے اس غرض سے کپڑے کا تھان کھولا جا رہا ہوگا۔ دودھ دوھ کر پیا بھی نہ ہوگا۔ نوالہ منہ کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا۔ کہ اچانک قیامت شروع ہو جائے گا۔

لَیَسْئَلُوْنَكَ کَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا کے معنی میں مفسرین میں اختلاف ہے یعنی وہ قیامت کا راز آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں کہ آپ قیامت کی تاریخ وقوع سے واقف ہیں اس لئے اللہ نے فرمایا کہ اس کا علم خدا کے سوا کسی اور کو معلوم نہیں۔ اللہ نے تو اس راز کو کسی مقرب فرشتہ یا اپنے رسول پر بھی ظاہر نہیں کیا۔ قتادہ کہتے ہیں .. .. .. کہ قریش حضرت سے کہتے تھے کہ تمہارے اور ہمارے درمیان تو رشتہ داری ہے ہمیں تو بتا دیجئے کہ قیامت کب آرہی ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ کہہ دو کہ اس کا علم فقط اللہ کو ہے۔

یہ لوگ جو نبیؐ سے وقتِ قیامت پوچھتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ نبیؐ کو بھی اس کا علم نہیں۔ خدا کے سوا کوئی اس کا علم نہیں رکھتا۔ حضرت جبرائیلؑ ایک اعرابی کی شکل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تاکہ امور دین کی تعلیم لوگوں کو دیں اور ایک طالب ہدایت سائل کے انداز میں حضرت کے سامنے بیٹھ گئے اور آپؐ سے اسلام کے بارے میں پوچھا۔ پھر ایمان اور احسان سے متعلق دریافت کیا پھر پوچھا کہ قیامت کب آنے والی ہے اس سوال کے جواب میں حضرتؐ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تو تجھ کو

Marfat.com

تم سے زیادہ علم نہیں۔ یعنی جیسے تم ناواقف ہو میں بھی ناواقف ہوں۔ اور کوئی شخص بھی اس بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ "اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ" یعنی اللہ ہی کے پاس قیامت کی گھڑی کا علم ہے۔ مگر اکثر لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔

Marfat.com

سورۃ الانفال

تمہید: — یہ سورت مدنی ہے۔ اس کا نزول ۲ھ ہجری میں جنگ بدر کے بعد ہوا۔ اور اس میں اسلام و کفر کی اس پہلی جنگ پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس سورت میں کل پچھتر آیات ہیں پہلی چالیس آیات نویں پارے میں اور باقی پینتیس ۳۵ آیات دسویں پارے میں ہیں۔ قرآن پاک میں کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں جن میں اس سورت کا آٹھواں نمبر ہے۔

نام اور وجہ تسمیہ: — انفال کا مادہ ن، ف، ل ہے۔ نفل کے معنی زائد یا اس چیز کے ہیں جو واجب کے علاوہ ہو۔ نفل کے معنی دشمن کا وہ مال (غنیمت) جو باقاعدہ جنگ میں ہاتھ آئے اور فدیے کی رقوم بھی اس میں شامل ہیں۔ لغت کے بعض ماہروں کے نزدیک نفل اور غنیمت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اور اس میں صرف اعتباری فرق ہے اس جہت سے کہ وہ فتح کے بعد اور مظفر و منصور ہو کر ملتا ہے۔ اسے غنیمت کہا جاتا ہے اور اس جہت سے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے اور اس پر اس کا عطا کرنا لازم نہیں نفل ہے۔

بعض کے نزدیک ان میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی غنیمت عام ہے اور ہر اُس مال کو کہتے ہیں جو دشمن سے حاصل ہو خواہ اس کے حصول کے لیے مشقت کی گئی ہو یا بلا مشقت ہوا ہو۔ فتح سے قبل ملا ہو یا بعد میں اور استحقاق سے حاصل ہو یا بغیر استحقاق کے، اور نفل خاص ہے۔ اور اس مال کو کہتے ہیں جو غنیمت سے قبل از تقسیم حاصل ہوا ہو۔ بعض کے نزدیک نفل مال ہے جو جنگ و جدل کے بغیر حاصل ہو اور بعض نے کہا ہے کہ جو مال

Marfat.com

تقسیم غنائم کے بعد بانٹا جائے اسے نفل کہا جاتا ہے۔

پھر فئی اور نفل میں یہ فرق ہے کہ فئی کیلئے ضروری ہے کہ جنگ کی تیاری ہو چکی ہو اور پھر دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے ہوں لیکن نفل کے لیے یہ ضروری نہیں۔ بہرحال انفال نفل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں جس قدر واجب ہو اس پر اضافہ اور زیادتی اور اسے ”نافلہ“ بھی کہا جاتا ہے اسی معنی میں نفل نماز ہے۔

اس سورت کا نام انفال اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کی پہلی آیت ”یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔ آپ سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں“ میں انفال کا ذکر ہے گویا اسے سورت انفال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سورت جس میں انفال کا ذکر ہے۔

تاریخی پس منظر: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی جب قریش مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مدینہ ہجرت کر گئے تو انہوں نے یہاں بھی مسلمانوں کو آرام کا سانس نہ لینے دیا۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کو خط لکھا کہ ”تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم خود اس سے لڑو یا اسے نکال دو ورنہ ہم سب تم پر حملہ آور ہوں گے اور تمہارے مردوں کو قتل اور عورتوں کو لونڈیاں بنا لیں گے“ عبداللہ بن ابی اس پر کچھ آمادہ شر ہوا مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بروقت اس کے شر کی روک تھام کر دی۔ پھر سعد بن معاذؓ رئیس مدینہ عمرے کے لیے مکہ گئے وہاں عین حرم کے دروازے پر ابوجہل نے ان کو روک کر کہا کہ تم تو ہمارے دین کے مرتدوں کو پناہ دو اور ان کی امداد و اعانت کا دم بھرو اور ہم تمہیں اطمینان سے مکہ میں طواف کرنے دیں؟ اگر تم امیہ بن خلف کے مہمان نہ ہوتے۔ تو یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے تھے سعد نے جواب میں کہا ”بخدا اگر تم نے مجھے اس چیز سے روکا تو میں تمہیں اس چیز سے روک دوں گا جو تمہارے لیے اس سے شدید تر ہے یعنی مدینہ پر سے تمہاری رہ گزر“ یہ گویا اہل مکہ کی طرف سے اس بات کا اعلان تھا کہ زیارت بیت اللہ کی راہ مسلمانوں

Marfat.com

پہ بندشے اور اس کا جواب اہل مدینہ کی طرف سے یہ تھا کہ شامی تجارت کا راستہ
مخالفین اسلام کے لیے پرخطر ہے۔

شعبان سنہ ۲ ہجری میں قریش کا ایک بہت بڑا قافلہ جس کے ساتھ تقریباً
۵۰ ہزار اشرفی کا مال تھا اور تیس چالیس سے زیادہ محافظ نہ تھے، شام سے مکہ کی
طرف واپس ہوتے ہوئے اس علاقہ میں پہنچا جو مدینہ کی زد میں تھا۔ چونکہ مال زیادہ تھا
محافظ کم تھے، اور خطرہ قوی تھا۔ کہ کہیں مسلمانوں کا کوئی طاقتور دستہ اس پر چھاپہ
نہ مار دے، اس لیے سردار قافلہ ابوسفیان نے اس پرخطر علاقہ میں پہنچتے ہی ایک آدمی
کو مکہ کی طرف دوڑا دیا تاکہ وہاں سے مدد لے آئے۔ اس شخص نے مکہ پہنچتے ہی عرب
کے قدیم قاعدے کے مطابق اپنے اونٹ کے کان کاٹے اس کی ناک چیر دی، کجاوے
کو الٹ کر رکھ دیا۔ اور اپنا قمیص آگے پیچھے سے پھاڑ کر شور مچانا شروع کر دیا
کہ "قریش والو! اپنے قافلہ تجارت کی خبر لو۔ تمہارے مال جو ابوسفیان کے ساتھ ہیں۔
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے آدمی لے کر ان کے درپے ہو گیا ہے۔ مجھے امید نہیں کہ
تم انہیں پا سکو گے، دوڑو دوڑو مدد کے لیے" اس پر سارے مکہ میں ہیجان برپا ہو گیا
قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ تقریباً ایک ہزار
مردان جنگی جن میں ۶۰۰ زرہ پوش تھے اور سو سواروں کا رسالہ بھی شامل تھا پوری
شان و شوکت کے ساتھ لڑنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے پیش نظر
صرف یہی کام نہ تھا۔ کہ اپنے قافلے کو بچا لیں بلکہ وہ اس ارادے سے نکلے
تھے کہ اس آئے دن کے خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں اور مدینہ میں یہ مخالف
طاقت جو ابھی نئی نئی مجتمع ہونی شروع ہوئی ہے اسے کچل ڈالیں اور نواح کے
قبائل کو اس حد تک مرعوب کر دیں کہ آئندہ کے لیے یہ تجارتی راستہ بالکل محفوظ
ہو جائے۔

ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حالات سے ہمیشہ باخبر رہتے تھے محسوس فرمایا
کہ فیصلہ کی گھڑی آ پہنچی ہے اور یہ ٹھیک وہ وقت ہے جبکہ ایک دلیرانہ اقدام

Marfat.com

نہ اٹھایا گیا تو تحریک اسلامی ہمیشہ کے لیے بے جان ہو جائے گی، بلکہ بعید نہیں کہ اس تحریک کے لیے سر اٹھانے کا پھر کوئی موقع ہی باقی نہ رہے۔ مدینہ میں آئے ابھی پورے دو سال بھی نہ ہونے پائے تھے۔ مہاجرین بے سروسامان، انصار ابھی ناآزمودہ، یہودی قبائل برسرِ مخالفت، خود مدینہ میں منافقین اور مشرکین کا ایک اچھا خاصا طاقتور عنصر موجود اور گرد و پیش کے تمام قبائل قریش سے مرعوب بھی اور مذہباً ان کے ہمدرد بھی۔ ایسے حالات میں اگر قریش مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں تو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن اگر وہ حملہ نہ کریں اور صرف اپنے زور سے قافلے کو بچا کر ہی نکال لے جائیں اور مسلمان دبکے بیٹھے رہیں تب بھی یکایک مسلمانوں کی ایسی ہوا اکھڑ جائے گی۔ کہ عرب کا بچہ بچہ ان پر دلیر ہو جائے گا اور ان کے لیے ملک بھر میں پھر کوئی جائے پناہ باقی نہ رہے گی۔ گرد و نواح کے سارے قبائل قریش کے اشاروں پر کام کرنا شروع کر دیں گے۔ مدینہ کے یہودی اور منافقین و مشرکین علی الاعلان سر اٹھائیں گے اور مدینہ میں جینا مشکل کر دیں گے مسلمانوں کا کوئی رعب و اثر نہ ہوگا۔ کہ اس کی وجہ سے کسی کو ان کی جان، مال اور آبرو پر ہاتھ ڈالتے ہوئے تامل ہو۔ اس بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزم فرما لیا۔ کہ جو طاقت بھی اس وقت میسّر ہے اسے لے کر نکلیں اور میدان میں فیصلہ کریں۔ کہ جینے کا بل بوتا کس میں ہے اور کس میں نہیں ہے۔

اس فیصلہ کن اقدام کا ارادہ کر کے آپؐ نے انصار و مہاجرین کو جمع کیا اور ان کے سامنے ساری پوزیشن صاف صاف رکھ دی کہ ایک طرف شمال میں تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف جنوب سے قریش کا لشکر چلا آرہا ہے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک تمہیں مل جائے گا۔ بتاؤ تم کس کے مقابلہ پر چلنا چاہتے ہو؟ جواب میں ایک بڑے گروہ کی طرف سے اس خواہش کا اظہار ہوا کہ قافلے پر حملہ کیا جائے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر کچھ اور تھا اس لیے آپؐ نے اپنا سوال دہرایا۔ اس پر مہاجرین میں سے مقداد بن عمرو نے

Marfat.com

اُٹھ کر کہا "یارسول اللہ! جدھر آپؐ کا رب آپؐ کو حکم دے رہا ہے اسی طرف چلیے ہم آپؐ کے ساتھ ہیں، جس طرف بھی آپؐ جائیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ نہیں ہم کہتے ہیں کہ چلیے آپؐ اور آپؐ کا خدا، دونوں لڑیں اور ہم آپؐ کے ساتھ جانیں لڑائیں گے جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے۔" مگر لڑائی کا فیصلہ انصار کی رائے معلوم کیے بغیر نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ ابھی تک فوجی اقدامات میں ان سے کوئی مدد نہیں لی گئی تھی اور ان کے لیے یہ آزمائش کا پہلا موقع تھا کہ اسلام کی حمایت کا جو عہد انہوں نے اوّل روز کیا تھا۔ اسے وہ کہاں تک نباہنے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے براہِ راست ان کو مخاطب کیے بغیر پھر اپنا سوال دہرایا۔ اس پر سعد بن معاذؓ اٹھے اور انہوں نے عرض کیا شاید حضور کا روئے سخن ہماری طرف ہے فرمایا ہاں۔ انہوں نے کہا "ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں، آپؐ کی تصدیق کر چکے ہیں کہ آپؐ نے ارادہ فرما لیا ہے اسے کر گزریے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپؐ ہمیں لے کر سمندر پر جا پہنچیں اور اس میں اُتر جائیں تو ہم آپؐ کا ساتھ دیں گے اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا ہم کو یہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ آپؐ کل ہمیں لے کر دشمن سے جا بھڑیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے مقابلہ میں سچی جانثاری دکھائیں گے اور بعید نہیں کہ اللہ آپؐ کو ہم سے وہ کچھ دکھوا دے۔ جسے دیکھ کر آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپؐ ہمیں لے چلیں۔"

ان تقریروں کے بعد فیصلہ ہو گیا کہ قافلہ کے بجائے لشکرِ قریش ہی کے مقابلہ پر چلنا چاہیے۔ لیکن یہ فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہ تھا۔ جو لوگ اس تنگ وقت میں لڑائی کے لیے اُٹھے تھے ان کی تعداد تین سو سے کچھ زیادہ تھی۔ جن میں صرف دو تین کے پاس گھوڑے تھے اور باقی آدمیوں کے لیے ۷۰ اونٹوں سے زیادہ

Marfat.com

تھے جن پر تین تین چار چار اشخاص باری باری سوار ہوتے تھے۔ سامانِ جنگ بھی بالکل ناکافی تھا۔ صرف ۶۰ آدمیوں کے پاس زرہیں تھیں۔ اسی لئے چند سرفروش فدائیوں کے سوا اکثر آدمی جو اس خطرناک مہم میں شریک تھے دلوں میں سہم رہے تھے اور انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ جانتے بوجھتے موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ مصلحت پرست لوگ جو اگرچہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے مگر ایسے ایمان کے قائل نہ تھے جس میں جان و مال کا زیاں ہو۔ اس مہم کو دیوانگی سے تعبیر کر رہے تھے اور ان کا خیال تھا۔ کہ دینی جذبے نے ان کو پاگل بنا دیا ہے مگر نبیؐ اور مومنین صادقین یہ سمجھ چکے تھے کہ یہ وقت جان کی بازی لگانے ہی کا ہے اس لئے اللہ کے بھروسے پر وہ نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے جنوب مغرب کی راہ لی جدھر سے قریش کا لشکر آ رہا تھا۔ حالانکہ اگر ابتدا میں قافلے کو لوٹنا مقصود ہوتا تو شمال مغرب کی راہ لی جاتی۔

۱۷ رمضان کو بدر کے مقام پر فریقین کا مقابلہ ہوا۔ جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ تین کافروں کے مقابلے میں ایک مسلمان ہے اور وہ بھی پوری طرح مسلح نہیں ہے تو خدا کے حضور میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیئے اور انتہائی خضوع و خشوع کے ساتھ عرض کرنا شروع کیا "خدایا، یہ ہیں قریش، اپنے سامانِ غرور کے ساتھ آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کریں، خداوندا! بس اب آجائے تیری وہ مدد جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اے خدا اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہو گئی تو روئے زمین پر پھر تیری عبادت نہ ہو گی۔

اس معرکہ کارزار میں سب سے زیادہ سخت امتحان مہاجرین مکہ کا تھا جن کے اپنے بھائی بند سامنے صف آرا تھے کسی کا باپ کسی کا بیٹا، کسی کا ماموں، کسی کا بھائی اس کی اپنی تلوار کی زد میں آ رہا تھا۔ اور اپنے ہاتھوں اپنے جگر کے ٹکڑے کاٹنے پڑ رہے تھے اس کڑی آزمائش سے صرف وہی لوگ گزر سکتے تھے جنہوں

Marfat.com

نے پوری سنجیدگی کے ساتھ حق سے رشتہ جوڑا ہوا اور جو باطل کے ساتھ اپنے رشتے قطع کر ڈالنے پر تل گئے ہوں۔ اور انصار کا امتحان بھی کچھ کم سخت نہ تھا اب تک انہوں نے عرب کے طاقتور ترین قبیلے، قریش اور اس کے حلیف قبائل کی دشمنی صرف اسی حد تک مول لی تھی کہ ان کے دشمنوں (مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دے دی تھی۔ لیکن اب تو وہ اسلام کی حمایت میں ان کے خلاف لڑنے بھی جا رہے تھے کہ ایک چھوٹی سی بستی جس کی آبادی چند ہزار نفوس سے زیادہ نہیں ہے سارے ملکِ عرب سے لڑائی مول لے رہی ہے یہ جسارت صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو کسی صداقت پر ایسا ایمان لے آئیں ہوں کہ اس کی خاطر اپنے ذاتی مفاد کی انہیں ذرہ برابر پرواہ نہ رہی ہو۔ آخر کار ان لوگوں کی صداقت ایمانی خدا کی طرف سے نصرت کا انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اور قریش اپنے سارے غرور طاقت کے باوجود ان بے سر و سامان فدائیوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے ستر قید ہوئے اور ان کا سر و سامان غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار جو ان کے گلہائے سر سبد اور اسلام کی مخالف تحریک کے روحِ رواں تھے، اس معرکے میں ختم ہو گئے اور اس فیصلہ کن فتح نے عرب میں اسلام کو ایک قابل لحاظ طاقت بنا دیا۔ جیسا کہ ایک مغربی محقق نے لکھا ہے "بدر سے پہلے اسلام محض ایک مذہب اور ریاست تھا مگر بدر کے بعد وہ مذہب ریاست بلکہ خود ریاست بن گیا۔"

مباحث: یہ ہے وہ عظیم الشان معرکہ کہ جس پر قرآن کی اس سورت میں تبصرہ کیا گیا ہے، مگر اس تبصرے کا انداز تمام ان تبصروں سے مختلف ہے جو دنیوی بادشاہ اپنی فوج کی فتحیابی کے بعد کیا کرتے ہیں۔

اس میں سب سے پہلے ان خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو اخلاقی حیثیت سے ابھی مسلمانوں میں باقی تھیں تاکہ آئندہ اپنی مزید تکمیل کے لئے سعی کریں۔

Marfat.com

پھر ان کو بتایا گیا ہے کہ اس فتح میں تائیدِ الٰہی کا کتنا بڑا حصہ تھا تاکہ وہ اپنی جرأت و شہامت پر نہ پھولیں بلکہ خدا پر توکل اور خدا و رسول کی اطاعت کا سبق لیں۔

پھر اس اخلاقی مقصد کو واضح کیا گیا ہے جس کے لیے مسلمانوں کو یہ معرکۂ حق و باطل برپا کرنا ہے اور ان اخلاقی صفات کی توضیح کی گئی ہے جن سے اس معرکہ میں انہیں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

پھر مشرکین اور منافقین اور یہود اور ان لوگوں کو جو جنگ میں قید ہو کر آئے تھے، نہایت سبق آموز انداز میں خطاب کیا گیا ہے۔

پھر ان اموال کے متعلق، جو جنگ میں ہاتھ آئے تھے، مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ انہیں اپنا مال نہ سمجھیں۔ بلکہ خدا کا مال سمجھیں، جو کچھ اللہ اس میں سے ان کا حصہ مقرر کرے اسے شکریہ کے ساتھ قبول کر لیں اور جو حصہ اللہ اپنے کام اور اپنے غریب بندوں کی امداد کے لیے مقرر کرے اس کو برضا و رغبت گوارا کر لیں۔

پھر قانونِ جنگ و صلح کے متعلق وہ اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں جن کی توضیح اس مرحلے میں دعوتِ اسلامی کے داخل ہو جانے کے بعد ضروری تھا تاکہ مسلمان اپنی صلح و جنگ میں جاہلیت کے طریقوں سے بچیں اور دنیا پر ان کی اخلاقی برتری قائم ہو اور دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اسلام اول روز سے اخلاق پر جس زندگی کی بنیاد رکھنے کی جو دعوت دے رہا ہے، اس کی تعبیر واقعی عملی زندگی میں کیا ہے۔

پھر اسلامی ریاست کے دستوری قانون کی بعض دفعات بیان کی گئی ہیں۔ جن سے دارالاسلام کے مسلمان باشندوں کی آئینی حیثیت ان مسلمانوں سے الگ کر دی گئی ہے جو دارالاسلام کے حدود سے باہر رہتے ہوں (از تفہیم القرآن)

اجمالی مطالب: ۔ آیت ۱ ۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

Marfat.com

انفال کی تقسیم کے متعلق سوال کرنا۔ اس کا اللہ کی طرف سے جواب کہ دیا انفال تو اللہ اور اس کے رسول کے ہیں۔ تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم واقعی مومن ہو۔

ع۲ تا ع۴ ۔ مومنین کی صفات کا بیان کہ (i) جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں (ii) جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے (iii) اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں (iv) نمازیں قائم کرتے ہیں (v) زکوٰۃ، صدقہ و خیرات ادا کرتے ہیں۔ درحقیقت جن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں وہ حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں۔ قصوروں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔

ع۵ تا ع۸ ۔ جنگ بدر کا ذکر ہے۔ اے نبیؐ! تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر (مدینہ) سے (جنگ بدر کے لیے) نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ کو یہ (جنگ کے لیے نکلنا) سخت ناگوار تھا۔ وہ اس حق کے معاملہ میں تجھ سے جھگڑ رہے تھے۔ درآں حالانکہ وہ (حق) صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ دونوں گروہوں (تجارتی قافلہ یا لشکر قریش) میں سے ایک تمہیں مل جائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ (قافلہ) تمہیں ملے مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ صداقت کی جس آواز کو وہ دبانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کے استیصال کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، اس کو شکست ہو، کاری ضرب لگے اور دین حق کا بول بالا ہو۔

ع۹ تا ع۱۰ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بارگاہ خداوندی میں فریاد کرنا۔ اس کے جواب میں اللہ کا فرمانا کہ میں تمہاری مدد کے لیے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔ یہ بات اللہ نے تمہیں صرف اس لیے بتا دی کہ تمہیں خوشخبری ہو

Marfat.com

اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔ ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے۔

۱۱ تا ۱۴۔ جنگِ بدر کی رات اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر غنودگی کی شکل میں اطمینان و بے خوفی کی کیفیت طاری کرنا اور آسمان سے بارش برسانا تاکہ اس کے ذریعے مومنین کو پاک کرے اور شیطان کی نجاست کو دور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس (بارش) کے ذریعے سے تمہارے قدم جما دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو اشارہ کرنا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھو۔ میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ پس تم (اے فرشتو!) ان (کفار) کی گردنوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پہ چوٹ لگاؤ۔ یہ (ذلت و رسوائی شکست) اس لیے ہے کہ ان لوگوں (کفار) نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کیا اور جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے اللہ اس کے لیے نہایت سخت گیر ہے۔ کفار سے خطاب ہے کہ یہ ہے تمہارے لوگوں کی سزا۔ اب اس کا مزہ چکھو اور تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ حق کا انکار کرنے والوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔

۱۵ تا ۱۶۔ مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنے کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ کفار کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر کر نہ بھاگا جائے۔ صرف دو صورتوں میں جب کہ (۱) جنگی چال کے لیے یا (۲) دوسری (اسلامی) فوج سے جا ملنے کے لیے بھاگا جائے تو پھرنا جائز نہیں ہے۔ جو کوئی ان دو صورتوں کے علاوہ پیٹھ پھیر کر میدانِ جنگ سے بھاگے گا تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بہت بُری جائے بازگشت ہے۔

۱۷ تا ۱۸۔ اے مومنو! جنگِ بدر میں کفار کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا۔ اے نبی! آپ نے (مٹھی بھر ریت) نہیں پھینکا اور مومنوں کے ہاتھ جو اس کام میں استعمال کیے گئے تو یہ اس لیے تھا کہ اللہ

Marfat.com

مومنوں کو ایک بہترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزار دے۔ یقیناً اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ یہ معاملہ تو تمہارے ساتھ ہے اور کفار کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ اللہ ان کی چالوں کو کمزور کرنے والا ہے۔

ع ۱۹۔ مشرکین یعنی لشکر قریش سے خطاب ہے کہ تم نے جو کعبہ کے پردے پکڑ کر دعا مانگی تھی کہ "خدایا دونوں گروہوں میں سے جو بہتر ہے اس کو فتح عطا کر" تو لو فیصلہ تمہارے سامنے آگیا۔ اب بھی باز آجاؤ گے تو تمہارے ہی لیے بہتر ہے ورنہ پھر پلٹ کر اسی (جنگ اور مخالفت رسول کی) حماقت کا اعادہ کرو گے تو ہم بھی اسی سزا کا اعادہ کریں گے اور یاد رکھو کہ تمہاری جمعیت خواہ کتنی ہی زیادہ ہو، تمہارے کچھ کام نہ آسکے گی۔ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔

ع ۲۰ تا ع ۲۹۔ ایمانداروں کو خطاب ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور حکم سننے کے بعد اس سے سرتابی نہ کرو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اگر اللہ کو معلوم ہوتا کہ ان (منافقین) میں کچھ بھی بھلائی ہے تو وہ ضرور انہیں سننے کی توفیق دیتا لیکن بھلائی کے بغیر اگر وہ ان کو سنواتا تو وہ بے رخی کے ساتھ منہ پھیر جاتے۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جب کہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے، اور اس فتنے سے بچو جس کی شامت مخصوص طور پر صرف ان لوگوں تک محدود نہ رہے گی۔ جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو۔ اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ وہ وقت بھی یاد کرو جب تم تعداد

میں تھوڑے سے تھے۔ زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں (مخالفین) تمہیں مٹا نہ دیں۔ پھر اللہ نے تمہیں جائے پناہ (مدینہ) مہیا کر دی اور اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کیے اور تمہیں اچھا رزق پہنچایا شاید کہ تم شکر گزار بنو۔ اے ایمان والو! جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت نہ کرو، اور اپنی امانتوں میں خداری کے مرتکب نہ ہو۔ جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامان آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لیے بہت کچھ ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم تقوی اختیار کرو گے تو اللہ تعالی تمہارے لیے کسوٹی بہم پہنچا دے گا اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کر دے گا اور تمہارے قصور معاف کر دے گا۔ اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

ع۳۰۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ اے نبیؐ! وہ وقت یاد کرو جب کہ منکرین حق (قریش) آپؐ کے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپؐ کو قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلا وطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا۔ اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔

ع۳۱۔ مخالفین اسلام کی حالت بیان کی گئی ہے کہ جب ان کو ہماری آیات سنائی جاتی تھیں تو کہتے تھے کہ ہاں سن لیا ہم نے، ہم چاہیں تو ایسی ہی باتیں (قرآن کی سی) ہم بھی بنا سکتے ہیں۔ یہ تو وہی پرانی کہانیاں ہیں جو پہلے سے لوگ کہتے چلے آ رہے ہیں۔

ع۳۲ تا ۳۴۔ قریش مکہ کا بیان ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اے خدا! اگر یہ (اسلام اور داعی اسلام) واقعی حق ہے اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ اس وقت تو اللہ عذاب نازل کرنے والا نہ تھا جب کہ آپؐ ان کے درمیان (مکہ میں) موجود تھے اور نہ اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ لوگ استغفار کر رہے ہوں اور وہ

Marfat.com

ان کو عذاب دیدے۔ لیکن اب کیوں نہ وہ ان پر عذاب نازل کرے جب کہ وہ مسجد حرام کا راستہ بند کر رہے ہیں حالانکہ وہ اس مسجد کے جائز متولی نہیں ہیں اس کے جائز متولی تو صرف اہل تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں۔ مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

ع۳۵۔ مشرکین کی بیت اللہ کے پاس نماز کا بیان ہے کہ سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کا نام عبادت رکھ چھوڑا ہے سوائے مشرکین! اب اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے اس انکار حق کی پاداش میں جو تم کرتے رہے ہو۔

ع۳۶ تا ع۳۷۔ مشرکین اور کفار اپنے اموال کو خدا کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لیے صرف کرتے ہیں وہ اور خرچ کرتے رہیں گے مگر یہی (مال کا خرچنا) کوششیں ان کے لیے پچھتاوے کا سبب بنیں گی۔ وہ (میدان جنگ یعنی بدر) میں مغلوب ہوں گے۔ پھر یہ کافر جہنم کی طرف گھیر لائے جائیں گے تاکہ اللہ گندگی کو پاکیزگی سے چھانٹ کر الگ کرے اور ہر قسم کی گندگی کو ملا کر اکٹھا کرے پھر اس پلندے کو جہنم میں جھونک دے یہی لوگ اصلی دیوالیے ہیں۔

ع۳۸۔ اے نبیؐ! آپ ان کفار سے کہدیں کہ اب (مخالفت اسلام کی حرکت سے) باز آجاؤ۔ پہلے جو کچھ ہو چکا ہے اس سے درگزر کر لیا جائے گا۔ لیکن اگر یہ اپنی اس پچھلی روش (مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش) کا اعادہ کریں گے تو گزشتہ قوموں کے ساتھ (جنہوں نے حق کو مٹانے کی کوشش کی) جو کچھ ہو چکا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

ع۳۹ تا ع۴۰۔ ایمانداروں کو خطاب ہے کہ کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے پھر اگر وہ (کافر) فتنہ سے رک جائیں تو ان کے اعمال کو دیکھنے والا اللہ ہے اور اگر وہ نہ مانیں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا (مومنوں کا) سرپرست ہے اور وہ بہترین حامی و مددگار ہے۔

ع۴۱۔ مال غنیمت کی تقسیم کا قانون بتایا جا رہا ہے کہ چار حصے ان لوگوں

Marfat.com

لڑنے والوں) میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ اور پانچواں حصہ اللہ، اس کے رسول، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے رکھ لیا جائے۔ اے مومنو! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس چیز پر (تائید و نصرت الٰہی) جو فیصلے کے روز یعنی دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ کے دن، ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی تو یہ حصہ بخوشی ادا کرو۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۴۲ تا ۴۴۔ جنگ بدر کا بیان پھر شروع ہو رہا ہے کہ وہ وقت یاد کرو جب کہ تم وادی کے اس جانب تھے اور وہ (کفار) دوسری جانب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور قافلہ (ابو سفیان) تم سے نیچے (ساحل) کی طرف تھا۔ اگر کہیں پہلے سے تمہارے اور ان (کفار) کے درمیان مقابلہ کی قرارداد ہو چکی ہوتی تو تم ضرور اس موقع پر (لشکر قریش کی کثرت کو دیکھ کر) پہلو تہی کر جاتے۔ لیکن جو کچھ پیش آیا وہ اس لیے تھا کہ جس بات کا اللہ فیصلہ کر چکا تھا اسے ظہور میں لائے تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے۔ وہ روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے۔ وہ روشن دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ یقیناً خدا سننے اور جاننے والا ہے۔

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب کہ اے نبیؐ! خدا ان (لشکر کفار) کو آپ کے خواب میں تھوڑا دکھا رہا تھا۔ اگر کہیں وہ آپؐ کو ان کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو ضرور تم (مسلمان) لوگ ہمت ہار جاتے اور لڑائی کے معاملہ میں جھگڑا شروع کر دیتے۔ لیکن اللہ ہی نے اس سے تمہیں بچا لیا۔ یقیناً وہ سینوں کا حال تک جانتا ہے۔

اور وہ وقت بھی یاد کرو کہ مقابلے کے وقت خدا نے تمہاری (مسلمانوں کی) نظروں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا اور ان کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے پیش کیا تاکہ جو بات ہونی تھی (جنگ) اسے ظہور میں لے آئے اور آخر کار سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

Marfat.com

۴۵ تا ۴۶ ۔ مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ وہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہا کریں اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کریں۔ اس طرح کامیابی نصیب ہوگی۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور آپس میں نہ جھگڑا کرو ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لیتے رہا کرو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

۴۷ تا ۴۸ ۔ مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ کفار کے طور طریقوں سے بچیں چنانچہ فرمان ہے کہ اے ایمان لانے والو! ان لوگوں کے سے رنگ ڈھنگ اختیار نہ کرو جو اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے (لشکر قریش کی طرف اشارہ ہے) اور وہ دوسروں کو اللہ کے راستے (دین حق) سے روکتے ہیں۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔

شیطان نے لشکر قریش کو ان کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھلائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور یہ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مگر جب دونوں گروہوں (اسلامی لشکر اور مخالفین کا) کا آمنا سامنا ہوا تو وہ (شیطان) الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے (فرشتے) مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔

۴۹ ۔ منافقین اور وہ لوگ جو دنیا پرستی اور خدا سے غفلت کے مرض میں گرفتار تھے یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر بے سر و سامان جماعت قریش جیسی زبردست طاقت سے ٹکرانے کے لیے جا رہی ہے آپس میں کہتے تھے کہ یہ لوگ اپنے دینی جوش میں دیوانے ہو گئے ہیں اس معرکہ میں ان کی تباہی یقینی ہے مگر اس نبی نے کچھ ایسا افسوں ان پر پھونک

Marfat.com

رکھا ہے کہ ان کی عقل ضبط ہو گئی ہے اور آنکھوں دیکھے موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ حالانکہ ان منافقین کو اس چیز کا علم نہیں کہ جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو یقیناً اللہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔

۵۰ تا ۵۴ - جنگ بدر میں فرشتے کافروں کی روحیں قبض کر رہے تھے اور ان کے چہروں اور کولہوں پر ضربیں لگاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ لو اب جلنے کی سزا بھگتو۔ یہ وہ جزا ہے جس کا سامان تمہارے اپنے ہاتھوں نے پیشگی مہیا کر رکھا تھا ورنہ اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح آل فرعون اور ان سے پہلے کے دوسرے لوگوں نے اللہ کی آیات سے انکار کیا۔ چنانچہ اللہ نے ان کو ان کے گناہوں پر پکڑ لیا۔ اللہ قوت رکھتا ہے اور سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ اللہ کی اس سنت کے مطابق ہوا کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم اپنے طرز عمل کو نہیں بدل دیتی۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ آل فرعون اور ان سے پہلے کی قوموں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ اسی ضابطہ کے مطابق تھا۔ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تب ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کیا اور آل فرعون کو غرق کر دیا۔ یہ سب ظالم لوگ تھے۔

۵۵ تا ۵۷ - ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ کافر ہیں جو کسی صورت میں بھی ایمان لانے کو تیار نہیں۔ پس اگر یہ لوگ (یہود) آپ کو لڑائی میں مل جائیں تو ان کی ایسی خبر لو کہ ان کے بعد جو دوسرے لوگ ایسی روش اختیار کرنے والے ہوں، ان کو بھی عہد شکنی کا انجام معلوم ہو جائے۔ جن سے آپ بار بار عہد لے چکے ہیں۔ پھر بھی وہ اپنا عہد ہر بار توڑ ڈالتے رہیں اور وہ خدا کا ذرا خوف

Marfat.com

بھی نہیں کرتے۔ (اشارہ خاص یہودیِ بنی قریظہ کی جانب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار معاہدہ کرتے۔ کہ ہم آپؐ کے مقابلہ میں مشرکین کی مدد نہ کریں گے اور پھر جا کر انہی کے ساتھ شریک ہو جاتے۔)

۵۸ تا ۵۹۔ عہد و پیمان کے متعلق ہدایات دی جا رہی ہیں کہ اے نبیؐ! اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ معاہدے کو ان کی طرف اسی طرح واپس کر دیں۔ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں رکھتا۔ منکرین حق اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ کر نکل گئے۔ یقیناً وہ لوگ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

۶۰۔ مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اہل کفر تو ہمیشہ تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن رہا ہی کریں گے۔ تم ان سے مقابلہ کے لیے ہمیشہ تیار رہو۔ ان کی طرف سے کبھی غافل نہ رہو اور اپنے پاس وہ سامان ہر وقت تیار رکھو جن سے ان پر ہیبت طاری ہوتی ہو اور ان کے دل دہلتے رہیں۔ کفار کے علاوہ ان کے علاوہ کچھ اور قومیں بھی ہیں جن کو تم نہیں جانتے۔ اللہ جانتا ہے اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں اس کا پورا پورا اجر دے گا اور اس اجر میں تمہارے لیے ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی۔

۶۱ تا ۶۳۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی جا رہی ہے کہ اگر کفار اور مخالفین اسلام آپ سے صلح کی درخواست کریں تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ ان کی اس درخواست کو منظور کر لیں۔ لیکن اللہ پر ہمیشہ بھروسہ رکھو۔ بے شک وہ خوب سننے اور خوب جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ لوگ اس درخواست صلح کے ذریعے آپؐ کو دھوکہ دینا چاہیں تو پروا نہیں۔ اللہ آپ کے لیے کافی ہے۔ وہ وہی ہے جس نے اپنی مدد اور مومنین کے ذریعہ سے آپؐ کی تائید کی۔ اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے۔ اے نبیؐ! اگر آپ دنیا بھر کا مال بھی خرچ کر ڈالتے جب بھی ان لوگوں کے دلوں کو نہ جوڑ سکتے تھے۔

لیکن اللہ ہی نے ان کے دل جوڑ دیئے (متحد کر دیا) بے شک وہ بڑا قدرت
والا اور حکمت والا ہے۔ اے نبیؐ! آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ مومنین
بھی جنہوں نے آپ کا اتباع کیا۔

ع۶۵ تا ع۶۶۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ
اے نبیؐ! آپ مومنوں کو جنگ پر ابھاریں۔ اگر تم میں سے بیس آدمی صابر
ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں تو ایک ہزار
کافروں پر غالب آجائیں گے۔ اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے
(اور چونکہ وہ (کفار) سمجھ سے کام نہیں لیتے اس لیے کفر پر مصر ہیں اس
وجہ سے وہ امداد غیبی سے محروم ہیں اور بہ آسانی مغلوب ہو جاتے ہیں) اب
اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اور معلوم کر لیا کہ تم میں جوش (ایمانی) کی کمی ہے۔
سو اب اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو سو پر غالب
آئیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب رہیں گے۔ اور
اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔

ع۶۷ تا ع۶۹۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ
قتل و قتال اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک فساد کی جڑ نہ کٹ
جائے۔ اے مومنو! تم دنیا کا مال و اسباب (غنیمت کی صورت میں) چاہتے
ہو اور اللہ تمہارے لیے آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ بڑا غالب اور حکیم ہے۔
یاد رکھو اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ ... تم لوگوں نے
(غنیمت وغیرہ کی صورت میں) لیا ہے۔ اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی
جاتی۔ پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اسے اب حلال پاک سمجھ کر کھاؤ
اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بڑا درگذر کرنے والا اور رحم فرمانے
والا ہے۔

ع۷۰ تا ع۷۱۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ ان قیدیوں سے

Marfat.com

کہ دیئے جو جنگ بدر میں تمہارے ہاتھ آئے ہیں کہ اگر اللہ کو معلوم ہوا کہ تمہارے دلوں میں کچھ خیر ہے (اسلام قبول کرنے کی) تو وہ تمہیں اس (فدیہ) سے بڑھ چڑھ کر دے گا جو تم سے لیا گیا تھا۔ اور تمہاری خطائیں معاف کر دیگا۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ لیکن اگر یہ (قیدی) آپ سے خیانت کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے پہلے بھی اللہ کے ساتھ (آپ کی مخالفت اور آپ کے مقابلہ کی صورت میں) خیانت کر چکے ہیں چنانچہ اسی سزا میں اس نے انہیں گرفتار کرا دیا۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکیم ہے۔

۷۲ تا ۷۵۔ مہاجرین و انصار کا بیان ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی، اور ان کی مدد کی، وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ اور وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت نہ کی تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آجائیں۔ ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تمہارا فرض ہے لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں اگر تم (ایک دوسرے کی حمایت وغیرہ) نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں جہاد بھی کیا اور جن لوگوں نے انہیں رہنے کی جگہ دی اور ان کی مدد کی سب ہی لوگ تو سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے (مدینہ) آگئے اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ بیشک اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

Marfat.com

سورۃ الانفال کی اہم آیات کی تفسیر و تشریح

آیت ۷:- وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

سنہ ۱۹۶۷ء و سنہ ۱۹۶۸ء

مشکل الفاظ کے معانی:- الطائفتین - طائفۃ کا تثنیہ گروہ - شوکۃ - اس کے لفظی معنی چبھنے والے کانٹے کے ہیں۔ مجازاً قوت، شدت اور اسلحہ سے مراد ہوتی ہے۔ بکلمٰتہ - کلمات سے مراد احکام شرعی بھی ہو سکتے ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کی طرف روانہ کرنا، لشکر قریش سے مقابلہ کے لیے حکم فرمانا وغیرہ اور احکام تکوینی بھی مثلاً قریش مکہ کا اتنی تیاری کر کے آنا اور پھر بھی مغلوب و مقہور ہونا وغیرہ۔

ترجمہ:- (اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ غیر مسلح جماعت (قافلہ) تمہارے ہاتھ آ جائے۔ مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

تفسیر و تشریح:- اس آیت کی تشریح کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پس منظر بیان کیا جائے چنانچہ تفصیل یہ ہے:- قریش مکہ انتقام کی آگ میں جل رہے تھے وہ یہ نہ دیکھ سکتے تھے کہ مسلمان ان کے سامنے مدینہ میں عالم آرام و سکون کی زندگی بسر کریں اور اسلام

Marfat.com

اس سرعت سے پھیلتا جائے۔ انہوں نے حبشہ تک مسلمانوں کا پیچھا کیا تھا۔ اب مدینہ کوئی زیادہ دور نہ تھا۔ انہوں نے منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کو خط لکھا کہ یا تو مسلمانوں کو قتل کر دو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم تم پر حملہ کر کے تم کو فنا کر دیں گے۔ لیکن وہ اس حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔ مسلمان پہلے ہی سے ہوشیار تھے اور جب مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی لوٹ لیے تو وہ اور بھی ہوشیار ہو گئے اور حفاظتی تدابیر اختیار کرنی شروع کر دیں۔

قریش کے قافلے ہر سال گرمیوں میں ملک شام کی طرف تجارتی سامان لے کر جاتے تھے۔ مکہ کے ہر فرد کی خوشحالی اس کاروان تجارت کی کامیابی پر منحصر تھی کیونکہ ہر طبقے کے لوگ اپنا قابل فروخت سامان قافلے کے حوالے کر دیتے۔ جسے وہ دمشق وغیرہ میں بیچ کر دوسرے اور سامان خرید لاتے اور اس طرح دوہری تجارت سے دگنا نفع کماتے تھے۔

مکہ سے جو قافلے شام کی جانب چلتے تھے۔ مدینہ ان کی راہ میں تھا۔ مدینہ کی اس جائے وقوع کا مسلمانوں کو یہ فائدہ تھا کہ وہ قریش کے قافلوں کو روک ٹوک کر انہیں صلح پر مجبور کر سکتے تھے اور یہی ان کے پاس بہترین دفاعی حربہ تھا۔ لیکن یہ واضح رہے کہ ابتداء مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیشہ ابتداء کرنے والے کو ظالم قرار دیتے تھے اور جب بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے لڑائی کی جو اجازت ملی اس کے الفاظ بھی یہی تھے کہ خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

قریش مکہ کی مسلمانوں سے عداوت ان قافلوں کی روک ٹوک سے اور زیادہ بڑھی۔ ہجرت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تو نہیں لیکن اکا دکا مسلمان جن کے عزیز مکہ میں تھے، حج کو چلے جایا کرتے تھے۔

Marfat.com

محض اس خیال سے کہ ایام حج میں روایات کے مطابق جنگ و جدال منع تھا۔ ایک بار قبیلہ اوس کے رئیس حضرت سعد بن معاذؓ حج کے لیے مکہ گئے اور اپنے دوست امیہ بن خلف کے ساتھ خانہ کعبہ کے طواف کو جا رہے تھے کہ ابوجہل نے دیکھ لیا اور کہا کہ اگر اس وقت تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو کبھی بچ کر واپس نہ جاتے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا و اگر تم نے ہمیں حج سے روکا۔ تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک دیں گے۔ اس سے مراد شام کی تجارت کا راستہ تھا۔

قریش مکہ کی جنگی تیاریوں کے حالات بھی کچھ پوشیدہ نہ تھے۔ منافقوں کے ذریعے جو دھمکی انہوں نے دی تھی اس کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا۔ چنانچہ آپؐ نے خود عبداللہ بن ابی کو سمجھایا کہ کیا تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟ اسی وجہ سے وہ رکا بھی رہا تھا لیکن اہل مکہ کی اسلام دشمنی اور مدینہ پر حملہ کی خبروں سے مسلمان بے چین تھے۔ لہذا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتیں جاگ کر گزارتے۔ ہتھیار بند پہرے داروں کا انتظام کرتے۔ اسی سلسلے میں چھوٹے بڑے گروہ بنا کر مدینہ سے باہر بھیجتے کہ مکہ والوں کے قافلوں کی خبر حاصل کریں اور اگر ممکن ہو تو اس مایۂ غرور تجارت کا خاتمہ کیا جائے جس کے بل بوتے پر انہوں نے مدینہ کو برباد کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ مزید برآں حفاظتی تدابیر اس لیے بھی ضروری تھیں کہ خود قافلے والے مدینہ کے پاس سے گزرتے ہوئے کوئی شرارت نہ کر دیں۔ دین بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی چھوٹے چھوٹے دستے لے کر گئے مگر اس دوران میں کوئی کشت و خون نہیں ہوا بلکہ موقع سے فائدہ اٹھا کر آپ نے قرب و جوار کے قبائل سے معاہدہ کر کے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا۔

۲ ہجری میں نخلہ کا واقعہ پیش آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحشؓ کو بارہ آدمیوں کے ساتھ نخلہ کی جانب دشمنوں کی

Marfat.com

حرکات کی خبر لانے کے لیے بھیجا روانہ کرتے وقت آپؐ نے عبداللہ رضؓ کو ایک بند خط دیا اور فرمایا کہ دو دن کے بعد اسے کھولنا۔ نخلہ کا فاصلہ بھی تقریباً اتنے ہی عرصہ کا تھا۔ عبداللہؓ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ "مقام نخلہ میں قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ اور اطلاع دو"۔ اتفاق سے وہاں قریش کے چند آدمی تجارتی مال لے جاتے ہوئے مل گئے۔ عبداللہؓ نے تیر مارا۔ چنانچہ ایک آدمی عمرو بن حضرمی مارا گیا اور دو گرفتار ہوئے۔ کچھ مالِ غنیمت بھی ہاتھ لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپؐ ناراض ہوئے کیونکہ آپؐ نے لڑنے کی اجازت ہرگز نہ دی تھی۔ اس لیے مالِ غنیمت کا حصہ لینے سے بھی انکار کر دیا۔ مقتول عمرو بن حضرمی قریش کے سرداروں میں سے تھا۔ اس کے قتل پر قریش بہت برہم ہوئے اور بدلہ لینے کی ٹھانی۔ مشہور مورخ طبری لکھتا ہے کہ "جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اس کا سبب یہی حضرمی کا قتل تھا اس لیے کہ خون کا بدلہ خون لینا عرب کا قومی خاصہ تھا"۔

انہی دنوں قریش کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرداری میں شام سے تجارتی مال کے ساتھ واپس آرہا تھا کسی مفسد نے افواہ اڑا دی کہ مسلمان اس قافلے کو لوٹنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس پر اہل مکہ میں ہیجان و اضطراب برپا ہو گیا اور وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نکل پڑے۔ ادھر ابوسفیان ساحلی راستے سے صحیح و سلامت قافلہ لیکر مکہ پہنچ گیا۔ ابوجہل سے کہا گیا کہ ابوسفیان کا قافلہ بچ کر مکہ جا چکا ہے پھر بھی اس نے واپس ہونے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں کی طرف برابر بڑھا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ تین سو سے کچھ اوپر جانثاروں کو لے کر مدینہ سے نکلے۔ بدر مدینہ سے اسی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ جہاں اہلِ عرب کا سالانہ میلہ لگا کرتا تھا۔ قریش نے

Marfat.com

وہاں پہلے پہنچ کر ان مقامات پر قبضہ کر لیا جو جنگی نقطۂ نظر سے زیادہ اہم تھے (سیرت ابن ہشام) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے مومنو اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے تم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا۔ لیکن تم میں سے اکثریت کی یہ خواہش تھی کہ قافلہ کو ہی کو لوٹ لیا جائے اس طرح بغیر جنگ کے بہت سا مال مل جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ مسلمانوں کی مڈبھیڑ لشکر قریش سے ہو جائے اور اس طرح یہ فیصلہ ہو جائے کہ جنگ کا پلہ بھاری کس میں ہے اور کس میں نہیں ہے حق و باطل کی تمیز ہو جائے اور ان کافروں کی جڑ کاٹ دی جائے۔

حضرت ابن عباس رض سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کامیابی کے ساتھ جنگ بدر سے فارغ ہو گئے تو آپ سے کہا گیا کہ اب قافلے سے بھی نمٹ لیں۔ اب کوئی روکاوٹ باقی نہیں رہی۔ تو حضرت عباس رض جو قیدی کی حیثیت سے اسیران جنگ میں تھے بول اٹھے کہ ہرگز یہ مناسب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا تھا چنانچہ ایک گروہ (لشکر قریش کو شکست) آپ کو حاصل ہو گیا ہے اب دوسرے گروہ کی طرف جانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جنگ بدر ایک فیصلہ کن جنگ تھی قریش مکہ جو اسلام کے جانی دشمن تھے ان کی قوت ہمیشہ کے لیے زائل ہو گئی اور دین (اسلام) کی جڑ مضبوط ہو گئی۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں "کہ بدر کا معرکہ حقیقت میں اسلام کی ترقی کا اولین قدم تھا" مولانا اسلم جیراجپوری رقمطراز ہیں کہ "یہ لڑائی درحقیقت تو گویا اسلام کا سنگ بنیاد تھی یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس میں شریک ہوئے تھے وہ سارے کے سارے جنتی قرار دیئے گئے۔

Marfat.com

آیت ۹ تا ۱۰ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

مشکل الفاظ کے معانی:- اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ جب تم فریاد کر رہے تھے۔ مُرْدِفِيْنَ۔ ردف سے اسم فاعل یکے بعد دیگرے آنے والے پے در پے۔

ترجمہ:- (اور اس وقت کو یاد کرو) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے۔ پھر اس نے تمہاری (فریاد) سن لی اور فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لیے ایک ہزار پے درپے فرشتے بھیج رہا ہوں۔ یہ بات اللہ نے تمہیں صرف اس لیے بتادی کہ تمہیں خوشخبری ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہوجائیں، ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے۔

تفسیر و تشریح:- جس وقت دونوں فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوگئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ تین کافروں کے مقابلے میں ایک مسلمان ہے اور وہ بھی پوری طرح مسلح نہیں ہے تو آپؐ نے خدا کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیئے اور انتہائی خضوع و خشوع کے ساتھ عرض کرنا شروع کیا (خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے۔ اسے آج پورا کر اگر آج تیرے یہ چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیرا کوئی نام لیوا نہیں رہے گا۔"

حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ بدر کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو شمار کیا تو تین سو سے کچھ اوپر تھے اور مشرکین کوئی ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ چنانچہ آپؐ قبلہ رو ہو کر خدا سے دعا مانگنے لگے (آپؐ صرف ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور تہبند باندھی ہوئی تھی اور اللہ سے عرض کر رہے

Marfat.com

تھے کہ یارب! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے۔ اس موقع پر پورا کر۔ اگر مسلمانوں کی اس مٹھی بھر جماعت کو تو نے آج ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ اور توحید کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ آپ اپنی دعا میں اس قدر منہمک تھے کہ چادر آپ کے شانوں سے نیچے گر پڑی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آکر چادر آپ کے کندھوں پر ڈال دی اور آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اب بس کیجئے۔ اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور ایک ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی امداد کی۔ اس امداد کا ذکر سورۃ آل عمران میں بھی ہے۔ نیز جنگ احد میں بھی مسلمانوں کی مدد فرشتوں سے کی گئی۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ایک طرف دشمن تین ہزار ہے اور ہمارے ایک ہزار میں سے بھی تین سو الگ ہو گئے ہیں۔ تو ان کے دل ٹوٹنے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کا ذکر سورۃ آل عمران میں یوں فرماتا ہے:-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ○ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○

ترجمہ:- اور یقیناً اللہ نے تمہاری (جنگ) بدر میں مدد کی حالانکہ تم کمزور تھے۔ لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اللہ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ شکر گزار بن جاؤ گے یاد کرو جب آپ (جنگ احد میں) مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ

Marfat.com

"کیا یہ تمہارے لیے کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے اُتار کر تمہاری مدد کرے"؟ بشرطیکہ تم نے صبر و تقویٰ سے کام لیا اور اگر وہ (دشمن) تم پر فوراً آ کر چڑھائی کر دیں گے تو تمہارا رب (تین ہزار نہیں) پانچ ہزار نشان کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ یہ بات اللہ نے تمہیں اس لیے بتا دی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ فتح و نصرت ہمیشہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بڑی قوت والا اور دانا و بینا ہے۔

مُردفین سے مراد یہ ہے کہ جس طرح میدان جنگ میں باقاعدہ فوجوں کے جنگی دستے ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد ایک آتے رہتے ہیں، اسی جنگی نظام و ترتیب کے ساتھ فرشتوں کے دستوں کا نزول ہوتا رہا۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضرت جبرائیلؑ ہزار فرشتوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب تھے اور حضرت میکائیلؑ ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرشتوں کا بھیجنا صرف تمہیں خوش کرنے کے لیے تھا اور اس واسطے تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں ورنہ خدا تو تمہاری مدد کرنے پر ہر طرح قادر ہے۔ اس کو مدد کے لیے فرشتوں کی محتاجی تھوڑی ہے۔ یہ مدد تو درحقیقت خدا کی مدد تھی۔ فرشتے تو مدد کی ظاہر صورت تھی۔ وہ بالکل براہ راست بلا کسی واسطے کے بھی امداد پر قادر ہے لیکن وہ رعایت اسباب کا بھی خیال رکھتا ہے۔ اسی لیے مدد واسطوں اور ذریعوں سے پہنچاتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور دانا ہے۔

سورۃ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ نے بہت سے موقعوں پر مسلمانوں کی امداد کی اور غزوہ حنین میں بھی جب کہ مسلمانوں کو اپنی کثرت تعداد پر گھمنڈ تھا لیکن ان کی کثرت تعداد کسی کام نہ آ سکی آخر کار اللہ نے امداد و نصرت کی چنانچہ فرمان ہے:۔

Marfat.com

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْــٴًـا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَۚ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْاؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ۝

ترجمہ:- بے شک اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت کی ہے، اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنی کثرت تعداد پر گھمنڈ تھا پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور مومنین پر تسکینیت نازل فرمائی اور ایسے لشکر نازل کیے جن کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور اللہ نے کافروں کو سزا دی اور یہی کافروں کی جزا ہے۔

آیت ۱۱ تا ۱۲:- اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ یُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَ لِیَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ یُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَؕ۝ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۝ ۱۹۶۶ء

مشکل الفاظ کے معانی:- اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ۔ جب اس نے تم پر اونگھ کو طاری کر دیا۔ اَمَنَةً مِّنْهُ۔ مِنْهُ میں ضمیر حق تعالیٰ کی طرف ہے یعنی اپنی طرف سے چین اور امن دینے کے لیے۔ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ۔ شیطانی نجاست مراد وسوسہ۔ یُثَبِّتَ بِهٖ۔ بہ

میں ضمیر پانی کی طرف ہے یعنی بارش کے پانی کے ذریعے سے تمہارے قدم جما دے۔
فَوْقَ الْاَعْنَاقِ۔ گردنوں پر۔ بنان۔ واحد بنانۃ۔ انگلیوں کے پورے۔

ترجمہ:۔ (اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب اللہ نے اپنی طرف سے اطمینان دینے کے لیے تم پر اونگھ کو (غنودگی) طاری کر دیا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ اس کے ذریعے سے تمہیں پاک و صاف کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس کے ذریعے سے تمہارے قدم جما دے۔ (اور اس وقت کو یاد کرو) جب آپ کا پروردگار فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو، میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ پس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پر چوٹ لگاؤ"

تفسیر و تشریح: ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے احسانات یاد دلاتا ہے۔ سب سے پہلا احسان یہ کیا کہ مسلمانوں پر غنودگی کو طاری کر دیا، جس سے پوری راحت ہو گئی اور بے چینی جاتی رہی۔ جنگ احد میں بھی یہی تجربہ مسلمانوں کو پیش آیا جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ہے:۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا یَّغْشٰی طَآىٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ

ترجمہ:۔ اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کر دی کہ وہ اونگھنے لگے۔

حضرت ابو طلحہ رضؓ جو اس جنگ (احد) میں شریک تھے خود بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے روز مجھے بھی غنودگی آ گئی تھی اور تلوار میرے ہاتھ سے گر ہی جاتی تھی اور میں اسے اٹھاتا جاتا تھا اور میں لوگوں کو بھی دیکھ رہا تھا کہ ڈھال سر پر لگائے ہوئے نیند میں جھول رہے تھے۔

حضرت علی رضؓ کہتے ہیں کہ بدر کے روز مقداد کے سوا کسی کے پاس سواری

Marfat.com

نہ تھی ہم سب نیند کے مسے عالم میں سے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے صبح تک نماز پڑھتے رہے اور خدا کے آگے روتے رہے۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ بروز جنگ یہ اونگھ خدا کی طرف سے گویا ایک امن کی شکل میں ہوتی ہے۔ اور نماز میں یہی اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

بدر میں مشرکین پہلے جا پہنچے تھے اور پانی پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسلمان بعد میں پہنچے اور ایک خشک ریگستان میں اترے جہاں پانی نہ ہونے سے پیاس کی بھی شدت اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے بھی عاجز (تیمم کا حکم اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا) ریگستان میں چلنے پھرنے میں پاؤں دھنسے جاتے تھے۔ ان اسباب سے مسلمانوں کے دل سخت پریشان ہوئے، اوپر سے شیطان نے وسوسہ ڈالنا شروع کر دیا کہ اگر تم اللہ کے نزدیک مقبول و منصور ہوتے، تو اس پریشانی میں کیوں پھنستے، حالانکہ یہ وسوسہ محض بے بنیاد تھا مگر یہ پریشانی بڑھانے کے لیے کافی تھا۔ حق تعالیٰ نے باران رحمت نازل فرمایا۔ جس سے پانی کی افراط ہو گئی۔

جو مسلمانوں کے لیے مفید اور کافروں کے لیے مضر ثابت ہوا۔ بارش اسی رات ہوئی جس کی صبح کو بدر کی لڑائی پیش آئی۔ اس بارش کے تین فائدے ہوئے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو پانی کی کافی مقدار مل گئی اور انھوں نے فوراً حوض بنا بنا کر بارش کا پانی روک لیا۔ دوسرے یہ کہ مسلمان چونکہ وادی کے بالائی حصے پر تھے اس لیے بارش کی وجہ سے ریت جم گئی اور زمین اتنی مضبوط ہو گئی کہ قدم اچھی طرح جم سکیں اور نقل و حرکت بآسانی ہو سکے۔ تیسرے یہ کہ لشکر کفار نشیب کی جانب تھا۔ اس لیے وہاں اس بارش کی بدولت کیچڑ ہو گئی اور پاؤں دھنسنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ارشاد کیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو اور ربیع ۱ دین نبی ۱۴ اور مومنوں کی مدد کرو تاکہ ان کے دل شکستہ نہ

ہوجائیں، تم بھی ان کے ساتھ کفار سے جنگ کرو۔ کہا گیا ہے کہ فرشتہ مسلمان کے پاس آتا اور کہتا کہ مشرکوں میں عجیب بددلی پھیلی ہوئی ہے۔ وہ تو کہہ رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے حملہ کر دیا تو ہمارے قدم نہیں جم سکتے۔ ہم تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس طرح ہر ایک دوسرے سے کہتا اور دوسرا تیسرے سے اس طرح مومنوں کے دل مضبوط ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ مشرکوں میں طاقت و قوت نہیں ہے۔ ابو داؤد المازنی سے جو بدر میں شریک تھے مروی ہے کہ بدر میں میرے ساتھ یہ گزری کہ جس مشرک کا تعاقب کر کے میں نے اس پر وار کرنا چاہا، اس سے قبل ہی اس کا سر تن سے جدا ہو کر دور جا گرتا اور میں نے محسوس کیا کہ کسی اور نے اسے قتل کیا۔

عبداللہ بن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کی شان یہ تھی کہ انہوں نے سفید عمامے باندھ رکھے تھے جن کے شملے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور جنگ حنین میں انہوں نے سرخ عمامے باندھ رکھے تھے مگر بدر کے سوا اور کہیں فرشتوں نے خود لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ دوسرے مواقع پر وہ صرف مدد اور کمک کے طور پر موجود رہے اور انہوں نے تلوار نہیں چلائی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔

مفسرین نے فوق الاعناق کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے سر پر مارنے کے معنی لیے ہیں اور بعض نے گردن پر۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ گردنیں مارنا اور کھوپڑی پھوڑنا مراد ہے۔

جنگ بدر میں ان مقتولین کو جو فرشتوں کے ہاتھوں مرے تھے، لوگ پہچان لیتے تھے کیونکہ ان کے زخم گردن پر یا جوڑوں پر ہوتے تھے اور ایسے نشانات ہوتے تھے گویا آگ سے جلے ہیں۔

الغرض فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ان کافروں کی گردنوں اور جوڑوں پر خوب

Marfat.com

زخم لگاؤ۔ اور اس طرح ان کو ذلیل و رسوا کرو۔ اس طرح ان کو دنیا میں ہی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور مخالفت کرنے کی سزا مل جاوے۔

آیت ۱۵ تا ۱۶۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۚ وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝

مشکل الفاظ کے معانی: زَحْفًا۔ زحف کے لفظی معنیٰ چھوٹے کا گھسل گھسل کر چلنا ہے مجازاً اس کا اطلاق لشکر پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اسے بھی ہجوم کے باعث رک رک کر چلنا ہوتا ہے۔ یَوْمَىِٕذٍ۔ جہاد کے دن یعنی جہاد کے موقع پر۔ مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ لڑائی کے لیے پینترا بدلنے والا۔ اس استثناء کے اندر جنگی مصلحت کی وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں جن کا مقصد دشمن کو غافل کر کے اس پر یکبارگی حملہ کرنا ہو۔ مُتَحَیِّزًا۔ پناہ لینے والا۔ فِئَةٍ جماعت۔ مَاْوٰىهُ۔ اس کا ٹھکانا۔ بِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ بہت بری لوٹنے کی جگہ۔

ترجمہ:۔ اے ایمان لانے والو! جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار ہو تو ان کے مقابلہ میں پیٹھ نہ پھیرو۔ جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری ——— الا یہ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لیے ——— تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بہت بری جائے بازگشت ہے۔

تفسیر و تشریح:۔ جنگ کے عالم میں پیٹھ پھیر کر بھاگ جانے والوں کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ اے ایماندارو! جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر نہ بھاگ جاؤ صرف ان دو صورتوں

میں علیحدہ جہاد سے بھاگنے کی اجازت دی ہے (ا) کوئی چالبازی کے طور پر بھاگے گویا خوف زدہ ہوگیا ہے۔ تاکہ اس کا تعاقب کیا جائے پھر تعاقب کرنے والے (دشمن) کو اکیلا پاکر پلٹ کر حملہ کر کے قتل کر دے تو ایسی عملیات کے تحت بھاگنے میں کوئی حرج نہیں (۲) یا اس غرض سے بھاگے کہ مسلمانوں کے دوسرے دستے سے جا ملے تاکہ جا کر ان کی مدد کرے یا وہ اس کی مدد کریں یعنی سپاہی اپنے لشکر سے جدا ہو کر اکیلا رہ گیا اور اب بھاگنے سے اس کا مقصود اپنی جماعت سے مل کر اور ساز وسامان حاصل کر کے پھر سے حملہ کرنا ہے۔

ان دو صورتوں کے علاوہ جو چیز حرام کی گئی ہے وہ بھگدڑ ہے جو کسی جنگی مقصد کے لیے نہیں بلکہ محض بزدلی و شکست خوردگی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لیے ہوا کرتی ہے کہ بھگوڑے آدمی کو اپنے مقصد کی بہ نسبت اپنی جان زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اس فرار کو بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی، ایک شرک، دوسرے والدین کی حق تلفی، تیسرے میدان قتال فی سبیل اللہ سے فرار۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں آپؐ نے سات بڑے گناہوں کا ذکر کیا ہے جو انسان کے لیے تباہ کن اور اس کے انجام اخروی کے لیے غارتگر ہیں۔ ان میں سے ایک یہ گناہ بھی ہے کہ آدمی کفر و اسلام کی جنگ میں کفار کے آگے پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ اس فعل کو اتنا بڑا گناہ قرار دینے کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ یہ ایک بزدلانہ فعل ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص کا بھگوڑا پن بسا اوقات ایک پوری پلٹن کو ایک پلٹن کا بھگوڑا پن ایک پوری فوج کو بدحواس کر کے بھگا دیتا ہے۔ اور پھر جب ایک دفعہ کسی فوج میں بھگدڑ پڑ جائے تو کہا نہیں جا سکتا کہ تباہی کس حد پر جا کر ٹھہرے گی۔ ایسی طرح کی بھگدڑ صرف فوج ہی کے لیے تباہ کن نہیں ہے۔ بلکہ اس ملک کے لیے بھی تباہ کن ہے جس کی فوج ایسی شکست کھائے۔ (از تفہیم القرآن)

Marfat.com

پھر فرمایا کہ جو جہاد کے موقع پر پیٹھ پھیر کر بھاگے گا وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

آیت ۲۴۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۞

مشکل الفاظ کے معانی: اسْتَجِیْبُوا۔ اَجِیْبُوا کے معنی میں ہے یعنی تم لبیک کہو۔ لِمَا یُحْیِیْكُمْ۔ اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہو۔ اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے۔ اور اسی کی طرف تم سب سمیٹے جاؤ گے۔

تفسیر و تشریح: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے ایمان لانے والو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں تمہاری ہی اصلاح اور مصلحت کی خاطر بلائیں تو فوراً لبیک کہا کرو اور تعمیل حکم میں جلدی کیا کرو یعنی احکام شریعت کے مطابق اپنی زندگی بسر کرو۔ اللہ نے تمہیں عزت بخشی حالانکہ اس سے پہلے تم کمزور اور ذلیل تھے ضعف کے بعد قوت بخشی اور پہلے تم کافروں سے مغلوب تھے پھر تم ان پر غالب آگئے۔ تو فوراً لبیک کہا کرو۔ بیشک اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے۔ ابن عباس رض کہتے ہیں کہ وہ حائل ہے۔ مومن اور کفر کے درمیان اور کافر اور ایمان کے درمیان اس طرح کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر و معصیت کو نہیں آنے دیتا . . . . اور کافر کے قلب میں مخالفت کی نحوست سے ایمان و طاعت کو آنے نہیں دیتا۔ حضرت انس بن مالک رض سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دعا کیا کرتے تھے کہ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ یعنی اے دلوں کو بدلنے

Marfat.com

والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ نواس بن سمعان کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دل خدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر خدا اس کو سیدھا رکھنا چاہے تو وہ سیدھا رہتا ہے اگر ٹیڑھا کرنا چاہے تو وہ بگڑ جاتا ہے اور فرمایا کہ میزان خدا کے ہاتھ میں ہے چاہے ہلکا کر دے چاہے بھاری۔

اسی لیے اس دعا کے پڑھنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔

اس کے بعد فرمایا کہ تم سب نے بہر حال خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اس لیے اس تر اپنی دنیوی زندگی کو سنوار لو تاکہ اس دن ندامت و شرمندگی سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اس دن جس کسی نے دنیا میں ذرہ بھر نیکی کی ہوگی اسے وہ دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بھی بدی کی ہوگی اسے بھی وہ دیکھ لے گا۔

آیت ۲۵۔ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ۹۲۶

ترجمہ :- اور اس فتنے سے بچو جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں :-

تفسیر و تشریح :- اس آیت سے مراد وہ اجتماعی فتنے ہیں جو وبائے عام کی طرح ایسی شامت لاتے ہیں جن میں صرف گناہ کرنے والے ہی گرفتار نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی مارے جاتے ہیں جو گناہگار سوسائٹی میں رہنا گوارا کرتے رہیں۔ مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھیے کہ جب تک کسی شہر میں گندگیاں کہیں کہیں انفرادی طور پر چند مقامات پر رہتی ہیں، ان کا اثر محدود رہتا ہے اور ان سے

Marfat.com

وہ مخصوص افراد ہی متاثر ہوتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے جسم اور گھر کو گندگی سے آلودہ کر رکھا ہو۔ لیکن جب وہاں گندگی عام ہو جاتی ہے اور کوئی گروہ بھی سارے سارے شہر میں ایسا نہیں ہوتا۔ جو اس خرابی کو روکنے اور صفائی کا انتظام کرنے کی سعی کرے تو پھر ہوا، زمین اور پانی ہر چیز میں سمیت پھیل جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں جو وبا آتی ہے اس کی لپیٹ میں گندگی پھیلانے والے اور گندہ رہنے والے اور گندے ماحول میں زندگی بسر کرنے والے سب ہی آجاتے ہیں۔ اسی طرح اخلاقی نجاستوں کا حال بھی ہے کہ اگر وہ انفرادی طور پر بعض افراد میں موجود رہیں اور صالح سوسائٹی کے رعب سے دبی رہیں تو ان کے نقصانات محدود رہتے ہیں۔ لیکن جب سوسائٹی کا اجتماعی ضمیر کمزور ہو جاتا ہے، جب اخلاقی برائیوں کو دبا کر رکھنے کی طاقت اس میں نہیں رہتی، جب اس کے درمیان برے سے بے حیا اور بد اخلاق لوگ اپنے نفس کی گندگیوں کو علانیہ اچھالنے اور پھیلانے لگتے ہیں۔ اور جب اچھے لوگ بے عملی اختیار کر کے اپنی انفرادی اچھائی پر قانع اور اجتماعی برائیوں پر ساکت وصامت ہو جاتے ہیں تو مجموعی طور پر پوری سوسائٹی کی شامت آجاتی ہے اور فتنۂ عام برپا ہوتا ہے جس میں پسنے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا منشا یہ ہے کہ رسول جس اصلاح و ہدایت کے لیے اٹھا ہے اور تمہیں جس خدمت میں ہاتھ بٹانے کے لیے بلا رہا ہے اسی میں درحقیقت شخصی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے تمہارے لیے زندگی ہے اگر اس میں سچے دل سے مخلصانہ حصہ نہ لوگے اور ان برائیوں کو جو سوسائٹی میں پھیلی ہوئی ہیں، برداشت کرتے رہو گے تو وہ فتنۂ عام برپا ہوگا جس کی آفت سب کو لپیٹ میں لے لیگی خواہ بہت سے افراد تمہارے درمیان میں ایسے موجود ہوں جو عملاً برائی کرنے اور برائی پھیلانے کے ذمہ دار نہ ہوں بلکہ اپنی ذاتی زندگی میں بھلائی ہی لیے ہوئے ہوں۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خواص کے عمل کے سبب عوام پر عذاب نہیں بھیجتا لیکن جب کہ خواص برائیوں کو قوم میں دیکھتے ہیں اور ان کو روکنے پر بھی قادر ہوتے ہیں لیکن اپنے اقتدار کو کام میں نہیں لاتے تو پھر عمومی عذاب آجاتا ہے اور اس میں خواص و عام سب ہی گرفتار ہوجاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہوگے عذاب نہ آئے گا۔ اور جہاں بری باتوں سے روکنا چھوڑ دیا اور نیک کاموں کی ترغیب سے رک گئے تو اللہ پاک تم پر سخت ترین عذاب بھیج سکتا ہے پھر تم لاکھ دعائیں کرو، قبول نہ ہوں گا۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ "جس طرح اپنی اصلاح کے متعلق اطاعت واجب ہے اسی طرح یہ بھی طاعت واجبہ میں داخل ہے کہ بقدر استطاعت دوسروں کی اصلاح بطریق امر بالمعروف و نہی عن المنکر بالید یا باللسان یا ترک اختلاط یا نفرت بالقلب جو کہ آخری درجہ ہے ۔۔ کی جائے ورنہ درصورت ساکت و صامت جلیسا دبال مرتکبین منکرات پہ واقع ہوگا ویسا ہی ساکت و صامت رہنے والوں پر بھی واقع ہوگا۔" ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاصی جب میری امت میں عام ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ عذاب کو عام کردے گا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! اس میں نیک لوگ بھی تو ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں، وہ بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ لیکن مرنے پر اللہ کی مغفرت انہیں حاصل ہوجائے گی۔

آیت نمبر ۲۔ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ ﴿سورۃ الانفال﴾

ترجمہ۔ اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامان آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لیے بہت کچھ ہے۔

Marfat.com

تفسیر و تشریح :- اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مال اور اولاد دیکر تمہاری آزمائش کرتے ہیں کہ آیا تم شکر کرتے ہو یا نہیں اور اولاد کی ذمہ داریاں (حقوق اولاد) بجالاتے ہو یا نہیں اسی طرح مال کو صحیح جگہ پر خرچ کرتے ہو یا نہیں۔ یا یہ کہ ان کی محبت میں منہمک ہو کر خدا سے تو غافل نہیں ہو جاتے ہو۔ اگر تم اس امتحان میں پورے اترو گے تو اللہ کے یہاں اجر عظیم ہے۔ سورۃ المنٰفقون میں ہے کہ :۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ :- اے ایمان لانے والو! کہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہی لوگ تو گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔ اور ہم نے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے (خدا کی راہ میں) خرچ کر لو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کا موت کا وقت آ جائے پھر وہ کہنے لگے "اے میرے پروردگار مجھے اور کچھ دن مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کاروں میں شامل ہو جاتا" اور اللہ کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ جب اس کا معین وقت آ جاتا ہے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی پوری خبر ہے۔

یعنی مال و اولاد تو تمہیں اس لئے عطا کیے گئے ہیں۔ تاکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد جو تم پر عائد ہوتے ہیں، انہیں پورا کر کے مدارج روحانی کی تکمیل کر لو لیکن اگر تمہیں ان چیزوں کو ہی جو فقط ذریعہ نجات

Marfat.com

اور سبب طاعت ہیں ان تم نے اصل مقصود بنا لیا تو گویا تم علین مگر اہی میں پڑ گئے ۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : اگر تم اس امتحان میں کامیاب ہو گئے تو اللہ کے پاس اس کا اجر دینے کے لیے بہت کچھ ہے ۔

آیت ۳۹ تا ۴۰ ۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝

۱۹۶۵ء، ۱۹۶۶ء

مشکل الفاظ کے معانی :- قَاتِلُوهُمْ ضمیر ھُم مشرکین حرب کی جانب ہے ۔ فِتْنَةٌ ۔ حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت حسن رضؓ کے نزدیک فتنہ سے مراد یہاں شرک ہے ۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ فتنہ سے یہاں مراد کفر ہے ۔ بعض نے فتنہ سے مراد فساد و حرب لیا ہے ۔

ترجمہ :- اے ایمان لانے والو ! کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے ۔ پھر اگر وہ فتنہ سے رک جائیں تو ان کے اعمال کو دیکھنے والا اللہ ہے ، اور اگر وہ نہ مانیں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا سرپرست ہے اور وہ بہترین حامی و مددگار ہے ۔

تفسیر و تشریح :- اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے ایمان لانے والو ! مشرکین اور کفار سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے ، اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے ۔ حضرت ابن عباس رضؓ فتنہ دب جانے سے شرک کا دب جانا اور يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ سے خالص توحید مراد لیتے ہیں ۔ وہ توحید جس میں شرک

کا لگاؤ نہ ہو اور خدا کے اقتدار میں کسی کو شریک نہ بنایا گیا ہو۔ زید بن اسلمؓ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ دینِ اسلام کے ہوتے ہوئے کا فر باقی نہ رہے اور اس کی تصدیق اسی حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کافروں سے قتال کرنے پر مامور ہوں حتیٰ کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے قائل ہو جائیں۔ اگر وہ قائل ہو گئے تو ان کے جان و مال محفوظ ہو گئے۔

یہاں فتنے سے مراد وہ حالت ہے جس میں دین اللہ کے بجائے کسی اور کے لیے ہو جائے اور لڑائی کا مقصد یہ ہو کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ اگر وہ باز آجائیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کفر سے باز آنا مراد ہے اور اسلام قبول کر لینا ہے بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک قتال سے باز آجانا مراد ہے۔

بے شک اللہ ان کے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت اُسامہؓ نے ایک شخص پر تلوار اٹھائی اس نے تلوار کو دیکھ کر لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا۔ لیکن اُسامہؓ نے اسے تلوار سے قتل کر دیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے اُسامہؓ سے پوچھا کہ تم نے اسے لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے بعد کیوں قتل کیا اب تم قیامت کے روز لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کیا کرو گے؟ اس پر حضرت اُسامہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اس نے تو صرف اپنے بچاؤ کے لیے ایسا کیا تھا" آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا تھا" پھر آپؐ بار بار یہی فرماتے رہے کہ اب قیامت کے روز کیا کرو گے اُسامہؓ کہتے ہیں کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج تک مسلمان نہ ہوا ہوتا تاکہ اسلام کے زعم میں اس کو قتل نہ کرتا۔

پھر فرمایا کہ اگر یہ مشرکین اور کفار اسلام سے روگردانی کیے رہیں تو کسی قسم کا فکر دل میں نہ لاؤ۔ تم ان سے مقابلے میں ہٹنے کا خیال ہی نہ کرو اور اللہ

Marfat.com

کی رفاقت ونصرت پر بھروسہ رکھو کیونکہ وہی بہترین رفیق اور بہترین مددگار ہے
اور اس نے تمہاری ہر موقع پر مدد کی جیسا کہ اسی سورت میں ہے۔ وَاذْكُرُوٓا
إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِى الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن
يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَـَٔاوَىٰكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِۦ - الخ

ترجمہ: - یاد کرو وہ وقت جب کہ تم تھوڑے تھے۔ زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا۔ تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں مٹا نہ دیں۔ پھر اللہ نے تمہیں جائے پناہ دی اور اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کیے۔

سورۃ التوبہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کا یوں ذکر فرماتا ہے:
لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِى مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْـًٔا - الخ

ترجمہ: - بے شک اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی ہے اور حنین کے دن بھی۔ اس روز تمہیں اپنی کثرت تعداد پر گھمنڈ تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی۔

الغرض مسلمانوں کو ہدایت ونصیحت کی جا رہی ہے کہ وہ باطل کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں تاکہ دین حق کی جڑیں مضبوط ہو جائیں اور وہ اپنے اس مشن کو پورا کرنے کے سلسلے میں سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈریں۔ اس پر توکل و بھروسہ رکھیں کیونکہ وہی آڑے وقت تمہارا ساتھ دیتا ہے بہترین رفیق و ناصر ہے اس کے ہوتے ہوئے دنیا کی کوئی طاقت بھی مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کیونکہ وہ ہر غالب پر غالب اور ہر قادر پر قادر ہے اور حاکموں کا حاکم ہے۔ پس جو کوئی اللہ پر توکل و اعتماد کرتا ہے وہی دنیوی و اخروی زندگی میں کامیاب ہے۔

آیت ۴۱۔ وَاعْلَمُوٓا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَىْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُۥ
وَلِلرَّسُولِ وَلِذِى الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَـٰمَىٰ وَالْمَسَـٰكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ
إِن كُنتُمْ ءَامَنتُم بِاللَّهِ وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْتَقَى

Marfat.com

الجمعٰن ط واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر ہ

۱۹۶۶ء ۔ ۱۹۶۷ء ۔ ۱۵۶۷ء

مشکل الفاظ کے معنی: ما غنمتم ۔ غنیمت کے لغوی معنی عام و وسیع ہیں یعنی ہر وہ شئے جو انسان کوشش سے حاصل کرے ۔ اصطلاح فقہاء میں اس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے بہ زور قوت حالتِ جنگ میں حاصل ہو ۔ یوم الفرقان ۔ فیصلہ (بدر) کے دن ۔ یوم التقی الجمعٰن جس دن کی دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں مراد لشکر قریش اور مسلمانوں کی سپاہ ہے ۔

ترجمہ: اور جان رکھو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو فیصلے کے روز یعنی دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ کے دن ہم نے اپنے بندے پر (تائید و نصرت) نازل کی تھی (تو یہ حصہ بخوشی ادا کرو) اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

تفسیر و تشریح: سورۃ کی پہلی آیت میں مال غنیمت اور اس کی تقسیم کا ذکر تھا ۔ اب پھر اسی مضمون کی طرف مراجعت ہے اور اب مصارفِ غنیمت کی تفصیل بیان ہو رہی ہے ۔

لڑائی کے بعد تمام سپاہی ہر طرح کا مال غنیمت لا کر امیر یا امام کے سامنے رکھ دیں اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھیں پھر اس مال میں سے $\frac{1}{5}$ حصہ اللہ اس کے رسول، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کی لیے نکال لیا جائے اور باقی $\frac{4}{5}$ حصے ان سب لوگوں میں تقسیم کر دیئے جائیں ۔ جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا ہو ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ لڑائی کے بعد اعلان فرمایا کرتے تھے کہ یہ غنائم تمہارے ہی لیے ہیں ۔ میری اپنی ذات کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہے بجز خمس کے اور وہ خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصالح میں صرف کر دیا جاتا ہے لہٰذا

Marfat.com

ایک ایک سوئی اور ایک ایک دھاگہ تک لاکر رکھ دو، کوئی چھوٹی یا بڑی چیز چھپاکر نہ رکھو کہ ایسا کرنا شرمناک ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے۔

۱۔ لِلّٰہِ۔ فقہاء حنفیہ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ کا نام مصارف خمس کی ابتدا میں محض برکت کے لیے آیا ہے حقیقتہً تو اللہ کی ملک ہمارے دنیا کی ہر چیز ہے۔

۲۔ یا رسول۔ اللہ اور رسول کے یہ دو حصے الگ نہیں بلکہ ایک ہی حصہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانِ حیات میں ملتا تھا نائب الٰہی اور خلیفۃ اللہ کی خدمت میں اسے پیش کر دینا اللہ ہی کے حضور میں پیش کرنا تھا۔ ۱/۵ کا یہ ۱/۵ یعنی کل کا ۱/۲۵ حصہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔ وفات شریف کے بعد یہ حصہ ساقط ہو گیا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ آپؐ کے بعد آپؐ کے خلیفہ کو یہ حصہ ملے گا۔ لیکن حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ آپؐ کا یہ حصہ تو منصب رسالت کی بنا پر تھا۔ اور رسالت آپؐ کے بعد رہی نہیں۔ خود خلفائے راشدین کا تعامل بھی حنفیہ ہی کی تائید میں ہے کہ انہوں نے کبھی رسولؐ کا حصہ اپنی جانب منتقل نہیں کیا۔

تفہیم القرآن میں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا حصہ اعلاء کلمۃ اللہ اور اقامت دین حق کے کام میں صرف کیا جائے۔

۳۔ لِذِی القُربیٰ۔ یہ دوسرا حصہ ہے۔ رشتہ داروں سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو حضورؐ ہی کے رشتہ دار تھے کیونکہ جب آپؐ اپنا سارا وقت دین کے کام میں صرف فرماتے تھے اور اپنی معاش کے لیے کوئی کام کرنا آپؐ کے لیے ممکن نہ رہا تھا تو لامحالہ اس کا انتظام ہونا چاہیئے تھا کہ آپ کی اور آپ کے اہل و عیال اور ان دوسرے اقرباء کی، جن کی کفالت آپ کے ذمہ تھی۔ ضروریات پوری ہوں۔ اس لیے خمس میں آپؐ کے اقرباء کا حصہ کس کو پہنچتا ہے۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

Marfat.com

وفات کے بعد یہ حصہ منسوخ ہو گیا۔ دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ حضور کے بعد یہ حصہ اس شخص کے اقربا کو پہنچے گا جو حضور کی جگہ ۔ خلافت کی خدمت انجام دے۔ تیسرے گروہ کے نزدیک یہ حصہ خاندانِ نبوت کے فقراء میں تقسیم کیا جاتا رہے گا۔

۴۔ وَالْيَتٰمٰى۔ یہ تیسرا حصہ ہوا۔

۵۔ وَالْمَسٰكِيْنِ۔ یہ چوتھا حصہ ہوا۔ مسکنت کے لفظ میں عاجزی، درماندگی بے چارگی اور ذلت کے مفہومات شامل ہیں۔ اس اعتبار سے مساکین وہ لوگ ہیں جو حاجت مندوں کی نسبت زیادہ خستہ حال ہوں۔ یعنی ایسے لوگ جو اپنی ضروریات کے مطابق ذرائع نہ پا رہے ہوں۔ اور سخت تنگ حال ہوں مگر نہ تو ان کی خودداری کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت دیتی ہو اور نہ ان کی ظاہری حالت ایسی ہو کہ کوئی انہیں حاجت مند سمجھ کر ان کی مدد کے لیے ہاتھ بڑھائے چنانچہ حدیث میں اس کی تشریح یوں آتی ہے کہ "مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت بھر مال نہیں پاتا اور نہ پہچانا جاتا ہے کہ اس کی مدد کی جائے اور نہ کھڑا ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے گویا وہ ایک ایسا شریف آدمی ہے جو غریب ہے۔

۶۔ ابن السبیل۔ یہ پانچواں حصہ ہوا۔ مسافروں کے لیے یعنی مسافر خواہ اپنے گھر میں غنی ہو۔ لیکن حالت سفر میں اگر وہ مدد کا محتاج ہو جائے تو اس کی مدد اس مال میں سے کی جاسکتی ہے۔ فقہاء حنفیہ کی تحقیق کے مطابق اب یہ خمس انہی مسافروں، یتیموں اور مسکینوں تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ چنانچہ خلفائے راشدین سے انہی تین حصوں میں تقسیم منقول ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ سب کا سب ان صنفوں کے کسی ایک ہی صنف کے مصرف میں لے آیا جائے (تفسیر ماجدی) پھر فرمایا کہ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس چیز پر جو فیصلے کے روز یعنی دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ کے دن، ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی تو یہ حصہ بخوشی ادا کرو۔ اس چیز سے مراد وہ تائید و نصرت خداوندی ہے

Marfat.com

جن کی بدولت مسلمانوں کو جنگ بدر کے دن فتح حاصل ہوئی۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آیت ۴۲۔ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِى الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَىَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ ۱۹۶۷ء

مشکل الفاظ کے معانی:۔ اَلْعُدْوَةُ الدُّنْيَا۔ یعنی مدینہ سے قریب ترین حصہ میں، شام سے جو شاہراہ مکہ کو آتی تھی اسی سے متصل شہر بدر کے حدود سے ذرا پہلے شمال مغرب کی سمت میں یہ پہاڑ پڑتی تھی۔ اَلْعُدْوَةُ الْقُصْوٰى۔ یعنی مدینہ سے بعید تر حصہ میں، یہ پہاڑی شہر بدر کے جنوب مشرق میں تھی۔ اَلرَّكْبُ۔ قافلہ (ابوسفیان) بَيِّنَةٌ۔ روشن دلیل۔

ترجمہ:۔ وہ وقت یاد کرو جب کہ تم وادی کے اس جانب تھے اور وہ (لشکر قریش) دوسری جانب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور قافلہ تم سے نیچے (ساحل) کی طرف تھا۔ اگر کہیں پہلے سے تمہارے اور ان کے درمیان مقابلہ کی قرارداد ہو چکی ہوتی تو تم ضرور اس موقع پر پہلو تہی کر جاتے، لیکن جو کچھ پیش آیا وہ اس لیے تھا کہ جس بات کا اللہ فیصلہ کر چکا تھا اسے ظہور میں لے آئے تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے، وہ روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ یقیناً خدا سننے اور جاننے والا ہے۔

تفسیر و تشریح:۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تم وادی الدنیا میں تھے جو مدینہ شریف سے قریب ہے

Marfat.com

اور لشکرِ قریش مکّے کی جانب مدینے کی دُور وادی میں تھے، اور ابوسفیان اور اس کا قافلہ تجارتی اسباب سمیت تم سے پہلے، ساحل کی طرف تھا، اور اگر کہیں پہلے سے تمہارے اور ان کفّار کے درمیان جنگ کے لیے کوئی قرارداد ہو چکی ہوتی تو تم ضرور اس موقع پر پہلوتہی کر جاتے۔ یعنی ممکن تھا کہ ان کی کثرت تعداد کو دیکھ کر تمہارے حوصلے ختم ہو جاتے اور لڑائی کے لیے تم نہ نکلتے یا یہ کہ جب تم دونوں فریق اپنے قصد و مرضی سے کوئی میدان اور تاریخ لڑائی کے لیے مقرر کرتے تو کوئی نہ کوئی فریق کوئی عذر پیدا کر لیتا۔ جس سے مقابلہ و مقاتلہ کی نوبت ہی نہ آتی اور جو فائدے اس سے اب مشاہدہ میں آ رہے ہیں یہ ظہور ہی میں نہ آئے ہوتے۔ اس لیے حالات نے کچھ کا اجتماع ایسا کر دیا گیا کہ مسلمانوں کا کفّار سے مقابلہ ہو گیا اور اس سے بہت سے مصالح پورے ہو گئے۔

لیکن جو کچھ پیش آیا وہ اس لیے تھا کہ جس بات کا فیصلہ اللہ کر چکا تھا اسے ظہور میں لے آئے یعنی حکمت الٰہی کو جنگ اس لیے منظور ہوئی کہ اس سے ایک خاص طریق پر اسلام کا حق ہونا ظاہر ہو جائے اور دیکھ لے کہ مسلمان قلّت عدد و کم سامانی کے باوجود اپنے سے تین گنا طاقت سے زیادہ پر غالب آ گئے جو ایک بڑی خارقِ عادت اور دل میں یہ یقین کرنے کے لیے کافی ہے کہ اسلام حق ہے اور اس سے حجت الٰہی بھی پوری ہو گئی۔ اس کے بعد جو گمراہ ہو گا وہ وضوح حق کے بعد ہو گا جس سے وہ عذاب کا پورا مستحق ہو جائیگا اور اس کے لیے عذر کی گنجائش بھی نہ ہو گی۔ اسی طرح جس کو ہدایت پانا ہو گا، وہ حق کو اتنے وضوح کے بعد قبول کرے گا۔

تفہیم القرآن میں ہے "کہ ثابت ہو جائے کہ جو زندہ رہا اسے زندہ ہی رہنا چاہیئے تھا اور جو ہلاک ہوا اسے ہلاک ہی ہونا چاہیئے تھا۔ یہاں زندہ رہنے والے اور ہلاک ہونے والے سے مراد افراد نہیں ہیں۔ بلکہ اسلام اور جاہلیت ہے۔"

Marfat.com

بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے یعنی اللہ جانتا ہے کہ کون اس واقعہ کے بعد زبان پر کلمہ اسلام لاتا ہے اور کون اس کا ورد کرتا ہے۔

آیت ۴۷ تا ۴۸۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

مشکل الفاظ کے معانی: بطراً۔ اتراتے ہوئے۔ زَیَّنَ۔ اس نے خوشنما بنا دیا۔ جارٌ۔ حامی و پشت پناہ۔ فِئَتٰن۔ فِئَۃٌ کا تثنیہ۔ دونوں گروہوں (لشکر اسلام اور لشکر قریش) تَرَاءَتْ۔ آمنے سامنے ہوئے۔ یعنی اس طرح دونوں لشکر جمع ہوئے کہ ایک نے دوسرے کو دیکھ لیا۔

ترجمہ:۔ اور ان لوگوں کے سے رنگ ڈھنگ اختیار نہ کرو جو اپنے گھروں (مکہ) سے اتراتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے اور وہ لوگوں کو راہ سے روکتے تھے۔ جو کچھ وہ کر رہے تھے، وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے (اور وہ وقت قابل ذکر ہے) جب کہ شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ "آج کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور میں تمہارا حامی ہوں"۔ مگر جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ "میں تم سے بری الذمہ ہوں میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا ہے"۔

تفسیر و تشریح:۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو متنبہ کر رہا ہے کہ کہیں

Marfat.com

تم بھی کفار کی طرح نہ ہو جانا جن کا لشکر مکہ سے اس شان سے نکلا تھا کہ گانے بجانے والی لونڈیاں ساتھ تھیں۔ جگہ جگہ ٹھہر کر رقص و سرود اور شراب نوشی کی محفلیں برپا کرتے جا رہے تھے۔ جو جو قبیلے اور بستیاں راستے میں آتی جاتی تھیں ان پر اپنی طاقت و شوکت اور اپنی کثرت تعداد اور اپنے سروسامان کا رعب جماتے تھے اور ڈینگیں مارتے تھے کہ بھلا ہمارے مقابلہ میں کون سر اٹھا سکتا ہے۔ یہ تو ان کی اخلاقی حالت تھی اور اس پر مزید لعنت یہ تھی کہ ان کے نکلنے کا مقصد ان کے اخلاق سے بھی زیادہ ناپاک تھا۔ وہ اس لیے جان و مال کی بازی لگانے نہیں نکلے تھے کہ حق اور راستی اور انصاف کا علم بلند ہو بلکہ اس لیے نکلے تھے کہ ایسا نہ ہونے پائے اور وہ اکیلا گروہ بھی جو دنیا میں اس مقصد حق کے لیے اٹھا ہے کہ ختم کر دیا جائے تاکہ اس علم کو اٹھانے والا دنیا بھر میں کوئی نہ رہے۔" (از تفہیم القرآن)

ابوجہل سے جب کہا گیا تھا کہ قافلہ تجارت تو صحیح سلامت مکہ پہنچ گیا ہے اب ہمیں بھی واپس چلنا چاہیئے تو اس نے جواب دیا تھا کہ ہم مقام بدر پر جا کر پڑاؤ ڈالیں گے۔ وہاں شرابیں اڑائیں گے، کباب کھائیں گے، راگ سنیں گے، تاکہ لوگوں میں ہماری شہرت ہو جائے۔

جو وہ کر رہے ہیں یعنی دین اسلام کو مٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اسے اللہ جانتا ہے اور ان کو ان اعمال کا بدلہ مناسب وقت پر دے گا۔

شیطان ابلیس نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے یعنی ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دیا تھا کہ تم بہت اچھا کام کرنے کے لیے گھر سے نکلے ہو اور تم اتنی طاقت و قوت کے مالک ہو کہ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں شکست نہیں دے سکتی اور میں تمہارے اس نیک کام میں تمہارا حمایتی ہوں لیکن جب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیج دیئے تو شیطان ابلیس الٹے پاؤں بھاگ گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے۔ کیونکہ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم

Marfat.com

لوگ نہیں دیکھتے یعنی فرشتوں کو دیکھ کر ہی اُلٹے پاؤں بھاگا اور اپنے ساتھیوں کو اسی حالت میں چھوڑ گیا۔

بھاگتے ہوئے کافروں کو یہ نصیحت بھی کر گیا کہ میں تو خدا سے ڈرتا ہوں اور وہ سخت سزا دینے والا ہے یعنی عذاب خداوندی سے ڈر کر میں تمہارا ساتھ چھوڑ رہا ہوں۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ اس آیت سے کئی مسئلے نکلتے ہیں (ا) شیطان جس طرح وسوسہ ڈالتا ہے کبھی اسے ترک بھی کر دیتا ہے جیسا کہ یہاں اِنِّی بَرِیٓءٌ میں اس کی مثال موجود ہے کہ یہ ترک وہ اس وقت کرتا ہے جب دیکھ لیتا ہے کہ انسان بغیر وسوسہ کے بھی گناہ کریگا (اا) کشف اہل باطل کے لیے بھی ممکن ہے چنانچہ یہاں شیطان کو ملائکہ کا کشف ہوئے (ااا) اللہ تعالیٰ سے محض طبعی خوف کا ہونا کافی نہیں مطلوب خوف ایمانی ہے۔

آیت ۶۰۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ

۱۹۶۶ء

مشکل الفاظ کے معانی:۔ اَعِدُّوْا تم تیار رہو۔ رباط الخیل گھوڑوں کے باندھنے سے یعنی خوب پلے اور موٹے گھوڑوں تمہارے پاس ہر وقت تیار رہنے چاہیئے۔ تُرھبون تم خوفزدہ کرو۔ یُوَفَّ پورا پورا (بدلہ) دیا جائے گا۔

ترجمہ:۔ اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان (کفار) کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تاکہ تم اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کرو۔ جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو

Marfat.com

کچھ تم خرچ کرو گے۔ اس کا پورا پورا بدلہ تمہاری طرف پلٹایا جائے گا۔ اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔

تفسیر و تشریح:- مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تمہارے پاس سامانِ جنگ اور مستقل فوج ہر وقت تیار رہنی چاہیے تاکہ بوقتِ ضرورت فوراً جنگی کارروائی کر سکو۔ یہ نہ ہو کہ خطرہ سر پر آنے کے بعد گھبراہٹ میں جلدی جلدی رضاکار اور اسلحہ اور سامان رسد جمع کرنے کی کوشش کی جائے اور اس اثناء میں کہ یہ تیاری مکمل ہو، دشمن اپنا کام کر جائے۔

اس آیت میں بڑی گہری حقیقت کی تعلیم ہے۔ وہ یہ کہ اہل کفر تو برابر تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن رہا ہی کریں گے۔ تم ان سے مقابلہ کے لیے ہمیشہ تیار رہو۔ ان کی طرف سے غافل کبھی نہ ہو اور اپنے پاس وہ سامان برابر تیار رکھو جس سے ان پر ہیبت طاری ہوتی ہو اور ان کے دل دہلتے ہوں۔

پھر فرمایا کہ ان کافروں کے علاوہ کچھ اور قومیں بھی ہیں جن کو تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے کہ تمہاری مڈبھیڑ ان سے ہوگی۔ اس میں ایران کے مجوسی اور روما کی مسیحی قومیں بھی آ گئیں۔ جن سے حضرات صحابہؓ کو معرکہ آرا کرنی پڑی۔ باقی قیامت تک کی ساری مخالف قومیں اس میں آ سکتی ہیں۔ بعض نے اس سے مراد منافقین لیے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جہاد میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا بدلہ پاؤ گے۔ یہاں اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کچھ بھی نہیں کھوئیں گے۔ بلکہ سب وہاں پر حاصل کر لیں گے اور ان کے اجر میں ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی۔

سورۂ آل عمران میں ہے کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ:- جب تک (اپنی محبوب چیزوں کو (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو گے

Marfat.com

نیکی کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکو گے، اور جو کچھ بھی کسی چیز سے خرچ کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

سورۃ البقرہ میں ہے کہ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکالیں اور ہر بال میں سو سو دانے ہوں، اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا فرماتا ہے۔

آیت ۶۴۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۵ سنہ ۱۹۶۶ء

ترجمہ:- اے نبیؐ! آپؐ کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ مومنین بھی جنہوں نے آپؐ کا اتباع کیا ہے۔

تفسیر و تشریح:- اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو اطمینان دلا رہا ہے کہ اپنا تبلیغ دین کا کام بلا خوف و خطر کیے جاؤ، یہ کفار آپؐ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، صرف اللہ پر بھروسہ رکھو وہی تمہارے لیے کافی ہے اور اس کی امداد و نصرت سے تمام مشکلات رفع دفع ہو جائیں گی۔ چنانچہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۵

ترجمہ:- اگر وہ مشرکین اور کفار دین اسلام قبول کرنے سے روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے اور وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی ہمت افزائی کر رہا ہے کہ در حقیقت میں تمہارے لیے صرف اللہ اور درجہ ظاہر تو ہیں وہ جان نثار مومنین جو آپؐ کو دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں اور آپؐ کی پیروی کرتے ہیں کافی ہیں۔ اس آیت کے ایک اور معنی بھی کیے گئے ہیں کہ اے نبیؐ! آپؐ کے لیے

Marfat.com

اور آپ کے پیرو اہل ایمان کے لیے تو بس اللہ کافی ہے۔ یعنی اللہ پر ہی توکل و بھروسہ رکھو، ظاہری اسباب چاہیے سازگار نہ بھی ہوں تو پروا نہیں جب اللہ تمہارا سرپرست اور حامی و ناصر ہے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اور اس دین حق کا شجر خوب پھلے پھولے گا کیونکہ اسے اللہ کی حمایت حاصل ہے۔

شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست

آیت ۶۷ تا ۶۹۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ ۱۹۶۶ء

مشکل الفاظ کے معانی: اسرٰی۔ قیدی۔ یُثْخِنَ۔ خونریزی کرنا۔ یہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ قتل و قتال اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک فساد کی بیخ کنی نہ ہو جائے۔

ترجمہ:۔ نبیؐ کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک وہ زمین میں (دشمنوں کو) اچھی طرح نہ کچل دے۔ تم لوگ دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ تمہارے لیے آخرت چاہتا ہے اور اللہ عزیز اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے (مال غنیمت) لیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔ پس جو کچھ تم نے مال حاصل کر لیا ہے اس کو اب حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

Marfat.com

تفسیر و تشریح: اس آیت کی تفسیر کے لیے میں نے بہت سی تفاسیر دیکھی ہیں۔ ہر ایک میں کچھ نہ کچھ کمی محسوس کی اور اس کے مطالب اچھی طرح سمجھ میں نہ آسکے، لیکن جو تشریح مولانا مودودی صاحب نے کی ہے وہی میرے خیال میں بہترین ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "اس آیت کی تفسیر میں اہلِ تاویل نے جو روایات بیان کی ہیں وہ یہ ہیں کہ جنگِ بدر میں لشکرِ قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے، ان کے متعلق بعد میں مشورہ ہوا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ قتل کر دیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے قبول کی اور فدیہ کا معاملہ طے کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات بطورِ عتاب نازل فرمائیں۔ مگر مفسرین آیت کے اس فقرے کی کوئی معقول تاویل نہیں کر سکے ہیں کہ "اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا" وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تقدیرِ الٰہی ہے۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ ارادہ فرما چکا تھا کہ مسلمانوں کے لیے غنائم کو حلال کر دے گا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب تک وحی تشریعی کے ذریعے سے کسی چیز کی اجازت نہ دی گئی ہو، اس کا لینا جائز نہیں ہو سکتا۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت پوری اسلامی جماعت اس تاویل کی رو سے گناہگار قرار پاتی ہے اور ایسی تاویل کو اخبارِ احاد کے اعتماد پر قبول کر لینا ایک بڑی ہی سخت بات ہے۔

چنانچہ مولانا موصوف کے نزدیک اس مقام کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جنگِ بدر سے پہلے سورۂ محمدؐ میں جنگ کے متعلق جو ابتدائی ہدایات دی گئی تھیں، ان میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ "جب تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب ان کی خوب خونریزی کر چکو تو باقیوں کو خوب مضبوطی سے باندھ لو پھر اس کے بعد یا محض احسان

Marfat.com

دکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے"۔ اس ارشاد میں جنگی قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچل دیا جائے۔ پھر قیدی پکڑنے کی فکر کی جائے۔ اس فرمان کی رو سے مسلمانوں نے بدر میں جو قیدی گرفتار کیے اور اس کے بعد ان سے جو فدیہ وصول کیا وہ تھا تو اجازت کے مطابق، مگر غلطی یہ ہوئی کہ "دشمن کی طاقت کو کچل دینے" کی جو شرط مقدم رکھی گئی تھی اسے پورا کرنے میں کوتاہی کی گئی۔ جنگ میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگ گیا اور بہت کم آدمیوں نے دشمن کا کچھ دور تک تعاقب کیا۔ حالانکہ اگر مسلمان پوری طاقت سے ان کا تعاقب کرتے تو قریش کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ عتاب فرما رہا ہے اور یہ عتاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں پر ہے۔ فرمان مبارک کا منشا یہ ہے کہ "تم لوگ ابھی نبی کے مشن کو اچھی طرح نہیں سمجھے ہو۔ نبی کا اصل کام یہ نہیں ہے کہ فدیے اور غنائم وصول کر کے خزانے بھرے بلکہ اس کے نصب العین سے جو چیز براہ راست تعلق رکھتی ہے، وہ صرف یہ ہے کہ کفر کی طاقت ٹوٹ جائے۔ مگر تم لوگوں پر بار بار دنیا کا لالچ غالب ہو جاتا ہے۔ پہلے دشمن کی اصل طاقت کے بجائے قافلے پر حملہ کرنا چاہا۔ پھر دشمن کا سر کچلنے کے بجائے غنیمت لوٹنے اور قیدی پکڑنے میں لگ گئے۔ پھر غنیمت پر جھگڑنے لگے۔ اگر ہم پہلے فدیہ وصول کرنے کی اجازت نہ دے چکے ہوتے تو تمہیں اس پر سخت سزا دیتے۔ خیر اب جو کچھ تم نے لیا ہے وہ کھا لو مگر آئندہ ایسی روش سے بچتے رہو جو خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔"

سیرت ابن ہشام میں بھی ہے کہ جس وقت مجاہدین اسلام مال غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگے ہوئے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضؓ کے چہرے پر کچھ کراہت کے آثار ہیں حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ "اے سعد! معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی یہ کارروائی تمہیں پسند نہیں آرہی ہے"۔ انہوں نے عرض کیا "جی ہاں، یا رسول اللہؐ، یہ پہلا معرکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل شرک کو شکست دلوائی ہے، اس موقع پر انہیں قیدی بنا کر ان کی جانیں بچا لینے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ ان کو خوب کچل ڈالا جاتا"۔

Marfat.com

سورۃ التوبہ

تمہید: یہ سورت مدنی ہے۔ اس سورت میں کل ایک سو انتیس آیات ہیں جن میں سے پہلی ترانوے ۹۳ آیات دسویں پارے میں اور باقی چھتیس ۳۶ آیات گیارھویں پارے میں ہیں۔ یہ سورت مئین میں سے ہے قرآن پاک میں کل ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتیں ہیں جن میں اس کا نواں نمبر ہے یہ واحد سورت ہے جس کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ہے

نام: یہ سورت دو ناموں سے مشہور ہے ایک التوبہ دوسرے البراءۃ توبہ اس لحاظ سے کہ اس میں ایک جگہ بعض اہل ایمان کے قصوروں کی معافی کا ذکر ہے اور براءۃ اس لحاظ سے کہ اس کے آغاز میں مشرکین سے بری الذمہ ہونے کا اعلان ہے۔ ابن کثیر میں ہے کہ اسے سورۃ الفاضحۃ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں منافقین کے نفاق کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔

بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ: اس سورت کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھے جانے کے متعدد وجوہ مفسرین نے بیان کیے ہیں جن میں بہت اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک سورۃ انفال اور سورۃ توبہ ایک دوسرے کے مضمون کی تکمیل کرتی ہیں بلکہ یہ دراصل ایک ہی سورت کے دو حصے ہیں۔ اس لیے ان دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی گئی اور بسم اللہ کا نزول سورۃ توبہ کے آغاز میں نہیں ہوا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ اہل عرب جب اپنے معاہدوں کو منسوخ کرتے تھے تو اس منسوخی کی تحریروں پر بسم اللہ نہیں لکھتے تھے۔ سورۃ توبہ میں چونکہ معاہدہ کی منسوخی ہی کا اعلان ہے اس لیے اس میں بھی مذاق عرب کی رعایت رکھی گئی ہے اور حضرت علی رضؓ نے جب اسے مشرکین

Marfat.com

کے سامنے پڑھ کر سنایا تھا۔ تو شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھی تھی۔

مگر صحیح بات وہی ہے جو امام رازی نے لکھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کے آغاز میں بسم اللہ نہیں لکھوائی تھی اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی نہیں لکھی اور بعد کے لوگ بھی اس کی پیروی کرتے رہے۔

زمانہ نزول و اجزاءِ سورت

یہ سورت تین تقریروں پر مشتمل ہے:۔

پہلی تقریر آغازِ سورت سے پانچویں رکوع کے آخر تک چلتی ہے اس کا زمانہ نزول ذی القعدہ ۹ھ ہجری یا اس کے لگ بھگ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُس سال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج مقرر کر کے مکہ روانہ کر چکے تھے کہ یہ تقریر نازل ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے بھیجا تاکہ حج کے موقع پر تمام عرب کے نمائندہ اجتماع میں اسے سنائیں اور اس کے مطابق جو طرزِ عمل تجویز کیا گیا تھا۔ اس کا اعلان کر دیں۔

دوسری تقریر رکوع ۶ کی ابتدا سے رکوع ۹ کے اختتام تک چلتی ہے اور یہ رجب ۹ھ ہجری یا اس سے کچھ پہلے نازل ہوئی جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔ اس میں اہل ایمان کو جہاد پر اکسایا گیا ہے اور ان لوگوں کو سختی کے ساتھ ملامت کی گئی ہے جو نفاق یا ضعفِ ایمان یا سستی و کاہلی کی وجہ سے راہِ خدا میں جان و مال کا زیاں برداشت کرنے سے جی چرا رہے تھے۔

تیسری تقریر رکوع ۱۰ سے شروع ہو کر سورت کے ساتھ ختم ہوتی ہے اور یہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر نازل ہوئی۔ اس میں متعدد ٹکڑے ایسے بھی ہیں جو انہی ایام میں مختلف موقعوں پر اترے اور بعد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارۂ الٰہی سے ان سب کو یکجا کر کے ایک سلسلۂ تقریر میں منسلک کر دیا مگر چونکہ وہ ایک ہی مضمون اور ایک ہی سلسلۂ واقعات سے متعلق ہیں۔

Marfat.com

اس لیے ربطِ تقریر میں کہیں خلل نہیں پایا جاتا۔ اس پر منافقین کی حرکات پر تنبیہ، غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں پر زجر و توبیخ اور ان صادق الایمان لوگوں پر ملامت کے ساتھ معافی کا اعلان ہے جو اپنے ایمان میں تو سچے تھے مگر جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے سے باز رہے تھے۔

نزولِ تقریر کے لحاظ سے پہلی تقریر سب سے آخر میں آنی چاہیے تھی۔ لیکن مضمون کی اہمیت کے لحاظ سے وہی سب سے مقدم تھی اس لیے مصحف کی ترتیب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو پہلے رکھا اور بقیہ دونوں تقریروں کو مؤخر کر دیا۔ اسباب و نتائج

غزوۂ تبوک: رومی سلطنت کیساتھ کشمکش کی ابتداء فتح مکہ سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی دعوت پھیلانے کے لیے جو وفود عرب کے مختلف حصوں میں بھیجے تھے۔ ان میں سے ایک شمال کی طرف سرحد شام سے متصل قبائل میں بھی گیا تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر عیسائی تھے اور رومی سلطنت کے زیر اثر تھے ان لوگوں نے اس وفد کے پندرہ آدمیوں کو قتل کر دیا اور صرف رئیس وفد بچ کر واپس آئے اسی زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بصریٰ کے رئیس شرجیل بن عمرو کے نام بھی دعوت اسلام کا پیغام بھیجا تھا مگر اس نے آپؐ کے قاصد حارث ازدیؓ کو شہید کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص لینے کے لیے تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر سرحد شام کی طرف بھیجا تاکہ آئندہ کے لیے یہ علاقہ مسلمانوں کے لیے پرامن ہو جائے اور یہاں کے لوگ مسلمانوں کو بے زور سمجھ کر ان پر زیادتی کرنے کی جرأت نہ کریں مجاہدین کا یہ لشکر ایک گاؤں موتہ میں فروکش ہوا شرجیل غسانی ایک لاکھ کا لشکر جرار لے کر مقابلہ میں آیا۔ قیصر روم نے بھی اس کی امداد کے لیے اپنی فوجیں روانہ کیں۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلے

Marfat.com

میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی۔ ان کے تین سردار حضرت زید رضؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش فرما گئے بالآخر حضرت خالد بن ولیدؓ نے علم سنبھالا اور کمال تدبر کا ثبوت دیتے ہوئے لشکر اسلام کو دشمنوں کے نرغے سے نکال لائے۔

دوسرے ہی سال قیصر روم نے مسلمانوں سے سریۂ موتہ کی ہزیمت کا بدلہ لینے کے لیے سرحد شام پر فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رجب ۹ھ ہجری میں اطلاع ملی آپؐ ہر وقت ہر اس چھوٹی سے چھوٹی بات سے بھی خبردار رہتے تھے۔ جس کا اسلامی تحریک پر کچھ بھی موافق یا مخالف اثر پڑتا ہو۔ آپؐ نے ان تیاریوں کے معنی فوراً سمجھ لیے اور بغیر کسی تامل کے قیصر کی عظیم الشان طاقت سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس موقع پر ذرہ برابر بھی کمزوری دکھائی جاتی تو سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا ایک طرف عرب کی دم توڑتی ہوئی جاہلیت، جس پر غزوہ حنین میں آخری ضرب لگائی جا چکی تھی۔ پھر جی اٹھتی۔ دوسری طرف مدینہ کے منافقین جو ابو عامر راہب کے واسطے سے غسان کے عیسائی بادشاہ اور خود قیصر کے ساتھ اندرونی ساز باز رکھتے تھے اور جنہوں نے اپنی ریشہ دوانیوں پر دینداری کا پردہ ڈالنے کے لیے مدینہ سے متصل ہی مسجد ضرار تعمیر کر رکھی تھی بغل میں چھرا گھونپ دیتے، سامنے سے قیصر، جس کا دبدبہ ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد تمام دور و نزدیک کے علاقوں پر چھا گیا تھا، حملہ آور ہو جاتا اور ان تین زبردست خطروں کی متحدہ یورش میں اسلام کی جیتی ہوئی بازی یکایک مات کھا جاتی ہے۔ اس لیے باوجود اس کے کہ ملک میں قحط سالی تھی۔ گرمی کا موسم پورے شباب پر تھا۔ فصلیں پکنے کے قریب تھیں، سواریوں اور سروسامان کا انتظام سخت مشکل تھا۔ سرمایہ کی بہت کمی تھی اور دنیا کی دو سب سے بڑی طاقتوں میں سے ایک کا مقابلہ درپیش تھا۔ خدا کے

Marfat.com

نبیؐ نے یہ دیکھ کر کہ یہ دعوتِ حق کے لیے زندگی و موت کے فیصلہ کی گھڑی ہے اسی حال میں تیاری جنگ کا اعلان کر دیا۔ پہلے تمام غزوات میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ آخر وقت تک کسی کو نہ بتاتے تھے کہ کدھر جانا ہے۔ اور کس سے مقابلہ درپیش ہے، بلکہ مدینہ سے نکلنے کے بعد بھی منزلِ مقصود کی طرف سیدھا راستہ اختیار کرنے کے بجائے پھیر کی راہ سے تشریف لے جاتے تھے۔ لیکن اس موقع پر آپؐ نے یہ پردہ بھی نہ رکھا اور صاف صاف بتا دیا کہ روم سے مقابلہ ہے اور شام کی طرف جانا ہے۔

منافقوں کے لیے بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ خود شریک ہونا تو درکنار ناسازگار حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں کو بھی بہکانا شروع کر دیا کہ وہ اس سخت گرمی میں جہاد کے لیے نہ جائیں لیکن ان کی ریشہ دوانیاں کارگر ثابت نہ ہوئیں اور چند ہی روز میں تیس ہزار مجاہدین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصر اور اس کے تابعین نے مقابلہ پر آنے کے بجائے اپنی فوجیں سرحد سے ہٹا لی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس روز تک وہیں قیام کیا اور آس پاس کے عیسائی حکمرانوں کو مطیع بنا کر واپس لوٹے۔

مسائل و مباحث: ۱۔ اب چونکہ عرب کا نظم و نسق بالکلیہ اہلِ ایمان کے ہاتھ میں آ گیا تھا اور تمام مخالف طاقتیں بے بس ہو چکی تھیں، اسی لیے وہ پالیسی واضح طور پر سامنے آ جانی چاہیے تھی جو عرب کو دارالاسلام بنانے کے لیے اختیار کرنی ضروری تھیں۔ چنانچہ وہ حسبِ ذیل صورت میں پیش کی گئی :۔

الف۔ عرب سے شرک کو قطعاً مٹا دیا جائے اور قدیم مشرکانہ نظام کا کلی استیصال کر ڈالا جائے تاکہ مرکزِ اسلام ہمیشہ کے لیے خالص اسلامی مرکز ہو جائے اور کوئی دوسرا عنصر اس کے اسلامی مزاج میں نہ تو خلل انداز ہو

Marfat.com

سکے اور نہ کسی خطرے کے موقع پر اندرونی فتنہ کا موجب بن سکے۔ اسی غرض کے لیے مشرکین سے براءت اور ان کے ساتھ معاہدوں کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

ب۔ کعبہ کا انتظام اہل ایمان کے ہاتھ میں آجانے کے بعد یہ بالکل نامناسب تھا کہ جو گھر خالص خدا کی پرستش کے لیے وقف کیا گیا تھا۔ اس میں بدستور شرک ہوتا رہے اور اس کی تولیت بھی مشرکین کے قبضہ میں رہے۔ اسی لیے حکم دیا گیا کہ آئندہ کعبہ کی تولیت بھی اہل توحید کے قبضہ میں رہنی چاہیے اور بیت اللہ کے حدود میں شرک و جاہلیت کی تمام رسمیں بھی بزور بند کر دینی چاہئیں، بلکہ اب مشرکین اس گھر کے قریب پھٹکنے بھی نہ پائیں تاکہ اس کے آلودۂ شرک ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

ج۔ عرب کی تمدنی زندگی میں رسوم جاہلیت کے جو آثار ابھی تک باقی تھے ان کا جدید اسلامی دور میں جاری رہنا کسی طرح درست نہ تھا۔ اس لیے اس کے استیصال کی طرف توجہ دلائی گئی۔ نسی کا قاعدہ ان رسوم میں سب سے زیادہ بدنما تھا۔ اس لیے اس پر براہ راست ضرب لگائی گئی اور اسی ضرب سے مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ بقیہ آثار جاہلیت کے ساتھ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

۲۔ عرب میں اسلام کا مشن پایۂ تکمیل کو پہنچ جانے کے بعد دوسرا اہم ... مرحلہ جو سامنے تھا وہ یہ تھا کہ عرب کے باہر دین حق کا دائرہ اثر پھیلایا جائے۔ اس معاملہ میں روم و ایران کی سیاسی قوت سب سے بڑی سنگ راہ تھی اور ناگزیر تھا کہ عرب کے کام سے فارغ ہوتے ہی اس سے تصادم ہو۔ نیز آگے چل کر دوسرے غیر مسلم سیاسی و تمدنی نظاموں سے بھی اسی طرح سابقہ پیش آنا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ عرب کے باہر جو لوگ دین حق کے پیرو نہیں ہیں، ان کی خود مختارانہ فرمانروائی

Marfat.com

کو بزورِ شمشیر ختم کر دو تا آنکہ وہ اسلامی اقتدار کے تابع ہو کر رہنا قبول کر لیں جہاں تک دینِ حق پر ایمان لانے کا تعلق ہے ان کو اختیار ہے کہ ایمان لائیں یا نہ لائیں، لیکن ان کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کی زمین پر اپنا حکم چلائیں کریں۔ اور انسانی سوسائیٹیوں کی زمامِ کار اپنے ہاتھ میں رکھ کر اپنی گمراہیوں کو خلقِ خدا پر اور ان کی آنے والی نسلوں پر زبردستی مسلط کرتے رہیں۔ زیادہ سے زیادہ جس آزادی کے استعمال کا انہیں اختیار دیا جا سکتا ہے، بس اسی حد تک ہے کہ خود اگر گمراہ رہنا چاہتے ہیں، تو رہیں، بشرطیکہ جزیہ دے کر اسلامی اقتدار کے مطیع بنے رہیں۔

۳۔ تیسرا اہم مسئلہ منافقین کا تھا جن کے ساتھ اب تک وقتی مصالح کے لحاظ سے چشم پوشی و درگزر کا معاملہ کیا جا رہا تھا۔ اب چونکہ بیرونی خطرات کا دباؤ کم ہو گیا تھا بلکہ رہا ہی نہیں تھا۔ اس لیے حکم دیا گیا کہ آئندہ ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ کی جائے اور وہی سخت برتاؤ ان چھپے ہوئے منکرینِ حق کے ساتھ بھی ہو جو کھلے منکرینِ حق کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی پالیسی تھی جس کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کی تیاری کے زمانہ میں سُوَیلم کے گھر میں آگ لگوا دی۔ جہاں منافقین کا ایک گروہ اس غرض سے جمع ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو شرکتِ جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کرے اور اسی پالیسی کے تحت تبوک سے واپس لوٹتے ہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا کام یہ کیا کہ مسجدِ ضرار کو ڈھانے اور جلا دینے کا حکم دے دیا۔

۴۔ مومنینِ صادقین میں اب تک جو تھوڑا بہت ضعفِ عزم باقی تھا اس کا علاج بھی ضروری تھا کیونکہ اسلام عالمگیر جدوجہد کے مرحلے میں داخل ہونے والا تھا اور اس مرحلہ میں، جبکہ اکیلے مسلم عرب کو پوری غیر مسلم دنیا سے ٹکرانا تھا، ضعفِ ایمان سے بڑھ کر کوئی اندرونی خطرہ اسلام

...عت کے لیے نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے جن لوگوں نے تبوک کے موقع پر
...ستی اور کمزوری دکھائی تھی۔ ان کو نہایت شدت کے ساتھ ملامت کی
...ر پیچھے رہ جانے والوں کے اس فعل کو کہ وہ بلا عذرِ معقول پیچھے رہ
...ے بجائے خود ایک منافقانہ طرزِ عمل اور ایمان میں ان کے ناراست
...نے کا ایک بین ثبوت قرار دیا گیا، اور آئندہ کے لیے پوری صفائی کے
...تھ یہ بات واضح کر دی گئی کہ اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد اور کفر و اسلام
...مکش ہی وہ اصل کسوٹی ہے جس پر مومن کا دعوائے ایمان پرکھا جائے گا۔
...س آویزش میں اسلام کے لیے جان و مال اور وقت و محنت صرف کرنے
...ے جی چرائے گا۔ اس کا ایمان معتبر ہی نہ ہوگا اور اس پہلو کی کسر کسی
...سرے مذہبی عمل سے پوری نہ ہو سکے گی۔ (از تفہیم القرآن)

...طالب: آیت ۱ تا ۱۲ حضرت علیؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے
...سورت کی پہلی ۳۷ آیات مشرکین کے سامنے پڑھ کر سنائی تھیں۔ ان آیات
...شرکین عرب کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اب انہیں نوٹس دیا جا رہا ہے
...للہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین کو جن سے تم نے معاہدے
...کیے تھے۔ اعلان برأت ہے۔ سو اے مشرکو! زمین میں چار مہینے
...چل پھر لو یعنی لڑنا ہو تو لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ، یا ملک چھوڑنا ہو
...نی جائے پناہ تلاش کر لو، اسلام قبول کرنا ہو تو سوچ سمجھ کر قبول کر لو اور
...ی لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ہو اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔
اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کے لیے
...ان کیا جاتا ہے۔ ... کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے
...الذمہ ہے۔ اب بھی اگر تم لوگ توبہ کر لو تو تمہارے ہی لیے بہتر ہے اور اگر
...ردانی کیے رہو تو خوب سمجھ لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اے
...صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو، البتہ

Marfat.com

وہ مشرکین اس سے مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے معاہدے کیے پھر انہوں نے اپنے عہد کو پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو تم بھی ان کا معاہدہ ان کی مدت مقررہ تک پورا کرو کیونکہ اللہ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے۔

پس جب حرام مہینے (وہ چار مہینے جن کی مشرکین کو مہلت دی گئی تھی) گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور گھیرو۔ اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لیے بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو انہیں چھوڑ دو۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر آپ کے پاس آنا چاہیے (تاکہ کلام اللہ سنے) تو اسے پناہ دے دو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اس کے امن (امن کی جگہ) تک پہنچا دو۔ یہ (حکم مہلت) اس لیے کرنا چاہیے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

ان مشرکین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد آخر کیسے ہو سکتا ہے بجز ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا۔ تو جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان سے سیدھے رہو کیونکہ اللہ پرہیزگاری کو پسند کرتا ہے ـــــ مگر ان مشرکین کے ساتھ کوئی عہد کیسے ہو سکتا ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارہ میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا۔ وہ اپنی زبانی باتوں سے تم کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر دل ان کے انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ انہوں نے آیات الٰہی کے بدلے بضاعت قلیل کو خرید لیا۔ پھر اللہ کے راستے میں سد راہ بن کر کھڑے ہو گئے۔ بہت برے کرتوت تھے جو یہ کرتے رہے۔ کسی مومن کے بارے یہ لوگ نہ قرابت کا پاس کرتے ہیں اور نہ کسی عہد کی ذمہ داری کا۔ اور زیادتی

Marfat.com

ہمیشہ انہی کی طرف سے ہوتی ہے، پس اگر یہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے اور جاننے والوں کے لیے ہم اپنے احکام واضح کیے دیتے ہیں۔ اور اگر عہد کرنے کے بعد یہ پھر اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر حملے کرنے شروع کر دیں۔ تو کفر کے علمبرداروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں شاید کہ (پھر تلوار ہی کے زور سے) وہ باز آجائیں گے۔

ع ۱۳ تا ۱۵ مسلمانوں کو خطاب کیا ہے کہ کیا تم ایسے لوگوں (مشرکین) سے نہ لڑو گے جو اپنے عہد توڑتے رہے ہیں اور جنہوں نے رسولؐ کو ملک (مکہ) سے نکال دینے کا قصد کیا تھا اور زیادتی کی ابتداء کرنے والے وہی تھے؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم مومن ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو۔ ان سے لڑو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے گا اور انہیں ذلیل و خوار کرے گا۔ اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا۔ اور مومنوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا۔ اور ان کے دلوں سے جھنجلاہٹ کو دور کرے گا اور جسے چاہے گا۔ توبہ کی توفیق بھی دیگا۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا ہے۔ (اے مسلمانو) کیا تمہارا خیال ہے کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے (اس کی راہ میں) جان فشانی کی اور اللہ، رسولؐ اور مومنین کے سوا کسی کو گہرا دوست نہ بنایا۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

مساجد کی تعمیر اور آبادی اہل ایمان کا کام ہے۔ چنانچہ اس کا بیان ہو رہا ہے کہ:

ع ۱۷ تا ۲۲ مشرکین اس لائق ہی نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں درانحالیکہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔ ان کے تو سارے

اعمال ضائع ہو گئے اور جہنم میں انہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اللہ کی مسجدوں کے آباد کار (مجاور و خادم) تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں نماز کی پابندی کرتے ہوں، زکوٰۃ دیتے رہتے ہوں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔ انہی سے یہ توقع ہے کہ سیدھی راہ چلیں گے اور اپنے مقصود کو پہنچ جائیں گے۔ جو نجات اور جنت ہے۔

کیا تم نے (مشرکین مکہ) حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے کام کے برابر قرار دے لیا ہے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لایا ہو اور اللہ کی راہ میں جہاد بھی کیا۔ اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ اللہ کے ہاں تو انہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا وہی کامیاب ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی رحمت، خوشنودی اور ایسی جنتوں کی خوشخبری سناتا ہے۔ جہاں ان کے لیے پائیدار عیش کے سامان ہوں گے۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یقیناً اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

۲۳ تا ۲۴۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کفار کے ساتھ ہر قسم کے رشتے قائم کرنے کی ممانعت فرماتا ہے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ اے ایمان لانے والو! اپنے باپوں اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ تم میں سے جو کوئی انہیں دوست رکھے گا وہی ظالم ہوں گے۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، عزیز و اقارب اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں اگر تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں۔ تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور

Marfat.com

اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔

ع ۲۵ تا ع ۲۷۔ غزوہ حنین میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی فرشتوں سے امداد و نصرت کی چنانچہ اس کا یہاں بیان ہو رہا ہے۔ اللہ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے۔ ابھی غزوہ حنین کے روز (اس کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو) اس روز تمہیں اپنی کثرت تعداد پر گھمنڈ تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول، اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے۔ اور منکرین حق کو سزا دی یہی بدلہ ہے ان لوگوں کے لیے جو حق کا انکار کریں پھر (تم یہ بھی دیکھ چکے ہو کہ) اس طرح سزا دینے کے بعد اللہ جس کو چاہتا ہے، توبہ کی توفیق بھی بخش دیتا ہے۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

ع ۲۸۔ مشرکین آئندہ کے لیے حج اور زیارت (کعبہ) نہیں کر سکتے۔ بلکہ مسجد حرام کے حدود میں ان کا داخلہ بھی بند کر دیا تاکہ شرک و جاہلیت کے اعادہ کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ چنانچہ فرمان ہے "اے ایمان لانے والو! مشرکین ناپاک ہیں یعنی ان کے اعتقادات، ان کے اخلاق، ان کے اعمال، ان کے جاہلانہ طریق زندگی ناپاک ہیں۔ لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔ اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو بعید نہیں کہ اللہ چاہے تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔ اللہ علیم و حکیم ہے۔

ع ۲۹۔ یہود و نصاریٰ سے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے جب تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ ادا نہ کریں۔ چنانچہ فرمان ہے کہ اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے خلاف جنگ کرو جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں

Marfat.com

لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

آیت ۳۰ تا ۳۳ ۔ یہود و نصاریٰ کے شرک کا اور ان کے اسلام دشمنی کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ بے حقیقت باتیں کرتے ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں۔ یہ بھی انہیں لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے ہیں۔ جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا تھے۔ اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کدھر بہکے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔ اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالانکہ انہیں صرف ایک معبود برحق کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک ہے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (دین اسلام) کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ مگر اللہ اپنے نور کو مکمل کئے بغیر ماننے والا نہیں ہے۔ خواہ کافروں کو کیسا ہی ناگوار گزرے۔

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے سارے بقیہ دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

۳۴ تا ۳۵ ۔ برے علماء اور گمراہ درویشوں کا ذکر ہے جو لوگوں کا مال ناحق (رشوت اور ناجائز نذرانوں کی صورت میں) کھا جاتے ہیں۔ اور زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو وعید ہے۔ اے اہل ایمان! اہل کتاب کے اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں۔ اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے آپ انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے اور چاندی پر جہنم کی آگ

Marfat.com

دیکھائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا ــــ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

ع۳۶ تا ع۳۷۔ قمری مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک بارہ ہے اسی کا ذکر ہے اور مشرکین سے جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے۔ بیشک مہینوں کی تعداد جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اللہ کے نوشتے میں بارہ ہی ہے اور ان میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ یہی ٹھیک ضابطہ ہے لہٰذا ان چار مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں۔ اور جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ نسیء (مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا) تو کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ کسی سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام کر دیتے ہیں۔ تاکہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی تعداد پوری بھی کر دیں۔ اور اللہ کا حرام کیا ہوا حلال بھی کر لیں۔ ان کے برے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیئے گئے ہیں اور اللہ منکرین حق کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

ع۳۸ تا ع۴۱۔ ایمان داروں کو غزوہ تبوک کے لیے جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیوی زندگی کو پسند کر لیا؟ اگر ایسا ہی ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔ اگر تم (جہاد کے لیے) نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو پیدا کر دے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

Marfat.com

تم نے اگر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی (رومیوں سے جہاد کی صورت میں) مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں، اللہ ان کی مدد کر چکا ہے جب کافروں نے ان کو (مکہ سے) نکال دیا تھا۔ دو میں سے ایک وہ تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے اور وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ وہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت اللہ نے اپنی تسلی ان (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی اور ان کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے۔ اللہ زبردست اور دانا و بینا ہے۔ نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

۴۲۔ منافقین کا ذکر رہا ہے، جنہوں نے غزوہ تبوک میں ہمراہ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر فائدہ سہل الحصول ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ (منافقین) ضرور تمہارے پیچھے چلنے پر آمادہ ہو جاتے، مگر ان پر یہ راستہ بہت کٹھن ہو گیا۔ اب وہ عنقریب خدا کی قسم کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم چل سکتے تو یقیناً تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ اپنی جانوں کو ہی ہلاک کر رہے ہیں اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ (اپنے قول میں) جھوٹے ہیں۔

۴۳ تا ۵۷۔ ان منافقین کا ذکر ہو رہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر پیچھے رہ گئے تھے۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ آپ کو معاف کرے۔ آپ نے ان کو رخصت کیوں دے دی تھی؟ (آپ کو چاہیے تھا کہ خود رخصت نہ دیتے) تاکہ آپ پر کھل جاتا کہ کون سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی آپ جان لیتے۔ جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کبھی آپ سے یہ درخواست نہ کریں کہ انہیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے۔ اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

Marfat.com

ایسی درخواستیں تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (جن کے دلوں میں شک ہے اور) اور وہ اپنے شک ہی میں متردد ہو رہے ہیں۔

اگر واقعی ان لوگوں نے (جہاد کے لیے) چلنے کا ارادہ کیا ہوتا۔ تو اس کے لیے کچھ تیاری کرتے لیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند ہی نہ کیا۔ اس لیے اس نے انہیں سست کر دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ (منافقین) تمہارے ساتھ شامل ہو کر نکلتے تو تمہارے (مسلمانوں کے) اندر فساد ہی بڑھاتے یعنی تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے اور تمہارے گروہ کا حال یہ ہے کہ ابھی اس میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں، اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اس سے پہلے بھی ان لوگوں نے فتنہ انگیزی کی کوششیں کی ہیں اور تمہیں ناکام کرنے کے لیے یہ ہر طرح کی تدبیروں کا الٹ پھیر کر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی مرضی کے خلاف حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ہو کر رہا۔

ان میں سے کوئی کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ "مجھے رخصت دے دیجئے اور مجھ کو فتنے میں نہ ڈالیے۔" خوب سن لو کہ فتنے میں تو یہ لوگ پڑے ہوئے ہیں اور جہنم نے ان کافروں کو گھیر رکھا ہے۔

اگر آپؐ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو یہ انہیں (منافقین کو) غمگین کر دیتی ہے اور اگر آپؐ پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے اسی لیے پہلے ہی اپنا معاملہ ٹھیک کر لیا تھا اور یہ منہ پھیر کر خوش خوش پلٹتے ہیں۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہہ دیں کہ ہمیں ہرگز کوئی (بھلائی یا برائی) نہیں پہنچتی مگر وہ جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے۔ اللہ ہی ہمارا مولا ہے اور اہلِ ایمان کو اس پر بھروسہ

Marfat.com

کرنا چاہیے۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان (منافقین) سے کہہ دیجئے کہ "تم ہمارے معاملہ میں جس چیز کے منتظر ہو وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ دو بھلائیوں (فتح و شہادت) میں سے ایک بھلائی ہے اور ہم تمہارے معاملے میں جس چیز کے منتظر ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ خود تم کو (آسمانی عذاب کی صورت میں) سزا دے گا۔ یا ہمارے ہاتھوں سے اچھا تو اب تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

ان سے کہدیں کہ "تم اپنے مال خواہ خوش ہو کر یا ناخوش ہو کر خرچ کرو۔ بہرحال وہ کسی طرح بھی قبول نہ کیے جائیں گے کیونکہ تم فاسق لوگ ہو" ان کے دیئے ہوئے مال قبول نہ ہونے کی کوئی وجہ اس کے سوا نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے، اور یہ لوگ نماز کے لیے (مسجد میں) آتے ہیں تو کسمساتے ہوئے آتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو ناخواستہ خرچ کرتے ہیں۔ ان کے مال و دولت اور ان کی کثرت اولاد کو دیکھ کر آپ دھوکہ نہ کھائیں، اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعہ سے ان کو دنیوی زندگی میں بھی مبتلائے عذاب کرے اور یہ جان بھی دیں تو انکار حق ہی کی حالت میں دیں۔

وہ خدا کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں، اصل میں تو وہ ایسے لوگ ہیں جو تم سے خوف زدہ ہیں اگر وہ کوئی جائے پناہ پالیں یا کوئی کھوہ یا گھس بیٹھنے کی جگہ، تو بھاگ کر اس میں جا چھپیں۔

ع ۵۸ ۔ منافقین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے کہ صدقات کی تقسیم میں آپؐ عدل سے کام نہیں لیتے۔ چنانچہ اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ اے نبیؐ! ان میں سے بعض لوگ صدقات کی تقسیم میں تم پر اعتراضات کرتے ہیں، اگر اس مال میں سے انہیں کچھ کچھ دیدیا جائے تو خوش ہو جائیں اور نہ دیا جائے تو بگڑنے لگتے ہیں۔ کیا

Marfat.com

اچھا ہوتا کہ اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو کچھ بھی انہیں دیا تھا اس پر وہ راضی رہتے اور کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ وہ اپنے فضل سے ہمیں اور بہت کچھ دے گا اور اس کا رسول بھی ہم پر عنایت فرمائے گا۔ ہم تو اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

۶۰۔ زکوٰۃ کے مصارف کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہیں۔ اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور راہ خدا میں اور مسافروں کی امداد میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے۔

۶۱ تا ۶۶۔ منافقین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی باتیں کہتے جو حضور کے لیے باعث اذیت ہوتیں۔ انہی کا بیان ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو اپنی باتوں سے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص کانوں کا کچا ہے۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیں کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے ایسا ہے۔ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اہل ایمان پر اعتماد کرتا ہے۔ اور ان لوگوں کے لیے سراسر رحمت ہے جو تم میں سے ایماندار ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ ان کے لیے دردناک سزا ہے۔

یہ لوگ تمہارے (مسلمانوں کے) سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں۔ تاکہ تم کو خوش کر لیں، حالانکہ اگر یہ مومن ہیں۔ تو اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) زیادہ مستحق ہیں کہ یہ ان کو خوش کرنے کی فکر کریں۔ کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کرے گا اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ بڑی ہی رسوائی ہے۔

Marfat.com

یہ منافقین ڈر رہے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پہ کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دلوں کے بھید کھول کر رکھ دے۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہہ دیجئے "اور مذاق اڑاؤ" اللہ اس چیز کو ظاہر کر دینے والا ہے جس کے ظاہر ہونے سے تم ڈرتے ہو" اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے تو جھٹ کہہ دیں گے کہ ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا تمہاری ہنسی دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کے ساتھ تھی؛ اب بہانے مت بناؤ۔ تم نے اظہار ایمان کے بعد کفر کیا ہے اگر ہم نے تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیا تو دوسرے گروہ کو تو ہم ضرور سزا دیں گے۔ کیونکہ وہ مجرم ہے"۔

۶۷ تا ۷۰۔ منافقین کی خصلتوں اور طور طریقوں کا بیان ہو رہا ہے ساتھ ہی انہیں نفاق کے انجام سے بھی خبردار کیا جا رہا ہے۔ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ خیر سے روکے رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔ بیشک منافقین بڑے ہی نافرمان ہیں۔ ان منافق مردوں اور عورتوں اور کافروں کے لیے اللہ نے آتش دوزخ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی ان کے لیے موزوں ہے۔ ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔ تم لوگوں کے طور طریقے وہی ہیں جو تمہارے پیشرووں کے تھے۔ وہ تم سے زیادہ زور آور اور تم سے بڑھ کر مال و اولاد والے تھے پھر انہوں نے دنیا میں اپنے حصّہ کے مزے لوٹ لیے اور تم نے بھی اپنے حصّے کے مزے اسی طرح لوٹ لیے اور تم نے بھی اپنے حصّے کے مزے اسی طرح لوٹے جیسے انہوں نے لوٹے تھے اور ویسی ہی بحثوں میں تم بھی پڑے جیسی بحثوں

Marfat.com

ہیں وہ بڑھ گئے۔ سو ان کا انجام یہ ہوا کہ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو کر رہے اور وہی لوگ خسارے میں رہیں۔

کیا ان لوگوں کو اپنے پیش روؤں کی تاریخ نہیں پہنچی؟ نوح ؑ کی قوم عاد، ثمود، ابراہیم ؑ کی قوم، مدین کے لوگ اور وہ بستیاں جنہیں الٹ دیا گیا تھا۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلے ہوئے نشانات لے کر آئے پھر یہ اللہ کا کام نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا مگر وہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔

۷۱ تا ۷۲۔ ایمانداروں کی صفات و خصوصیات کا بیان ہو رہا ہے کہ مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں۔ نیک باتوں کا حکم دیتے اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی۔ یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے۔ ان مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں ایسے باغ دیگا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سدا بہار باغوں میں ان کے لیے پاکیزہ قیام گاہیں ہونگی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہو گی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

۷۳ تا ۷۴۔ یہاں سے وہ تیسری تقریر شروع ہوتی ہے جو غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اور اللہ کی طرف سے منافقین و کفار پر سختی کرنے کا حکم ملا چنانچہ ارشاد ہے کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے۔ اور ان پر سختی کیجئے۔ آخر کار ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری جائے قرار ہے۔ یہ لوگ خدا کی قسم کھا کھا کر کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ انہوں نے ضرور وہ کافرانہ بات کہی تھی وہ اپنے (ظاہری) اسلام کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے

Marfat.com

ضرور وہ کافرانہ بات کہی تھی۔ وہ اپنے (ظاہری) اسلام کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے وہ کچھ کرنے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تھا) ارادہ کیا، جسے کر نہ سکے۔ یہ ان کا سارا غصہ صرف اسی بات پر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اپنے فضل سے ان کو (مسلمانوں) غنی کر دیا ہے۔ اب بھی اگر یہ توبہ کر لیں تو انہی کے حق میں بہتر ہے۔ اگر یہ باز نہ آئے تو اللہ ان کو دنیا میں بھی دردناک سزا دے گا اور آخرت میں بھی اور روئے زمین پر کوئی نہیں جو ان کا حمایتی اور مددگار ہو۔

۷۵ تا ۷۹۔ اللہ کا عہد توڑنے کے وبال کا ذکر ہے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں۔ جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہم کو مال عطا کر دے تو ہم اس میں سے خوب خیرات کریں گے اور صالح بن کر رہیں گے۔ مگر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دولت مند کر دیا، تو وہ بخل پر اتر آئے اور اپنے عہد سے ایسے پھرے کہ انہیں اس کی پرواہ تک نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اس بدعہدی کی وجہ سے جو انہوں نے اللہ کے ساتھ کی۔ اور اسی جھوٹ کی وجہ سے جو وہ بولتے رہے، اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق بٹھا دیا جو اسی کے پاس جانے کے دن (قیامت تک) تک رہے گا۔ کیا یہ لوگ جانتے نہیں ہیں کہ اللہ کو ان کے مخفی راز اور ان کی پوشیدہ سرگوشیاں تک معلوم ہیں اور وہ تمام غیب کی باتوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ وہ ان کنجوس دولتمندوں کو خوب جانتا ہے جو برضا و رغبت دینے والے اہل ایمان کی مالی قربانیوں پر اعتراض کرتے ہیں اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس (راہ خدا میں دینے کے لیے) اس کے سوا کچھ نہیں ہے جو وہ اپنے اوپر مشقت برداشت کر کے دیتے ہیں اللہ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے لیے دردناک سزا ہے۔

Marfat.com

۸۰ - منافقین کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی ممانعت کی جارہی ہے۔
اسے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ خواہ ایسے لوگوں کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپؐ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر کیا ہے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔
۸۱ تا ۸۳ - ان منافقین کا بیان ہے جنہوں نے طرح طرح کے جھوٹے عذر تراش کر کے پیچھے رہ جانے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ ارشاد ہے، جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی گئی تھی وہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہو گئے اور انہیں گوارا نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کریں۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ "اس سخت گرمی میں نہ نکلو۔" ان سے آپ کہہ دیں کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔ کاش انہیں اس کا شعور ہوتا۔ اب چاہیے کہ یہ لوگ ہنسنا کم کریں اور روئیں زیادہ، اس لیے کہ جو بدی یہ کماتے رہے ہیں۔ اس کی جزا ایسی ہے (کہ انہیں اس پر رونا چاہیے) اگر اللہ آپؐ کو ان کے پاس واپس لے جائے اور آئندہ ان میں سے کوئی گروہ جہاد کے لیے نکلنے کی آپ سے اجازت مانگے تو آپ کہہ دیں کہ "اب تم میرے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے اور نہ میری معیت میں تم کسی دشمن سے لڑ سکتے ہو۔ تم نے پہلے بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا تو اب گھر بیٹھنے والوں ہی کے ساتھ بیٹھے رہو۔"
۸۴ - منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت کی جارہی ہے آئندہ ان میں سے جو کوئی مرے آپؐ اس کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھیں اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہوں کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور ایسی حال میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے۔

Marfat.com

۸۵۔ آپؐ کو ان (منافقین) کی مالداری اور کثرتِ اولاد تعجب میں نہ ڈال دے اللہ نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ اس مال و اولاد کے ذریعہ سے ان کو اسی دنیا میں سزا دے اور ان کی جانیں اسی حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔

۸۶۔ منافقین کے نفاق کا ذکر ہو رہا ہے۔ جب کبھی کوئی قرآن کا ٹکڑا اس مضمون کا نازل ہوا کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو آپؐ نے دیکھا کہ جو لوگ ان میں سے صاحبِ مقدرت تھے وہی آپؐ سے درخواست کرنے لگے کہ انہیں جہاد کی شرکت سے معاف رکھا جائے اور انہوں نے کہا ہمیں چھوڑ دیجئے کہ ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ رہیں۔ ان لوگوں نے گھر بیٹھنے والیوں (عورتوں) میں شامل ہونا پسند کر لیا اور ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا گیا۔ اس لیے ان کی سمجھ میں اب کچھ نہیں آتا۔

۸۷۔ ایمانداروں کا ذکر ہو رہا ہے۔ البتہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان لوگوں نے جو آپؐ کے ساتھ ایمان لا چکے ہیں۔ اپنی جان و مال سے جہاد کیا، اور اب ساری بھلائیاں انہی کے لیے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

۹۰۔ منافقین کا دائرہ شہری آبادیوں تک محدود نہ تھا۔ شہر مدینہ کے باہر بعض دیہاتی قبیلے بھی منافق تھے۔ اب ان کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ بدوی عربوں میں سے بھی بہت سے لوگ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس) آئے جنہوں نے عذر کیے تاکہ انہیں بھی پیچھے رہ جانے کی اجازت دی جائے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایمان کا جھوٹا وعدہ کیا تھا بیٹھے رہے یعنی وہ ایسے بے باک نکلے کہ ظاہرداری بھی نہ برتی اور جھوٹا عذر کرنے بھی نہ آئے۔ ان بدویوں میں سے

Marfat.com

جن جن لوگوں نے کفر کا طریقہ اختیار کیا ہے، عنقریب وہ دردناک سزا سے دوچار ہوں گے۔

ع۹۱ تا ع۹۳۔ ان معذور افراد کا بیان ہے، جن کے جہاد میں شریک نہ ہونے پر کوئی الزام نہیں، ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکتِ جہاد کے لیے خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے، اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جب کہ وہ خلوص دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وفادار رہیں۔ ایسے محسنین پر کوئی الزام نہیں اور اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی الزام ہے جنہوں نے خود آ کر آپؐ سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں، اور جب آپؐ نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ مجبوراً اس حال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ شریکِ جہاد ہونے کے لیے خرچ وغیرہ نہیں رکھتے۔

البتہ الزام ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہیں اور پھر بھی آپؐ سے درخواستیں کرتے ہیں کہ انہیں شرکتِ جہاد سے معاف رکھا جائے۔ انہوں نے خانہ نشین عورتوں میں شامل ہونا پسند کر لیا اور اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا۔ اس لیے اب یہ کچھ نہیں جانتے کہ اللہ کے ہاں ان کی اس روش کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے۔

ع۹۴ تا ع۹۶۔ جب لشکرِ اسلام مدینہ واپس پہنچے گا تو منافقین آکر اپنے عذرات پیش کریں گے۔ یہ بات بطور پیش گوئی بتائی جا رہی ہے۔ تم سب (مسلمان) جب پلٹ کر ان (منافقین) کے پاس پہنچو گے تو یہ طرح طرح کے عذرات پیش کریں گے مگر آپؐ کہہ دیجیے کہ حیلے بہانے نہ بناؤ، ہم تمہاری کسی بات کا اعتبار نہ کریں گے۔ اللہ نے ہمیں تمہارے حالات

Marfat.com

بتا دیئے ہیں۔ اب اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے طرزِ عمل
کو دیکھے گا۔ پھر تم سب اسی کی طرف واپس کیے جاؤ گے جو کھلے اور چھپے
سب کا جاننے والا ہے اور وہ (اللہ) تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے
رہے ہو۔" تمہاری واپسی پر یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم
ان سے اعتراض کرو۔ پس آپؐ ان سے اعتراض ہی کر لیں کیونکہ یہ گندے
ہیں اور ان کا اصلی مقام جہنم ہے جو انہیں ان کی کمائی کے بدلے میں نصیب ہوگی۔
یہ تمہارے سامنے اس لیے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔
حالانکہ اگر تم ان سے راضی بھی ہو گئے تو اللہ ہرگز ایسے فاسق لوگوں سے
راضی نہ ہوگا۔

ع۹۷ تا ع۹۸ ۔ اب دیہاتی عربوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے ان میں سے
جو منافق تھے وہ اپنی منافقت میں مدینہ کے شہری منافقوں سے بھی
بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ دیہاتی منافقین کفر و نفاق میں
بہت ہی سخت ہیں اور وہ اسی لائق ہیں کہ اس دین کے حدود سے جو اللہ
نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا ہے۔ ناواقف رہیں۔ اللہ
سب کچھ جانتا ہے اور حکیم و دانا ہے۔ ان میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں
جو راہِ خدا میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو اسے اپنے اوپر زبردستی کی چٹی
سمجھتے ہیں (یعنی زکوٰۃ وغیرہ کو) اور تمہارے حق میں زمانہ کی گردشوں
کا انتظار کر رہے ہیں (کہ تم کسی چکر میں پھنسو تو وہ اپنی گردن سے اس
نظام کی اطاعت کا قلادہ اتار پھینکیں جس میں تم نے انہیں کس دیا
ہے) حالانکہ بدی کا چکر خود انہی پر مسلط ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور
اور جانتا ہے۔

ع۹۹ ۔ دیہاتی عرب بہت سے منافق نہ تھے بہت سے ان میں سے
اچھے مخلص مسلمان بھی تھے اس آیت میں ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور انہی

Marfat.com

بدویوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں، اسے اللہ کے ہاں تقرب کا اور رسول کی طرف سے رحمت کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ہاں! وہ ضرور ان کے لیے تقرب کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ ضرور ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

ع۱۰۰۔ مہاجرین و انصار نے جو دینِ اسلام کی خدمت کی اس کے بدلے کا ذکر ہے۔ وہ مہاجر و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سابقت کی نیز وہ جو بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کے پیچھے آ گئے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

ع۱۰۱۔ منافقین کا پھر ذکر ہو رہا ہے کہ تمہارے گرد و پیش جو بدوی رہتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے منافق ہیں اور اسی طرح خود مدینہ کے باشندوں میں بھی موجود ہیں جو نفاق میں طاق ہو گئے ہیں۔ آپؐ بھی انہیں نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں۔ قریب ہے وہ وقت جب ہم ان کو دوہری سزا دیں گے۔ پھر وہ زیادہ بڑی سزا کے لیے واپس لائے جائیں گے۔

ع۱۰۲ تا ع۱۰۵۔ غزوہ تبوک میں ساتھ نہ جانے والوں میں منافقین کے علاوہ کچھ مومنین بھی تھے۔ جو محض کاہلی کی بناء پر پیچھے رہ گئے تھے۔ اب یہاں سے ان کا ذکر شروع ہو رہا ہے کہ کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہے ان کا عمل مخلوط ہے۔ کچھ نیک ہے اور کچھ بد۔ بعید نہیں کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہو جائے۔ کیونکہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے۔ آپ انہیں پاک صاف کریں اور ان کے حق میں دعائے رحمت کیجیے۔

Marfat.com

کیونکہ آپ کی دعا اُن کے لیے باعثِ تسکین ہوگی۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور ان کی خیرات کو قبولیت عطا فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور رحم کرنیوالا ہے؟ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ عمل کیے جاؤ۔ اللہ اور اس کا رسول اور مومن سب دیکھیں گے کہ تمہارا طرزِ عمل اب کیا رہتا ہے پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو کھلے اور چھپے سب کو جانتا ہے اور وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہتے ہو۔

ع ۱۰۶ ۔ اب مومنین کے ایک دوسرے طبقے کا بیان ہو رہا ہے۔ لوگ بھی کاہلی اور سہل انگاری کی بناء پر غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر نہ تو منافقین کی طرح عذرات تراشے اور نہ ہی تائبین صادقین کی طرح اپنے آپ کو ستونوں سے باندھا۔ انہوں نے خدمتِ اقدس میں حاضری دے کر صاف سیدھی اور سچی بات عرض کر دی انہیں جواب ملا کہ وحی الٰہی کا انتظار کرو۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کا معاملہ ابھی خدا کا حکم آنے پر ٹھہرا ہوا ہے۔ چاہے انہیں سزا دے اور چاہے ان پر از سر نو مہربان ہو جائے۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکیم و دانا ہے۔

ع ۱۰۷ تا ع ۱۱۰ ۔ منافقین نے مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کے لیے ایک مسجد ضرار بنائی تھی اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنائی۔ تاکہ دعوتِ حق کو نقصان پہنچائیں اور خدا کی بندگی کرنے کے بجائے کفر کریں اور اہلِ ایمان میں تفرقہ ڈالیں اور اس بظاہر عبادت گاہ کو اس شخص (ابو عامر) کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اس کے رسول کے خلاف برسرِ پیکار رہ چکا

ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو (مسجد کے بنانے سے)
بھلائی کے سوا کوئی دوسری چیز کا نہ تھا۔ مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ قطعی جھوٹے
ہیں۔ آپ اُسی (مسجد) میں عبادت کے لیے ہرگز کھڑے نہ ہوں۔ جو مسجد اوّل
روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی۔ وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ
آپ اُس میں عبادت کے لیے کھڑے ہوں۔ اس (مسجد قبا) میں ایسے
لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے
والے ہی پسند ہیں۔

پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے جس نے اپنی عمارت کی
بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا کی طلب پر رکھی ہو یا جس نے اپنی عمارت
ایک وادی کی کھوکھلی بے ثبات کگر پر اُٹھائی اور وہ اسے لیکر سیدھی
جہنم کی آگ میں جا گری؟ ایسے ظالم لوگوں کو اللہ کبھی سیدھی راہ نہیں
دکھاتا۔ یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں بے یقینی
کی جڑ بنی رہے گی۔ (جس کے نکلنے کی اب کوئی صورت نہیں) بجز اس کے
کہ ان کے دل پارہ پارہ ہو جائیں۔ اللہ نہایت باخبر اور حکیم و دانا ہے۔

ع۱۱۱ تا ع۱۱۲۔ جان و مال کی قربانی کی فضیلت کا ذکر اور مومنین کی صفات
بیان کی جارہی ہیں۔ بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے
مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور
مرتے ہیں۔ ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے نزدیک ایک پختہ وعدہ توراۃ
انجیل اور قرآن میں ہے اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے
والا ہو؟ پس اپنے اس سودے پر خوشیاں مناؤ جو تم نے خدا سے کیا ہے اور
یہی بڑی کامیابی ہے۔ اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے (توبہ کرنے والے) اس
کی بندگی بجالانے والے، اس کی تعریف کے گن گانے والے، اس کی خاطر زمین
میں گردش کرنے والے، اس کے آگے رکوع اور سجدے کرنے والے، نیکی

Marfat.com

کا حکم دینے والے، بدی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے (اس شان کے وہ مومن ہوتے ہیں جو اللہ سے خرید و فروخت کا یہ معاملہ طے کرتے ہیں) اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان مومنوں کو خوشخبری دیدو۔

ع۱۱۳ تا ۱۱۶۔ مشرکین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت کی جا رہی ہے۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں چاہے وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو جبکہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ (مشرک) جہنم کے مستحق ہیں (حضرت) ابراہیم ؑ نے اپنے باپ کے لیے جو دعائے مغفرت کی تھی وہ تو اس وعدے کی وجہ سے تھی جو انہوں نے اپنے باپ سے کیا تھا۔ جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ ان کا باپ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے۔ حق یہ ہے کہ (حضرت) ابراہیم ؑ بڑے رقیق القلب و خدا ترس اور بردبار آدمی تھے۔

اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ لوگوں کو ہدایت دینے کے بعد پھر گمراہی میں مبتلا کرے جب تک کہ انہیں صاف صاف بتا نہ دے کہ انہیں کن کن چیزوں سے بچنا چاہیئے۔ درحقیقت اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اللہ ہی کے قبضہ میں آسمان و زمین کی سلطنت ہے۔ اس کے اختیار میں زندگی و موت ہے۔ اور تمہارا کوئی حامی و مددگار ایسا نہیں ہے۔ جو تمہیں اس سے بچا سکے۔

ع۱۱۷ تا ۱۱۹۔ غزوہ تبوک کا پھر ذکر شروع ہو رہا ہے کہ اللہ نے نبی کو اور ان مہاجرین و انصار کو معاف کر دیا۔ جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ دیا تھا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ مگر جب انہوں نے اس کجی کا اتباع نہ کیا بلکہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ دیا تو اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ بے شک اس (اللہ) کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا ہے اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کر دیا۔ جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت

Marfat.com

کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا نہیں ہے، تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس طرف پلٹ آئیں۔ یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

ع۱۲۰ تا ع۱۲۱ - سچائی پر قائم رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔ مدینے کے باشندوں اور گرد و نواح کے بدویوں کو یہ ہرگز زیبا نہ تھا کہ اللہ کے رسول کو چھوڑ کر گھر بیٹھ رہتے اور اس کی طرف سے بے پروا ہو کر اپنے نفس کی فکر میں لگ جاتے۔ اس لیے کہ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں بھوک پیاس اور جسمانی مشقت کی کوئی تکلیف وہ جھیلیں اور منکرینِ حق کو جو راہ ناگوار ہے اس پر کوئی قدم نہ اٹھائیں اور کسی دشمن سے (عداوتِ حق کا) کوئی انتقام وہ لیں اور اس کے بدلے ان کے حق میں ایک عملِ صالح نہ لکھا جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اسی طرح یہ بھی کبھی نہ ہوگا کہ وہ (راہِ خدا میں) تھوڑا یا بہت خرچ اٹھائیں اور سعیِ جہاد میں کوئی وادی وہ پار کریں اور ان کے حق میں اسے لکھ نہ لیا جائے تاکہ اللہ ان کے اس اچھے کارنامے کا صلہ انہیں عطا کرے۔

ع۱۲۲ - غزوہ تبوک کی صورت خاص تھی اس کے بعد آئندہ کے لیے مستقل ہدایت دی جا رہی ہے کہ سارے مسلمان شہر خالی کر کے ہرگز ایکبارگی نہ نکل کھڑے ہوں، بجز اس حال کے کہ امام ہی نفیرِ عام کا حکم دے اور جہاد ہر فرد پر فرضِ عین ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ مومنوں کو نہ چاہیے کہ آئندہ سب کے سب (جہاد کے لیے) نکل کھڑے ہوں یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تاکہ یہ باقی لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس جائیں ڈراتے

Marfat.com

رہیں تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) محتاط رہیں۔

۱۲۳۔ کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اے ایمان لانے والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیئے اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

۱۲۴ تا ۱۲۷۔ منافقین کے نفاق کا پردہ چاک کیا جا رہا ہے۔ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ مذاق کے طور پر مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ کہو تم میں سے کسی کے ایمان میں اسی سے اضافہ ہوا؟ (اس کا جواب یہ ہے کہ) جو وہ اس سے دلشاد ہیں البتہ جن لوگوں کے دلوں کو (نفاق کا) روگ لگا ہوا تھا۔ ان کی سابق نجاست پر (پھر نئی سورت نے) ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیا اور وہ مرتے دم تک کفر ہی میں مبتلا رہے۔ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں؟ مگر اس پر بھی نہ توبہ کرتے ہیں نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں کہ کہیں تم کو کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ پھر چپکے سے نکل بھاگتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دل پھیر دیئے ہیں۔ کیونکہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں۔

۱۲۸ تا ۱۲۹۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ دیکھو تم لوگوں کے پاس ایک رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا نقصان میں پڑنا ان پر شاق ہے۔ تمہاری بھلائی کے وہ حریص ہیں۔ ایمان لانے والوں کے حق میں بڑے ہی شفیق اور رحیم ہیں۔ اب اگر یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں تو اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہہ دیں کہ میرے لیے تو اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے بھروسہ کر لیا ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

Marfat.com

سورۃ التوبہ کی آیات کی تفسیر و تشریح

۱ تا ۲۔ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝

مشکل الفاظ کے معانی:۔ بَرَآءَةٌ۔ کامل انقطاع۔ مکمل دستبرداری۔ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ۔ صیغہ جمع۔ جن سے تم نے عہد کر رکھا ہے۔ معاہدہ کرنے والے صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ گویا آپ کا فعل بہ حیثیت امر و حاکم حکماً ساری امت کا فعل تھا۔ فَسِيْحُوْا۔ سیر و سیاحت کر لو۔ مراد چل پھر لو۔ مُخْزِى۔ اسم فاعل۔ رسوا کرنے والا۔

ترجمہ:۔ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ان مشرکین کے (عہد سے) دستبرداری ہے۔ جن سے تم نے معاہدے کر رکھے ہیں۔ سو (اے مشرکو) زمین میں چار ماہ چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے بلکہ اللہ ہی کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔

تفسیر و تشریح:۔ محمد بن کعب القرظی وغیرہ سے مروی ہے کہ ۹ ہجری میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج کی حیثیت سے مکہ روانہ کر چکے تھے اور ان کے بعد سورت برأت کی ابتدائی تیس یا چالیس آیات نازل ہوئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشورہ کیا کہ انہیں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیجئے تاکہ وہ لوگوں کے سامنے حج میں ان کو سنا دیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اس اہم معاملہ کا اعلان یا تو میں خود کروں یا میری طرف سے میرے گھر کے کسی فرد کو کرنا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس خدمت پر مامور کیا اور وہ ان آیات کو لیکر

Marfat.com

مکہ پہنچ گئے۔ قربانی کے دن انہوں نے لوگوں کے سامنے یہ آیات سنا دیں اور ساتھ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اعلان کر دیا کہ (۱) جنت میں صرف اہل ایمان ہی داخل ہوں گے (۲) اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے پاس حج کی غرض سے نہ آئے (۳) برہنہ طواف نہ کیا جائے۔ (۴) جن لوگوں کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ باقی ہے۔ یعنی جو نقض عہد کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں ان کے ساتھ مدت معاہدہ تک وفا کی جائے گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی طرف سے مشرک قبائل سے معاہدے کر رکھے تھے بعض کے میعادیں سے لئے اور بعض سے غیر میعادی۔ اس آیت میں آخر الذکر معاہدوں کی منسوخی کا ذکر ہے۔

سورت انفال میں ہے کہ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ۠

ترجمہ:- اگر کبھی تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔

یعنی ان کو خبردار کر دو کہ اب ہمارا تم سے کوئی معاہدہ باقی نہیں رہے۔ اس اعلان کے بغیر کسی معاہد قوم کے خلاف جنگی کارروائی شروع کر دینا خود خیانت کا مرتکب ہونا ہے۔ اسی ضابطہ اخلاق کے تحت معاہدات کی منسوخی کا یہ اعلان عام ان تمام قبائل کے خلاف کیا گیا جو عہد و پیمان کے باوجود ہمیشہ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اور موقع ملتے ہی پاس عہد کو بالائے طاق رکھ کر دشمنی پر اتر آتے تھے۔ مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دے دی گئی کہ یا تو اسلامی برادری میں شامل ہو جائیں یا اس مرکز توحید و ایمان کو اپنے وجود سے خالی کر دیں۔ اگر لڑنا ہو تو لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہ چار مہینے کون سے تھے۔ اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک چار حرمت

Marfat.com

والے مہینے مراد ہیں اور بعض کے نزدیک ذی الحجہ سے لیکر ربیع الثانی تک کے چاند مہینے۔ زیادہ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس اعلان برأت کے فوراً بعد والے چار مہینے ہی مراد ہیں۔

پھر فرمایا کہ اے مشرکو! یہ بات ذہن نشین کر لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ یعنی تم اللہ سے مقابلہ کی قوت کا گمان بھی نہیں کر سکتے بلکہ اللہ ہی تمہیں دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کرے گا۔

حضرت علی رض کے اس اعلان برأت پر مشرکوں نے کہا کہ ہم خود تمہارے اور تمہارے ابن عم کے عہد سے اپنی برأت کرتے ہیں اور اس کا جواب نیزے اور تلوار سے دیں گے۔ کہنے کو یہ کہہ آئے مگر وہاں سے واپس آکر مشرکین نے ایک دوسرے کو ملامت کی کہ تم نے کیا کہا۔ تمام قریش مسلمان ہو چکے ہیں اب تم کیا کر سکتے ہو تم بھی اسلام لے آؤ۔

۳۔ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ

۱۹۶۷ء

مشکل الفاظ کے معانی: یوم الحج الاکبر۔ حج اکبر حج ہی کو کہتے ہیں یہ لفظ (عمرے) حج اصغر کے مقابلہ میں ہے

اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اگر تم روگردانی کیے رہو۔ منہ پھیرے رہو۔

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کے سامنے حج اکبر کے دن اعلان کیا جاتا ہے کہ اور اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہے۔ اب بھی اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے

Marfat.com

حق میں بہتر ہے اور اگر روگردانی کیے رہو تو خوب سمجھ لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اے نبی! کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

تفسیر و تشریح:۔ یہ اعلان حضرت علیؓ نے تمام قبائل عرب کے روبرو حج کے دن کیا تھا۔ کہ اللہ اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین سے بری الذمہ ہے جو نقضِ عہد کے مرتکب ہو چکے ہیں یعنی انہیں امن دینے سے بری الذمہ اور دست بردار ہیں پس اگر اب بھی اے مشرکو! اپنے عقائد کفر و شرک سے توبہ کر لو۔ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے یعنی تمہاری عہد شکنی معاف کر دی جائے گی اور دنیوی عقوبت سے بچ جاؤ گے اور نجات اخروی بھی حاصل ہو جائے گی لیکن اگر تم اپنے اس کفر و شرک پر ڈٹے رہے اور دین حق کو قبول نہ کیا تو یہ بات خوب ذہن نشین کر لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ بلکہ خود ہی ذلیل و رسوا ہو گے اللہ تم پر قادر ہے۔ تم اس کے قبضے میں ہو۔ وہ تمہیں دنیا میں سزا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔

۴۔ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

مشکل الفاظ کے معانی:۔ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی یعنی اپنی طرف سے اس عہد کو نباہنے اور پورا کرنے میں کچھ بھی کمی نہیں کی۔ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ۔ انہوں نے تمہارے خلاف کسی

Marfat.com

کی مدد نہیں کی۔

مگر ہاں وہ مشرکین اس سے مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے معاہدے

ترجمہ: کیے پھر انہوں نے اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی۔ تو ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی مدت معاہدہ تک وفا کرو۔ کیونکہ اللہ پرہیزگاروں ہی کو دوست رکھتا ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن سے تم مسلمانوں

تفسیر و تشریح: نے کسی مدت خاص تک عہد و پیمان کیے ہیں وہ سب عہد اسی طرح برقرار رہیں گے بشرطیکہ وہ لوگ بھی معاہدے کی شرائط پر قائم رہیں وہ نہ خود مسلمانوں کو ایذا پہنچائیں اور نہ مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمنوں (کافروں) کی اعانت و امداد کریں اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ گویا عہد و پیمان کو توڑیں گے۔

جن سے مطلقاً عہد و پیمان ہوئے تھے انہیں چار ماہ کی مہلت دے دی گئی تھی کہ اس دوران میں وہ اپنے مستقبل کے متعلق جو چاہیں کر لیں پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کو دوست رکھتا ہے یعنی یہ بات تقویٰ کے خلاف ہوگی کہ جنہوں نے تم سے کوئی عہد شکنی نہیں کی ہے ان سے تم عہد شکنی کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ صرف وہی لوگ ہیں جو ہر حال میں تقویٰ پر قائم رہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایفائے عہد تقویٰ پرہیزگاری کا ایک حصہ ہے۔

۵۔ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ

Marfat.com

فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

۱۹۶۵ء ، ۱۹۶۶ء

مشکل الفاظ کے معانی:- انسلخ۔ گزر جائیں۔ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ان کا راستہ چھوڑ دو۔ یعنی ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا۔

ترجمہ:- پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور گھیر دو اور سر گھات میں ان کی خبر لینے کے لیے بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں زکوٰۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو۔ اللہ در گزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

تفسیر و تشریح:- حرام مہینوں سے رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے مہینے مراد نہیں ہیں بلکہ اس جگہ وہی چار مہینے مراد ہیں جن کی مشرکین کو مہلت دی گئی تھی چونکہ مسلمانوں کے لیے اس مہلت کے زمانے میں جائز نہ تھا کہ مشرکین پر حملہ آور ہو جاتے اس لیے انہیں حرام مہینے فرما دیا گیا ہے۔

پس جب یہ چار مہینے گزر جائیں تو ان محارب اور عہد شکن مشرکین کو جنہوں نے اُلٹے ہمیں دشمنوں کی مدد کر کے مسلمانوں سے غداری کی ہے ان کو قتل کرو جہاں بھی ان کو پاؤ خواہ وہ حرم میں ہی ہوں۔ ان کو قید کر لو۔ ان کے قلعوں کا محاصرہ کرو ان کے لئے ہر گھات میں بیٹھ کر خوب خبر لو۔ یہ گرفتاری اسی غرض سے ہوگی کہ انہیں قتل کیا جائے یا یہ کہ معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ حسب رائے امام چھوڑ دیا جائے۔

یہ نہیں فرمایا کہ اگر وہ عہد شکن مشرکین مل جائیں تو ان سے مقابلہ کرو بلکہ فرمایا کہ خود چڑھ کر جاؤ۔ ان کی راہیں بند کر دو اور انہیں مجبور کرو کہ یا تو اسلام قبول کر لیں یا پھر مقابلے کے لیے نکلیں۔

Marfat.com

ہاں اگر وہ مشرکین کفر و شرک سے توبہ کر لیں اور عملاً پابند نماز ہو جائیں، زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہیں کھول دی جائیں ۔ ان پر سے تنگیاں اٹھائی جائیں ۔

اسی سورت میں ہے کہ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ یعنی اگر یہ مشرکین توبہ کر لیں نماز پابندی سے پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو پھر یہ تمہارے دینی بھائی ہیں ۔ اسی آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فتنہ ارتداد کے زمانہ میں استدلال کیا تھا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے فتنہ برپا کیا تھا ان میں سے ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہم اسلام کے منکر نہیں ہیں ۔ نمازیں پڑھنے کے لیے تیار ہیں مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے صحابہ کرام رض کو بالعموم پریشانی ... لاحق تھی کہ آخر ایسے لوگوں کے خلاف تلوار کیسے اٹھائی جا سکتی ہے؟ حتیٰ کہ حضرت عمر رض جیسے سخت گیر اور نڈر انسان بھی منکرین زکوٰۃ کو یہ رعایت دینے پر تیار ہو گئے تھے ... ...

... ...

... ... مگر حضرت ابوبکر صدیق رض نے اسی آیت کا حوالہ دے کر فرمایا کہ ہمیں تو ان لوگوں کو چھوڑ دینے کا حکم صرف اس صورت میں دیا گیا تھا جب کہ یہ شرک سے توبہ کر لیں ۔ پابند نماز ہو جائیں، زکوٰۃ دیں مگر جب یہ تین شرطوں میں سے ایک شرط اڑائے دیتے ہیں تو پھر ہم انہیں کیسے چھوڑ دیں ۔ صحیحین میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد جاری رکھوں ۔ یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

Marfat.com

اللہ کے رسول ہیں اور نمازوں کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں ۔ الخ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تمہیں نمازیں قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی نہیں

۱۲۔ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝

مشکل الفاظ کے معانی:۔ نکث ۔ عہد شکنی کرنا ۔ طعن ۔ اس کے لغوی معنیٰ نیزہ مارنے کے ہیں ۔ پھر طعن ایسی بات کو کہتے ہیں جو دل کو چھید دے اور زخم کر دے ۔ یہاں اسی سے مراد دین کی توہین اور اہل دین کی دلآزاری

ترجمہ: ۔ اور اگر یہ لوگ عہد کرنے کے بعد پھر اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو کفر کے علمبرداروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ۔ شاید کہ (پھر تلوار کے زور سے) وہ باز آئیں گے ۔

تفسیر و تشریح:۔ اگر یہ مشرک اپنی قسموں کو توڑ کر وعدہ خلافی اور عہد شکنی کریں اور تمہارے دین پر اعتراض کرنے لگیں تو پھر ان سرداروں کو قتل کرو ۔ سرداروں کے قتل کے حکم سے عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے بلکہ سرداروں کی تصریح اہتمام و خصوصیت و تاکید کے لیے ہے ۔ ان کے قتل سے عوام خود بخود یا منتشر یا مطیع و منقاد ہونے لگیں گے ۔ تفسیر مدارک میں ہے کہ ذمی جس وقت دین اسلام پر زبان طعن دراز کرتا ہے معاہدہ امن سے نکل جاتا ہے اور اس کا قتل جائز ہو جاتا ہے ۔

اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے دین میں عیب جوئی کرے اس کا ذکر اہانت کے ساتھ کرے اسے قتل کر دیا جائے

Marfat.com

سرداران قریش نے معاہدہ کے خلاف بنو خزاعہ کے مقابلے میں بنو بکر کی امداد و نصرت کی تھی۔ آیت میں اشارہ اسی جانب ہے۔ طعن فی الدین کے سلسلہ میں تورات کا حکم یہ ہے۔ "اور وہ خداوند کے نام پر کفر بکے گا جان سے مارا جائے گا۔ ساری جماعت اسے سنگسار کرے گی۔ خواہ وہ مسافر ہو یا دیسی ہو۔ جب اس نے اس کے نام پر کفر کیا تو وہ جان سے ضرور مارا جائے گا۔" (احبار ۲۴: ۱۶)

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معاہد جب معاہدہ کی کسی دفعہ کی بھی خلاف ورزی کرے یا دین پر طعن کرے تو وہ ناقض عہد ہو جائے گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف لشکر بھیجا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تمہیں ان میں کچھ لوگ ایسے ملیں گے جن کی چندھیا منڈی ہوئی ہوگی تم اسی شیطانی بیٹھک پر تلوار مار کر انہیں ختم کر دینا۔ واللہ ان میں سے ایک کا قتل ستر لوگوں کے قتل سے مجھے زیادہ پسند ہے اس لیے کہ فرمان خدا ہے۔ کہ کفر کے اماموں کو قتل کرو (ابن ابی حاتم) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے اگر کوئی دین اسلام قبول کر کے مرتد ہو جائے دین اسلام پر زبان درازی کرنے لگے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فتنہ ارتداد کے موقع پر ٹھیک اسی آیت کے مطابق عمل کیا تھا۔

۲۹۔ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صٰغِرُونَ ۝ ۹۶۷ع

ترجمہ: ۔ اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جنگ کرو۔ جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول

Marfat.com

نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں

اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اگرچہ

تفسیر و تشریح: اہل کتاب خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں لیکن فی الواقع وہ نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور نہ آخرت پر۔ خدا پر ایمان رکھنے کے یہ معنی نہیں کہ آدمی اس بات کو مان لے۔ کہ خدا ایک ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی خدا کو الٰہ واحد اور رب واحد تسلیم کرے اور اس کی ذات، اس کی صفات، اس کے حقوق اور اس کے اختیارات میں نہ خود شریک بنے اور نہ کسی کو شریک ٹھہرائے لیکن نصاریٰ اور یہود دونوں اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جیسا کہ

اسی سورت میں ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُنِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ۔

ترجمہ:۔ اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

اس لیے ان کا خدا کو ماننا بے معنی ہے اور اسے ہرگز ایمان باللہ نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح آخرت کو ماننے کے معنی صرف یہی نہیں ہیں۔ کہ آدمی یہ بات مان لے۔ کہ ہم مرنے کے بعد پھر اٹھائے جائیں گے بلکہ اس کے ساتھ یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ وہاں کوئی سعی سفارش، کوئی فدیہ اور کسی بزرگ سے منتسب ہونا کام نہ آئے گا اور نہ کوئی کسی کا کفارہ بن سکے گا۔ خدا کی عدالت میں بے لاگ انصاف ہو گا اور آدمی کے ایمان و عمل کے سوا کسی چیز کا لحاظ نہ رکھا جائے گا۔ اس عقیدے کے بغیر آخرت کو ماننا لاحاصل ہے لیکن یہود و نصاریٰ نے اسی پہلو سے اپنے عقیدے کو خراب کر لیا ہے لہٰذا اُن کا ایمان بالآخرت بھی مسلّم نہیں ہے۔

Marfat.com

انہوں نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا رکھا ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول نے حلال و حرام کی تعلیمات دی ہیں ان پر عمل نہیں کرتے بلکہ اپنی خواہشات اور اپنے بڑوں کی تقلید کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

اسی سورت میں اللہ نے فرمایا۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔

ترجمہ: انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔

حضرت عدی بن حاتم نے جو پہلے عیسائی تھے، اسلام لانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا۔ کہ اس آیت میں ہم پر اپنے علماء اور درویشوں کو خدا بنا لینے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے اس کی اصلیت کیا ہے۔ جواب میں حضور نے فرمایا کہ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جو کچھ یہ لوگ حرام قرار دیتے ہیں اسے تم حرام مان لیتے ہو اور جو کچھ یہ حلال قرار دیتے ہیں اسے حلال مان لیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو ضرور ہم کرتے رہے ہیں۔ فرمایا بس یہی ان کو خدا بنا لینا ہے۔

یعنی ان تعلیمات پر حسب تعلیم اسلام پورا پورا ایمان نہیں رکھتے اور جس دین حق پر چلنے کی ان کو ہدایت کی گئی تھی اس سے منہ موڑ کر گمراہیوں میں پھنس گئے ہیں اگر وہ اپنے انبیاء اور شریعتوں پر پورا ایمان رکھتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آتے کیونکہ ان کی بشارت تو ہر نبی دیتا رہا اور ان کے اتباع کا ہر نبی نے حکم دیا ہے۔ چونکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکاری ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو اپنے انبیاء کی شریعتوں سے بھی کوئی سروکار نہیں ہے اور ان نبیوں کا زبانی اقرار ان کے لیے بے سود ہے۔

اہل کتاب کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان سے بڑھ کر مشرکین میں یہ

Marfat.com

اوصاف بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ اس لیے مشرکین سے قتال بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ البتہ مشرکینِ عرب سنت و احادیث رسول ؐ کی بنا پر جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ بلاد جزیرۃ العرب قیامت تک کے لیے توحید کا جغرافی مرکز قرار دیا گیا۔ اس کے حدود میں کفر و شرک کی اجازت کسی شرط پر بھی نہیں دی جا سکتی۔ مجوس، مشرکین ہند وغیرہ سب اس حیثیت سے اہلِ کتاب کے حکم میں داخل ہیں۔ مستثنیٰ صرف مشرکین عرب ہیں۔

حصر فرمایا کہ تمہارے قتل و قتال کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ (اہلِ کتاب) ایمان لے آئیں اور دینِ حق کے پیرو بن جائیں بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ ان کی خود مختاری اور بالادستی ختم ہو جائے وہ زمین میں حاکم اور صاحب امر بن کر نہ رہیں بلکہ زمین کے نظامِ زندگی کی باگیں اور فرمانروائی و امامت کے اختیارات متبعین دینِ حق کے ہاتھوں میں ہوں اور وہ ان کے ماتحت تابع و مطیع بن کر رہیں۔

جزیہ کے معنی ہیں وہ رقم جو اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا ذمیوں سے ان کے جان و مال کی حفاظت کے معاوضہ میں وصول کرتی ہے اسلامی حکومت میں ہر مسلم مرد پر فوجی خدمت لازم ہے۔ بہ وقت ضرورت ساری مسلم رعایا سپاہی بن سکتی ہے غیر مسلموں کے لیے یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ فوجی خدمت سے استثناء ایک قلیل رقم کے معاوضہ میں حاصل کر سکتے ہیں غرض یہ کہ جزیہ معاوضہ کسی اعتقادی گمراہی کا نہیں بلکہ وہ معاوضہ فوجی خدمت کا ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ جزیہ اس امان اور اس حفاظت کا بدل ہے جو ذمیوں کو اسلامی حکومت میں عطا کی جائے گی نیز وہ اس امر کی علامت ہے کہ یہ لوگ تابع امر بننے پر راضی ہیں۔ ہاتھ سے جزیہ دینے کا مفہوم یہ بھی طرح مطیعانہ شان کے ساتھ جزیہ ادا کرنا ہے۔ اور چھوٹے بن کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں بڑے وہ نہ ہوں بلکہ وہ اہل ایمان بڑے

Marfat.com

ہوں جو خلافت الٰہی کا فرض انجام دے رہے ہوں۔ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ مختار یہی ہے کہ قانونِ اسلام کی بالادستی تسلیم کر لی جائے۔ ابتداءً یہ حکم یہود و نصاریٰ کے متعلق دیا گیا تھا لیکن حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے بھی جزیہ لیا ہے اور اس کے بعد صحابہ کرام رضؓ نے بالاتفاق بیرونِ عرب کی تمام قوموں پر اس حکم کو عام کر دیا۔

۳۲ تا ۳۳۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَیَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

۱۹۶۶ء

مشکل الفاظ کے معنی: یُطْفِـُٔوْا بجھا دیں۔ نُوْرَ اللّٰهِ دین اسلام۔ بِاَفْوَاهِهِمْ اپنے منہ سے مراد اپنی پھونکوں سے یعنی جس طرح چراغ پھونک مار کر بجھایا جاتا ہے مخالفین و معاندین چاہتے ہیں کہ اسی طرح اسلام کا چراغ بھی گل کر دیں۔ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔

ترجمہ: یہ لوگ (معاندین و مخالفین) چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے تمام بقیہ دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہے۔

تفسیر و تشریح: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ معاندین و مخالفین اسلام کا ارادہ اور چاہت یہی ہے کہ نورِ خدا کو بجھا دیں ہدایت

Marfat.com

خداوندی اور دینِ حق کو مٹا دیں۔ یہ اپنی پوری کوشش کر لیں لیکن آخر عاجز ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ خدا کا فیصلہ یہی ہے کہ دین اسلام کا بول بالا ہو وہ اسے مٹانا چاہتے ہیں۔ لیکن اللہ اسے بلند کرنا چاہتا ہے اور آفتاب ہدایت چمک کر ہی رہے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ روئے زمین پر کوئی کچا پکا گھر ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کر دے وہ عزت والوں کو عزت دے گا اور ذلیلوں کو ذلیل کرے گا جنہیں عزت دینی چاہے گا انہیں اسلام نصیب کرے گا اور جنہیں ذلیل کرنا ہو گا وہ اسے قبول نہیں کریں گے لیکن اسلام کی ماتحتی میں انہیں آنا پڑے گا۔

اس آیت کی صداقت پر آنحضرت کی ساڑھے تیرہ سو سال کی پوری تاریخ گواہ ہے۔ یہود، نصاریٰ، مشرکین غرض ہر مخالف ومعاند فکر وحیلہ اور زور جبر کے ہر ممکن طریقے سے اسلام کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود اسلام پھیلتا ہی جاتا ہے اور پیروانِ اسلام کی تعداد میں اضافہ روز افزوں ہے یہاں تک کہ مسیحی مشنریوں نے بھی اعتراف کر لیا ہے کہ بے دریغ روپیہ خرچ کرتے اور نہایت درجہ مستحکم نظام کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکام ہو رہے ہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور سچے دین (اسلام) کے ساتھ بھیجا تاکہ دینِ حق جملہ دینوں پر غالب آجائے محققین نے کہا ہے کہ اسلام کا غلبہ سارے ادیان پر عقل واستدلال کی رُو سے تو مطلق ہے اور کسی وقت و زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، البتہ مادی غلبہ اہل اسلام کی صلاحیت واہلیت کے ساتھ مخصوص ہے۔ مشروط

آیت نمبر ۳۶ تا ۳۷۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ

Marfat.com

اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ
خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ
حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ
فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا
الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ
كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ
الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي
الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ
عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ
مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ
لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

مشکل الفاظ کے معانی: القیم۔ سیدھا۔ فیھن کی ضمیر اثنا عشر کی جانب بھی سمجھی گئی یعنی ان بارہ مہینوں کے بارے میں گڑبڑ کرکے اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ اور یہ بھی درست ہے کہ اربعۃ حرم کی جانب ہو یعنی ان چاروں ادب والے مہینوں میں گڑبڑ کرکے گنہگار نہ ہو۔ النسیء۔ آگے پیچھے کردینا ہٹا دینا۔ لیواطئوا تاکہ پورا کردیں۔

ترجمہ: بے شک مہینوں کی تعداد جب سے اللہ نے آسمان زمین کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کے نوشتے میں بارہ ہی ہے اور ان میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ یہی ٹھیک ضابطہ ہے لہٰذا ان (مہینوں کے باب میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ اور (مشرکوں سے مل کر لڑو جس طرح وہ سب تم سے مل کر لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں ہی کے ساتھ ہے مہینوں کا ہٹا دینا تو کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے یہ لوگ گمراہی میں مبتلا کیے جاتے

Marfat.com

ہیں، کسی سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام کر دیتے ہیں، تاکہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی تعداد پوری بھی کر دیں اور اللہ کا حرام کیا ہوا حلال بھی کر لیں۔ ان کے بُرے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیئے گئے ہیں اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

تفسیر و تشریح:- ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے شریعت خداوندی میں معتبر قمری سفر کے بارہ ہی مہینے ہیں نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم اور یہ کچھ آج سے نہیں روز آفرینش سے ہے۔ یہ بات اس لیے فرمائی گئی ہے کہ مشرکین عرب نسی کی خاطر مہینوں کی تعداد تیرہ یا چودہ بنا لیتے تھے تاکہ جس ماہ حرام کو انہوں نے حلال کر لیا ہو اسے سال کی جنتری میں کھپا سکیں۔

پھر فرمایا کہ ان بارہ مہینوں میں چار مہینے (ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) حرمت والے ہیں ان میں سے تین پے در پے اس مصلحت سے ہیں کہ حاجی ذوالقعدہ کے مہینے میں نکلے تو اس وقت لڑائیاں، مار پیٹ، جنگ، جدل اور قتل و قتال بند ہو۔ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوں پھر ذی الحجہ میں احکام حج کی ادائیگی امن و امان، عمدگی اور شان سے ہو جائے۔ اور ماہ محرم کی حرمت میں واپس گھر پہنچ جائے۔ سال کے درمیان میں رجب کے مہینے کو حرام بنانے کی غرض یہ ہے کہ زائرین اپنے طواف بیت اللہ کے شوق کو عمرے کی صورت میں ادا کر لیں۔ ان میں جنگ کرنا اور بدامنی پھیلانا منع ہے ان مہینوں میں خصوصیت سے گناہوں سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے کیونکہ ان میں گناہوں کی برائی اور بڑھ جاتی ہے جیسے کہ حرم شریف میں گناہ اور جگہ کے گناہ سے بڑھ جاتا ہے۔

مذہب کی بتائی ہوئی سیدھی راہ یہی ہے اس کے خلاف روش اختیار کرنا بے دینی ہے۔ دین کے معنی حساب کے بھی آئے ہیں اس صورت میں مراد یہ ہو گی کہ سیدھا اور صحیح حساب یہی ہے لیکن ترجیح اس پہلے معنی کو ہی ہے

Marfat.com

پھر فرمایا کہ جس طرح مشرکین متحد و متفق ہو کر تم سے لڑتے ہیں اسی طرح تم بھی ان کے مقابلے کے لیے متحد و متفق ہو جاؤ اور ان سے جنگ کرو اور یاد رکھو کہ اللہ متقیوں کے ہی ساتھ ہے یعنی اگر تقویٰ کی روش اختیار کرو گے تو نصرت الٰہی تمہارے ہی ساتھ رہے گی ۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ عربوں کے ہاں تو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے وقت سے سنہ قمری چلا آرہا تھا جس میں حج کبھی کسی موسم میں پڑتا ہے اور کبھی کسی میں ۔ لیکن عربوں نے جب دیکھا کہ اس طرح تجارت وغیرہ میں نقصان ہوتا ہے تو انھوں نے مصالح دین کو نظر انداز کر کے مصالح دنیوی کو ترجیح دے کر یہود و نصاریٰ سے حساب کبیسہ سیکھ لیا اور اپنے مہینوں میں دنوں کا اضافہ کر کے حج وغیرہ کا زمانہ بہ حساب شمسی متعین کر دیا ۔ متعدد علماء نے آیت سے یہ بھی حکم نکالا ہے کہ مسلمانوں پر اپنے معاملات و عبادات میں سنہ قمری کی پابندی واجب ہے اور سنہ عجمی یا شمسی کی پابندی جائز نہیں ہے ۔

اس کے بعد مشرکین کے کفر کی زیادتی بیان کی جا رہی ہے کہ وہ کس طرح اپنی فاسد رائے اور ذہنی ناپاک خواہش کو شریعت خداوندی میں داخل کر کے خدا کے دین کے احکام کو الٹ پلٹ کر دیتے تھے ۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا لیتے تھے ۔

نسیء کی تشریح مولانا ابوالاعلیٰ مودودی یوں کرتے ہیں کہ "عرب میں نسیء دو طرح کی تھی ۔ اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ جنگ و جدل اور غارت گری اور خون کے انتقام لینے کی خاطر کسی حرام مہینے کو حلال قرار دے لیتے تھے اور اس کے بدلے میں کسی حلال مہینے کو حرام کر کے حرام مہینوں کی تعداد پوری کر دیتے تھے ۔ دوسری صورت یہ تھی کہ قمری سال کو شمسی سال کے مطابق کرنے کے لئے اس میں کبیسہ کا ایک مہینہ بڑھا دیتے تھے تاکہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتا رہے اور وہ ان زحمتوں سے بچ جائیں جو قمری

Marfat.com

حساب کے مطابق مختلف موسموں میں حج کے گردش کرتے رہنے سے پیش آتی ہیں۔
اس طرح ۳۶ سال تک حج اپنے اصلی وقت کے خلاف دوسری تاریخوں
میں ہوتا رہتا تھا اور صرف پینتیسویں سال ایک مرتبہ اصل ذی الحجہ کی ۹ تاریخ
کو ہوتا تھا۔ یہی وہ بات ہے جو حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمائی تھی کہ "اس سال حج کا وقت گردش کرتا
ہوا ٹھیک اپنی تاریخ پر آ گیا ہے جو قدرتی حساب سے اس کی اصل تاریخ ہے۔"
اس آیت میں نسیئ کو حرام اور ممنوع قرار دے کر جہلائے عرب کی ان
دونوں اغراض کو باطل کر دیا گیا۔ پہلی غرض تو ظاہر ہے کہ صریح طور پر ایک گناہ
تھی۔ اس کے تو معنی ہی یہ تھے کہ خدا کے حرام کیے ہوئے کو بھی حلال کر لیا جائے
اور پھر حیلہ بازی کر کے پابندی قانون کی ظاہری شکل بھی بنا کر رکھ دی جائے۔
رہی تو دوسری غرض تو سرسری نگاہ میں وہ معصوم اور مبنی بر مصلحت نظر آتی
ہے لیکن درحقیقت وہ بھی خدا کے قانون سے بدترین بغاوت تھی۔ اللہ تعالیٰ
نے اپنے عائد کردہ فرائض کے لیے شمسی حساب کے بجائے قمری حساب جن اہم
مصالح کی بناء پر اختیار کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے بندے
زمانے کی تمام گردشوں میں، ہر قسم کے حالات اور کیفیات میں اس کے احکام
کی اطاعت کے خوگر ہوں۔ مثلاً رمضان ہے تو وہ کبھی گرمی میں اور کبھی برسات
میں اور کبھی سردیوں میں آتا ہے اور اہل ایمان ان سب بدلتے ہوئے حالات
میں روزے رکھ کر فرمانبرداری کا ثبوت بھی دیتے ہیں اور بہترین اخلاقی تربیت
بھی پاتے ہیں۔ اسی طرح حج بھی قمری حساب سے مختلف موسموں میں آتا ہے اور
سب طرح کے اچھے اور برے حالات میں خدا کی رضا کے لیے سفر کر کے بندے
اپنے خدا کی آزمائش میں پورے اترتے ہیں اور بندگی میں پختگی بھی حاصل
کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی گروہ اپنے سفر اور اپنی تجارت اور اپنے میلوں
ٹھیلوں کی سہولت کی خاطر حج کو کسی خوشگوار موسم میں ہمیشہ کے لیے قائم کر

Marfat.com

دے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے مسلمان کوئی کانفرنس کر کے طے کر لیں کہ آئندہ سے رمضان کا مہینہ دسمبر یا جنوری کے مطابق کر دیا جائے گا۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ بندوں نے اپنے خدا سے بغاوت کی اور خود مختار بن بیٹھے اسی چیز کا نام کفر ہے۔

نسیئ کی منسوخی کا یہ اعلان ۹ھ ہجری کے حج پر کیا گیا اور اگلے سال ۱۰ھ ہجری کا حج ٹھیک ان تاریخوں میں ہوا جو قمری حساب کے مطابق تھیں اس کے بعد سے آج تک حج اپنی تاریخوں میں ہو رہا ہے۔

آخر میں فرمایا کہ ان کے برے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیے گئے ہیں یعنی شیطان کا بڑا دھوکہ یہی ہے کہ معصیت اور بدعملی کو انسان کی نظر میں ایک اچھا عمل کر دکھاتا ہے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا وہ اس لیے کہ یہ لوگ خود راہ راست پر نہیں آنا چاہتے اور ہدایت کی کوئی طلب نہیں رکھتے۔ پس اللہ بھی ان کو دین حق کو قبول کرنے کی توفیق نہیں دیتا۔

۴۱۔ انْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سورۃ ۹ع ۶

ترجمہ:۔ نکل پڑو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم علم رکھتے ہو۔

تفسیر وتشریح:۔ یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جو غزوہ تبوک کی تیاری کے زمانہ میں نازل ہوئی۔ چنانچہ مسلمانوں کو رومیوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ پھر یہ حکم صرف غزوہ تبوک دشمن کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھا بلکہ ہر اس موقع پر جب کہ جہاد کرنے کی ضرورت پیش آ جائے

Marfat.com

تو یہی حکم ہوگا کہ سب ملکر دشمن سے جہاد کرو۔ خِفَافًا اور ثِقَالًا دو مقابل کے لفظ ہیں ان کی مختلف اور متعدد تفسیریں آئی ہیں مثلاً تنگدست اور خوشحال۔ بے کار اور مشغول۔ بے سامان اور باسامان، خوش دلی سے اور بددلی سے مقصود بہر صورت یہ ہے کہ جس حال میں بھی ہو جہاد کے لیے نکل کھڑے ہو۔

ابن جریر نے متعدد تفسیریں نقل کر کے قولِ فیصل میں یہ لکھا ہے کہ خفاف کے تحت میں ہر وہ شخص داخل ہے جسے قوت، صحت، جوان عمری، خوشحالی اور بے شغلی غرض کسی بھی بنا پر آسانیاں حاصل ہوں اور ثقال کے تحت وہ سب آجاتے ہیں جنہیں اس کے برعکس مذکورہ بالا ابواؤں میں دشواریاں لاحق ہوں اور اسی کے قریب قریب ابن کثیر نے بھی لکھا ہے۔

جہاد سے آخرت کی فلاح تو ظاہراً یقینی ہے وہاں اجر قرب۔ باقی دنیا کی فلاح بھی اکثر حاصل ہو ہی جاتی ہے یعنی فتح و عزت اور مالِ غنیمت وغیرہ۔

یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جو غزوہ تبوک کی تیاری کے زمانہ میں نازل ہوئیں اور مسلمانوں کو ۔۔ رومیوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔

۴۲۔ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۞ ۱۹۶ ع

مشکل الفاظ کے معانی :۔ الشُّقَّةُ ۔ مسافت۔ راستہ۔

ترجمہ :۔ اے نبی ! اگر فائدہ سہل الحصول ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ (منافقین) ضرور تمہارے پیچھے چلنے پر آمادہ ہو جاتے، مگر ان پر تو یہ راستہ بہت کٹھن ہو گیا۔ اب وہ خدا کی قسم کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم چل سکتے تو یقیناً تمہارے

Marfat.com

ساتھ چلتے! وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اللہ خوب جانتا ہے
کہ وہ جھوٹے ہیں۔

تفسیر و تشریح: منافقین کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے غزوہ تبوک میں ہمراہ جانے سے انکار کر دیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد آپ کے پاس آکر جھوٹے بناوٹی عذرات پیش کرنے لگے تھے انہیں اس آیت میں ڈانٹا جا رہا ہے کہ دراصل انہیں کوئی معذوری نہ تھی اگر کوئی غنیمت کا مال آسانی سے مل جانے والا ہوتا اور سفر بھی دور دراز کا نہ ہوتا تو یہ لالچی منافقین ضرور آپؐ کے ساتھ ہو جاتے اور جنگ میں شرکت کرتے لیکن شام تک کے لمبے سفر اور روم جیسی طاقت سے مقابلہ۔ شدید گرمی کا زمانہ ملک میں محظ برپا۔ نئے سال کی فصلیں کٹنے کے قریب کی بنا پر ان کو یہ سفر تبوک بہت ہی گراں محسوس ہوا۔ اور اس نے ان کے ارادے پست کر دیے اس مشقت کے خیال نے ان کے ایمان جھر جھرے کر دیے اب آپ کی واپسی کے بعد یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھا کر آپ کو مطمئن کرتے اور اپنی وفاداری کا یقین دلانے کی کوشش کریں گے اور کہیں گے کہ اگر حالات موافق ہوتے تو ہم ضرور آپ کے ساتھ رومیوں کے خلاف جہاد کرتے ہم تو جان و مال سے آپؐ کے قدموں میں حاضر ہیں اور آپؐ کے حکم کو دل و جان سے ماننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ کہ یہ جھوٹے عذر اور بہانے صرف آپؐ کو خوش کرنے کے لیے کر رہے ہیں۔ حالانکہ اگر انہوں نے جہاد میں شرکت نہیں کی تو انہوں نے مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنی آخرت کو تباہ برباد کر لیا ہے اور اپنی جانوں کو اللہ اور رسول کے حکم سے سرتابی کر کے ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔ بے شک اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹ بک رہے ہیں۔ سچ سے ان کے ان اقوال کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

Marfat.com

۵۲ - قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا صلے فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝ ۱۹۶۷ء

مشکل الفاظ کے معانی:- اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ - دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی۔ تَرَبُّص انتظار کرنا۔

ترجمہ:- آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہمارے معاملے میں جس چیز کے منتظر ہو وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ہے اور ہم تمہارے معاملہ میں جس چیز کے منتظر ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ خود تم کو سزا دیتا ہے یا ہمارے ہاتھوں دلواتا ہے اچھا تو اب تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

تفسیر و تشریح:- اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسلمانوں کے جہاد میں دو ہی انجام ہوتے ہیں اور دونوں ہر طرح اچھے ہیں اگر شہادت ملی تو جنت اور اگر فتح ملی تو غنیمت و اجر۔ پس اے منافقو تم ہماری بابت جو دو باتوں کو فرض کر سکتے ہو وہ انہی دو بھلائیوں میں سے ایک ہے فتح یا موت و شکست۔ ہمارے لیے تو دونوں پہلوؤں میں خیر ہی خیر ہے فتح کا خیر ہونا تو اجر اخروی اور منافع دنیوی دونوں کے اعتبار سے ظاہر ہے اور شہادت سو وہ بھی مومن کے حق میں عین رحمت ہے وہ رفع درجات اور کفارہ سیئات کا بہترین ذریعہ ہے اور ہم مسلمان تمہارے بارے میں جو دو برائیوں میں سے ایک کے منتظر ہیں یعنی یا تو عذاب خداوندی براہ راست تم پہ آجائے یا ہمارے ہاتھوں سے تم پر خدائی مار پڑے اور قتل و قید ہو جاؤ سو تم اپنی جگہ انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

Marfat.com

تفہیم القرآن میں ہے کہ "منافقین حسب عادت غزوہ تبوک موقع پر بھی کفر و اسلام کی کشمکش میں حصہ لینے کے بجائے اپنی دانست میں کمالِ دانشمندی کے ساتھ دور بیٹھے ہوئے یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اس کشمکش کا کیا انجام ہوتا ہے۔ رسول ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ فتح یاب ہو کر آتے ہیں یا رومیوں کی فوجی طاقت سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے ہیں اس کا جواب انہیں یہ دیا گیا ہے کہ جن دو نتیجوں میں سے ایک کے ظہور کا تمہیں انتظار ہے اہل ایمان کے لیے تو وہ دونوں ہی سراسر بھلائی ہیں وہ اگر فتحیاب ہو گئے تو اس کا بھلائی ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن اگر اپنے مقصد کی راہ میں جانیں لڑاتے ہوئے وہ سب کے سب پیوند خاک ہو جائیں تب بھی دنیا کی نگاہ میں چاہے وہ انتہائی ناکامی ہو مگر حقیقت میں یہ بھی ایک دوسری کامیابی ہے اس لیے کہ مومن کی کامیابی و ناکامی کا معیار یہ نہیں ہے کہ اس نے کوئی ملک فتح کیا یا نہیں، یا کوئی حکومت قائم کر دی یا نہیں بلکہ اس کا معیار یہ ہے کہ اس نے اپنے خدا کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے اپنے دل و دماغ اور جسم و جان کی ساری قوتیں لڑا دیں یا نہیں۔ یہ کام اگر اس نے کر دیا تو درحقیقت وہ کامیاب ہے خواہ دنیا کے اعتبار سے اس کی سعی کا نتیجہ صفر ہی کیوں نہ ہو۔"

۶۰۔ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

مشکل الفاظ کے معانی :- العاملین علیہا۔ خدمات پر کام کرنے والے مراد عامل۔ المؤلفۃ قلوبہم ان کے دلوں کی تالیف کی جائے۔ الرقاب گردن مراد غلام یا باندی کو آزاد کرنا یا کرانا۔ الغارمین غارم کی جمع۔ مقروض۔

Marfat.com

ترجمہ :۔ یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں۔ اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور راہ خدا میں اور مسافروں کے لیے استعمال کرنے کے لیے ہیں اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا بینا ہے۔

زکوٰۃ کی آمدنی کے مصارف کی تفصیل بتائی جارہی ہے

تفسیر و تشریح :۔ کلمہ حصر انما لاکر یہ واضح کر دیا کہ یہ آمدنی صرف انہی مدوں میں خرچ ہونی چاہیئے کسی اور مد میں نہیں۔

ا۔ فقراء :۔ فقیروں کو سب سے پہلے اس لیے بیان فرمایا کیونکہ وہ زیادہ حاجت مند ہوتے ہیں۔ گو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسکین فقیر سے بھی بُرے حال والا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ جس کے ہاتھ تلے مال نہ ہو اسی کو فقیر نہیں کہتے بلکہ فقیر وہ بھی ہے جو محتاج ہو گرا پڑا ہو۔ گو کچھ کھاتا پیتا اور کماتا بھی ہو۔ بعض کے نزدیک فقیر وہ نادار ہے جو سوال نہ کرے۔ اور مسکین وہ ہے جو سوال کرے، لوگوں کے پیچھے لگنے والا، گھروں اور گلیوں میں مانگنے والا ہو۔ حضرت قتادہ کے نزدیک فقیر وہ ہے۔ جو بیماری والا ہو اور مسکین وہ ہے جو صحیح سالم جسم والا ہو۔

تفہیم القرآن میں ہے کہ فقیر سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی معیشت کے لیے دوسروں کی مدد کا محتاج ہو۔ یہ لفظ تمام حاجت مندوں کے لیے عام ہے خواہ وہ جسمانی نقص یا بڑھاپے کی وجہ سے مستقل طور پر محتاج اعانت ہو گئے ہوں یا عارضی سبب سے سردست مدد کے محتاج ہوں اور اگر انہیں سہارا مل جائے تو آگے چل کر خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہوں، مثلاً یتیم بچے، بیوہ عورتیں، بے روزگار لوگ اور وہ لوگ جو وقتی حوادث

Marfat.com

شکار ہو گئے ہوں۔"

۲۔ مساکین :۔ تفصیل کے لیے دیکھئے صفحہ ۔۔

۳۔ عاملین :۔ وہ لوگ جو صدقات وصول کرنے اور وصول شدہ مال کی حفاظت کرنے اور ان کا حساب کتاب لکھنے اور انہیں تقسیم کرنے میں حکومت کی طرف سے مامور کیے جائیں۔ ایسے لوگ خواہ فقیر و مسکین نہ ہوں ان کو تنخواہیں اس مال سے دی جائیں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے قرابتدار اس عہدے پر نہیں آسکتے کیونکہ ان پر زکوٰۃ کا مال حرام ہے۔

۴۔ مُؤَلَّفَۃِ القلوب :۔ تالیف قلب کے معنی ہیں دل موہنا۔ ایسے غیر مسلم افراد مراد ہیں جن کے مسلمان ہو جانے کی اُمید ہو یا ان کے شر و فتنہ سے بچنا مقصود ہو۔ جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے صفوان بن اُمیہ کو غنیمت حنین کا مال دیا تھا۔ پھر ایسے مسلمان بھی جو اگرچہ اور حیثیتوں سے تو غیر مستحق ہوں لیکن مالی امداد سے توقع یہ ہو کہ انہیں اسلام سے مزید محبت پیدا ہو جائے گی جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حنین والے دن مکّہ کے آزاد کردہ لوگوں کے سرداروں کو سو سو اونٹ دیئے تھے۔ غرض کہ انسانوں کا ہر وہ گروہ جس کی طرف سے کسی نہ کسی حیثیت سے اسلامی حکومت کو کوئی نہ کوئی خطرہ درپیش ہوں مراد ہے۔ حضرت عمرؓ اور عامر شعبیؒ اور ایک جماعت کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے بعد اب یہ مصرف باقی نہیں رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزّت دے دی ہے مسلمان ملکوں کے مالک بن گئے ہیں اور بہت سے بندگانِ خدا ان کے ماتحت ہیں۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ تعامل صحابہ سے یہ حکم منسوخ نہیں ہو گیا بلکہ یہ بسبب عدم ضرورت اور استغنا کے محض وقتی رفع حکم تھا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تالیف قلب کے لیے کفار کو مال زکوٰۃ دینا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے فعل سے ثابت نہیں ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

تے کفار کو تالیف قلب کے لیے جو کچھ دیا وہ مال غنیمت سے دیا نہ کہ مالِ زکوٰۃ سے۔

مولانا مودودی کی رائے یہ ہے کہ مولفۃ القلوب کا حصّہ قیامت تک ساقط ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلاشبہہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ اگر اسلامی حکومت تالیفِ قلب کے لئے مال صرف کرنے کی ضرورت نہ سمجھتی ہو تو کسی نے اس پر فرض نہیں کیا ہے کہ ضرور ہی اس مد میں کچھ نہ کچھ صرف کرے۔ لیکن اگر کسی وقت اس کی ضرورت محسوس ہو تو اللہ نے اس لیے جو گنجائش رکھی ہے اسے باقی رہنا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کا اجماع اس امر پر ہوا تھا۔ وہ صرف یہ تھا کہ ان کے زمانہ میں جو حالات تھے ان میں تالیفِ قلب کے لیے کسی کو کچھ دینے کی وہ حضرات ضرورت محسوس نہ کرتے تھے اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے اجماع نے اس مد کو قیامت تک کے لیے ساقط کر دیا۔ جو قرآن میں بعض اہم مصالح دینی کے لیے رکھی گئی تھی۔

۵۔ گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غلام کو اس کے آقا نے کہہ دیا ہو کہ تو اتنا روپیہ دے دے تو تو آزاد ہے اس غلام کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے تاکہ وہ اتنی رقم اپنے آقا کو دے کر آزاد ہو جائے۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود زکوٰۃ کی مد سے غلام خرید کر آزاد کیے جائیں۔ پہلی صورت پر تو سب فقہاء متفق ہیں لیکن دوسری صورت میں اختلاف ہے۔

احادیث میں غلام آزاد کرنے کی بہت فضیلت آئی ہے یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آزاد کردہ غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کا ہر ہر عضو جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ بھی۔

Marfat.com

۶۔ **قرضداروں کو:۔** مثلاً اگر کسی کے پاس دس ہزار روپیہ موجود ہے لیکن وہ بارہ ہزار روپیہ کا مقروض ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے دنیا میں شاید اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے مقروضوں کیساتھ عملی ہمدردی کا سبق دیا ہے اور اس گروہ کو بھی فقراء و مساکین ہی کی طرح حاجتمند سمجھا ہے۔

۷۔ **اللہ کی راہ میں:۔** یعنی مجاہدین کی امداد میں، بعض نے حاجیوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ بعض نے دینی طالب علموں کو بھی۔ بعض فقہاء نے یہاں تک توسیع سے کام لیا ہے کہ طاعت الٰہی میں ہر قسم کے جد و جہد کرنے والوں کو اس گروہ میں داخل کر دیا ہے۔

۸۔ **مسافروں کی امداد:۔** خواہ مسافر اپنے گھر اور وطن میں کروڑ پتی ہی ہو اگر دوران سفر میں کسی حادثہ یا مصیبت کی وجہ سے وہ مدد کا محتاج ہو جائے تو اس کی مدد زکوٰۃ کے مال سے کی جا سکتی ہے اور اس کو اتنی رقم دی جائے جس سے وہ اپنے شہر پہنچ جائے۔

امام شافعی رح وغیرہ کے نزدیک زکوٰۃ کے مال کی تقسیم مذکورہ بالا آٹھ قسم کے لوگوں پر کرنی واجب ہے لیکن امام مالک رح وغیرہ کے نزدیک واجب نہیں ہے بلکہ ان میں سے کسی ایک کو ہی دے دینا کافی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالداروں پر زکوٰۃ کا مال حرام ہے۔ بجز پانچ قسم کے مالداروں کے (۱) وہ جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور ہو (۲) وہ جو مال زکوٰۃ کی کسی چیز کو اپنے مال سے خریدے (۳) قرضدار (۴) راہ خدا کا غازی مجاہد (۵) وہ جسے کوئی مسکین یا فقیر بطور تحفہ اپنی کوئی چیز جو اسے زکوٰۃ میں ملی ہو دے دے۔

فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ فرما کر دوبارہ تاکید کر دی گئی ہے

Marfat.com

کہ زکوٰۃ کی آمدنی کے مصارف کی تفصیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہے کسی اور کی طرف سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کا عالم ہے وہ ہر مناسب و نامناسب کو جانتا ہے وہ اپنے قول، فعل، شریعت اور حکم میں حکمت والا ہے اور اس کے تمام احکام ہمیشہ مناسب حال اور مصلحتوں سے لبریز ہوتے ہیں۔

۹۱ تا ۹۳۔ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ پ ۱۱ ع ۱

مشکل الفاظ کے معانی: لِتَحْمِلَهُمْ۔ تاکہ آپ ان کو سوار کریں مراد آپ ان کے لیے سواری کا انتظام کریں۔ خوالف خانہ نشین عورتیں۔ طَبَعَ مہر لگانا۔ ٹھپہ لگانا۔

ترجمہ: ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکت جہاد کے لیے خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں پاتے، اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جبکہ وہ خلوص دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کے وفادار ہوں۔ ایسے محسنین

Marfat.com

پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض کا موقع نہیں ہے جنہوں نے خود آکر آپؐ سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور جب آپؐ نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ مجبوراً واپس چلے گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریک جہاد ہونے کی مقدرت نہیں رکھتے۔ البتہ اعتراض ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہیں اور پھر بھی آپؐ سے درخواستیں کرتے ہیں کہ انہیں شرکت جہاد سے معاف رکھا جائے۔ انہوں نے گھر بیٹھنے والیوں میں شامل ہونا پسند کر لیا اور اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا۔ اس لیے اب یہ کچھ نہیں جانتے (کہ اللہ کے ہاں اس روش کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے)

تفسیر و تشریح: ان آیات میں ان شرعی عذروں کو بیان کیا جا رہا ہے جن کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص جہاد کے لیے نہ جائے تو اس پر کوئی گناہ اور مواخذہ نہیں ہے کیونکہ یہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا کے قاعدہ کلیہ کے تحت آ جاتے ہیں۔

(۱) ضعیف اور کمزور لوگ (۲) بیمار (۳) اور وہ جو شرکت جہاد کے لیے سامان وغیرہ خریدنے کے لیے خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے لیکن ساتھ ہی یہ شرط لگا دی کہ وہ اپنے دل میں اللہ اور رسول کے لیے خلوص اور دین خدا کے خیر خواہ بنے رہیں۔ اور دوسروں کو اس حالت مجبوری میں بھی جہاد پر آمادہ کرتے رہیں۔ بیٹھے بیٹھے جو خدمت بھی وہ مجاہدین اور اسلام کی انجام دے سکتے ہیں انجام دیں۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے مقابلہ کی خاطر جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا تو اس وقت ایک جماعت آئی جس میں حضرت عبداللہ

بن مغفلؓ وغیرہ تھے انہوں نے کہا حضور ہمارے پاس سواریاں نہیں۔ آپؐ ہمارے لیے سواریوں کا انتظام کر دیں۔ تاکہ ہم بھی راہ خدا میں جہاد کرنے کا اور آپؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کر لیں۔ آپؐ نے جواب دیا کہ واللہ میرے پاس تو ایک بھی سواری نہیں ہے۔ یہ ناامید ہو کر رونے پیٹنے غمزدہ اور رنجیدہ ہو کر واپس چلے گئے ان پر اس سے بھاری بوجھ کوئی نہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتار کر ان کی تسکین کر دی۔

ابن جریر میں ہے کہ یامین بن عمیرؓ اور عبداللہ بن مغفلؓ سے ابولیلیٰ عبدالرحمٰن کی راستے میں ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں رو رہے تھے۔ ابولیلیٰ نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تھے کہ آپؐ ہمارے لئے سواری کا انتظام کر دیں مگر وہاں سے ہمیں کوئی سواری نہ ملی۔ اور خود ہمارے پاس اتنا نہیں ہے کہ سواری کا بندوبست کر کے آپؐ کے ساتھ جہاد کے لیے جا سکیں اس پر ابولیلیٰ نے ان کو ایک بارکش اونٹ دیا۔ ان دونوں نے اس پہ کجاوہ رکھا۔ اس کے علاوہ ابولیلیٰ نے زادراہ کے لیے ان کو کچھ چھوارے بھی دے دیئے اور اس طرح یہ دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے روانہ ہو گئے۔

البتہ ان سے مواخذہ ضرور ہو گا جو باوجود استطاعت کے جہاد کے لیے نہ نکلے اور جھوٹے عذرات بنا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جانے کی اجازت لے گئے ان پہ طنز کی جا رہی ہے کہ باوجود مرد ہونے کے عورت بنے جا رہے ہیں تاکہ وہ بھی پردہ نشین عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھے رہیں اللہ نے بھی ان کے دلوں پہ مہر لگا دی ہے وہ اپنے بھلے اور بُرے کو بھی نہیں پہچانتے اور ان کو کچھ علم نہیں کہ گناہ اور ثواب کیا ہے اور اس طرح اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے سرتابی کی۔ اس کی ان کو دنیا اور آخرت میں سزا ملے گی۔

Marfat.com

۱۱۱۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ
وَاَمْوَالَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا
عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ
وَمَنْ اَوْفٰی بِعَہْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا
بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ؕ وَذٰلِکَ
ہُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

وَعْدًا حَقًّا - سچا وعدہ

مشکل الفاظ کے معانی :- (جنّت ۲)

ترجمہ :- بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں اُن سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ پس اپنے اس سودے پر خوشیاں مناؤ جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر و تشریح :- اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے اپنے مومن بندوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنہیں وہ اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ محمد بن کعب القرظیؒ سے مروی ہے کہ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر ستر اشخاص مدینہ نے مکہ پہنچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ان کے ایک لیڈر عبداللہ بن رواحہؓ نے بیعت کے وقت کہا کہ یا رسول اللہ آپ جو چاہے اور خود اپنے لیے جو بھی شرطیں چاہیں ہم سے منوا سکتے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ خدا کی طرف سے تو یہ شرط ہے کہ (۱) اس کے

Marfat.com

بیچے بندے بنتے رہو (ii) اسی کی عبادت کرو (iii) اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ اور میری طرف سے یہ شرط ہے کہ جس طرح تم اپنے مال و جان کی حفاظت کرتے ہو میری بھی اسی طرح حفاظت کرو۔ وہ بولے اچھا، تو پھر ہم ہیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا۔ آپ نے فرمایا "جنت" وہ بول اٹھے یہ سودا تو بڑے نفع کا ہوا ہم نہ اس بیع کو توڑیں گے اور نہ اس کے توڑ کی درخواست کریں گے۔

اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ جہاد میں چاہے وہ کفار کو قتل کر غازی بنیں یا خود جام شہادت نوش فرما جائے ہر صورت میں ان کو جنت ملے گی۔

تورات میں بھی یہ وعدہ ہے کہ جو راہ خدا میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے ان کو اس کے بدلے میں جنت دی جائے گی۔ اگرچہ تورات جس کی تحریف دوست و دشمن سب کو مسلّم ہیں اب اگر اس میں کوئی مضمون اس قسم کا نہ [illegible] کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ بھی شاہکار قرآن ہی کا اعجاز ہے اللہ کی بندگی و رضا جوئی کی اہمیت کے مضمون سے موجودہ تورات بھی خالی نہیں پائی۔ سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ" استثناء ۶: ۴، ۵)

اور خداوند تیرا خدا تیرے دل اور تیری نسل کے دل کا ختنہ کرے گا تاکہ تو خداوند اپنے خدا کو اپنے سارے دل اور سارے جی سے دوست

(استثناء ۳ : ۶)

انجیل:۔ انجیل تورات سے بھی محرف تر اور اس سے کہیں زیادہ مسخ شدہ ہے تاہم یہ خدا کی رضا جوئی کی اہمیت کا مضمون اس سے بھی اچھی محو نہیں ہو سکا ہے۔ جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں

Marfat.com

یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔ (متی ۱۹ : ۲۹)

جہاں تک قرآن کا تعلق ہے سورہ تو اس مضمون کی تکرار سے بھرا پڑا ہے مثلاً اس سورت میں ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

ترجمہ :۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک وہ درجہ میں بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں۔

مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ۔ انتہائی تاکید کے طور پر لایا گیا ہے کہ وعدہ کسی اور کی طرف سے نہیں ہے جس میں وعدہ خلافی کا احتمال ہو بلکہ وعدہ اس ذات کا ہے جس کے وعدہ میں اس امر کا امکان ہی نہیں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا ۝ اسی لیے فرمایا کہ خدا سے تم نے جو سودا کیا ہے اس پر خوشیاں مناؤ اور یہ کامیابی بہت بڑی کامیابی ہے۔

۱۱۷ تا ۱۱۸۔ لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ مِنْۢ بَعْدِ مَا کَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْھُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْھِمْ ؕ اِنَّہٗ بِھِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَّعَلَی الثَّلٰثَۃِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْھِمْ اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰہِ

Marfat.com

اِلَّا اِلَیْہِ ط ثُمَّ تَابَ عَلَیْھِمْ لِیَتُوْبُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ہ

مشکل الفاظ کے معانی :۔ سَاعَۃُ الْعُسْرَۃِ۔ تنگی کا وقت یَزِیْغُ۔ زاغ سے۔ ٹیڑھا ہونا۔ دل میں کجی کا پیدا ہونا۔ مَلْجَاً۔ جائے پناہ۔

ترجمہ :۔ اللہ نے نبی کو معاف کر دیا اور ان مہاجرین و انصار کو جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبیؐ کا ساتھ دیا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے (مگر جب انہوں نے اس کجی کا اتباع نہ کیا بلکہ نبی کا ساتھ ہی دیا تو) اللہ نے انہیں معاف کر دیا بے شک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا ہے اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا۔ جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

تفسیر و تشریح :۔ لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ ..... فَرِیْقٍ مِّنْھُمْ کے معنی عبدالماجد دریا آبادی نے یہ کیے ہیں کہ بے شک اللہ نے نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی جنہوں نے نبی کے ساتھ تنگی کے وقت میں دیا بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا۔ یعنی نبی پر توجہ بہ رحمت یہ کی کہ آپؐ کو نبوت امامت جہاد اور تمام کمالات سے سرفراز فرمایا اور انصار و مہاجرین پر توجہ رحمت یہ کہ انہیں ایسے کلفت و مشقت کے جہاد میں ثابت قدم رکھا۔

Marfat.com

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ معنے کیے ہیں کہ غزوہ تبوک کے سلسلہ میں جو چھوٹی چھوٹی لغزشیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ہوئیں ان سب کو اللہ نے ان کی اعلیٰ خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے معاف فرما دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لغزش ہوئی تھی اس کا ذکر آیت ۴۳ میں ہے یعنی یہ کہ جن لوگوں نے استطاعت رکھنے کے باوجود جنگ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت مانگی تھی ان کو آپ نے اجازت دے دی تھی۔ بعض مخلص صحابہ بھی اس سخت وقت میں جنگ پر جانے سے کسی نہ کسی طرح جی چرانے لگے تھے مگر چونکہ ان کے دلوں میں ایمان تھا اور وہ سچے دل سے دین حق کے ساتھ محبت رکھتے تھے اس لیے آخر کار وہ اپنی اس کمزوری پر غالب آ گئے۔

اللہ نے انہیں معاف کر دیا یعنی اب اللہ اس بات پر ان سے مواخذہ نہ کرے گا کہ ان کے دلوں میں کجی کی طرف یہ میلان کیوں پیدا ہوا تھا۔ اس لیے کہ اللہ اس کمزوری پر گرفت نہیں کرتا جس کی انسان نے خود اصلاح کر لی ہو۔

فی ساعۃ العسرۃ اسی غزوہ تبوک کے لیے فرمایا گیا ہے کیونکہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر یہ واقعی تنگی کا وقت تھا۔ (۱) شدید گرمی کا موسم (ii) باغات کی فصل کٹنے کے قریب (iii) شام تک کا دور دراز سفر۔ (iv) مقابلہ میں منتشر و متفرق قبائل نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ و قواعد دان رومی شہنشاہی فوج ہر طرح کے سامان جنگ سے آراستہ (v) سواری کی اتنی کمی کہ ایک اونٹ دس دس آدمیوں کے حصہ میں آیا۔ (vi) سامان رسد کی اتنی کمی کہ ایک ایک خرما دو دو شخصوں میں تقسیم ہوا اور آخر میں اتنا بھی نہ رہ گیا وغیرہ وغیرہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک سے مدینہ واپس تشریف لائے

Marfat.com

تو وہ لوگ معذرت کرنے کے لیے آئے جو پیچھے رہ گئے تھے۔ ان میں ۸۰ سے کچھ زیادہ منافق تھے اور تین سچے مومن بھی تھے منافقین جھوٹے عذرات پیش کرتے گئے اور حضورؐ ان کی معذرت قبول کرتے گئے۔ پھر ان تینوں مومنوں کی باری آئی اور انہوں نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کر لیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کے معاملہ میں فیصلہ کو ملتوی کر دیا اور عام مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ جب تک خدا کا حکم نہ آئے ان سے کسی قسم کا معاشرتی تعلق نہ رکھا جائے اسی معاملہ میں فیصلہ کرنے کے لیے یہ آیت وَعَلَى الثَّلٰثَةِ نازل ہوئی۔

یہ تینوں صاحب کعب بن مالک، بلال بن اُمیہ اور مُرارہ بن رُبیع تھے یہ تینوں سچے مومن تھے۔ اس سے پہلے اپنے اخلاص کا بارہا ثبوت دے چکے تھے، آخر الذکر دو اصحاب تو بدری تھے جن کی صداقتِ ایمانی ہر شبہ سے بالاتر تھی اور اوّل الذکر اگرچہ بدری نہ تھے لیکن بدر کے سوا ہر غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ ان خدمات کے باوجود جو سستی اس نازک موقع پر دکھائی اس پر سخت گرفت کی گئی۔ حضورؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان سے کوئی سلام کلام نہ کرے۔ ۴۰ دن گزرنے کے بعد اُن کی بیویوں کو بھی اُن سے الگ رہنے کی تاکید کر دی گئی۔ پورے پچاس دن کے بعد معافی کا یہ حکم نازل ہوا۔

کعب بن مالکؓ نے اپنا قصہ بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو غایت درجہ سبق آموز ہے اپنے بڑھاپے کے زمانہ میں جبکہ وہ نابینا ہو چکے تھے انہوں نے اپنے بیٹے عبد اللہ سے جو ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں چلایا کرتے تھے یہ قصہ خود بیان کیا۔

کہ جس زمانہ میں غزوہ تبوک میں شرکت سے پیچھے رہ گیا اس وقت میں انتہائی خوشحالی اور مالداری میں تھا۔ اس سے پہلے دو سواریاں میرے

Marfat.com

پاس کبھی نہیں ہوئی تھیں اور اس جنگ میں تو دو سواریاں بھی رکھ سکتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنگ کا ارادہ فرماتے تو عام طور پر اس خبر کو پھیلنے نہ دیتے لیکن جب اس جنگ کی تیاری کا زمانہ تھا تو بڑی سخت گرمی تھی، دور دراز اور جنگلوں کا سفر درپیش تھا۔ اور کثیر التعداد دشمن سے سامنا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو آگاہ کر رکھا تھا کہ جس طرح چاہیں دشمن کے مقابلے کی تیاری کر لیں اور اپنا ارادہ مسلمانوں پر ظاہر فرما دیا ہے اور مسلمان حضورؐ کے ساتھ اس کثیر التعداد میں تھے کہ ان کے نام رجسٹر میں درج نہ ہو سکتے تھے۔ بہت کم ایسے لوگ ہونگے جن کی غیر حاضری کا حضرت کو علم ہو سکے گا بلکہ گمان تھا کہ کثرتِ لشکر کی وجہ سے غیر حاضر رہنے والوں کا حضرتؐ کو سوائے وحی کے علم بھی نہ ہو سکے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے تیاری شروع کر دی اور میں صبح سے جہاد کی تیاری کے لیے باہر نکلتا لیکن خالی واپس آجاتا اور تیاری اور اسباب سفر کی خریداری وغیرہ کچھ نہ کرتا۔ دل بہلا لیتا کہ جب میں .. چاہوں گا دم بھر میں تیاری کر لوں گا۔ دن گزرتے چلے گئے لوگوں نے تیاریاں مکمل کر لیں حتیٰ کہ مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کے لیے روانہ ہو گئے۔ میں نے دل میں کہا کہ ایک دو روز تیاری کر کے لشکر سے راستہ ہی جا ملوں گا۔ مگر پھر وہی سستی مانع ہوتی رہی حتیٰ کہ وقت نکل گیا۔ حضورؐ کے تشریف لے جانے کے بعد جب کبھی میں بازار میں نکلتا تو مجھے یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا تھا کہ جو مسلمان نظر آتا ہے اس پر یا تو نفاق کی پھٹکار نظر آتی ہے یا ایسے مسلمان نظر آتے ہیں جو واقعی خدا کی طرف سے جہاد کرنے سے معذور تھے جب حضور تبوک پہنچ چکے تو انہوں نے مجھے یاد فرمایا اور پوچھا کہ کعب بن مالک کہاں ہے؟ بنی سلمہ کے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کو خوشحالی اور اترانے کی نمائش نے مدینہ ہی میں روک لیا ہے۔ اس پر معاذ بن جبل نے کہا کہ تم نے غلط خیال

قائم کیا، یارسول اللہ! اُسے تو بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں آتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش ہو رہے اور جب حضور تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو میں سخت پریشان تھا۔ کہ اب کیا کروں میں حیلے بہانے سوچنے لگا تا کہ آپؐ کے عتاب سے محفوظ رہ سکوں لیکن میں نے معلوم کر لیا کہ جھوٹے عذر سے میں نہیں بچ سکتا چنانچہ میں نے صاف صاف بات کرنے کا ارادہ کر لیا حضور اکرمؐ واپس تشریف لائے آپ نے حسب معمول مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی پھر لوگوں سے ملاقات کے لئے بیٹھ گئے۔ منافقین نے آ کر اپنے عذرات لمبی چوڑی قسموں کے ساتھ پیش کرنے شروع کر دیئے یہ ۸۰ سے زیادہ آدمی تھے۔ حضور نے ان میں سے ایک ایک کی بناوٹی باتیں سنیں۔ ان کے ظاہری عذرات کو قبول کر لیا اور ان کے باطن کو خدا پر چھوڑ کر فرمایا خدا تمہیں معاف کرے۔ پھر میری باری آئی۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ آپؐ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا "تشریف لائیے آپ کو کس چیز نے روکا تھا؟ میں نے عرض کیا خدا کی قسم اگر میں اہل دنیا میں سے کسی کے سامنے حاضر ہوا ہوتا تو ضرور کوئی نہ کوئی بات بنا کر اس کو راضی کرنے کی کوشش کرتا۔ باتیں بنانی تو مجھے بھی آتی ہیں مگر آپؐ کے متعلق میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر اس وقت کوئی جھوٹا عذر پیش کر کے میں نے آپؐ کو راضی بھی کر لیا تو اللہ ضرور آپ کو مجھ سے پھر ناراض کر دے گا۔ البتہ اگر سچ کہوں تو چاہے آپ ناراض ہی ہوں مجھے اُمید ہے کہ اللہ میرے لیے معافی کی کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے جسے پیش کر سکوں، میں جانے پر پوری طرح قادر تھا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا "یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی۔ اچھا اُٹھ جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تمہارے معاملہ میں کوئی فیصلہ کرے میں اُٹھا اور اپنے قبیلے کے لوگوں میں جا بیٹھا یہاں سب کے سب میرے پیچھے پڑ گئے اور مجھے بہت ملامت کی کہ تو نے کوئی عذر کیوں نہ کر دیا۔ یہ باتیں سن کر

Marfat.com

میرا نفس بھی کچھ آمادہ ہونے لگا کہ پھر حاضر ہو کر کوئی بات بنا دوں۔ مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ دو اور صالح آدمیوں (مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ) نے بھی وہی سچی بات کہی ہے۔ جو میں نے کہی تھی تو مجھے تسکین ہو گئی اور میں اپنی سچائی پر جما رہا۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم دے دیا کہ ہم تینوں آدمیوں سے کوئی بات نہ کرے۔ وہ دونوں تو گھر بیٹھ گئے مگر میں نکلتا تھا، جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ بازاروں میں چلتا پھرتا تھا اور کوئی مجھ سے بات نہ کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سرزمین بالکل بدل گئی ہے۔ میں یہاں اجنبی ہوں اور اس بستی میں کوئی بھی میرا واقف کار نہیں ہے۔ مسجد میں نماز کے لیے جاتا تو حسب معمول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا تھا، مگر بس انتظار ہی کرتا رہ جاتا تھا کہ جواب کے لیے آپؐ کے ہونٹ جنبش کریں۔ نماز میں نظریں چرا کر حضور کو دیکھتا تھا کہ آپؐ کی نگاہیں مجھ پر کیسی پڑتی ہیں۔ مگر وہاں حال یہ تھا کہ جب تک میں نماز پڑھتا آپ میری طرف دیکھتے رہتے اور جہاں میں نے سلام پھیرا کہ آپؐ نے میری طرف سے نظر ہٹائی۔ ایک روز میں گھبرا کر اپنے چچازاد بھائی اور بچپن کے دوست ابو قتادہ کے پاس گیا اور ان کے باغ کی دیوار پر چڑھ کر انہیں سلام کیا۔ مگر اس اللہ کے بندے نے سلام کا جواب تک نہ دیا۔ میں نے کہا۔ "ابو قتادہ" میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت نہیں رکھتا؟" وہ خاموش رہے۔ میں نے پھر پوچھا۔ وہ پھر خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ جب میں نے قسم دے کر یہی سوال کیا تو انہوں نے بس اتنا کہا کہ "اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر

Marfat.com

جانتا ہے " اس پر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور میں دیوار سے اتر آیا۔ انہی دنوں ایک دفعہ میں بازار سے گزر رہا تھا کہ شام کے نبطیوں میں سے ایک شخص مجھے ملا اور اس نے شاہ غسان کا خط حریر میں لپٹا ہوا مجھے دیا۔ میں نے کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ "ہم نے سنا ہے، تمہارے صاحب نے تم پر ستم توڑ رکھا ہے تم کوئی ذلیل آدمی تو نہیں ہو۔ نہ اس لائق ہو کہ تمہیں ضائع کیا جائے ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہاری قدر کریں گے" میں نے کہا یہ ایک اور بلا نازل ہوئی اور اسی وقت اس خط کو چولھے میں جھونک دیا۔

چالیس دن اس حالت پر گزر چکے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آدمی حکم لے کر آیا کہ اپنی بیوی سے بھی علیحدہ ہو جاؤ۔ میں نے پوچھا کیا طلاق دے دوں؟ جواب ملا نہیں، بس الگ رہو۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکے چلے جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اس معاملے کا فیصلہ کر دے۔

پچاسویں دن صبح کی نماز کے بعد میں اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور اپنی جان سے بیزار ہو رہا تھا کہ یکایک کسی شخص نے پکار کر کہا "مبارک ہو کعب بن مالک"! میں یہ سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور میں نے جان لیا کہ میری معافی کا حکم ہو گیا ہے۔ پھر فوج در فوج لوگ بھاگے چلے آ رہے تھے اور ہر ایک دوسرے سے پہلے پہنچ کر مجھ کو مبارکباد دے رہا تھا کہ تیری توبہ قبول ہو گئی۔ میں اٹھا اور سیدھا مسجد نبوی کی طرف چلا۔ دیکھا کہ حضور کا چہرہ خوشی سے چمک رہا ہے۔ میں نے سلام کیا تو فرمایا "تجھے مبارک ہو، یہ دن تیری زندگی میں سب سے بہتر ہے" میں نے پوچھا۔ یہ معافی حضور کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ فرمایا خدا کی طرف سے اور یہ آیات

Marfat.com

سنا ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ میں اپنا سارا مال خدا کی راہ میں صدقہ کر دوں۔ فرمایا کچھ رہنے دو کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے اسی ارشاد کے مطابق اپنا خیبر کا حصہ رکھ لیا۔ باقی سب صدقہ کر دیا۔ پھر میں نے خدا سے عہد کیا کہ جس راست گفتاری کے صلے میں اللہ نے مجھے معافی دی ہے اس پر تمام عمر قائم رہوں گا۔ چنانچہ آج تک میں نے کوئی بات جان بوجھ کر خلافِ واقعہ نہیں کہی اور خدا سے امید رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی مجھے اس سے بچائے گا۔"

تینوں حضرات نے پچاس دن جیسے گزارے ان کی حالت کا نقشہ اس سے بہتر طریقے پر نہیں کھینچا جا سکتا۔ وہ اپنی جانوں سے تنگ آ گئے تھے۔ زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی تھی۔ عزیز رشتہ دار سب بیگانے ہو گئے تھے۔ رسوائے عمر کرنے اور اپنی ذلت و استکانت پر راضی ہونے کے اور کچھ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ سچ بولنے کی خاطر اللہ نے ان پر کشائش فرمائی۔ اسی لیے اس آیت کے فوراً بعد فرمایا:۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ یعنی اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ بولا کرو کیونکہ سچ نیکی ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے۔ جو آدمی سچ بولتا ہے وہ خدا کے دفتر میں سچا لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ سے بالکل دور رہو۔ جھوٹ فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فجور دوزخ میں پہنچاتا ہے۔ آدمی جب جھوٹ ہی جھوٹ بولتا ہے تو خدا کے دفتر میں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

سوال ب۔ سورۃ انفال کی روشنی میں جنگِ بدر کے اسباب،
واقعات اور نتائج تفصیل سے بیان کیجئے؟ ۱۹۶۳ء

ج۔ اسباب:۔ ۱۔ قریش کی اسلام دشمنی۔ قریشِ مکہ نے مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم توڑ کر انہیں مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا مگر پھر بھی ان کی آتشِ انتقام ٹھنڈی نہ ہوئی تھی۔ وہ یہ قطعاً برداشت نہ کر سکتے تھے کہ مسلمان مدینہ میں امن و سکون سے زندگی بسر کریں۔ مزید برآں جب انہوں نے اسلام کو مدینہ منورہ میں تیزی سے پھیلتے دیکھا تو انہوں نے اسلامی تحریک کو دبانے کیلئے مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے تنگ کرنا جاری رکھا۔

۲۔ اشاعتِ اسلام میں رکاوٹ:۔ بعض قافلے جو اسلام قبول کرنے کے لئے مدینہ کا رُخ کرتے تو اہلِ مکہ ان کو راستے میں روک کر تنگ کرتے تھے۔ اس لئے یہ ظاہر تھا کہ جب تک اہلِ مکہ اور مسلمانوں کے درمیان اس کشمکش کا فیصلہ نہیں ہو جاتا، اشاعتِ اسلام کی راہیں مسدود رہیں گی۔

۳۔ اقتصادی دباؤ:۔ قریشِ مکہ کی خوشحالی کا انحصار چونکہ تجارت پر تھا اور شام سے تجارت کرتے وقت انہیں جس شاہراہ سے گزرنا پڑتا تھا۔ وہ مدینہ کے پاس سے گزرتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو اس بات کا احساس دلانے کے لیے کہ اگر وہ اپنی قدیم اسلام دشمنی ترک نہ کریں گے تو ان کی معیشت تباہ کر دی جائے گی۔ وقتاً فوقتاً قریش کے تجارتی قافلوں کو روکنے کے لیے آپ نے مہمیں بھی روانہ فرمائیں۔ اس لیے اہلِ مکہ کو اب اسلامی قوت اور بھی خطرناک نظر آنے لگی تھی اور وہ اس کو ختم کرنے پر کمربستہ ہو گئے۔

۴۔ عمرو بن الحضرمی کا قتل:۔ اتفاق سے مسلمانوں کے ہاتھوں قریش کے ایک تجارتی قافلے کا سردار عبداللہؓ بن جحش کے ہاتھوں عمرو بن

Marfat.com

الحضرمی مارا گیا اور دو آدمی گرفتار ہو گئے۔ جب اس واقعہ کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے عبداللہ بن جحشؓ کے اس فعل کو ناپسند فرمایا اور قیدیوں کو ان کے مال و اسباب سمیت رہا کر دیا۔ چونکہ عمرو بن الحضرمی اور گرفتار ہونے والے شخص معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اہل مکہ اس پر سخت طیش میں آ گئے اور اس کا انتقام لینے کے لئے انہیں جنگ کرنا ضروری ہو گیا۔

۵۔ غلط افواہ:۔ قریش مکہ کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے واپس مکہ آ رہا تھا۔ قافلہ والوں کو شک ہوا کہ کہیں مسلمان انہیں لوٹنے کی کوشش نہ کریں۔ ابوسفیان نے اس خطرہ کا اظہار اہل مکہ کے پاس ایک قاصد کے ذریعے کیا۔ چنانچہ ایک بہت بڑا لشکر قافلے کو بچانے کے لئے مکہ سے روانہ ہو پڑا۔ ان کا مقصد ایک طرف تو قافلے کو بچانا تھا اور دوسری طرف اس مستقل خطرہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا تھا۔

چنانچہ قریش بڑی شان و شوکت سے مکہ سے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لئے نکلے۔ ذیل کی آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے:۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ:۔ اے مسلمانو! ان لوگوں کے سے رنگ ڈھنگ نہ اختیار کرو جو اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے اور جن

Marfat.com

کی روش یہ ہے کہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔

ذرا خیال کرو اس وقت کا جب کہ شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور یہ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مگر جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ اُلٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے، مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔

واقعات: ۔ چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کا علم ہوا تو آپؐ نے صحابۂ کرامؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ مہاجرین و انصار دونوں نے جاں نثاری کے عہد و پیمان باندھے۔ چنانچہ آپ ۳۱۳ فدائیوں کی جماعت لیکر توکل علی اللہ کفار کے مقابلے میں نکل کھڑے ہوئے۔ مدینہ کے منافقین نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر بے سرو سامان جماعت قریش جیسی زبردست طاقت سے ٹکرانے کے لیے جا رہی ہے آپس میں کہنے لگے کہ یہ لوگ اپنے دینی جوش میں دیوانے ہو گئے ہیں۔ اس معرکہ میں ان کی تباہی یقینی ہے مگر اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کچھ ایسا افسون ان پر پھونک رکھا ہے کہ ان کی عقل خبط ہو گئی ہے اور آنکھوں دیکھے یہ موت کے منہ میں چلے جا رہے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

ترجمہ: ۔ جب کہ منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں کو روگ لگا ہوا ہے۔ کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو تو ان کے دین نے خبط میں مبتلا کر رکھا ہے حالانکہ اگر کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو یقیناً اللہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔

Marfat.com

گو مسلمانوں میں سے ایک گروہ کی یہ خواہش تھی کہ قافلہ ابوسفیانؓ پر حملہ کیا جائے اور اسی طرح بغیر لڑے بھڑے مال و اسباب ہاتھ آجائے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد لشکر قریش سے جہاد کرنا تھا۔ اسی طرف ان آیات میں اشارہ ہے۔

كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنۢ بَيْتِكَ بِٱلْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ لَكَٰرِهُونَ ۝ يُجَٰدِلُونَكَ فِى ٱلْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى ٱلْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ ۝

ترجمہ:۔ آپ کا رب حق کے ساتھ آپ کو آپ کے گھر (مدینہ) سے نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ کو یہ سخت ناگوار تھا۔ وہ اس حق کے معاملہ میں آپ سے جھگڑ رہے تھے۔ دراں حالانکہ وہ صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ تمہیں مل جائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ (غیر مسلح) یعنی قافلہ ابوسفیان پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا جائے لیکن اللہ کا مقصد یہ تھا کہ دونوں گروہوں یعنی لشکر اسلام اور لشکر قریش کا مقابلہ ہو جائے اور حق کا حق ہونا ثابت ہو جائے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے۔ وَإِذْ يَعِدُكُمُ ٱللَّهُ إِحْدَى ٱلطَّآئِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ ٱلشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ ٱللَّهُ أَن يُحِقَّ ٱلْحَقَّ بِكَلِمَٰتِهِۦ وَيَقْطَعَ دَابِرَ ٱلْكَٰفِرِينَ ۝ لِيُحِقَّ ٱلْحَقَّ وَيُبْطِلَ ٱلْبَٰطِلَ وَلَوْ كَرِهَ ٱلْمُجْرِمُونَ ۝

ترجمہ:۔ (اے مسلمانو!) یاد کرو وہ موقع جب کہ اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ یعنی تجارتی قافلہ (جس کے ساتھ صرف تیس چالیس محافظ تھے)

Marfat.com

نہیں ملے۔ مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

ابو سفیان خطرہ کی راہ سے نکل چکا تھا۔ اس نے لشکر قریش کو جو مدینہ کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ ایک قاصد کے ذریعے اپنے صحیح سلامت بچ نکلنے کی اطلاع دی۔ یہ اطلاع ملنے کے بعد قریش لوٹنا چاہتے تھے مگر ابوجہل اور چند ایک جوشیلے نوجوانوں نے پیش قدمی پر اصرار کیا اور قریشی فوج آگے بڑھتی ہوئی بدر کے مقام پر پہنچ گئی۔ ادھر مجاہدین بھی جذبہ شہادت سے سرشار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکردگی میں بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ اگر قافلے کو لوٹنا مقصود ہوتا تو آپؐ شمال مغرب کی طرف جاتے حالانکہ آپؐ نے مدینہ سے نکلتے ہی جنوب کی راہ لی تھی جدھر سے قریش کا لشکر آرہا تھا۔

۱۷ رمضان سنہ ۲ ہجری کو بدر کے مقام پر فریقین کا مقابلہ ہوا۔ جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ تین کافروں کے مقابلے میں ایک مسلمان ہے اور وہ بھی پوری طرح مسلح نہیں ہے تو خدا کے حضور میں دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے اور انتہائی خضوع و خشوع کے ساتھ عرض کرنا شروع کیا "خدایا، یہ ہیں قریش اپنے سامان غرور کے ساتھ آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کریں خدایا بس اب آجائے تیری وہ مدد جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، اے خدا! اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہو گئی تو روئے زمین پر پھر تیری عبادت نہ ہو گی"۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو قبول فرمایا اور فرشتوں کو مومنوں کی امداد نصرت کے لئے بھیج دیا اس آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ

Marfat.com

إِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ :- اور وہ موقع جب کہ آپ اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، جواب میں اس نے (اللہ) فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لئے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں، یہ بات اللہ نے تمہیں صرف اس لیے بتا دی کہ تمہیں خوشخبری ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں، ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے۔

الغرض جنگ میں تائید غیبی اور نصرت الٰہی نے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ مجاہدین نے جوانمردی و شجاعت کے وہ کارنامے دکھائے کہ کفار کے چھکے چھوٹ گئے اور جلد ہی ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور میدان جنگ میں ستر قریش جن میں بڑے بڑے سرداران قریش بھی تھے، مارے گئے اور ستر کے قریب ہی کفار قید ہوئے۔ اس جنگ میں کل چودہ مسلمان شہید ہوئے اس طرح حق و باطل کے درمیان یہ پہلا تصادم باوجود مسلمانوں کی بے سروسامانی کے حق کی فتح پر منتج ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان عظیم کا یوں ذکر فرماتا ہے :-

وَاذْكُرُوْٓا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُوْنَ أَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوٰكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

ترجمہ :- (اے مسلمانو) وہ وقت یاد کرو جب کہ تم تھوڑے سے تھے، زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا، تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں مٹا نہ دیں، پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ (مدینہ) مہیا کر دی اور اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کیے اور تمہیں اچھا رزق پہنچایا، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔

Marfat.com

اہمیت و نتائج:- غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح کو سیاسی، تاریخی اور دینی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے وہ مٹھی بھر جماعت جو کفار کے جور و ظلم کا شکار رہی اور جو ان کے مظالم سے تنگ آکر مدینہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئی تھی آج بڑے بڑے جابر اور ظالم سرداروں کو نیچا دکھانے کے قابل ہو گئی۔ یہ حق اور باطل کی جنگ تھی اور حق کی فتح باطل اور ظلم کا غرور ٹوٹ گیا۔ کافروں کے حوصلے پست ہو گئے۔ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ ان کی دھاک گرد و نواح میں بیٹھ گئی اور مسلمان ایک آزاد ملت اور خود مختار اسلامی حکومت کے معزز شہری بن گئے

۲- حق کی کامیابی:- غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلے میں ایک تہائی تھی۔ ساز و سامان بھی ان کے پاس نہ تھا ان تمام مادی وسائل سے محروم اسلامی لشکر کی فتح نے ان کو یقین دلادیا کہ وہ حق پر ہیں۔ تائید ایزدی ان کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔

۳- اسلام کا رعب:- اس فتح سے مسلمانوں کا رعب و دبدبہ قائم ہو گیا۔ مدینہ کے منافق سہم گئے اور انہوں نے خفیہ سازشیں کرنا چھوڑ دیں۔ یہودی بھی جو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت کے خلاف کینہ و حسد رکھتے تھے مرعوب ہو گئے۔ کچھ لوگ جو ابھی تک تذبذب میں تھے اسلام کی آغوش میں اس جنگ کے بعد آگئے۔

۴- قوت کفار میں کمی:- بہت سے قریش کے سردار جو اسلام کے سخت دشمن تھے مثلاً ابو جہل، عقبہ، ولید وغیرہ

۵- یہود کی دشمنی:- اس فتح کے بعد یہودیوں کی بدباطنی اور اسلام دشمنی ظاہر ہو گئی۔ وہ مسلمانوں کی روز افزوں ترقی سے حسد کرنے لگے اور اسی حسد کے تحت وہ میثاق مدینہ کی شرائط کو توڑتے ہوئے مشرکین مکہ سے ساز باز کرنے لگے چنانچہ مسلمان بھی ان کی طرف سے زیادہ

Marfat.com

محتاط ہو گئے۔

۶۔ اسیرانِ جنگ سے مسلمانوں کا حسنِ سلوک جنگِ بدر کی ایک زریں یادگار ہے۔

اس فتح نے یہ بتا دیا کہ قلت و کثرت کو چنداں اہمیت نہیں بلکہ اہمیت تو نصرت اور تائیدِ الٰہی کو حاصل ہے۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ۔

مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب:۔ مسلمانوں کی تعداد اور سامانِ جنگ کی غیر معمولی کمی کے باوجود ان کی شاندار فتح تائیدِ الٰہی کا بیّن ثبوت تھا۔ تاہم دنیوی اسبابِ فتح نظر انداز نہیں کیے جا سکتے:۔

۱۔ **قریش کا باہمی نفاق**:۔ شروع سے ہی کئی سردار جنگ کے خلاف تھے۔ بنی زہرہ کے لوگ تو راستے ہی سے واپس چلے گئے تھے۔ لشکرِ قریش میں اتحاد و اتفاق اور جوش نہ تھا۔

۲۔ بارش کا اثر بھی دونوں جانب یکساں نہ تھا۔ مسلمانوں کی طرف ریت وغیرہ جم گئی۔ زمین بہتر ہو گئی ان کے پاؤں جم گئے۔ اس آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝

ترجمہ:۔ (اے مسلمانو!) وہ وقت یاد کرو جبکہ اللہ اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان و بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور اس کے ذریعہ سے تمہارے قدم جما دے۔

۳۔ سورج مسلمانوں کی پشت پر تھا لیکن کفار کے عین سامنے تھا جس سے

Marfat.com

ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

۴۔ مسلمان چڑھائی کی جانب اور اونچی زمین پر تھے جس کے باعث ان کی تھوڑی تعداد بھی زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کے برعکس کفار کی فوج نشیبی علاقے میں خیمہ زن تھی جس سے ان کی عددی فوقیت نمایاں نہ ہو سکی بلکہ الٹا دھوکہ ہوا اور وہ مسلمانوں سے مرعوب ہو گئے۔

۵۔ کفار کی صفوں کا انتظام نہایت ابتر تھا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ کوئی ترتیب اور صف بندی تھی ہی نہیں۔ مسلمانوں کی قطاروں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک میں تیر لے کر درست کیا تھا۔ اس لئے اگرچہ فوج تھوڑی تھی لیکن منظم تھی۔

۶۔ مسلمان نہایت بے فکری سے رات بھر سو کر صبح کو تازہ دم اٹھے تھے۔ قریش تمام رات بے چین رہے تھے۔ اس لیے صبح کو ان کی حالت دگرگوں تھی۔ مزید دیکھئے صفحہ ۴۰۲

س۔ غنائم اور انفال میں کیا فرق ہے دونوں کی تقسیم کے طریق بیان کیجئے۔ ان کے مستحق کون لوگ تھے؟ ۱۹۶۳ء

ج۔ دیکھئے صفحہ ۴۰۱ و ۴۴۲

س۔ سورۃ توبہ میں کس جنگ کا ذکر ہے اس کے اسباب اور نتائج کیا تھے اسلامی نقطۂ نظر سے اس جنگ کی اہمیت کیا تھی؟ ۱۹۶۳ء

ج۔ سورۃ توبہ میں غزوہ تبوک کا بالتفصیل ذکر ہے۔ یہ سورت تین تقریروں پر مشتمل ہے۔ پہلی تقریر مشرکین سے براءت اور خانۂ کعبہ کو شرک سے پاک صاف کرنے کے متعلق ہے۔

دوسری تقریر جو رکوع ۶ کی ابتداء سے رکوع ۹ کے اختتام تک چلتی ہے اس وقت نازل ہوئی جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کی

کی تیاری میں معروف تھے۔ اس میں اہل ایمان کو جہاد پر اکسایا گیا ہے اور ان لوگوں کو سختی کے ساتھ ملامت کی گئی ہے جو نفاق یا ضعف ایمان یا سستی و کاہلی کی بناء پر راہِ خدا میں جان و مال کا زیاں برداشت کرنے سے جی چرا رہے تھے۔

تیسری تقریر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی پر نازل ہوئی جس میں منافقین کی حرکات پر تنبیہ، غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں پر زجر و توبیخ اور ان صادق الایمان لوگوں پر ملامت کے ساتھ معافی کا اعلان ہے جو اپنے ایمان میں سچے تو تھے مگر جہاد فی سبیل اللہ یعنی غزوہ تبوک میں حصہ لینے سے باز رہے تھے۔

اسباب اور نتائج :- دیکھیے صفحہ ۴۶۰

اس جنگ کی اہمیت : جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رجب ۹ ہجری میں ۳۰ ہزار مجاہدین کے ساتھ شام پہنچے تو وہاں جا کر معلوم ہوا کہ قیصر اور اس کے تابعین نے مقابلہ پر آنے کے بجائے اپنی فوجیں سرحد سے ہٹا لی ہیں اور اب کوئی دشمن موجود نہیں ہے کہ اس سے جنگ کی جائے۔ تاریخوں میں عام طور پر ہمیں یہ ملتا ہے کہ گویا وہ خبر ہی سرے سے غلط تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رومی افواج کے اجتماع سے متعلق ملی تھی حالانکہ اصل واقعہ یہ تھا کہ قیصر نے اجتماع افواج شروع کیا تھا لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تیاریاں کامل ہونے سے پہلے ہی وہاں پہنچ گئے تو اس نے سرحد سے فوجیں ہٹا لینے کے سوا کوئی چارہ نہ پایا۔ جنگِ موتہ میں ۳ ہزار اور ایک لاکھ کے مقابلے کی جو شان وہ دیکھ چکا تھا ... ... اس کے بعد اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ خود نبی ﷺ کی قیادت میں جہاں ۳۰ ہزار فوج آ رہی ہو وہاں وہ دو لاکھ آدمی لے کر میدان میں آ جاتا۔

قیصر پر اس طرح سے جو اخلاقی فتح حاصل ہوئی اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے اس مرحلے پر کافی سمجھا اور بجائے اس کے کہ تبوک سے آگے بڑھ کر سرحد شام میں داخل ہوتے، آپؐ نے اس بات کو ترجیح دی کہ اس فتح سے انتہائی ممکن سیاسی و حربی فوائد حاصل کر لیں۔ چنانچہ آپؐ نے تبوک میں ۲۰ دن قیام کیا۔ ان بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو سلطنت روم اور دار الاسلام کے درمیان واقع تھیں اور اب تک رومیوں کے زیر اثر رہی تھیں، فوجی دباؤ سے سلطنت اسلامی کا باجگذار بنایا۔ اس طرح اسلامی حدود اقتدار براہ راست رومی سلطنت کی سرحد تک پہنچ گئے اور جن قبائل کو قیاصرۂ روم اب تک مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے رہے تھے، اب ان کا بیشتر حصہ رومیوں کے مقابلہ پر مسلمانوں کے حامی و مددگار بن گئے۔ پھر اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سلطنت روم کے ساتھ ایک طویل کشمکش میں الجھ جانے سے پہلے اسلام کو عرب پر اپنی گرفت مضبوط کر لینے کا پورا موقع مل گیا۔ تبوک کی اس فتح بلا جنگ نے عرب میں ان لوگوں کی کمر توڑ دی جو اب تک جاہلیت قدیمہ کے بحال ہونے کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ خواہ وہ علانیہ مشرک ہوں یا اسلام کے پردہ میں منافق بنے ہوئے ہوں۔ اس آخری مایوسی نے ان میں سے اکثر و بیشتر کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہنے دیا کہ اسلام کے دامن میں پناہ لیں اور اگر خود نعمت ایمانی سے بہرہ ور نہ بھی ہوں تو کم از کم ان کی آئندہ نسلیں بالکل اسلام میں جذب ہو جائیں۔ اس کے بعد جو ایک برائے نام اقلیت شرک و جاہلیت میں ثابت قدم رہ گئی وہ اتنی بے بس ہو گئی تھی کہ اس اصلاحی انقلاب کی تکمیل میں کچھ بھی مانع نہ ہو سکتی تھی جس کے لیے اللہ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھیجا تھا۔ چنانچہ تمام عرب پر آپؐ کی اور آپؐ کے دین کی دھاک بیٹھ گئی اور اسی کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوا کہ تبوک سے واپس آتے ہی حضورؐ کے پاس عرب کے گوشہ گوشہ سے وفد پر وفد آنے شروع ہو گئے اور وہ

Marfat.com

اسلام و اطاعت کا اقرار کرنے لگے۔ چنانچہ اسی کیفیت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر) "جب اللہ کی مدد آ گئی اور فتح نصیب ہوئی اور آپؐ نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں"

س۔ سورۃ توبہ اور سورۃ انفال کے نفس مضمون پر مفصل روشنی ڈالیے۔ ۱۹۶۴ء

ج۔ سورۃ توبہ کے نفس مضمون کے لئے دیکھیے صفحہ ۱۵۶

سورۃ انفال کے نفیس مضمون کے لیے دیکھیے صفحہ ۱۰۱

س۔ سورۃ توبہ کے پیش نظر مندرجہ ذیل امور کا جواب دیجیے؟

۱۔ سورت کی وجہ تسمیہ ۲۔ ما قبل سے ربط ۳۔ اس کے ابتداء میں بسم اللہ کیوں درج نہیں ہوئی۔ ۴۔ اہم مضامین کا خلاصہ ۵۔ منافقین کا کردار اور انجام کا جائزہ۔ ۱۹۶۵ء

ج۔ ۱۔ سورت کی وجہ تسمیہ:۔ یہ سورت دو ناموں سے مشہور ہے ایک التوبہ کیونکہ اس سورت میں بعض اہل ایمان کے لیے معافی کا ذکر ہے۔ جنہوں نے باوجود پکے اور سچے مسلمان ہونے کے محض کاہلی و سستی کی بناء پر غزوۂ تبوک میں حصہ نہ لیا تھا۔ چنانچہ آیت ۱۱۸ میں ہے۔ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۠

ترجمہ:۔ اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کر دیا جن کے معاملہ کو ملتوی

Marfat.com

کر دیا گیا تھا۔ جیسا زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامن رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں۔ یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

دوسرا نام سورۃ براءۃ ہے کیونکہ اس کی پہلی آیت میں مشرکین سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان برأت کیا گیا ہے چنانچہ فرمان ہے۔

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان برأت ہے ان مشرکین کو جن سے تم نے معاہدے کر رکھے ہیں۔

۴۔ ماقبل سے ربط:۔ اس سورت سے پہلے سورت انفال ہے جس میں غزوہ بدر پر تبصرہ کیا گیا ہے اور مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے جو غزوہ بدر کے دوران میں احسانات کیے ان کا بالتفصیل ذکر ہے مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ اس فتح کو اپنی بہادری اور جوانمردی کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ اس فتح میں تائید الٰہی کا سارا حصہ تھا اس لیے خدا پر توکل اور خدا رسول کی اطاعت کو اپنا شیوہ بنائیں۔

سورت توبہ میں غزوہ تبوک پر تبصرہ کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اگر دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہونا چاہتے ہیں تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی بسر کریں۔ چونکہ دونوں سورتوں کا مضمون تقریباً ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے اس لیے سورۃ انفال کے فوراً بعد سورۃ توبہ کو مصحف عثمانی میں جگہ دی گئی اور اسی وجہ سے بعض کے نزدیک

Marfat.com

ان دونوں کے درمیان بسم اللہ کا اندراج نہیں ہوا۔

۳۔ اس کی ابتدا میں بسم اللہ کیوں درج نہیں ہوئی؟ دیکھیے صفحہ ۵۱۸

۴۔ اہم مضامین کا خلاصہ دیکھیے صفحہ ۵۱۸

۵۔ منافقین کا کردار اور انجام کا جائزہ:۔ اس سورت میں منافقین کے نفاق کی پردہ دری کی گئی ہے۔ اس وجہ سے اسے سورۃ الفاضحہ بھی کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسلمانوں کو رومیوں کے مقابلے کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا تو منافقین بناوٹی عذرات پیش کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت مانگتے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو اپنے طبعی حلم کی بنا پر یہ جاننے کے باوجود کہ وہ محض بہانے کر رہے ہیں ان کو رخصت دے دیتے۔ ان منافقین میں سے ایسے بے باک تھے، جو راہ خدا سے قدم پیچھے ہٹانے کے لیے مذہبی و اخلاقی نوعیت کے بہانے تراشتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص جد بن قیس کے متعلق روایات میں آیا ہے کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ میں ایک حسن پرست آدمی ہوں، میری قوم کے لوگ میری اس کمزوری سے واقف ہیں کہ عورت کے معاملے میں مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں رومی عورتوں کو دیکھ کر میرا قدم پھسل نہ جائے۔ لہٰذا آپ مجھے فتنے میں نہ ڈالیں اور اس جہاد کی شرکت سے مجھ کو معذور رکھیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ منافقین تو فتنے میں پڑے ہوئے ہیں۔ نفاق، جھوٹ، ریاکاری کا فتنہ ان پر بُری طرح مسلط ہے اور وہ اسی نفاق کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہو گئے ہیں۔ وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ ائْذَن لِّي وَلَا تَفْتِنِّي ۚ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝

ترجمہ:۔ ان (منافقین) میں سے کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت

دے دیجئے اور مجھ کو فتنے میں نہ ڈالیے" سن رکھو! فتنے ہی میں تو یہ لوگ پڑے رہے ہیں اور جہنم نے ان کافروں کو گھیر رکھا ہے۔ ان منافقین نے جھوٹے عذرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر کے پیچھے رہ جانے کی اجازت لے لی۔ چنانچہ وہ اس بات پر خوش تھے کہ ہم نے اللہ کے رسول کو کس طرح جھوٹ بول کر دھوکہ دے دیا ہے اور اپنے پیچھے رہ جانے پر خوشیاں منانے لگے۔ انہوں نے نہ صرف خود جہاد میں شرکت نہ کی بلکہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اس نیک کام سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی چنانچہ انہی کے متعلق فرمان ہے کہ

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝

ترجمہ:- جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی گئی تھی وہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور انہیں گوارا نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کریں انہوں نے (دوسرے مسلمانوں) سے کہا کہ اس سخت گرمی میں نہ نکلو۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہہ دیں کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے، کاش انہیں اس کا شعور ہوتا۔

ان منافقین نے مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لئے ایک مسجد "مسجد ضرار" نامی تعمیر کی اور عین اس وقت جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رومیوں کے مقابلے کے لئے تیاریاں کر رہے تھے آپ سے درخواست کی کہ آپ اس میں نماز پڑھ کر افتتاح کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس وقت میں جنگ کی تیاری میں مصروف ہوں اور ایک بڑے

Marfat.com

مہم در پیش ہے اس مہم سے واپس آکر دیکھوں گا۔ اس کے بعد آپ تبوک کی طرف روانہ ہو گئے اور آپ کے بعد یہ لوگ اس مسجد میں اپنی جتھہ بندی اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک طے کر لیا کہ ادھر رومیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قلع قمع ہوا اور ادھر یہ فوراً ہی عبداللہ بن ابی کے سر پر تاج شاہی رکھ دیں لیکن تبوک میں جو معاملہ پیش آیا اس نے ان کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ واپسی پر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے نزدیک پہنچے تو اللہ کے حکم سے آپؐ نے اس مسجد ضرار کو مسمار کرا دیا۔ چنانچہ اس آیت میں ان کے اس فعل بد کی طرف ہی اشارہ ہے کہ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا ۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

ترجمہ:- اور ان منافقین میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ایک مسجد اس غرض کے لیے بنائی کہ وہ دعوتِ حق کو نقصان پہنچائیں اور خدا کی بندگی کرنے کے بجائے کفر کریں اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں اور اس (بظاہر عبادت گاہ کو) اس شخص کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف برسرِ پیکار ہو چکا ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دوسری چیز کا نہ تھا مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

الغرض انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو ہر طرح نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور ان کا مقصد یہی تھا کہ کسی نہ کسی طرح تحریک اسلامی کو ختم کر ڈالیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے جو کچھ کیا اس کا اس صورت میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور ان کے ناپاک ارادوں

Marfat.com

کو فاش کرکے رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان کے نفاق کی وجہ سے ہم دنیا میں بھی ذلیل کریں گے اور آخرت میں بھی انہیں عذاب دائمی میں مبتلا کریں گے۔ چنانچہ غزوۂ تبوک کی واپسی کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان پر سختی کرنی شروع کر دی۔ کیونکہ اللہ کا حکم آچکا تھا کہ

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝

ترجمہ:- اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار اور منافقین کا پورا قوت سے مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔ آخر کار ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بدترین جائے قرار ہے۔

اسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت کی کہ کسی منافق کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جائے کیونکہ ان لوگوں نے اپنی ساری عمر خدا اور اس کے رسول کے خلاف سازشوں اور حق کو جڑ سے اکھیڑنے میں بسر کر دی تھی۔ چنانچہ فرمان ہے کہ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّھُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَھُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

ترجمہ:- اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر ان منافقین میں آئندہ کوئی مرے اس کی نماز جنازہ بھی ہرگز نہ پڑھنا اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہونا کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ اس حال میں مرے ہیں کہ وہ فاسق تھے۔

منافقین کے بارے میں تو یہاں تک صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت مانگیں تو بھی اللہ ان کو ان کے سنگین جرم کی وجہ سے معاف نہیں کرے گا۔

Marfat.com

تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۟

ترجمہ:- اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کے لئے معافی کی درخواست کریں یا نہ کریں، اگر آپ ستر مرتبہ بھی انہیں معاف کر دینے کی درخواست کریں گے تو بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔

اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے متعلق جو وعدہ کر رکھا ہے وہ یہ ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۟

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کے لئے آتش دوزخ کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہی ان کے لئے موزوں ہے۔ ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔

س- سورۂ مائدہ میں حلال و حرام اشیاء سے متعلق جو کچھ مذکور ہے مختصر الفاظ میں اس کا خلاصہ پیش کیجئے۔ (۱۹۶۶ء)

ج- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (اعراف) یعنی وہ مسلمانوں کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال قرار دیتا ہے اور ناپاک حرام۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ حلال فرمایا یقیناً وہ پاک اور مفید ہے اور جس کو حرام فرمایا وہ ناپاک اور مضر ہے۔ اس سے پہلے یوں فرمایا گیا تھا کہ يَاْمُرُهُمْ

Marfat.com

بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندوں کو اچھی چیزوں کے استعمال اور اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بُری چیزوں اور قابلِ نفرت کاموں سے روکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں حلال و حرام کا معیار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں۔ خواہ وہ آیاتِ قرآنی کے ذریعے سے ہوں یا احادیث اور اسوۂ حسنہ کے واسطے سے، کیونکہ قرآن مجید کی سچی اور اصل شرح و تفصیل بھی حضور ہی کی زبان حق ترجمان کے بیان پر موقوف ہے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں کتے شکار کرتے ہیں ہم کتوں سے وہ جانور چھین لیتے ہیں چنانچہ بعض شکار شدہ جانوروں کو تو ہم ذبح کر لیتے ہیں اور بعض کو کتے چیر پھاڑ ڈالتے ہیں تو ہم ان میں کس طرح حلال و حرام کی تمیز کریں چنانچہ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ ط قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ لا

ترجمہ:۔ لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے آپؐ کہہ دیجئے کہ تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں (تغیر قادری)

تفسیر بیضاوی میں ہے کہ پاک چیزیں وہ ہیں جن سے ذوقِ سلیم کو کراہت نہ کرے اور جنہیں مہذب انسان نے بالعموم اپنے فطری احساس نظافت کے خلاف نہ پایا ہو۔

قدیم نظریہ یہ تھا کہ سب کچھ حرام ہے بجز اس کے جسے حلال ٹھہرا جائے قرآن نے اس کے برعکس یہ اصول مقرر کر دیا کہ سب کچھ حلال ہے بجز ان کے جن کی حرمت کی تصریح کر دی جائے۔

حلال اشیاء کا بیان:۔

اس سورت میں مندرجہ ذیل اشیاء کو حلال قرار دیا ہے:۔

Marfat.com

۱- مویشی کی ہر قسم کے سب جانور حلال کیے گئے۔ (اُحِلَّتْ لَکُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ) درندے اور وہ پرندے جن کے پنجے ہوتے ہیں یا جو دوسرے جانوروں کا شکار کر کے کھاتے ہیں یا مُردار خور ہوتے ہیں۔ حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ (مزید دیکھئے صفحہ ۱۸۴)

۲- شکاری جانوروں کے پکڑے ہوئے شکار کو بھی حلال قرار دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے اور وہ شکاری جانور شکاری ہی کے لیے جانور کو پکڑ رکھیں۔ اگر وہ خود کھانا شروع کردیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے شکار اپنے لیے کیا ہے نہ کہ شکاری کے لیے۔ اس صورت میں اس کا کھانا ناجائز ہے۔ (مزید دیکھئے صفحہ ۱۹۷)

۳- اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اگر وہ جانور کو اسی طرح ذبح کریں جس طرح مسلمان کرتے ہیں۔ اگر وہ اسے ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیں تو پھر وہ حرام ہو جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں صراحت سے آیا ہے کہ صرف وہی کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ (دیکھئے صفحہ ۱۹۹)

۴- دریائی شکار حلال ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دو مردے اور دو خون حلال ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی اور کلیجی اور تلی (مزید دیکھئے صفحہ ۲۱۷)

مندرجہ ذیل اشیاء مسلمانوں کے لیے حرام قرار دی گئی ہیں:-

۱- حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وقف وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ط ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ط

ترجمہ:- تم پر مردار، خون[۲]، سور کا گوشت[۳]، وہ جانور[۴] جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ[۵] کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو حرام کیا گیا

Marfat.com

ہے۔ سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا ہو اور وہ جو کسی آستانے
پر ذبح کیا گیا ہو نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعے
سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب افعال فسق ہیں۔

مذکورہ بالا حرام کردہ اشیاء صرف اس صورت میں جائز ہیں جب کہ
کوئی شخص بھوک سے مجبور ہو جائے اور وہ اس میں سے کچھ کھا لے بشرطیکہ کھانے
والے کی نیت نیک ہو اور اس کا میلان گناہ کی طرف نہ ہو۔ (دیکھئے صفحہ …

۲۔ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ
وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ:- اے ایمان لانے والو! یہ شراب، جوا، آستانے اور پانسے
سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ تمہیں فلاح
نصیب ہوگی۔

شریعت اسلامی میں ہر نشہ آور چیز کی حرمت اس آیت سے ثابت
ہے۔ اس کے علاوہ جوا، آستانے اور پانسوں سے بھی بچنے کی تلقین کی گئی
ہے کیونکہ اسلام میں ان کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ اشیاء قطعی
حرام ہیں۔ (دیکھئے صفحہ ۲۵۵)

۳۔ خشکی کا شکار گو عام حالت میں حلال ہے لیکن احرام باندھنے کے
بعد وہ محرم پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور اگر کوئی احرام کی حالت میں شکار
کرے گا تو اسے جرم کے بدلے میں اس جانور جیسا جانور بطور تاوان کے
نذر دینا ہوگا جس کا فیصلہ مسلمانوں میں سے دو عادل آدمی کریں گے۔
(مزید دیکھئے ۱۲۶۱)

س۔ قرآن کریم نے اہل کتاب کے جن اخلاق ذمیمہ کو ہدف تنقید
بنایا ہے، سورۃ المائدۃ کی روشنی میں ان کی تفصیل پیش کیجئے۔

Marfat.com

اور اگر ممکن ہو تو آیت کا حوالہ دیجئے۔ ۱۹۶۷ء

ج۔ اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہ لوگ توحید، رسالت، وحی، آخرت اور ملائکہ کے قائل تھے۔ اور اس ضابطہ شرعی کو تسلیم کرتے تھے جو خدا کی طرف سے ان کے انبیاء حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوا تھا اور اصولاً ان کا وہی دین تھا جس کی تعلیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ لیکن صدیوں کے مسلسل انحطاط نے ان کو اصل دین سے بہت دور ہٹا دیا تھا۔ ان کے عقائد میں غیر اسلامی عناصر کی آمیزش ہو گئی تھی جن کے لیے تورات و انجیل میں کوئی سند موجود نہ تھی۔ ان کی عملی زندگی میں بکثرت ایسے رسوم اور طریقے رواج پا گئے تھے جو اصل دین میں نہ تھے اور جن کے لیے تورات و انجیل میں کوئی ثبوت نہ تھا۔ خود تورات و انجیل کو انہوں نے انسانی کلام کے اندر خلط ملط کر دیا تھا اور خدا کا کلام جس حد تک لفظاً یا معنیً محفوظ تھا۔ اس کو بھی انہوں نے اپنی من مانی تاویلوں اور تفسیروں سے مسخ کر رکھا تھا۔ دین کی حقیقی روح ان میں سے نکل چکی تھی اور ظاہری مذہبیت کا ایک بے جان ڈھانچہ باقی تھا جس کو وہ سینہ سے لگائے تھے۔ ان کے علماء، مشائخ، ان کے سرداران قوم اور ان کے عوام سب کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی حالت بگڑ گئی تھی اور اپنے اس بگاڑ سے ان کو ایسی محبت تھی کہ وہ کسی اصلاح کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔

اہل کتاب کی سب سے بڑی گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا۔ چنانچہ یہود کہا کرتے تھے کہ عزیر خدا ہے اور عیسائی کہا کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا ہے۔ قرآن مجید نے ان کی اس گمراہی کی نشاندہی ان الفاظ میں کی ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ

ابْنُ اللّٰهِ ط

ترجمہ:- یہودی کہتے ہیں، کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تائید ایزدی اور نصرت الٰہی تمہیں اس وقت تک حاصل رہے گی جب تک تم میرے احکام کی پیروی کرتے رہو گے۔ میرے رسولوں کی دعوت پر لبیک کہتے اور ان کی مدد کرتے رہو گے تو اس کے بدلے میں تمہاری برائیاں اور قصور معاف کر دیئے جائیں گے۔ اور تم کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ لیکن بنو اسرائیل نے احکام ربانی کو پس پشت ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان کے دل سخت کر دیے۔

انہوں نے تورات کے احکام کو بدل ڈالا تھا اور اپنی من مانی تغیر اور
۲ تاویل کرتے تھے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا مِمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۔ یعنی وہ (یہود) الفاظ کا الٹ پھیر کر کے بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے تھے، جو تعلیم انہیں دی گئی تھی اس کا بڑا حصہ بھول چکے تھے۔

یہی حال عیسائیوں کا تھا انہوں نے بھی انجیل کے احکام میں تحریف کر دی تھی اور خدا کے احکام کو بھلا دیا تھا۔ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا
۴ اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۔

ترجمہ:- اس طرح ہم نے ان لوگوں سے بھی عہد لیا تھا جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں مگر ان کو بھی جو سبق یاد کرایا گیا تھا اس کا بڑا حصہ انہوں نے فراموش کر دیا تھا۔

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر کے ماننے کے بجائے خدا کا درجہ

Marfat.com

دے دیا اور اس طرح کفر کے مرتکب ہوئے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ

ترجمہ:۔ یقیناً کفر کیا جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے۔

اہل کتاب کو تعلیم دی گئی تھی کہ ایک اللہ پر ایمان لاؤ اور رسولوں کی امداد و نصرت کرو۔ نیک اعمال کرو۔ جس کے بدلے میں تمہیں جنت دی جائے گی لیکن وہ اخلاقی طور پر اس حد تک گمراہ ہو گئے تھے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کے چہیتے ہیں اور اس خیالِ خام میں مبتلا تھے کہ ہم خواہ کچھ کریں۔ بہر حال جنت ہماری ہے۔ ہم اہل ایمان ہیں بھلا دوزخ کی کیا مجال کہ ہمیں چھو جائے اور بالفرض اگر ہم دوزخ میں ڈالے بھی گئے تو بس چند روز وہاں رکھے جائیں گے تاکہ گناہوں کی جو آلائش لگ گئی ہے۔ وہ صاف ہو جائے اور پھر سیدھے جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اسی قسم کے خیالات نے ان کو اتنا جری و بےباک بنا دیا تھا کہ وہ سخت سے سخت جرائم کا ارتکاب کر جاتے تھے، بدترین گناہوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ کھلم کھلا حق سے انحراف کرتے تھے اور خدا کا خوف ان کے دل میں نہ آتا تھا۔ چنانچہ ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

ترجمہ:۔ یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ اے نبی ان سے پوچھیے کہ پھر وہ (اللہ) تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟ درحقیقت تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان خدا نے پیدا کیے ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے معاف کرے

دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔

یہود خواہشات کے بندے بن گئے تھے انہیں سچائی سے کوئی دلچسپی نہ تھی، جھوٹ ہی انہیں پسند آتا ہے اور اسی کو یہ جی لگا کر سنتے تھا ان کے قاضیوں اور مفتیوں کا یہ حال تھا کہ جھوٹی شہادتیں لیکر اور جھوٹی روداد سن کر ان لوگوں کے حق میں انصاف کے خلاف فیصلے کیا کرتے تھے، جن سے انہیں رشوت پہنچ جاتی تھی یا جن کے ساتھ ان کے ناجائز مفاد وابستہ ہوتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی اس بد اخلاقی کو یوں بیان فرماتا ہے کہ

(۱) سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ یعنی یہ جھوٹ سننے والے اور حرام کے مال کھانے والے ہیں۔

یہ یہود اپنے معاملات کا اپنے مذہبی قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کے بجائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے اس امید پر آجاتے تھے کہ شاید آپؐ کی شریعت میں ان کے لیے کوئی دوسرا حکم ہو اور اس طرح وہ اپنے مذہبی قانون سے بچ جائیں۔

ایک دفعہ خیبر کے معزز یہودی خاندانوں میں سے ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان ناجائز تعلق قائم ہو گیا۔ تورات کی رو سے ان کی سزا رجم تھی لیکن یہود اس سزا کو نافذ نہ کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس مقدمہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پنچ بنایا جائے۔ اگر وہ رجم کے سوا کوئی اور حکم دیں تو قبول کر لیا جائے اور رجم ہی کا حکم دیں تو قبول نہ کیا جائے۔ چنانچہ مقدمہ آپؐ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے رجم کا حکم دیا انہوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر آپؐ نے پوچھا کہ تمہارے مذہب میں اس کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا کہ کوڑے مارنا اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرنا۔ آپؐ نے ان کے علماء کو قسم دے کر پوچھا، کیا تورات میں شادی شدہ زانی اور زانیہ

Marfat.com

کی یہی سزا ہے؟ انہوں نے پھر وہی جھوٹا جواب دیا لیکن ان میں سے ایک شخص ابن صوریا جو خود یہودیوں کے بیان کے مطابق اپنے وقت میں تورات کا سب سے بڑا عالم تھا خاموش رہا۔ آپؐ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تجھے اس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تم لوگوں کو فرعون سے بچایا اور طور سینا پر تمہیں شریعت عطا کی، کیا واقعی تورات میں زنا کی یہی سزا لکھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر آپؐ مجھے ایسی بھاری قسم نہ دیتے تو میں نہ بتاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ تورات میں زنا کی سزا رجم ہی ہے مگر ہمارے ہاں جب زنا کی کثرت ہوئی تو ہمارے حکام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بڑے لوگ زنا کرتے تو انہیں چھوڑ دیا جاتا اور چھوٹے لوگوں سے یہی حرکت سرزد ہوتی تو انہیں رجم کر دیا جاتا۔ پھر جب اس سے عوام میں ناراضگی پیدا ہونے لگی تو ہم نے تورات کے قانون کو بدل کر یہ قاعدہ بنا لیا کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے لگائے جائیں اور ان کا منہ کالا کر کے گدھے پر الٹے منہ سوار کیا جائے"۔ اس کے بعد یہودیوں کے لیے کچھ بولنے کی گنجائش نہ رہی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زانی اور زانیہ کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ یوں کرتا ہے کہ

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ یعنی اور یہ (یہود) آپؐ کو کیسے حکم بناتے ہیں جب کہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں۔

یہود اخلاقی طور پر اس حد تک پست تھے کہ وہ دین اسلام کا مذاق اڑایا کرتے اور اسے تفریح کا سامان بنا رکھا تھا۔ جب مؤذن نماز کے لیے اذان دیتا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے اور اس سے کھیلتے۔ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ یعنی حرکات وہ صرف

اس لیے کہا کرتے تھے ۔ کیونکہ مسلمان اللہ پر اور دین کی اس تعلیم پر ایمان لے آئے ہیں جو ان پر نازل ہوئی ہے ۔

(۲) اس حد تک گستاخ ہو گئے تھے کہ وہ اللہ کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ معاذ اللہ خدا تو بخیل ہو گیا ہے اور اس کے خزانوں کا منہ بند ہے ۔ ہمیں دینے کے لیے اب اس کے پاس آفات اور مصائب کے سوا کچھ نہیں رہا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بخل میں یہ خود مبتلا ہیں اور ان کے اس بخل اس کی بدولت ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان پر اللہ کی پھٹکار مسلط ہو گئی ۔

حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو توحید کی تعلیم دی تھی اور صاف صاف ان کے یہ بات گوش گزار کر دی تھی کہ جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر رکھی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا ۔ لیکن اس تعلیم کے باوجود وہ گمراہی میں مبتلا ہو گئے اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا شریک ٹھہرا دیا اس طرح کفر کے مرتکب ہوئے ۔ یٰبَنِیْٓ

(۹) اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ۭ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰىہُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ یعنی " اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی " جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ۔ یہود بار ہا خدا کے غضب اور اس کی لعنت میں مبتلا ہوئے ۔ معصیت کا قانون توڑنے پر ان کی قوم کے بہت سے لوگوں کی صورتیں مسخ ہو گئیں حتیٰ کہ وہ تنزل کی اس انتہا کو پہنچے کہ طاغوت کی بندگی تک انہیں نصیب ہوئی ۔

(۱۰) مَنْ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَغَضِبَ عَلَیْہِ وَجَعَلَ مِنْھُمُ الْقِرَدَۃَ

Marfat.com

وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ط اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝

ترجمہ:۔ وہ (یہود) جن پہ خدا نے لعنت کی، جن پر اس کا غضب ٹوٹا، جن میں سے بندر اور سور بنائے گئے۔ جنھوں نے طاغوت کی بندگی کی۔ ان کا درجہ اور بھی زیادہ برا ہے اور وہ سوآءِ السبیل (سیدھی راہ) سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

یہود اسلام کو پھیلتے ہوئے نہ دیکھ سکتے تھے۔ اور ہر وقت اسلام اور بانیٔ اسلام کو ختم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے چنانچہ ایک دفعہ یہودیوں میں سے ایک گروہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاص خاص صحابہ رضؓ کو کھانے کی دعوت پر بلایا اور خفیہ طور پر یہ سازش کر رکھی تھی کہ اچانک ان پر ٹوٹ پڑیں گے اور اس طرح اسلام کی جان نکال دیں گے لیکن عین وقت پر اللہ کے فضل سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش کا علم ہو گیا اور آپ دعوت پر تشریف نہ لے گئے۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا جبکہ ایک گروہ (یہود) نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ نے ان کے ہاتھ تم پر اٹھنے سے روک دیئے اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ ان یہود کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ

لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ یعنی ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں سخت سزا۔

Marfat.com

ان یہود کو چاہیئے تو یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے اور اپنی غلطیوں اور غلط کاریوں پر متنبہ ہو کر ان کی تلافی کرتے اور اپنی گمری ہوئی حالت کے اسباب معلوم کر کے اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے لیکن ان پر اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ ضد میں آکر انھوں نے حق وصداقت کی مخالفت شروع کر دی چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۔ یعنی اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کلام آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی و باطل پرستی میں الٹے اضافہ کا موجب بن گیا ہے۔

الغرض یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء کی تعلیم سے ہٹ کر خواہشات کے بندے بن کر رہ گئے۔ اخلاقی طور پر تو وہ قعر مذلت کے عمیق گڑھوں میں متواتر غوطے کھا رہے ہیں اور اسلام دشمنی میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ابتدائے اسلام سے آج تک ان کی کوشش یہی رہی ہے کہ اسلام کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ اللہ نے بھی انکی اس سرکشی و مخالفت اسلام کی پاداش میں ان کو ذلیل و خوار کر دیا اور آخرت میں سخت سزا دینے کا وعدہ کر رکھا ہے (نیز دیکھیے عنوان ۸۵،۷۸)

س ۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے:۔

۱۔ استقسام بالازلام ۲۔ النسی ۳۔ خمس ۴۔ وصیلۃ
۵۔ حام ۶۔ مائدۃ ۷۔ احدی الطائفتین ۔
۸۔ احدی الحسنیین ۔ سنہ ۱۹۶۷ء

ج ۔ ۱۔ استقسام بالازلام :۔ دیکھیے صفحہ ۱۹۳

۲۔ النسی :۔ دیکھیے صفحہ ۵۱۲

۳۔ خمس :۔ دیکھیے صفحہ ۲۱۴

۴۔ وصیلۃ۔ حام :۔ دیکھیے صفحہ ۲۶۳

Marfat.com

۵- مائدۃ :- دیکھیے صفحہ ۱۵۷

۶- احدی الطائفتین :- دیکھیے صفحہ ۴۲۰

۷- احدی الحسنیین :- دیکھیے صفحہ ۵۰۰

س- قرآن کریم میں کن جرائم کی سزائیں بیان ہوئی ہیں؟ ان میں سے کس کس جرم یا اس کی سزا کا ذکر آپ کے نصاب میں ہوتا ہے۔ جرم اور سزا میں سنگینی کے تناسب اور تعلیم کے نقطہ نظر سے اسلامی سزاؤں پر تبصرہ کیجیے۔

سالانہ ۱۹۶۸ء

ج- ۱- چور کی سزا :- تفصیل کے لیے دیکھیے صفحہ ۱۱۲

۲- نظام اسلامی سے بغاوت کی سزا :- دیکھیے صفحہ ۴۲۲

۳- زنا کی سزا :- سورۃ نور میں ہے کہ زانی مرد اور عورت دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔

۴- قتل کے لیے قصاص کا قانون :- اگر کوئی شخص کسی کو ناحق طور پر قتل کرتا ہے تو اس کے بدلے میں اسی کو قتل کیا جائے گا۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ - الخ

یعنی ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ الخ (تفصیل کے لیے دیکھیے صفحہ ۴۴۲)

۵- ارتداد کی سزا :- اگر کوئی دین اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اسی آیت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں فتنہ ارتداد کے خلاف طرز عمل اختیار کیا تھا۔ چنانچہ فرمان ہے کہ وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ

Marfat.com

یعنی اگر عہد (اسلام قبول) کرنے کے بعد یہ پھر اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر حملے کرنے شروع کر دیں تو کفر کے علمبرداروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ شاید کہ (پھر تلوار ہی کے زور سے) وہ باز آئیں گے۔

۵۔ عمل قوم لوط کی سزا:۔ سورۃ الاعراف اور دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ عمل قوم لوط ایک بدترین گناہ ہے۔ جس پر ایک قوم (قوم لوط) اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہوئی اس کے بعد یہ بات ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی سے معلوم ہوئی کہ یہ ایک ایسا جرم ہے۔ جس سے معاشرے کو پاک رکھنے کی کوشش کرنا حکومت اسلامی کے فرائض میں سے ہے اور یہ کہ اس جرم کے مرتکبین کو سخت سزا دی جانی چاہیئے۔ حدیث میں مختلف روایات جو حضور سے مروی ہیں ان میں سے کسی میں ہم کو یہ الفاظ ملتے ہیں کہ

اقتلوا الفاعل والمفعول بہ (فاعل اور مفعول کو قتل کر دو)

کسی میں اس حکم پر اتنا اضافہ اور ہے کہ احصنا اولم یحصنا (شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ) اور کسی میں ہے۔ فارجموا الاعلیٰ والاسفل (اوپر اور نیچے والا، دونوں سنگسار کیے جائیں۔

اسلام نے مختلف جرموں کی جو سزائیں مقرر کی ہیں بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں اور انہیں وحشیانہ سزائیں قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے مختلف جرائم کے انسداد کے لئے بہترین سزائیں تجویز کی ہیں ان سزاؤں سے ایک تو دوسرے لوگوں کو عبرت دلانی مقصود ہوتی ہے اور دوسرے مجرم کو اپنے کیے کا مزا چکھنا ہوتا ہے اور آئندہ وہ ان جرائم کے ارتکاب کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔ جہاں کہیں بھی اسلامی سزائیں نافذ کی گئیں ہیں۔

Marfat.com

وہاں جرائم کی تعداد گھٹ گئی اور لوگ امن اور آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں جن ملکوں میں یہ سزائیں نہیں دی جاتیں وہاں جرائم کا روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور لوگوں کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ سزائیں اس احکم الحاکمین کی مقرر کی ہوئی ہیں جو بندوں کی فطرت سے خوب واقف ہے۔

س۔ سورۃ المائدۃ اور توبہ میں تبلیغ دین سے متعلق کون سے اہم احکام بیان ہوئے؟ نشاندہی کیجئے۔ ۱۹۶۸ء

ج۔ داعی حق کے لئے جو صفات سب سے زیادہ ضروری ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے نرم خو، متحمل اور عالی ظرف ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے ساتھیوں کے لیے شفیق، عامۃ الناس کے لیے رحیم اور اپنے مخالفوں کے لیے حلیم ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے رفقا کی کمزوریوں کو بھی برداشت کرنا چاہیے اور اپنے مخالفین کی سختیوں کو بھی۔ اسے شدید سے شدید اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا چاہیے۔ نہایت ناگوار باتوں کو بھی عالی ظرفی کے ساتھ ٹال دینا چاہیے۔ مخالفوں کی طرف سے کیسی ہی سخت کلامی، بہتان تراشی، ایذا رسانی اور شریرانہ مزاحمت کا اظہار ہو، اس کو درگزر ہی سے کام لینا چاہیے۔ سخت گیری، درشت خوئی، تلخ گفتاری اور منتقمانہ اشتعال طبع اس کام کے لئے زہر کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس سے کام بگڑتا ہے۔ بلکہ نہیں ہے۔ اسی چیز کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ غضب اور رضا دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں، جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں، جو مجھے میرے حق سے محروم کرے میں اسے اس کا حق دوں، جو میرے ساتھ ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں۔" اور اسی چیز کی ہدایت آپ ان لوگوں کو کرتے تھے جنہیں آپ دین کے کام

Marfat.com

پر اپنی طرف سے بھیجتے تھے کہ "جہاں تم جاؤ وہاں تمہاری آمد لوگوں کے لیے مژدہ جانفزا ہو نہ کہ باعث نفرت اور لوگوں کے لیے تم سہولت کے موجب بنو نہ کہ تنگی و سختی کے" اور اسی چیز کی تعریف اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سورۃ آل عمران میں یوں فرمائی ہے کہ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ یعنی یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم ہو ورنہ اگر آپ درشت خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب لوگ آپ کے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔

۲۔ دعوت حق کی کامیابی کا گر یہ ہے کہ داعی فلسفہ طرازی اور دقیقہ سنجی کے بجائے لوگوں کو معروف یعنی ان سیدھی اور صاف بھلائیوں کی تلقین کرے۔ جنہیں بالعموم سارے ہی انسان بھلا جانتے ہیں۔ یا جن کی بھلائی کو سمجھنے کے لیے وہ عقل عام کافی ہوتی ہے جو ہر انسان کو حاصل ہے۔ اس طرح داعی حق کا اپیل عوام و خواص سب کو متاثر کرتا ہے اور ہر سامع کے کان سے دل تک پہنچنے کی راہ آپ نکالتا ہے۔ ایسی معروف دعوت کے خلاف جو لوگ شورش برپا کرتے ہیں وہ خود اپنی ناکامی اور اس دعوت کی کامیابی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

۳۔ اس دعوت کے کام میں جہاں یہ بات ضروری ہے کہ طالبین خیر کو معروف کی تلقین کی جائے۔ وہاں یہ بات بھی اتنی ہی ضروری ہے کہ جاہلوں سے نہ الجھا جائے خواہ وہ الجھنے اور الجھانے کی کتنی ہی کوشش کریں۔ داعی کو اس معاملہ میں سخت محتاط ہونا چاہیئے کہ اس کا خطاب صرف ان لوگوں سے رہے جو معقولیت کے ساتھ بات کو سمجھنے کے لیے تیار ہوں اور جب کوئی شخص جہالت پہ اتر آئے اور حجت بازی، جھگڑالوپن اور ... شروع کر دے تو داعی کو اس کا حریف بننے سے انکار

کر دینا چاہیئے، اس لئے کہ اس جھگڑے میں اُلجھنے سے حاصل کچھ نہیں ہے اور نقصان یہ ہے کہ داعی کی جس قوت کو اشاعتِ دعوت اور اصلاح نفوس میں خرچ ہونا چاہیئے وہ اس فضول کام میں ضائع ہو جاتی ہے۔

سورۃ مائدۃ میں اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ جو کچھ آپؐ پر نازل کیا گیا ہے، اسے لوگوں تک پہنچا دو اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو پھر آپ نے پیغمبری کا حق ہی ادا نہ کیا۔

سورۃ النحل میں ہے کہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ؕ یعنی اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور لوگوں سے ایسے طریقہ پر مباحثہ کرو جو بہترین ہو۔

اس آیت میں دعوت کے لیے دو چیزیں ضروری قرار دی گئی ہیں حکمت اور عمدہ نصیحت۔ حکمت کا مطلب یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکا جائے۔ جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے، پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے۔ پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔ عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کیا جائے۔ برائیوں اور گمراہیوں کو محض عقلی حیثیت سے ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں ان کے لیے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے۔ اسے بھی اُبھارا جائے اور ان کے بُرے نتائج کا خوف دلایا جائے ہدایت اور عمل صالح کی محض

صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کی جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقہ سے کی جائے جس سے دل سوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے اور اپنی بلندی کے احساس سے لذت لے رہا ہے بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے ایک تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی دشمن بھی تم سے درخواست کرے کہ میں اسلام کو سمجھنا چاہتا ہوں تو اسے امان دے کر اپنے ہاں آنے کا موقع دو اور اسے دین اسلام سمجھائیں۔ اگر وہ اسے سمجھ کر قبول کرے تو ٹھیک ورنہ اپنی حفاظت میں اس کے ٹھکانے تک پہنچا دیں۔ سورۃ توبہ میں اس کا ذکر یوں کیا گیا ہے کہ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ؕ یعنی اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہیئے (تاکہ اللہ کا کلام سنے) تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کے مامن تک پہنچا دو۔ یہ اس لئے کرنا چاہیئے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تبلیغ دین ہر وقت اور ہر جگہ پر کرنی چاہیئے تاکہ منکرین پر اتمام حجت ہو جائے اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ! مجھے تو سیدھی راہ بتانے والا ہی کوئی نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے کہ وہ ہمیشہ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگوں میں دین اسلام پھیلانے کے لیے کچھ لوگ خاص طور پر دین کی سمجھ پیدا کریں اور پھر واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں

کو وہ تعلیم دیں۔ تاکہ وہ لوگ بھی غیر مسلمانہ روش سے بچے رہیں۔ چنانچہ فرمان ہے کہ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۔ یعنی اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر حصۂ آبادی میں سے چند لوگوں کو لے کر تعلیم و تربیت دی جائے پھر وہ اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا کر عوام کی تعلیم و تربیت کا فرض دیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی پوری آبادی میں اسلام کا شعور اور حدود اللہ کا علم پھیل جائے۔

س۔ سورۂ انعام اور الاعراف کے پیش نظر وحدت ادیان پر ایک مقالہ لکھیے اگر ممکن ہو تو اس کے اثبات میں آیات سے استشہاد کیجیے۔ سالانہ ۱۹۶۸ء

ج۔ اللہ تعالیٰ نے ہزارہا پیغمبر مختلف قوموں اور ملکوں کی طرف مبعوث کیے اور ہزارہا برس تک ان کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ ان سب کا ایک ہی دین تھا۔ وہ سب ایک ہی ہدایت کے پیرو تھے۔ اور ان سب کا ایک ہی مشن تھا۔ یعنی یہ کہ اس دین اور اس ہدایت کی طرف اپنے ابنائے نوع کو دعوت دیں۔ پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں ان کو منظم کر کے ایک ایسی امت بنائیں جو خود اللہ کے قانون کی پابند ہو اور دنیا میں قانون الٰہی کی خلاف ورزی روکنے کے لیے جدوجہد کرے۔ ان پیغمبروں نے اپنے اپنے

Marfat.com

دُور میں اپنے اس مشن کو پوری خوبی کے ساتھ ادا کیا مگر ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ انسانوں کی ایک کثیر تعداد تو ان کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئی اور جنہوں نے اسے قبول کر کے اُمتِ مسلمہ کی حیثیت اختیار کی وہ رفتہ رفتہ خود بگڑتے چلے گئے، حتیٰ کہ ان میں سے بعض اُمتیں ہدایت الٰہی کو بالکل ہی گم کر بیٹھیں اور بعض نے خدا کے ارشادات کو اپنی تحریفات اور آمیزشوں سے مسخ کر دیا۔

آخر کار خداوند عالم نے سرزمین عرب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی کام کے لیے مبعوث کیا جس کے لیے پچھلے انبیاء آتے رہے تھے ان کے مخاطب عام انسان تھے اور پچھلے انبیاء کے بگڑے ہوئے پیرو بھی سب کو صحیح رویّہ کی طرف دعوت دینا، سب کو از سرِ نو خدا کی ہدایت پہنچا دینا اور جو اس دعوت و ہدایت کو قبول کریں انہیں ایک ایسی اُمت بنا دینا ان کا کام تھا جو ایک طرف خود اپنی زندگی کو نظام خدا کی ہدایت پر قائم کرے اور دوسری طرف دُنیا کی اصلاح کے لیے جدوجہد کرے۔ اسی دعوت اور ہدایت کی کتاب قرآن مجید ہے جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔

سورۃ اعراف میں ہے :۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ یعنی اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیں کہ میں تم سب کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

تمام انبیاء اپنے اپنے زمانے میں اپنی اپنی اُمتوں کو صرف ایک خدا کی عبادت اور اسے اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنے کی تعلیم دیتے رہے چنانچہ سورۃ الاعراف میں سب سے پہلے حضرت نوح ؑ کے متعلق بیان کیا ہے کہ ہم نے ان کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور انہوں نے اپنی قوم کو یہی تعلیم دی کہ " اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔

Marfat.com

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ط قوم نے حضرت نوحؑ کی اس دعوت کو قبول کرنے کے بجائے یہ جواب دیا کہ ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ میں تو خدا کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اس لیے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ میری تعلیم پر ایمان لے آؤ۔ لیکن قوم نہ مانی آخر کار اللہ کے حکم سے حضرت نوحؑ نے ایک کشتی تیار کی اور اس میں وہ لوگ سوار ہو گئے جو ان پر ایمان لے آئے تھے۔ باقی خدا کے عذاب کا شکار ہو گئے۔

قوم عاد کی طرف حضرت ہودؑ کو بھیجا انہوں نے بھی یہی تعلیم دی کہ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ۔ یعنی انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ لیکن قوم نے ان پر ایمان لانے کے بجائے ان کو بخیل اور جھوٹا قرار دیا۔ حضرت ہودؑ نے ان کو فرمایا کہ میں اللہ کی طرف سے رسول ہوں اور تمہاری خیر خواہی اور بہتری چاہتا ہوں اس لیے تم اللہ اور میری تعلیمات پر ایمان لے آؤ۔ قوم نے کہا کہ کیا ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں، جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ اگر تو اپنے اس قول میں سچا ہے تو پھر وہ عذاب لے آ جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے حضرت ہودؑ اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا باقی لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا کیونکہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔

قوم ثمود کی طرف حضرت صالحؑ کو بھیجا انہوں نے بھی یہی تعلیم دی کہ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ۔ یعنی انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو۔

Marfat.com

اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے" لیکن قوم کے لوگوں نے ان کو بھی جھٹلایا اور ان پر ایمان نہ لائی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک تھرا دینے والی آفت کے ذریعے تباہ برباد کر کے رکھ دیا۔

حضرت شعیبؑ نے بھی اپنی قوم کو یہی تعلیم دی تھی کہ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ لیکن قوم نے اس دعوت کے جواب میں یہ کہا کہ اے شعیبؑ ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ ورنہ تم کو ہمارا مذہب ہی اختیار کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اس انکار کی وجہ سے ایک تھرا دینے والی آفت کے ذریعے ہلاک کر دیا۔

حضرت موسیٰؑ نے فرعون مصر کو یہی دعوت دی تھی کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ الغرض ان انبیاء کا ایک ہی کام تھا اور وہ یہ کہ جو لوگ خدا کی بھیجی ہوئی تعلیم پر ایمان لائیں اور اپنے رویہ کو اس کے مطابق درست کر لیں۔ انہیں فلاح و سعادت کی خوشخبری سنا دیں اور جو فکر و عمل کی غلط راہوں پر چلتے رہیں ان کو اس غلط روی کے برے انجام سے آگاہ کر دیں۔

قرآن اس حقیقت کا بار بار اعادہ کرتا ہے کہ خدا کی طرف سے جتنے انبیاء دنیا کے کسی گوشے میں آئے ہیں ان میں سے کوئی بھی پچھلے انبیاء کی تردید کے لیے اور ان کے کام کو مٹا کر اپنا نیا مذہب چلانے کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ ہر نبی اپنے پیشرو انبیاء کی تصدیق کرتا تھا۔ اور اسی کام کو فروغ دینے کے لیے آتا تھا جسے اگلوں نے ایک پاک ورثہ کی حیثیت سے چھوڑا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کوئی کتاب اپنی ہی پچھلی کتابوں کی تردید کرنے کے لیے کبھی نہیں بھیجی بلکہ اس کی ہر کتاب پہلے آئی ہوئی کتابوں کی مؤید اور مصدق تھی۔ چنانچہ سورۃ مائدۃ میں ارشاد ہے۔

Marfat.com

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ؕ

ترجمہ:- پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو بھیجا۔ تورات میں سے جو کچھ ان کے سامنے موجود تھا وہ اس کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات میں سے جو کچھ اس وقت موجود تھا۔ اس کی تصدیق کرنے والی تھی۔

اسی طرح قرآن مجید کے متعلق فرمایا۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۔ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے۔ اور جو تمام سابقہ آسمانی کتب کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کو بھی دعوت دی یعنی کہ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

ترجمہ:- اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے" اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ

Marfat.com

(اہل کتاب) منہ موڑیں تو آپ صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی و اطاعت کرنے والے) ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝

ترجمہ:- اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے لائق) نہیں۔ پس میری (ہی) عبادت کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کے لیے تمام بستیوں اور قوموں کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے تاکہ وہ ان کو احکامات خداوندی سے آگاہ کریں اور اس کے سچے بندے بنیں اور انہیں قیامت کے دن سے ڈرائیں جس روز تمام لوگ اللہ کے حضور میں حاضر کیے جائیں گے، اور پھر ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔ سورۃ انعام میں فرمایا:- وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ - یعنی ہم جو رسول بھیجتے ہیں۔ اسی لیے تو بھیجتے ہیں کہ وہ نیک کردار لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والے اور بدکرداروں کے لیے ڈرانے والے ہوں، پھر جو لوگ ان کی بات مان لیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لیں ان کے لیے کسی خوف

اور رنج کا موقع نہیں ہے ۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ فرمایا کہ
وَ لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۔ یعنی ہم نے ہر قوم کی طرف ایک ہادی بھیجا۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تورات سراسر ہدایت اور روشنی تھی اور
تمام انبیاء مسلم تھے یعنی ان کا دین ایک ہی تھا اور وہ اسی کے مطابق
فیصلہ کیا کرتے تھے لیکن یہود "اسلام" سے ہٹ کر اور فرقہ بندی میں
مبتلا ہو کر صرف یہودی بن کر رہ گئے تھے ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ
فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ
اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ
بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ
شُهَدَآءَ ۔ یعنی ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور
روشنی تھی ۔ سارے نبی جو مسلم تھے ۔ اسی کے مطابق ان یہودی بن
جانے والوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے اور اسی طرح علماء اور
فقہاء بھی اسی پر فیصلہ کا مدار رکھتے تھے) کیونکہ انہیں کتاب اللہ
کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے ۔

حضرت موسیٰؑ پر جب جادوگر ایمان لے آئے تھے اور فرعون
نے ان کو کہا تھا کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا
اور اس کے بعد تم سب کو سولی پہ چڑھاؤں گا تو جادوگروں نے جو
دعا مانگی تھی وہ یہ تھی کہ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ
تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۔ یعنی اے رب ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں
دنیا سے اٹھا اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے
کہ شروع سے دین ایک ہی آرہا ہے ۔ وہ دین اسلام تھا جس کو فروغ
دینے کے لیے مختلف زبانوں میں مختلف انبیاء تشریف لائے ۔

اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

Marfat.com

تمام بنی نوع انسان کے لیے خاتم النبیین بنا کر بھیجا۔ اور لوگوں کو کہ دیا کہ اگر تم خدا کی رحمت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس پیغمبر پر ایمان لاؤ جو تمہیں ایک اللہ پر ایمان لانے کی تعلیم دیتا ہے۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ " اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی، امید ہے کہ تم راہ راست پا لوگے "۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور قرآن مجید آخری کتاب ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی کتاب اور نہ کوئی رسول بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے آئے گا۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے۔ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ یعنی آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

س۔ سورۃ التوبہ کے مطالعہ سے اسلامی جہاد کے جو خد و خال آپ کے لوح ذہن پر ابھرے ہیں ان کے پیش نظر اسلامی جہاد اور ایک عام جنگ کا فرق واضح کیجئے۔ ۱۹۶۷

Marfat.com

ج۔ جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش صرف کر دینا۔ یہ محض جنگ کا ہم معنی نہیں ہے۔ جنگ کے لیے تو قتال کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جہاد اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور اسی میں ہر قسم کی جد و جہد شامل ہے مجاہد وہ شخص ہے جو ہر وقت اپنے مقصد کی دھن میں لگا ہو، دماغ سے اسی کے لیے تدبیریں سوچے، زبان و قلم سے اسی کی تبلیغ کرے، ہاتھ پاؤں سے اسی کے لیے دوڑ دھوپ اور محنت کرے اپنے تمام امکانی وسائل اس کو فروغ دینے میں صرف کر دے اور ہر اس مزاحمت کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرے جو اس راہ میں پیش آئے حتیٰ کہ جب جان کی بازی لگانے کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کرے، اس کا نام ہے جہاد اور جہاد فی سبیل اللہ یہ ہے کہ یہ سب صرف اللہ کی رضا اور اسی غرض کے لیے کیا جائے کہ اللہ کا دین اس سرزمین میں قائم ہو اور اللہ کا کلمہ سارے کلموں پر غالب ہو جائے اس کے سوا کوئی اور غرض مجاہد کے پیش نظر نہ ہو۔ سب سے پہلی آیت جو قتال کے بارے میں اتری وہ یہ ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۨ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الحج)

ترجمہ:۔ جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے، انہیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے، اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے ہیں، ان کا قصور صرف یہ تھا کہ یہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتے تھے۔

اس آیت میں جن لوگوں کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا ہے ان کا قصور یہ نہیں بتایا کہ ان کے پاس ایک زرخیز ملک ہے، یا وہ تجارت کی ایک بڑی منڈی کے مالک ہیں، یا وہ ایک دوسرے مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ بلکہ

Marfat.com

ان کا جرم صاف طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ظلم کرتے ہیں۔ لوگوں کو بے قصور ان کے گھروں سے نکالتے ہیں۔ اور اس قدر متعصب ہیں کہ محض اللہ کو پروردگار کہنے پر تکلیفیں پہنچاتے ہیں اور مصیبتیں توڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف صرف اپنی مدافعت ہی میں جنگ کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ دوسرے مظلوموں کی اعانت وحمایت کا بھی حکم دیا گیا ہے، اور تاکید کی گئی ہے کہ کمزور و بے بس لوگوں کو ظالموں کے پنجے سے چھڑاؤ۔

سورۃ توبہ میں ہے :۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝

ترجمہ :۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا آپ کو معاف کرے آپ نے انہیں کیوں گھر بیٹھ رہنے کی اجازت دے دی (آپ کو چاہیے تھا کہ اجازت نہ دیتے) تاکہ آپ پر وہ لوگ بھی ظاہر ہو جاتے جو سچے ہیں اور ان کا حال بھی معلوم ہو جاتا جو جھوٹے ہیں۔ وہ لوگ۔ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور جنہیں یوم قیامت کے آنے کا یقین ہے آپ سے ہرگز یہ رخصت نہ مانگیں گے کہ اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد نہ کریں۔ اللہ ان متقیوں سے خوب واقف ہے۔ یہ رخصت تو آپ سے وہی لوگ طلب کریں گے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت کے آنے کا یقین۔ ان کے دلوں میں شک پڑ گیا ہے اس لیے وہ اپنے شک میں

ہی وہ گوبڑ بگڑ ہو رہے ہیں ۔ یہ آیت غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی قوت اسلام اور مسلمانوں کے استقلال قومی کو مٹانے کے لیے حملہ آور ہو اور نفیرِ عام ہو جائے تو اس وقت یہ ایمان کے صدق و کذب کی کسوٹی بن جاتا ہے ۔

۱ ۔ اللہ کی راہ سے روکنا مشرکین کا جرم جن سے قتال کا حکم دیا گیا تھا یہ بتایا ہے ۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورۂ توبہ)

ترجمہ :- ان لوگوں نے آیاتِ الٰہی کا سودا بڑی ہی کم قیمت پر کیا اور وہ اس کی راہ سے روکنے لگے ۔ یہ بہت برا کام ہے جو وہ کرتے ہیں ۔

اس کے بعد اہل کتاب سے لڑنے کا حکم دیا کہ وَقَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ...... الخ اور پھر ان کے جرائم کی تفصیل اسی طرح دی ہے ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ یعنی اے ایمان والو! اہل کتاب کے بہت سے احبار اور راہب لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ سے روکنا بھی ایک ایسا جرم ہے جس کے خلاف جنگ ضروری ہے ۔ اللہ کی راہ سے روکنا کے تین مفہوم ہیں ۔ یعنی اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو روکنا، مسلمانوں کو زبردستی مرتد بنانے کی کوشش کرنا اور مسلمانوں کے لیے اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کو مشکل بنا دینا ۔ جو گروہ اس طرح اسلام کی راہ

Marfat.com

روکنے کی کوشش کرے۔ اس کو راستہ سے ہٹا دینا اور اس کا زور توڑ دینا مسلمانوں کا اخلاقی حق بھی ہے اور دینی فرض بھی۔

دغابازی و عہد شکنی کی سزا: مشرکین کا ایک اور جرم جس کے خلاف جنگ کرنے کا حکم ہے یہ بتایا ہے

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ ۝

یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان برات ہے ان مشرکوں کی طرف جنہوں نے بار بار اس کی خلاف ورزی کی پس چار مہینے چل پھر لو۔ اس کے بعد خوب سمجھ لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ کافروں کو ضرور رسوا کرنے والا ہے۔

اس کے بعد ان مشرکوں کے متعلق جنہوں نے عہد نہیں توڑا تھا۔ حکم دیا کہ ان سے معاہدہ کی مدت مقررہ تک پابندی کرو۔ پھر دوبارہ نقض عہد کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

ترجمہ: جب چار حرمت والے مہینے (جن کی مہلت اوپر دی گئی ہے) گزر جائیں تو ان کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں گرفتار کرو، اور انہیں گھیر کر محصور کر لو اور ان کے لیے ہر کمین گاہ میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کریں نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو (یعنی پھر

Marfat.com

ان سے تعرض نہ کرو) کیونکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

آگے چل کر پھر انہی بد عہد اور دغاباز مشرکوں کے متعلق فرمایا۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَ
رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ
لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ
وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ۝

ترجمہ:- ان مشرکوں سے اللہ اور اس کے رسول کا عہد کیسے رہ سکتا ہے سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا۔ سو وہ جب تک عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو کیونکہ اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے مگر ان بد عہدوں سے کیونکر عہد ہو سکتا ہے جن کی حالت یہ ہے کہ جب تم پر غلبہ و فتح حاصل کر لیں تو نہ تم سے قرابت کا لحاظ رکھیں اور نہ عہد و اقرار کا۔ وہ تم کو زبان سے خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ان کے دل انکار کرتے ہیں (یعنی وہ دل میں تمہیں نقصان پہنچانے کی فکر رکھتے ہیں) اور ان میں اکثر بدکار و سرکش ہیں اس کے بعد پھر انہی بد عہدوں کے متعلق فرمایا۔

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۝ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ
آتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ
الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ وَإِن نَّكَثُوا أَيْمَانَهُم
مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا
أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ

Marfat.com

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا
بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ
مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ
اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ
وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ۝

ترجمہ :- وہ کسی مومن کے ساتھ قرابت یا عہد و اقرار کا لحاظ نہیں کرتے اور وہی ہیں جو زیادتی کرنے والے ہیں۔ پس اگر وہ توبہ کرلیں نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور یہ آیات ہم کھول کر بیان کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو کچھ سمجھ بوجھ رکھتے ہیں لیکن اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر حملے کریں تو کفر کے لیڈروں کے ساتھ جنگ کرو۔ کیونکہ اس کے بعد معلوم ہو گیا کہ) ان کی قسم کا کچھ اعتبار نہیں۔ شاید کہ وہ اپنی حرکات سے باز آئیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہ کرو گے۔ جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول کو نکال دینے پر تل گئے اور انہوں نے ہی اوّل مرتبہ تم پر پیش دستی کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرو بشرطیکہ تم ایماندار ہو۔ ان سے ضرور جنگ کرو۔ اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور تم کو ان پر نصرت بخشے گا اور مومنوں کے قلوب کو شفا بخشے گا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ :-

۱- جو لوگ مسلمانوں سے عہد کر کے توڑ دیں ان سے جنگ کرنی چاہیئے اس حکم میں وہ کفار بھی آجاتے ہیں جو مسلمانوں سے اطاعت کا معاہدہ

Marfat.com

کر کے پھر حکومت اسلامیہ کے خلاف بغاوت کریں۔

۲۔ جن سے معاہدہ تو ہو مگر ان کا رویہ ایسا مخالفانہ و معاندانہ ہو کہ اسلام اور مسلمان کو ہر وقت ان سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ لگا رہے تو انہیں علی الاعلان فسخ معاہدہ کا نوٹس دے دینا چاہیئے اور اس کے بعد ان کی دشمنی کا منہ توڑ جواب دینا چاہیئے۔

۳۔ جو لوگ بار بار بدعہدی و دغا بازی کریں اور جن کے عہد و اقرار کا کوئی اعتبار نہ رہے اور جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں اخلاق و انسانیت کے کسی آئین کا لحاظ نہ رکھیں۔ ان سے دائمی جنگ کا حکم ہے اور صرف اسی صورت سے ان کے ساتھ صلح ہو سکتی ہے کہ وہ توبہ کریں۔ اسلام لے آئیں ورنہ ان کے اثر سے اسلام اور دار السلام کو محفوظ رکھنے کے لیے قتل، گرفتاری، محاصرہ اور ایسی ہی دوسری جنگی تدابیر اختیار کرتے رہنا ضروری ہے

ان بیرونی دشمنوں کے علاوہ کچھ اندرونی

۴۔ اندرونی دشمنوں کا استیصال:

دشمن بھی ہیں جو ظاہر میں دوست مگر باطن میں اسلام کی جڑ کاٹنے والے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس جماعت میں داخل ہیں جس کے لیے قرآن مجید نے منافق کا جامع لفظ استعمال کیا ہے اور ان کے باب میں یہ حکم دیا ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

یعنی اے نبی منافقوں اور کافروں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت سی بری جائے قرار ہے۔

آگے چل کر انہی منافقین کے متعلق فرمایا کہ:۔

لَوْ خَرَجُوا فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا۟ أَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ

Marfat.com

سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰی جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝

ترجمہ :- اگر وہ تمہارے ساتھ مل کر لڑنے کو نکلتے تو تمہارے اندر فساد کے سوا اور کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے اور تمہارے درمیان جھوٹی خبریں پھیلا کر اور چغلخوریاں کر کے فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرتے اور تمہارے درمیان ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں۔ اللہ ان ظالموں سے خوب واقف ہے انہوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ برپا کرنا چاہا تھا اور تیرے نقصان طرح طرح کی چالیں چلی تھیں۔ یہاں تک کہ حق کی نصرت آگئی اور اللہ کا حکم غالب ہوا اگرچہ وہ انہیں بہت ہی ناگوار تھا۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۔ یعنی وہ (منافقین) خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں بلکہ دراصل یہ ڈرپوک لوگ ہیں (جو تمہاری طاقت کے خوف سے اظہار دوستی کرتے ہیں) اگر کوئی جائے پناہ، یا غار یا گھس بیٹھنے کا مقام مل جائے تو ضرور اس کی طرف پھر جائیں اور دوڑ کر جائیں۔

اہل کتاب سے قتال کی وجہ :- اہل کتاب سے قتال کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے :-

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

Marfat.com

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

ترجمہ :- اہل کتاب میں سے لوگ نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ نہ یوم آخرت پر۔ نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرائی ہیں اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں۔ ان سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اس حال میں کہ وہ زیر دست ہو کر رہیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کفار جزیہ ادا کرنے کے احکام اسلامی کے اجراء پر رضامند ہو جائیں تو ان سے جنگ نہیں کی جا سکتی اور اجازت قتال کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو جنگ کے لیے روانہ کرتے تو آپ ان امور سے ممانعت فرماتے کہ :-

(۱) غفلت میں حملہ کرنے سے (۲) آگ میں جلانے سے (۳) لوٹ مار سے۔ (۴) تباہ کاری سے (۵) مثلہ سے۔ (۶) قتل اسیر سے (۷) قتل سفیر سے۔ (۸) بدعہدی کرنے سے۔

اس کے بعد آپ فوج کو ہدایت کرتے کہ دشمن کے سامنے تین چیزیں پیش کرنا، اوّل اسلام، دوسرے جزیہ تیسرے جنگ، اگر وہ اسلام قبول کرے تو پھر اس پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ اگر جزیہ دے کر اطاعت قبول کرے تو اس پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ اگر جزیہ دے کر اطاعت قبول کرے تو اس کی جان و مال پر کسی قسم کی تعدی نہ کرو۔ لیکن اگر وہ اس سے بھی انکار کرے تو اللہ سے مدد مانگ کر جنگ کرو۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جب شام کی طرف فوجیں روانہ کیں تو ان کو دس ہدایتیں دی تھیں :-

۱- عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل نہ کیے جائیں۔

۲- مثلہ نہ کیا جائے۔

۳- راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ ان کے معابد مسمار

Marfat.com

رکیے جائیں۔

۴۔ کوئی پھلدار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ کھیتیاں جلائی جائیں۔

۵۔ آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔

۶۔ جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔

۷۔ بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے۔

۸۔ جو لوگ اطاعت کریں۔ ان کی جان و مال کا وہی احترام کیا جائے۔ جو مسلمانوں کی جان و مال کا ہے۔

۹۔ اموالِ غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔

۱۰۔ جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔

الغرض اسلام نے جنگ کو ان تمام وحشیانہ افعال سے پاک کر دیا۔ جو اس عہد میں جنگ کا ایک غیر منفک جُزو بنے ہوئے تھے۔ اسیرانِ جنگ اور سفراء کا قتل، معاہدین کا قتل، مجروحین جنگ کا قتل، غیر اہلِ قتال کا قتل، اعضاء کی قطع و برید، مُردوں کی بے حُرمتی، آگ کا عذاب، لوٹ مار اور قطع طریق، فصلوں اور بستیوں کی تخریب بدعہدی و پیمان شکنی، فوجوں کی پراگندگی و بدنظمی، لڑائی کا شور و ہنگامہ سب کچھ آئینِ جنگ کے خلاف قرار دے دیا گیا اور جنگ صرف ایسی چیز رہ گئی جس میں شریف اور بہادر آدمی دشمن کو کم سے کم ممکن نقصان پہنچا کر اس کے شر کو دفع کرنے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

تاریخ ادب تفسیر

Marfat.com

Marfat.com

س ۔ علم تفسیر کی ابتداء اور ارتقاء پر سیر حاصل بحث کیجئے۔
ج ۔ دیکھئے صفحہ ۱۱۸
س ۔ مندرجہ ذیل تفاسیر کے مصنفین کے حالات زندگی اور ان تفاسیر کی امتیازی خصوصیات لکھئے۔
۱۔ تفسیر ابن جریر طبری ۔ ۲ ۔ تفسیر القرآن العظیم ۔ ۳ ۔ روح المعانی ۔ ۴ ۔ فی ظلال القرآن ۔ ۵ ۔ تفسیر مظہری ۔ ۶ ۔ الکشاف ۔ ۷ ۔ تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل ۸ ۔ مفاتیح الغیب ۔ ۹ ۔ تفسیر مدارک ۔ ۱۰ ۔ تفسیر جلالین ۔

ج ۔ ۱ ۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن

معروف بہ تفسیر ابن جریر طبری

مؤلف کے حالات زندگی: اس تفسیر کے مؤلف کا نام محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الطبری ہے۔
کنیت ابوجعفر ہے۔ صوبہ طبرستان کے مقام آمل میں ۲۲۴ ہجری میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے کم عمری ہی میں تحصیل علم کی جانب توجہ دی اور صرف سات سال کی عمر میں حفظ قرآن کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کرنے کے بعد ان کے والد ماجد نے انہیں بارہ سال کی عمر میں ہی دنیائے اسلام کے مراکز علمی میں تحصیل علم کی غرض سے بھیجا۔ علامہ ابن جریر رَے میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بغداد گئے۔ یہاں آنے کا مقصد امام احمد بن حنبل رحمہ سے علم حدیث سیکھنا تھا مگر ان کی آمد سے کچھ ہی دن قبل امام صاحب وفات پا چکے تھے۔ بعد ازاں انہوں نے بصرہ و کوفہ میں کچھ عرصہ قیام کیا اور علماء عظام سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد پھر بغداد کا رخ کیا۔ جہاں انہوں نے کچھ عرصہ قیام کیا پھر مصر روانہ ہوئے مگر راستے ہی میں علم حدیث کی تحصیل کے لیے دمشق میں ٹھہر گئے۔ اس کے بعد جب وہ مصر

Marfat.com

پہنچے تو ان کے علم و فضل کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا۔ یہاں سے پھر بغداد آئے اور اسی شہر میں طبرستان کے دو سفروں کے علاوہ اپنی ساری زندگی گزار دی اور بغداد ہی میں ۳۱۰ھ ہجری بمطابق ۹۲۳ء میں انہوں نے وفات پائی۔

علامہ ابن جریر نے اپنی علمی زندگی کے آغاز میں احادیث کی جمع و تدوین کی جانب خصوصی توجہ دی اور زندگی کے آخری ایام تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں گزارے۔ گو عالی اعتبار سے انہیں کوئی بڑا ادبی مقام حاصل نہ ہو سکا مگر علم و ادب کی دنیا میں ان کو جو نمایاں مقام ملا وہ بہت کم اہل علم کو ہوا ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ہمیشہ علم کو دولت پر ترجیح دی اور منفعت بخش سرکاری عہدوں کی پیشکش کو بھی کبھی قبول نہ کیا۔ علم حاصل کرنا اور سکھانا ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ ان کی پوری زندگی ادبی و علمی مشاغل میں بسر ہوئی۔ تاریخ و فقہ کے علاوہ جو ان کے مخصوص تھے، شعر و شاعری ادب و عروض میں بھی انہوں نے مہارت حاصل کی۔ حدیث اور قواعد میں بھی کمال حاصل کیا۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے ریاضی اور طب میں بھی درک پیدا کیا۔ خطیب بغدادی آپ کے علم و فضل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

"کان ابن جریر احد الأئمة الأعلام - يحكم بقوله، ويرجع إلى رأيه لمعرفته وفضله، وكان قد جمع العلوم مالم يشاركه فيه احدًا من أهل عصره فكان حافظًا لكتاب الله بصيرًا بالقراءات، عارفًا بالمعاني فقيهًا في احكام القرآن، عالمًا بالسنن وطرقها، وصحيحها وسقيمها، وناسخها ومنسوخها عارفًا بأقوال الصحابة والتابعين ومن بعدهم من المخالفين في الأحكام، ومسائل الحلال والحرام، عارفًا بأيام الناس وأخبارهم"۔

Marfat.com

کاپی ۴۲

علامہ ابن جریر مصر سے واپسی کے دس سال بعد تک فقہ شافعی کے مقلد رہے مگر بعد ازاں انہوں نے اپنا الگ فقہی مذہب قائم کیا جس کے پیرو اُن کے والد کے نام کی مناسبت سے "جریریہ" کے نام سے موسوم کیے گئے۔ ان کے فقہی مسلک کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے اصول میں کم اور فروع میں زیادہ امام شافعی سے اختلاف کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا قائم کردہ فقہی مذہب جلد ختم ہو گیا مگر یہ ضرور ہے کہ امام احمد بن حنبل رح سے ان کے اختلافات زیادہ تر اصولی ہیں اور اسی بناء پر وہ امام موصوف کو محدث تسلیم کرتے ہیں مجتہد نہیں۔ امام موصوف کے مسلک سے شدید اختلافات کا نتیجہ یہ ہوا کہ حنبلی جن کی بغداد میں اکثریت تھی اور حکومت کی سرپرستی بھی انہی کو حاصل تھی۔ علامہ طبری کے خلاف ہو گئے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بعض آیات قرآنی کی تفسیر میں اختلاف کی بناء پر ایک بڑے ہجوم نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور انہیں اپنے مکان میں محصور ہونا پڑا اور بغداد کے پولیس افسر کو سختی سے اس ہنگامہ کو رفع دفع کرنا پڑا۔ علامہ طبری پر انہوں نے کفر کا فتویٰ لگا کر ان کی شہرت کو کافی نقصان پہنچایا۔

علامہ موصوف عجز وانکسار کا نمونہ تھے۔ انہوں نے تمام عمر سادگی سے بسر کی۔ انہیں تصنیف و تالیف میں اس قدر انہماک تھا کہ چالیس سال تک ہر روز تقریباً چالیس صفحات لکھتے رہے۔ علامہ ابن جریر کی مختلف علوم و فنون پر خصوصاً علم قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ پر تصانیف ہیں۔ آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:-

۱- کتاب التفسیر جس کا نام جامع البیان فی تفسیر القرآن ہے۔
۲- کتاب التاریخ جس کا نام تاریخ الامم والملوک ہے۔
۳- کتاب القرءات
۴- کتاب اختلاف العلماء

۵۔ تاریخ الرجال من الصحابۃ و التابعین
۶۔ کتاب احکام شرائع الاسلام
۷۔ کتاب التبصیر فی اصول الدین

ان میں تاریخ الامم و الملوک اور جامع البیان فی تفسیر القرآن بہت مشہور ہیں اور زمانہ مابعد جتنی تاریخ اور تفسیر کی کتابیں لکھی گئیں۔ وہ سب کی سب انہی سے ماخوذ ہیں۔

تاریخ الامم و الملوک ۳۰۲ھ ہجری تک کے واقعات پر مشتمل ہے جس میں مقتدر کا ابتدائی عہد بھی شامل ہے تاریخی لحاظ سے یہ کتاب اس وقت بھی اپنی مثال آپ ہے کیونکہ پہلی تین صدیوں میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان اور اس زمانہ کے صحیح واقعات اس سے بہتر کہیں اور نہیں ملتے۔

جامع البیان فی تفسیر القرآن: اس کی گیارہ جلدیں اور تیس جزو ہیں۔ ابن جریر اس تفسیر کے متعلق خود لکھتے ہیں کہ میں نے اس کے لکھنے سے پہلے تین برس تک خدا سے دعا کی اور تفسیر کے لیے اعانت کا خواستگار رہا۔ اس کو انہوں نے پہلے تیس ہزار صفحات پر لکھا تھا بعد میں تلامذہ کی درخواست پر اس کا خلاصہ تین ہزار صفحات پر کیا۔ تفسیر کرتے وقت جا بجا کہہ دیا کہ طوالت سے بچنے کے لیے میں اختصار سے کام لے رہا ہوں۔

ابن جریر نے ذخیرہ تفسیری نسخوں سے استفادہ و استخراج کیا چنانچہ ان کا تفاسیر کی روایات کو محفوظ کر دینے کے ساتھ تجوید، صرف و نحو، لغت، فقہ، عقائد، کلام، ملاحدہ اور فرق باطلہ کی تردید کے مسائل نے کتاب کو اور بھی مفید بنا دیا ہے البتہ جمع و نقل روایات کے باعث ضعیف احادیث بھی اس میں بکثرت آ گئی ہیں اس تفسیر کو

Marfat.com

شہرہ عام اور بقائے دوام حاصل ہے۔ اس میں انہوں نے تفسیر سے متعلق احادیث صحیحہ کا معتد بہ ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ مؤرخین اور ناقدین کے لیے یہ تفسیر علوم کا خزانہ ہے۔

ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر آیت کو نقل کرنے کے بعد اس کے ایک ایک لفظ کے معانی لکھتے ہیں۔ متقدمین کے اختلافات کو اسناد کے ساتھ درج کرتے ہیں پھر خود ان میں سے ایک کو ترجیح دے کر اس کی وجوہ لکھتے ہیں یا الفاظ سے گزر کر آیات کے مفہوم کے متعلق بھی ان کا رویہ یہی ہے۔ کہیں کہیں استنباط مسائل اور وجوہ اعراب سے بھی بحث کرتے ہیں۔ روایات تفسیر کا پورے طور پر استیعاب کیا ہے۔ امام سیوطی اتقان میں لکھتے ہیں کہ "وکتابہ۔ یعنی تفسیر ابن جریر۔ اجل التفاسیر واعظمها، فانه يتعرض لتوجيه الاقوال، وترجيح بعضها على بعض والاعراب والاستنباط، فهو يفوق بذلك على تفاسير الاقدمين" ابن خزیمہ کی اس تفسیر کے مصنف کے متعلق یہ رائے ہے کہ "فما اعلم على اديم الارض اعلم من ابن جرير"

آپ الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے اشعار بھی استشہاد کے لیے لاتے ہیں۔ مثلاً سورۃ بقرہ میں "فلا تجعلوا لله اندادا" کے تحت لکھتے ہیں کہ انداد "ند" کی جمع ہے اور "ند" کا لفظ برابر اور مثل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حسان بن ثابت نے کہا ہے ؎

اتهجوه ولست له بند — فشركما لخيركما الفداء

یعنی اے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرنے والا! کیا تو اس کی ہجو کرتا ہے۔ درآں حالانکہ تو اس کے برابر نہیں ہے پس تم دونوں میں سے برا اچھے پر قربان ہو جائے۔

امام ابو حامد اسفرائنی کا قول ہے کہ اگر کسی کو چین تک کا سفر کر کے بھی

Marfat.com

تفسیر طبری کو حاصل کر لیا تو کوئی بڑی زحمت نہیں اٹھائی آج روئے زمین پر پورے قرآن کی سب سے پہلی تفسیر یہی ہے اسے ام التفاسیر کہا جاتا ہے کیونکہ مابعد میں جتنی تفاسیر بھی لکھی گئیں سب کی سب اسی سے ماخوذ ہیں۔ ہر زمانہ میں اہل علم اس کو سب سے بہتر تفسیر تسلیم کرتے چلے آئے ہیں گویا تشریح قرآن کے لحاظ سے وہی پہلی تفسیر ہے اور وہی آخری تفسیر ہے آج تک کوئی تفسیر اس کے رتبہ کی نہیں لکھی جا سکی۔ امام ابن تیمیہ رح کے شاگرد رشید حافظ ابن کثیر نے اس کا خلاصہ اور تنقیح کر کے اپنی تفسیر مرتب کی ہے۔ تفسیر ابن جریر کو ابو صالح منصور بن نوح کے عہد (۳۵۰-۳۶۶ھ / ۹۶۱-۹۷۶ء) میں فارسی زبان میں منتقل کیا گیا۔

۲۔ تفسیر القرآن العظیم

مؤلف کے حالات زندگی: اس تفسیر کے مؤلف کا نام امام ابوالفداء عماد الدین اسمٰعیل بن عمرو بن کثیر بصری ثم دمشقی ہے۔ جو حافظ ابن کثیر کے نام سے مشہور ہیں آپ ۷۰۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ سات برس کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ چنانچہ اس کے بعد اپنے بھائی کے ہمراہ تحصیل علم کے لیے دمشق آ گئے آپ نے ابتدائی تعلیم تو اپنے گھر پر ہی پائی پھر دمشق آنے کے بعد حافظ ابن تیمیہ رح، ابن الشحنہ، آمدی، ابن عساکر اور دیگر محدثین سے احادیث سنیں۔ آپ اپنے علم و فضل کی بدولت بہت مشہور ہو گئے تھے اور علماء عظام میں شمار کیے جاتے تھے۔ امام داؤدی نے طبقات المفسرین میں لکھا ہے کہ آپ کو علماء اور حفاظ میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ معانی اور الفاظ کا علم رکھنے والوں میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔

آپ شافعی المسلک اور امام ابن تیمیہ رح کے شاگردوں میں سے ہیں۔ امام موصوف نے اپنی لڑکی کا آپ سے عقد بھی کر دیا استاذ امام ابن تیمیہ رح کے ساتھ

Marfat.com

اذیتیں بھی برداشت کیں۔ آخری عمر میں آپ کی بصارت چلی گئی تھی۔ آپ کی وفات شعبان ۷۷۴ھ / فروری ۱۳۷۳ء میں ۷۳ سال کی عمر ہوئی اور اپنے استاذ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس صوفیہ نامی قبرستان میں دفن کیے گئے۔

علمی مقام:- آپ کا علماء میں بہت اونچا مقام ہے اس بات کی کئی علماء نے گواہی دی ہے، خاص طور پر حدیث، تفسیر اور تاریخ میں تو آپ کو امام مانا جاتا ہے۔ امام ابن حجر کا کہنا ہے کہ آپ کو حدیث کے اسناد اور متون پر کامل عبور تھا۔ الذہبی نے المعجم المختص میں لکھا ہے "الامام المفتی، المحدث البارع، فقیہ متفنن، محدث متقن، مفسر نقال وله تصانیف مفید" اسی طرح آپ کے علم و فراست کے متعلق شذرات الذہب میں ہے "کان کثیر الاستحضار قلیل النسیان، جید الفہم" آپ کو علم حدیث پر کامل عبور تھا۔ آپ کے استاد اور ہم عصر علماء اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ علم حدیث میں حافظ ابن کثیر کو وہ مقام اعلیٰ حاصل ہے جو کم لوگوں کو ہی ملتا ہے۔ چنانچہ آپ کا شاگرد اس کا اظہار یوں کرتا ہے "احفظ من ادرکناہ لمتون الحدیث واعرفهم بجرحها ورجالها، وصحیحها وسقیمها، وکان اقرانه وشیوخه یعترفون له بذلک، وما اعرف انی اجتمعت به علی کثرۃ ترددی علیه الا واستفدت منه"

آپ کے علم کا اندازہ آپ کی تفسیر اور تاریخ البدایۃ والنہایۃ جو ابتدائے آفرینش سے اُن کے زمانے تک کے واقعات پر مشتمل ہے پڑھنے سے ہو جاتا ہے اور یہ دونوں کتب اپنی مثال آپ ہیں۔

تفسیر ابن کثیر روایات تفسیر
تفسیر القرآن العظیم" معروف بہ "تفسیر ابن کثیر" سماع کا نہایت ہی معتمد ذخیرہ ہے

Marfat.com

اور روایت و درایت کی جامعیت میں وہ شان حاصل ہے کہ محدثین کی تفاسیر میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔ بعض لوگ تفسیر ابن کثیر کو تفسیر سلفی بھی کہتے ہیں یہ تفسیر علماء کے ہاں بڑی مستند سمجھی جاتی ہے۔ حضرت شاہ انور کا مقولہ ہے کہ اگر کوئی کتاب کسی دوسری کتاب سے مستغنی کر سکتی ہے تو وہ صرف تفسیر ابن کثیر ہے جو تفسیر ابن جریر سے بھی بے نیاز کر دینے والی ہے۔

ابن کثیر نے آیات کی تشریح میں احادیث اور آثار کو بالالتزام بیان کیا ہے اور ان پر حسب ضرورت تنقید و جرح بھی کی ہے۔ تفسیری تنقید صحیح معنوں میں ابن کثیر نے ہی شروع کی ہے۔

تفسیر کرنے کا انداز:- آپ نے اس تفسیر کے مقدمہ میں تفسیر قرآن سے متعلق ایک نہایت معلومات افزا مقالہ لکھا ہے آپ کا تفسیر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ :-

پہلے آیت کا آسان عبارت میں مطلب بیان کرتے ہیں اس کے بعد اگر ممکن ہو تو اسی آیت کی دوسری آیت سے توضیح کرتے ہیں اور دونوں آیات میں جو باہمی ربط ہے اس کو تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں یعنی قرآن سے ہی کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس موضوع سے متعلق احادیث درج کرتے ہیں اور پھر صحابہ و تابعین اور علماء سلف کے اقوال۔

بعض اقوال کو بعض پر ترجیح اور بعض روایات کو ضعیف بھی قرار دے دیتے ہیں اور اس کی وجہ بھی ساتھ ساتھ ہی لکھتے جاتے ہیں۔

امام ابن کثیر کو یہ بات دیگر مفسرین سے ممتاز کرتی ہے کہ کہیں تو اسرائیلیات کے عجیب و غریب قصے بیان کر دیتے ہیں اور کہیں بالکل ہی اعراض کر جاتے ہیں۔ بیان کرتے وقت یہ تنبیہ ضرور کر دیتے ہیں کہ ہمارا ان پر اعتقاد نہیں ہے۔ ہمیں نہ ان کی تصدیق کرنی چاہیئے اور نہ تکذیب۔ مگر جس بات کو عقل سلیم قبول کر لے۔ مثلاً ان اللہ یامرکم ان تذبحوا

بقرۃ (البقرہ) کے تحت ایک طویل قصہ بیان کرتے ہیں اور آخیر میں یہی بتاتے ہیں۔ جو علماء سلف سے منقول ہے۔ اسی طرح سورۃ ق میں قاف کی وضاحت کرتے ہوئے اسرائیلی روایت بیان کرتے ہیں کہ قاف ایک ایسا پہاڑ ہے جس نے تمام زمین کو گھیر رکھا ہے۔ آخر میں کہتے ہیں کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ یہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔ بعض اوقات ابن کثیر تفسیر کرتے ہوئے فقہی مسائل کو لے بیٹھتے ہیں۔ علماء کے اقوال اور دلائل تک بیان کرتے ہیں مثلاً "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" کے تحت چار مسائل بیان کرکے علماء کے اقوال و دلائل نقل کرتے ہیں اسی طرح طلاق اور خلع کی آیات میں بھی تفصیل سے بحث کی ہے۔

جہاں امام ابن کثیر فقیہ مفسرین کی طرح اختلافات کے بارے میں اتنی طویل بحث نہیں چھیڑتے۔ وہاں اس قدر اجمال بھی نہیں برتتے بلکہ ہمیشہ راہ اعتدال اختیار کرتے ہیں۔

بہر حال ان کی تفسیر ایک بہترین تفسیر ہے جیسا کہ امام الحافظ سیوطی نے تذکرہ میں اور زرقانی نے شرح المواهب میں لکھا ہے کہ ان کا انداز تفسیر بہت اچھا ہے اور اس طرح کی تفسیر آج تک کسی نے نہیں لکھی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے تفسیر ابن جریر، ابن ابی حاتم، تفسیر ابن عطیہ وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔

یہ تفسیر دس جلدوں میں ہے اور اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

۳۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی

مؤلف کے حالات زندگی: اس تفسیر کے مؤلف کا نام ابو ثناء شہاب الدین سید محمود افندی آلوسی بغدادی ہے۔ آپ ۱۲۱۷ ہجری میں بغداد کے محلہ کرخ نامی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباء و اجداد

Marfat.com

آلوس نامی ایک بستی میں جو شام اور بغداد کے درمیان واقع ہے۔ میں رہتے تھے اور پھر وہاں سے بغداد میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اس بستی کی نسبت سے آپ کو آلوسی کہا جاتا ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہی اپنے والد بزرگوار سے پائی اس کے بعد شیخ خالد نقشبندی اور شیخ علی سویدی سے تعلیم پائی۔ آپ ہمیشہ اپنے علم کو بڑھانے میں کوشاں رہتے تھے اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

سہری لتنقیح العلوم ألذلی　　من وصل غانیۃ وطیب عناق

تیرہ سال کی عمر میں آپ مسند درس و تدریس پر جلوہ افروز ہو گئے اور اس کے ساتھ ساتھ تصنیف تالیف کا کام بھی شروع کر دیا تھا۔ آپ کے علم سے استفادہ کرنے کے لیے لوگ دُور دُور سے آتے تھے اور سیراب ہو کر واپس جاتے تھے۔ آپ علم حاصل کرنے والوں کے لیے قیام و طعام اور لباس کا بھی خود انتظام کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا کا حافظہ عطا کیا تھا اور یہ اکثر بھی کہا کرتے تھے ؎

ما استودعت ذهنی شیئاً فخاننی　　ولا دعوت فکری لمعضلۃ الا واجابنی

۱۲۴۸ ہجری میں آپ کو منصب افتاء سونپا گیا۔ پندرہ سال تک آپ اس منصب پر فائز رہے اور فقہ حنفی کے مطابق فیصلے اور فتوے دیتے رہے اس کے بعد آپ اس سے علیحدہ ہو گئے اور قرآن مجید کی تفسیر لکھنا شروع کر دی۔ تفسیر مکمل کرنے کے بعد ۱۲۶۷ ہجری میں قسطنطنیہ گئے اور سلطان عبد الحمید کی خدمت میں اسے پیش کیا۔ جسے دیکھ کر وہ بے حد خوش ہوا۔ دو سال آپ نے وہیں قیام کیا اور ۱۲۶۹ ہجری میں واپس بغداد آ گئے۔

آپ اختلاف مذاہب کے عالم، سلفی الاعتقاد، شافعی مسلک کے پیرو ہونے کے باوجود اکثر مسائل میں امام ابو حنیفہ رح کی تقلید کرتے تھے۔ آخری عمر میں اجتہاد کی طرف طبیعت مائل ہو گئی تھی۔

Marfat.com

آپ نے مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھیں جو علمی و ادبی اور دینی پہلو سے بہت ارفع مقام رکھتی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:۔

۱۔ شرح السلّم جو منطق سے متعلق ہے۔

۲۔ الاجوبة العراقية عن الأسئلة اللاهورية

۳۔ الاجوبة العراقية عن الأسئلة الايرانية

۴۔ درة الغواص فی اوهام الخواص۔

۵۔ النفحات القدسية فی المباحث الامامية۔

۶۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی۔

آپ نے بروز جمعہ ۲۵ ذی القعدہ ۱۲۷۰ ہجری میں وفات پائی۔ اور شیخ معروف الکرخی کے قبرستان میں جو کرخ میں ہے۔ مدفون ہوئے۔

تفسیر لکھنے کی وجہ:۔ آپ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے بچپن میں ہی کتاب اللہ کے اسرار معلوم کرنے اور اس کو موتیوں کو چُننے کی غرض سے رات کی نیند اور اپنی قوم تک کو چھوڑ رکھا تھا اور عام بچوں کی طرح کھیل کود میں وقت ضائع نہیں کیا کرتا تھا۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے صغر سنی میں ہی مجھے حقائق سے آگاہ فرمایا۔ اسی دوران میں آپ نے تفسیر کتاب اللہ لکھنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ مجھے ایک جمعہ کی رات رجب ۱۲۵۲ھ میں خواب آیا جس کی تعبیر تفسیر لکھنے پر منتج ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۴ برس کی تھی۔ تفسیر مکمل کر لینے کے بعد اس کا نام تجویز کرنے کے لیے علی رضا پاشا کے سامنے اسے پیش کیا گیا۔ علی رضا نے دیکھتے ہی اس کا نام "روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی" تجویز کر دیا۔

تفسیر کا مقام:۔ علامہ محمود الوسی نے اس تفسیر کو علماء سلف کی آراء کے لیے جامع بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی پوری پوری ابتکار کی بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا۔ کہ یہ بالغہ تمام تفاسیر کا ایک جامع خلاصہ

Marfat.com

ہے۔ مختلف تفاسیر سے استفادہ کرتے وقت علامہ موصوف اپنے آپ کو عادل اور منصف حاکم سمجھتے ہوئے محققانہ تنقید کرتے اور آزادانہ رائے لکھتے ہیں انہوں نے امام رازی سے اکثر مقامات پر فقہیہ مسائل میں اختلاف کیا ہے اور ان پر تنقید کی ہے۔

یہ تفسیر چھ جلدوں اور تیس حصوں میں ہے۔ اس شہرہ آفاق تفسیر میں آلوسی نے مکتوبات مجدد الف ثانی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے تحفہ اثنا عشریہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اور اس کا ذکر بھی کیا ہے۔

آلوسی چونکہ سلفی العقیدہ اور سنی المسلک تھے اس لئے معتزلہ شیعہ اور اپنے سے مخالف مذہب والوں کی آراء پر خوب جرح کرتے ہیں۔ اور انہیں غلط اور بے معنی قرار دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ مثلاً

وَ اِذَا رَاَوۡا تِجَارَةً اَوۡ لَهۡوَا اِنۡفَضُّوۡا اِلَيۡهَا ... الخ (سورۃ جمعۃ) کی تفسیر میں شیعہ حضرات کو خوب لعن طعن کیا ہے۔ جنہوں نے کہا تھا۔ کہ یہ آیت صحابہ کبار رضی کے بارے میں اتری تھی۔ اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے وقت کئی بار تجارت وغیرہ کے مشاغل میں مصروف ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رکھی تھی۔ لکھتے ہیں کہ یہ شیعہ حضرات کی کم علمی اور جہالت کا نتیجہ ہے اور بیانات وضاحت سے لکھی ہے کہ یہ آیت اسلام کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی۔ اور صحابہ کبار نے تو رسول خدا کے احکام کی پیروی میں ذرہ بھی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

علامہ صاحب مسائل تکوینیہ میں اکثر اہل الاثبات ذائی الحکمۃ کے اقوال نقل کرتے ہیں اسی طرح نحوی مسائل میں بعض اوقات اس قدر تفصیل میں پڑ جاتے ہیں کہ انہیں مفسر کہنا بے جا معلوم ہونے لگتا ہے۔

آپ فقہی مسائل میں غیر متعصب واقع ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ آیات الاحکام کے ذیل میں ائمہ کرام کے اقوال اور دلائل نقل کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں

Marfat.com

عام نہیں سمجھتے کہ دیا الجملۃ کلام الشافعیۃ فی ھذہ المقام قوی یعنی اس مقام پر امام شافعی کی دلیل زیادہ قوی ہے۔

علامہ موصوف اسرائیلی روایات کو نہ صرف غلط قرار دیتے **اسرائیلیات** نہیں بلکہ اسے خرافات اور لغو کا نام دیتے ہیں اور جنہوں نے اپنی تفامیر میں اسرائیلی روایات کو نقل کیا ہے ان پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ مثلاً لقد اخذ اللّٰہ میثاق بنی اسرائیل کے تحت عوج بن عنق کے مشہور قصہ کو بے بنیاد اور لغو کہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت نوح ؑ کی کشتی کے بارے میں اسرائیلی روایات پر کڑی تنقید کی ہے اور انہیں فضول کہتے ہیں۔

قراءات مختلفہ کا ذکر کرتے ہیں اور آیات کا اسباب نزول بھی ساتھ ساتھ تحریر کرتے جاتے ہیں۔ الفاظ کے معانی کے سلسلے میں اشعار عرب سے استشہاد کرتے ہیں۔

۴۔ "فی ظلال القرآن"

مؤلف کے حالات زندگی خاندان قطب:۔ اس تفسیر کے مؤلف کا نام سید قطب ہے۔ ان کا اصل نام سید ہے قطب ان کا خاندانی نام ہے۔ ان کے آباء و اجداد اصلاً جزیرۃ العرب کے بسنے والے تھے۔ ان کے ایک بزرگ وہاں سے ہجرت کرکے بالائی مصر کے علاقے میں آباد ہو گئے۔ انہی کی اولاد میں سے سید قطب کے والد بزرگوار حاجی ابراہیم قطب تھے۔ حاجی ابراہیم کی پانچ اولادیں تھیں۔ دو لڑکے سید قطب اور محمد قطب اور تین لڑکیاں حمیدہ قطب اور آمینہ قطب تیسری لڑکی کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ ان پانچوں بہن بھائیوں میں سید قطب سب سے بڑے ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی محمد قطب بھی بڑے صاحب علم و فضل ہیں ان کے قلم سے اب تک گیارہ سے زائد ضخیم کتابیں مختلف اسلامی موضوعات پر نکل چکی ہیں۔

Marfat.com

اور علمی و ادبی حلقوں سے غیر معمولی داد ستائش حاصل کر چکی ہیں۔ آمینہ قطب بھی پڑھی لکھی خاتون ہیں اور دعوت وجہاد میں اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ سرگرم کار رہی ہیں۔ ان کے اصلاحی و معاشرتی مضامین بھی مختلف جرائد میں چھپتے رہے ہیں۔ ان کے اصلاحی افسانوں کا ایک مجموعہ "فی تیار الحیاۃ" کے نام سے چھپ چکا ہے ان کی دوسری بہن حمیدہ قطب بھی میدان جہاد میں اپنے بھائیوں سے پیچھے نہیں رہی ہیں۔ یوں خاندان قطب کا ہر فرد گوہر یک دانہ نظر آتا ہے۔ اور اس مثل کا صحیح مصداق ہے کہ " این خانہ ہمہ آفتاب است" صبر و عزیمت اور آزمائش وابتلاء میں بھی اس خاندان نے بیسویں صدی میں جس اعلٰی کردار کا نمونہ پیش کیا ہے۔ اس نے آلِ یاسرؓ کی مثال زندہ کر دی ہے سیّد قطب نے تختہ دار کو چوم لیا۔ محمد قطب جیل میں ڈال دیئے گئے اور تعذیب و تشدّد کا نشانہ بنے۔ حمیدہ قطب کو بھی سات سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ آمینہ قطب بھی ایسے ہی انجام سے دوچار ہوئی۔ تیسری بہن جس کا صحیح نام نہیں ہو سکا۔ نے بھی سید رفعت نامی اپنا ایک لختِ جگر راہ حق پر قربان کر دیا۔ اور جلّاد کے تازیانوں نے اسے شہید راہ الفت کے خطاب سے نواز دیا۔

سیّد کے حالات زندگی:۔ سیّد قطب ۱۹۰۶ء میں مصر کے ضلع اسیوط کے موشا نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ سیّد قطب کے کی والدہ کا اسم گرامی فاطمہ حسین عثمان تھا۔ موصوفہ بڑی دین دار اور خدا پرست خاتون تھیں انہیں قرآن مجید سے بڑا شغف تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کے بچے قرآن کے حافظ ہوں۔ سیّد قطب اپنی کتاب "التصویر الفنی فی القرآن" کا انتساب اپنی والدہ محترمہ کی طرف کرتے ہوئے موصوفہ کی قرآن سے محبت و شیفتگی کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں۔ اے میری ماں! گاؤں میں رمضان کے پورے مہینہ میں جب قاری حضرات ہمارے گھر میں قرآن کی دلنشین انداز

Marfat.com

میں تلاوت کیا کرتے تھے تو تُو گھنٹوں کان لگا کر، پوری محویت کے ساتھ پردے کے پیچھے سے سنا کرتی تھی۔ میں تیرے پاس بیٹھا جب شور کرتا تھا۔ جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے تو مجھے اشاروں کنایوں سے باز رہنے کی تلقین کرتی تھی میں پھر کان لگا کر سننے لگ جاتا تھا۔ میرا دل الفاظ کے ساحرانہ لحن سے محظوظ ہوتا اگرچہ میں اس وقت مفہوم سے ناواقف تھا۔

تیرے ہاتھوں میں جب پروان چڑھا تو تُو نے مجھے بستی کے ابتدائی مدرسہ میں بھیج دیا۔ تیری سب سے بڑی آرزو یہ تھی۔ تو اللہ میرے سینے کو کھول دے اور میں قرآن حفظ کر لوں اور اللہ مجھے خوش الحانی سے نوازے اور میں تیرے سامنے بیٹھا ہر فجر تلاوت کیا کروں۔ چنانچہ میں نے قرآن حفظ کر لیا اور یوں تیری آرزو کا ایک حصہ پورا ہو گیا۔

"اے ماں! تیرا ننھا بچہ، تیرا لختِ جگر آج تیری تعلیم و تربیت کی طویل محنت کا ثمرہ تیری خدمت میں پیش کر رہا ہے۔ گو حسن ترتیل کی اس میں کمی ہے لیکن حسن تاویل کی نعمت سے وہ ضرور بہرہ ور ہے۔"

سید کے والد بھی بڑے باخدا اور درویش منش انسان تھے۔ ان کا پیشہ زراعت تھا۔ سید نے اپنی کتاب "مشاهد القیامة فی القرآن" کا انتساب اپنے والد مرحوم کی طرف کیا ہے۔ اس انتساب میں وہ اپنے والد کے تعلق اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اے باپ! یہ کاوش تیری روح کی نذر کرتا ہوں۔ میں بچہ ہی تھا کہ تُو نے میرے احساس و وجدان پر یوم آخرت کا خوف نقش کرایا۔ تُو نے مجھے کبھی نہیں جھڑکا تھا بلکہ تُو میرے سامنے اس طرح زندگی بسر کر رہا تھا کہ قیامت کی باز پرس کا احساس تجھ پر طاری رہتا تھا۔ ہر وقت تیرے قلب و ضمیر میں اور تیری زبان پر اس کا تذکرہ ہی رہتا تھا تو دوسروں کا حق ادا کرتے وقت اپنی ذات کے ساتھ تشدد برتتا اور دوسروں سے اپنا حق وصول

Marfat.com

کرتے وقت تساہل سے کام لیتا تھا اس کی وجہ تو یہ بتایا کرتا تھا کہ اصل
روز قیامت کو ہو گا۔ نہ برائیوں سے درگذر کرتا تھا۔ حالانکہ تجھ میں ان کا جواب
کی قدرت ہوتی تھی۔ کیونکہ تو انہیں قیامت کے روز کے لیے اپنے لیے کف
سمجھتا تھا بسا اوقات تو اپنی ضرورت کی اشیاء دوسروں کو پیش کر د
حالانکہ تو خود ان کا شدید حاجت مند ہوتا تھا۔ لیکن تو کہا کرتا تھا کہ زاد
جمع کر رہا ہوں۔ تیری صورت میرے تخیل پر مرتسم ہے۔ عشاء کے کھانے
ہم فارغ ہو جایا کرتے تو تو قرآن کی تلاوت کرنے لگ جاتا اور اپنے وا
کی روح کو ثواب پہنچاتا۔ ہم چھوٹے چھوٹے بچے بھی تیرے ساتھ ادھر
کی چند آیات گنگنانے لگتے جو ہمیں پوری طرح یاد نہ ہوتی تھیں"۔

سید کی تعلیمی زندگی: سید کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے سادہ اور محدود
میں ہوئی انہوں نے اپنی والدہ محترمہ کی دلی آرز
مطابق بچپن میں قرآن حفظ کر لیا۔ اس زمانے میں مصر کے دیندار گھرانوں
حفظ قرآن کو عام رواج تھا اور خاص طور پر جو خاندان اپنے بچوں کو از
تعلیم دلانے کا شوق رکھتے تھے۔ انہیں لازماً بچوں کو قرآن حفظ کرانا پڑتا
سید کے والدین اپنے اس ہونہار اور اقبال مند بچے کی اعلیٰ تعلیم کے لیے
متفکر تھے۔ چنانچہ قدرت کی طرف سے ایسا اتفاق ہوا کہ سید کے والدین گا
کو چھوڑ کر قاہرہ کی ایک نواحی بستی حلوان میں آباد ہو گئے اور یوں سید کے
اللہ تعالیٰ نے تعلیمی ترقی اور عروج کی راہ ہموار کر دی۔ سید قاہرہ کے ثانو
مدرسے "تجہیز یہ دار العلوم" میں داخل ہو گئے۔ اس مدرسہ میں
ان طلباء کو داخل کیا جاتا تھا جو یہاں سے فارغ ہو کر دار العلوم (موجودہ قا
یونیورسٹی) میں تکمیل تعلیم کرنا چاہتے تھے۔ اس دور میں جس طرح دینی و شرع
علوم کی اعلیٰ تعلیم گاہ ازہر یونیورسٹی تھی اسی طرح دار العلوم جدید علوم و
کا اعلیٰ تعلیمی ادارہ تھا۔ سید نے "تجہیزیہ دار العلوم" سے فراغت

Marfat.com

[...]صل کرتے ہی ۱۹۲۹ء میں دار العلوم قاہرہ میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۳۳ء میں
[...]ں سے بی۔اے (ایجوکیشن) کی ڈگری حاصل کی اور اپنی خداداد ذہانت
[...]وجہ سے اسی کالج میں پروفیسر متعین کر دیئے گئے۔

[...]کاری ملازمت اور سفر امریکہ:۔ کچھ عرصہ تک دار العلوم قاہرہ میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے رہے پھر انہیں وزارت تعلیم [...]ں انسپکٹر آف سکولز لگا دیا گیا۔ مصر میں یہ عہدہ بڑے اعزاز و افتخار [...]منصب سمجھا جاتا ہے۔ اسی دوران میں انہیں وزارت تعلیم کی طرف سے [...]ید طریقہ تعلیم و تربیت کے مطالعہ کے لیے امریکہ بھیجا گیا اور دو سال کے [...]م کے بعد واپس آئے۔

امریکہ کا مختصر قیام ان کے لیے بڑے خیر و برکت کا موجب ہوا۔ موصوف [...]مادی زندگی کی تباہ کاریاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا چنانچہ انہیں اسلام [...]حقانیت و صداقت پر مزید اطمینان ہوا اور یہ یقین لے کر واپس آئے [...]انسانیت کی اصل فلاح صرف اسلام ہی میں ہے۔

[...]ان المسلمون میں شمولیت:۔ امریکہ سے واپسی پر انہوں نے "اخوان المسلمون" کی دعوت کا مطالعہ کیا اور اس سے اتنے [...]ثر ہوئے کہ ۱۹۴۵ء میں وہ اخوان سے وابستہ ہو گئے۔ یہ وہ دور تھا۔ [...]دوسری جنگ عظیم ختم ہو چکی تھی اور اخوان المسلمون کی تحریک نے عوامی [...]نے پر سیاسی مسائل میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ جنگ کے دوران میں [...]یزوں نے آزادیٔ مصر کا جو وعدہ کیا تھا۔ اخوان نے اسے فوری طور [...]ورا کرنے کا مطالبہ کر رکھا تھا۔ اس سے ایک طرف اگر اخوان کی مقبولیت [...]اضافہ ہو گیا تھا تو دوسری طرف انگریزی استعمار اور شاہی استبداد [...] بھگت سے ان کے لیے تکالیف و مصائب کے نئے دروازے بھی کھل [...]تھے۔ اخوان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دو سالوں کے اندر اندر ان کے

صرف کارکنوں کی تعداد ۲۵ لاکھ تک پہنچ گئی تھی اور عام ارکان اور ہمدردوں اور حامیوں کی تعداد اس سے بھی دگنی تھی۔ ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء میں اخوان کے مرشد عام استاذ حسن البنّا شہید کر دیئے گئے اور جماعت کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔

۱۹۵۲ء کے وسط میں اخوان کی تحریک دوبارہ بحال ہوئی۔ فاروق کا دور جبر ختم ہوا۔ اخوان کے رہنما اور کارکن جیلوں سے رہا ہوئے اور حسن الہضیبی کی قیادت میں قافلہ نئے ولولوں سے اپنے سفر پر چل کھڑا ہوا۔ سید قطب اخوان کے مکتب الارشاد (مجلس عاملہ) کے رکن منتخب ہوئے۔ جماعت کے مرکزی دفتر میں انہیں شعبہ تبلیغ دعوت کا رئیس (انچارج) مقرر کیا گیا ۱۹۵۲ء سے پہلے تو وہ جماعت کے ایک عام رکن تھے مگر اب ان کا شمار رہنماؤں میں ہونے لگا اور انہوں نے اپنی زندگی ہمہ تن دعوت و جہاد کے لیے وقف کر دی اور مختلف پہلوؤں اور مختلف طریقوں سے اس تحریک کی خدمت کی۔ مارچ ۱۹۵۳ء میں مصر کے معاشرتی بہبود کے حلقے نے سید قطب کو معاشرتی بہبود کی کانفرنس میں شرکت کے لیے دمشق بھیجا۔ سید موصوف نے اس کانفرنس میں متعدد لیکچر دیے جن میں قابل ذکر لیکچر یہ تھا۔

"التربیۃ الخلقیۃ وسیلۃ لتحقیق التکافل الاجتماعی"
(اخلاقی تربیت اجتماعی کفالت کو بروئے کار لانے کا ایک ذریعہ ہے) کانفرنس سے فارغ ہو کر سید صاحب اردن کی زیارت کو روانہ ہوئے مگر اردنی حکام نے انہیں سرحد پر روک لیا اور اردن میں داخل ہونے سے منع کر دیا۔ اردنی حکام کا یہ اقدام گلب پاشا کے احکام کی بناء پر عمل میں آیا تھا۔ دسمبر ۱۹۵۳ء میں سید صاحب کو اخوان کے مکتب الارشاد کی طرف سے بیت المقدس میں منعقد ہونے والی اسلامی کانفرنس میں بھیجا گیا۔ اس مرتبہ چونکہ سید صاحب عالم اسلامی کے وفد کے ہمراہ

Marfat.com

اردن میں داخل ہوئے تھے اس لیے اردنی حکام کی طرف سے ان سے تعرض نہ کیا گیا ورنہ سید صاحب کو آتشیں تحریروں سے گلیب شاہ کو جو پڑ تھی اس کی بنا پر ان کا اردن میں قیام رکھنا آسان نہ تھا۔ جولائی ۱۹۵۴ء میں اخوان کی "مجلس دعوتِ اسلامی" نے سید صاحب کو جریدۂ اخوان المسلمونؒ کا چیف ایڈیٹر مقرر کیا۔ موصوف نے دو ماہ تک اس جریدے کی ایڈیٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۴ء کو یہ جریدہ کرنل ناصر کی حکومت کی طرف سے بند کر دیا گیا کیونکہ اس جریدے نے اخوان المسلمون کی پالیسی کے تحت اس اینگلو مصری پیکٹ کی مخالفت کی تھی جو ۲۷ جولائی ۱۹۵۴ء کو جمال عبدالناصر اور انگریزوں کے مابین ہوا تھا۔ اس پیکٹ کے بعد اخوان اور ناصر کے مابین کشمکش کا آغاز ہو گیا اور اخوان شدید ترین دورِ ابتلاء میں گھر گئے۔ ایک جعلی سازش کے الزام میں حکومتِ مصر نے اخوان المسلمون کو خلافِ قانون قرار دے دیا اور اخوان رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ انہیں موت کی سزائیں دی گئیں۔ ان کے ہزاروں کارکنان کو جیلوں میں ٹھونس دیا اور ایسا محشر خیز ہنگامہ برپا ہوا کہ ہر اس شخص کی عزت و آبرو اور جان و مال پر دست درازی کی گئی جو اخوان کے ساتھ کسی نہ کسی نوعیت کا تعلق رکھتا تھا۔

ابتلاء کا آغاز: ان گرفتار شدگان میں سید قطب بھی تھے۔ انہیں مصر کی مختلف جیلوں میں رکھا گیا۔ کبھی قلعہ کی جیل میں کبھی فوجی جیل میں سید صاحب کی گرفتاری اور تعذیب کی داستان بڑی ہولناک ہے۔ شام کے ہفت روزہ اخبار "الشہاب" کے حوالے سے اس کی تلخیص نقل کی جاتی ہے۔

فوجی افسر جب سید قطب کو گرفتار کرنے کے لیے ان کے گھر میں داخل ہوئے تو سید صاحب اس وقت انتہائی شدید بخار میں مبتلا تھے۔ انہیں

Marfat.com

اُسی حالت میں پابند سلاسل کر لیا گیا اور ملٹری جیل تک لے جایا گیا۔ راستے میں شدّتِ کرب کی وجہ سے بے ہوش ہو کر زمین پر گر جاتے اور جب ہوش میں آتے تو ان کی زبان پر اللّٰہ اکبر و لِلّٰہِ الحمد (یہ اخوان کا نعرہ ہے) کے الفاظ جاری ہو جاتے۔ انہیں جب فوجی جیل میں داخل کیا گیا تو جیل کے دروازے پر ان کی ملاقات جیل کے کمانڈر اور خفیہ پولیس کے افسروں سے ہوئی۔ جونہی سید قطب نے جیل کے اندر قدم رکھا تو جیل کے کارندے ان پر ٹوٹ پڑے اور پورے دو گھنٹے تک ان کو زدو کوب کرتے رہے جیل کے اندر ان پر ایک سدھایا ہوا گرگ نما فوجی کتا بھی چھوڑا گیا۔ جو اُن کی ران منہ میں لے کر اِدھر اُدھر گھسیٹتا رہا۔ اس تمہیدی کاروائی کے بعد انہیں ایک کوٹھڑی میں لے جایا گیا اور اُن سے سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوا اور مسلسل سات گھنٹے تک جاری رہا۔ سید صاحب کی جسمانی طاقت اگرچہ جواب دے چکی تھی مگر قلبی حرارت اور اطمینان و صبر کی طاقت نے انہیں پتھر کی چٹان میں تبدیل کر دیا تھا۔ ان پر گوناگوں اذیتوں کی بارش ہوتی رہی مگر وہ اللّٰہ اکبر و لِلّٰہِ الحمد کے مسرور جاودانی میں مستغرق رہتے۔ رات کو جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ڈال دیا جاتا اور صبح کے وقت بلا ناغہ انہیں پریڈ کرائی جاتی ان مالایطاق مشقتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ متعدد بیماریوں میں مبتلا ہو گئے ۳ مئی ۱۹۵۵ء کو انہیں فوجی ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا۔ اس وقت وہ امراض سینہ، قلبی ضعف، جوڑوں کے درد اور اسی نوعیت کی دوسری بیماریوں سے مبتلا تھے۔"

موصوف کے ایک شاگرد لکھتے ہیں:۔

"تعذیب کے گوناگوں پہاڑ سید قطب پر توڑے گئے۔ انہیں آگ سے داغا گیا۔ پولیس کے کتوں نے انہیں کھینچوں میں لے کر گھسیٹا۔ ان سے

Marfat.com

سر پر مسلسل کبھی گرم اور کبھی ٹھنڈا پانی انڈیلا گیا، انہیں لاتوں اور گھونسوں سے مارا گیا۔ دل آزار الفاظ اور اشاروں سے ان کی توہین کی گئی مگر ان سب چیزوں نے سید کے ایمان میں اضافہ کیا اور حق پر ان کے قدم مزید جم گئے۔"

عزیمت کی ایک مثال: ۱۳ر جولائی ۱۹۵۵ء کو مصر کی عوامی عدالت کی طرف سے سید صاحب کو پندرہ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ عوامی عدالت کا یہ فیصلہ ان کی غیر حاضری میں سنایا گیا، کیونکہ سید صاحب اس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ وہ عدالت میں بھی حاضر نہ ہو سکتے تھے۔ ۱۵ سال قید بامشقت کا ابھی ایک سال ہی گزرا تھا کہ جمال عبدالناصر کی طرف سے ایک نمائندہ سید صاحب کے پاس جیل خانہ میں گیا جس نے سید صاحب کو یہ پیش کش کی کہ "اگر آپ چند سطور معافی نامہ کی لکھ دیں، جنہیں اخبارات میں شائع کیا جا سکے تو آپ کو رہا کر دیا جائے گا اور جیل کے مصائب سے نجات پا کر آپ گھر کی آرام دہ زندگی سے متمتع ہو سکیں گے۔" اس پیشکش کے جواب میں اس مرد مومن نے جو جواب دیا اسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ انہوں نے کہا :۔

"مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو مظلوم کو کہتے ہیں کہ ظالم سے معافی مانگ لے۔ خدا کی قسم! اگر معافی کے چند الفاظ مجھے پھانسی سے بھی نجات دے سکتے ہوں تو میں تب بھی اس کے لیے تیار نہ ہوں گا اور میں اپنے رب کے حضور اس حال میں پیش ہونا پسند کروں گا کہ میں اس سے خوش ہوں اور وہ مجھ سے خوش ہو۔" جیل میں جب کبھی ان سے اس پیشکش کا ذکر کیا جاتا اور معافی کا مشورہ دیا جاتا تو انہوں نے ہمیشہ یہی کہا: "اگر میرا قید کیا جانا برحق ہے تو میں حق کے فیصلہ پر راضی ہوں۔ اگر باطل نے مجھے گرفتار کر

رکھا ہے تو میں باطل سے رحم کی بھیک مانگنے کے لیے تیار نہیں ہوں" عوامی عدالت کی کارروائی حکومت کی طرف سے کتابی شکل میں شائع کی جا چکی ہے اس کارروائی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ سید صاحب کو حکومت کی طرف سے وزارت تعلیم کی بھی پیشکش کی گئی۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کردی۔ کہ وزارت کا قبول کرنا اس وقت تک لاحاصل ہے جب تک مصر کے پورے نظام تعلیم کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کا اختیار نہ ہو۔

رہائی:۔ ۱۹۶۴ء کے وسط تک سید صاحب مصر کے مختلف جیل خانوں میں رہے۔ ابتدائی تین سال تو انھوں نے انتہائی اذیت اور عذاب میں گزارے مگر بعد میں جبر و تشدد کا سلسلہ ہلکا کر دیا گیا اور ان کے اعزہ و اقارب کو بھی ملاقات کی اجازت مل گئی اور خود انہیں بھی جیل کے اندر اپنے علمی مشاغل جاری رکھنے کی سہولت کسی حد تک مہیا ہو گئی۔ اس جزوی سہولت سے انھوں نے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" کی تکمیل پر متوجہ ہو گئے۔ ۱۹۶۴ء کے وسط میں جب کہ ان کی قید کو تقریباً دس سال ہو گئے تھے اور بالعموم پندرہ سال کی سزا پانے والا قیدی عملاً دس یا گیارہ سال گزار کر رہا ہو جاتا ہے۔ عراق کے مرحوم صدر عبدالسلام عارف نے قاہرہ کا دورہ کیا اور صدر ناصر سے سید صاحب کی رہائی کی درخواست کی۔ چنانچہ صدر ناصر نے جو صدر عبدالسلام عارف مرحوم کے ساتھ خوشگوار تعلقات کے قیام کے متمنی تھے اس درخواست کے جواب میں سید صاحب کو رہا کر دیا مگر اس رہائی سے عملاً کوئی فرق نہ پیدا ہوا کیونکہ وہ برابر پولیس کی نگرانی میں رہتے تھے۔ اور انہیں آزادانہ نقل و حرکت کی اجازت نہ تھی۔

دوبارہ گرفتاری اور سزا:۔ اس مقید آزادی کو ایک سال بھی گزرنے

Marfat.com

نہ پایا تھا کہ سید صاحب کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر الزام یہ لگایا گیا کہ وہ طاقت کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے تھے۔ چنانچہ نہ صرف انہیں بلکہ ان کے بھائی محمد قطب اور ان کی ہمشیرگان حمیدہ قطب اور آمینہ قطب کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

تختہ دار پر لٹکا دیئے گئے: اگست ۱۹۶۶ء کو سید صاحب اور ان کے دو ساتھیوں کو فوجی ٹریبونل کی طرف سے موت کی سزائیں سنائی گئیں۔ ان سزاؤں پر پوری دنیا کے اندر شدید ردعمل پیدا ہوا۔ دینی رہنماؤں سیاسی شخصیتوں، مذہبی اور اصلاحی تنظیموں اور اخبارات و رسائل کی طرف سے سزاؤں میں تبدیلی کی درخواست کی گئی مگر ان کی شنوائی نہ ہو سکی اور بالآخر ۲۵ راگست ۱۹۶۶ء کی صبح کو یہ سزائیں نافذ کر دی گئیں اور بے نظیر شخصیت جو مصر اور عرب دنیا کے الحاد پرست اور بد دین عناصر کے اندر کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی اپنے رب سے راضیاً مرضیاً جا ملی ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

سید قطب علم اور ادب کے میدان میں: سید صاحب مصری معاشرے کے اندر ایک ادیب لبیب کی حیثیت سے ابھرے، سیاسی اور اجتماعی نقاد کے عنوان سے انہوں نے نام پیدا کیا اور بالآخر اسلام کے عظیم مفکر اور داعی اور مفسر قرآن کے روپ میں وہ دنیا سے جامہ شہادت پہنے رخصت ہو گئے۔

سید قطب کی تصانیف: سید قطب کی تمام تصانیف کی تعداد ۲۴ ہے جن میں سے مندرجہ ذیل بہت مشہور ہیں:۔

۱۔ تفسیر قرآن "فی ظلال القرآن" (قرآن کے زیر سایہ میں)

Marfat.com

۲- العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام (اسلام کا عدل اجتماعی)
۳- مشاھد القیامۃ فی القرآن (قرآن میں قیامت کے مناظر)
۴- السلام العالمی والاسلام (عالمی امن اور اسلام)
۵- معالم فی الطریق (نشان راہ)
۶- التصویر الفنی فی القرآن (قرآن کے فنی پہلو)

مشاھد القیامۃ فی القرآن:- اس کتاب میں سید صاحب نے مناظر قیامت بیان کیے ہیں

یہ مناظر قرآن کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۸۰ سورتوں میں ۱۵۰ مواقع پہ بیان ہوئے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں۔ "اس کتاب میں میں نے جو چیز پیش کی ہے اسے میں نے مناظر کا نام دیا ہے۔ منظر میں تصویر، حرکت اور تاثیر کے پہلو بھی شامل ہوتے ہیں چنانچہ مصنف نے آخرت کے مناظر کی جو نقشہ کشی کی ہے اور جس حیرت انگیز اور مؤثر اسلوب میں واقعہ نگاری کی ہے وہ تعریف و توصیف سے بالا ہے۔ پڑھنے والا صرف الفاظ سے ہی محظوظ نہیں ہوتا بلکہ آیات جنت کو پڑھتے ہوئے جنت کے لذائذ اور آیات دوزخ کو پڑھتے ہوئے دوزخ کی شعلہ سامانیوں کو بھی محسوس کرتا ہے، یہ کتاب نہ صرف دعوت کے نقطۂ نظر سے بے مثال ہے بلکہ ادب و فن کا بھی شاہکار ہے۔ سید صاحب نے ماہر انشا پرداز اور تخلیقی صلاحیتوں سے مالامال فن کار کے موقلم سے اس کتاب کو زندہ صحیفہ بنا دیا ہے۔ یہ کتاب ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے

۲- التصویر الفنی فی القرآن:- یہ صاحب کا قلم قرآن کے موضوع پر بڑی پختگی، خود اعتمادی اور وقت الہی کے ساتھ چلتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ قرآن ان کا اصل موضوع ہے۔ التصویر الفنی فی القرآن میں انہوں نے قرآن کی ادبی قدر و قیمت اجاگر کی ہے۔ قرآن کی

Marfat.com

جادو بیانی کا منبع، قرآن کیسے سمجھا گیا، قرآن کے مناظر کی فنی نقشہ کشی، حسی تخیل، فن کے لحاظ سے نظم کلام، قرآنی قصے، قصوں کے اغراض و مقاصد قصہ گوئی میں دین اور فن کا امتزاج، قصہ کے فنی خصائص، قصہ میں واقعہ نگاری کا جزء، قرآن کے انسانی نمونے، وجدانی منطق اور قرآن کا طریق دعوت ان تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

فی ظلال القرآن: سید قطب کا سب سے عظیم کارنامہ ان کی تفسیر قرآن ہے جو فی ظلال القرآن کے نام سے آٹھ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہو رہے ہیں۔ فارسی میں "در سایہ قرآن" کے نام سے اس کے دس پارے چھپ چکے ہیں۔ اس تفسیر کا آغاز انہوں نے ۱۹۵۴ء کی اسیری سے پہلے کر دیا تھا اور جیل میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ یہ اصطلاحی معنی میں تفسیر نہیں ہے اور متداول تفاسیر کے اسلوب میں اسے نہیں لکھا گیا ہے۔

یہ دراصل ان تاثرات سے عبارت ہے جو مطالعہ قرآن کے دوران میں ان پر طاری ہوتے لیکن ان تاثرات کو مصنف نے اس طرح پیش کیا ہے کہ قرآن کی ایک ایک آیت کے اندر دعوت و اصلاح اور تنبیہ و تذکیر اور نور عرفان کے جو سمندر موجزن ہیں ان کا عکس کاغذ کے صفحات پر منتقل ہو گیا ہے۔

فی ظلال القرآن چھ بنیادی خوبیوں کی حامل ہے۔

۱۔ بلند پایہ ادبی اسلوب جس میں سید قطب اکثر قدیم مفسرین اور محدثین سے بھی بڑھ گئے ہیں۔

۲۔ تمام معروف تفاسیر سے انہوں نے استفادہ کیا ہے اور ان سے اخذ کردہ معلومات کو اپنی تفسیر میں اس عالمانہ انداز سے سمو دیا ہے کہ یہ تفسیر

Marfat.com

ادبی مقالات کا مجموعہ نہیں بلکہ معلومات کا دائرۃ المعارف بن گئی ہے۔

۳۔ اسرائیلیات سے یہ تفسیر مکمل طور پر خالی ہے۔

۴۔ معتزلہ و خوارج اور اشاعرہ اور ماتریدیہ اور فقہ کے مختلف فکر کے نزاعات سے جو عام عربی تفاسیر کے اندر ملتے ہیں یہ تفسیر خالی ہے۔

۵۔ پوری جامعیت اور تفصیل کے ساتھ ہر بحث کو ادا کیا ہے اس کے بعد کسی اور کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

۶۔ پوری تفسیر کے اندر ایک ایسی شفاف اور پاکیزہ روح جلوہ گر نظر آتی ہے۔ جو یقین و اذعان کی دولت اور ایمان و عقیدہ کی گہرائی اور عمر و عزیمت کی قیمت سے لبریز ہے۔ اس چیز نے تفسیر کو ایک متحرک زندگی اور رواں دواں اسلامی تحریک کی کتاب ہدایت کی صورت دے دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام علماء نے اس تفسیر کی بڑی تعریف و توصیف کی ہے اور باوجودیکہ یہ مکمل طور پر چھپ چکی ہے اور مکتبوں سے بآسانی مل سکتی ہے۔ مگر عرب ممالک کے اخبارات و رسائل اسے مسلسل اپنے کالموں میں نقل کر رہے ہیں۔ (تلخیص از جادہ و منزل)

۵۔ تفسیر مظہری

مؤلف کے حالات زندگی: اس تفسیر کے مصنف کا نام قاضی ثناء اللہ پانی پتی ہے۔ آپ پانی پت (مشرقی پنجاب) میں ۱۱۴۳ھ بمطابق ۱۷۳۰۔۱۷۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ جلال الدین چشتی صابری پانی پتی کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کا نسب حضرت عثمان بن عفان پر منتہی ہوتا ہے۔ سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا پھر علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل میں مشغول رہے۔ اس سلسلے میں دہلی گئے جہاں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ۔۱۷۶۲ء) سے حدیث سنی پھر صغرسنی

Marfat.com

ہی میں حافظ محمد عابد لاہوری سے علم طریقت (نقشبندیہ) اخذ کیا۔ ان کی وفات کے بعد (اور ایک روایت کے مطابق حافظ محمد عابد کی ہدایت پر) حضرت مرزا مظہر جان جاناں دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے علم طریقت حاصل کیا۔ گویا آپ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے مرید اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ مرزا موصوف ان سے بہت متاثر ہوئے اور انہیں علم الہدیٰ کا لقب دیا۔ مرزا صاحب نے ان کے حق میں یہ ایک بار یہ بھی فرمایا کہ "اگر اللہ نے مجھ سے روز حشر پوچھا کہ ہماری درگاہ میں کیا تحفہ لائے ہو تو عرض کروں گا کہ ثناء اللہ پانی پتی لایا ہوں۔"

تحصیل علم کے بعد آپ وطن پہنچے اور باقی عمر اشاعت، تصنیف و تالیف درس و تدریس اور نشر علوم میں گزار دی۔ متعدد کتب نافع، مفید، مقبول اور مشہور ان کے قلم سے نکلیں۔ فقہ و اصول میں مرتبہ اجتہاد کو پہنچے۔ تفسیر کلام، تصوف میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ صفاء ذہن، جودت طبع، قوت فکر اور سلامت عقل کے لیے مشہور تھے۔ آپ نے پانی پت میں منصب قضا اور فصل قضا یا بھی اختیار کیا اور اس مرتبے کا حق ادا کر دیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو ان کے ہمعصر تھے نے ان کو "بیہقی وقت" کا خطاب دیا۔ قاضی صاحب اپنے عہد کے بڑے زبردست فقیہ تھے۔ آپ نے یکم رجب ۱۲۲۵ ہجری/ ۲۲ اگست ۱۸۱۰ عیسوی کو وفات پائی۔

قاضی صاحب نے تیس سے زیادہ تصنیفات چھوڑی ہیں جن میں آپ کی تفسیر عربی زبان میں جو تفسیر مظہری

تفسیر مظہری: کے نام سے معروف ہے بہت مشہور ہے۔ چونکہ قاضی صاحب حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے مرید تھے۔ اس لیے انہی کے اسم گرامی پر اس تفسیر کا نام تفسیر مظہری رکھا ہے گو انہوں نے اسے مرزا صاحب کی وفات کے بعد لکھنا شروع کیا تھا۔ مختلف اجزاء مختلف مطابع میں طبع ہوئے

Marfat.com

تھے اور اہل علم اس تفسیر کے علوم و فیوض کے لیے تشنہ تھے الحمد للہ اب کامل تفسیر پہلے دہلی میں پھر دوسری بار حیدر آباد (دکن) سے دس جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

تفسیر کا رنگ محدثانہ ہے اور حنفی مسلک کے مطابق ہے متداولہ تفاسیر میں سے ابن جریر، بیضاوی اور البغوی کی طرف زیادہ اشارے ملتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ قاضی صاحب نے محمد بن اسحق اور الکلبی کی تالیفات پر بھی انحصار کیا ہے اور لغوی بحث کے لیے اکثر الاخفش، ابن کیسان، الزمخشری اور الفیروز آبادی پر اعتماد کیا ہے۔ قرأت کے سلسلے میں انہوں نے مشہور قاریوں کے علاوہ ہشام (ابو الولید) کو بھی قابل غور سمجھا ہے۔ شاہ غلام علی نے لکھا ہے کہ یہ تفسیر قدمائے زمانہ مفسرین کے اقوال اور تاویلات جدیدہ کی جامع ہے جو ان کے لطیفہ روحانی پر مبداء فیوض سے انا ڈیلے گئے ہیں علمائے تفسیر کے عارفانہ اور فقیہانہ مباحث کو بہت پسند کیا ہے۔ مولانا عبد الحق دہلوی محدث اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ تفسیر نہایت عمدہ ہے اور قاضی صاحب اکثر منقولات کو تحقیق سے لاتے ہیں۔ مولانا محمد مالک صاحب اس تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مضامین قرآن کی بڑی عجیب و غریب تفسیر ہے۔ مذاہب فقیہہ کی تحقیق و تفصیل اور ان کے دلائل کے لیے بے نظیر تفسیر ہے۔ سنا گیا ہے کہ اس کے ایک جزو کا اردو میں ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔

۴۔ الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل

مؤلف کے حالات زندگی:۔ اس تفسیر کے مؤلف کا نام علامہ ابو القاسم

Marfat.com

جار اللہ محمود بن عمر بن محمد بن عمر زمخشری خوارزمی ہے۔ آپ ۲۷ رجب ۴۶۷ ہجری میں خوارزم کے قصبہ زمخشر میں پیدا ہوئے۔ زمخشر اور خوارزم کی نسبت سے آپ کو زمخشری اور خوارزمی کہا جاتا ہے۔

خاندان: آپ نے ایک ایسے خاندان میں جنم لیا جو غریب لیکن اپنی پاکبازی، علم اور پابندیٔ شرع کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ آپ کے والد بزرگوار بڑے عالم، ادیب اور جوانی میں ہی قائم اللیل، صائم النہار اور عمدہ اخلاق والے تھے مگر صاحبِ ثروت نہ تھے بلکہ ایک تنگ دست ادیب تھے۔ موید الملک بن نظام الملک (م ۴۹۴ ہجری) کے زمانے میں ان کو نامعلوم وجوہ کی بناء پر نظر بند کر دیا گیا تھا اور عطا کردہ جاگیر بھی ضبط کر لی گئی۔ چنانچہ یہ نیک دل، نیک سیرت ادیب اپنے لاغر و معصوم بچوں سے دور اور بے خبر قید خانے میں زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا۔ جب کہ باقی ماندہ گھر کے لوگوں میں سے بڑی عمر کے علامہ محمود بن عمر زمخشری تھے جو ابھی سنِ بلوغت کو نہیں پہنچے تھے۔ ایک تو مختصر سا کنبہ پہلے ہی تنگ دستی کے دن گزار رہا تھا جب ان کا سرپرست بھی اُن سے چھن گیا تو ظاہر ہے کہ گھر کی حالت کیا ہو گی۔ مالی پریشانی اور باپ کی جدائی صبر آزما مرحلے تھے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مفادک الحالی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی امداد سے زمخشری کو حوصلہ اور صبر عطا کیا اور یہ آئین قدرت ہے کہ ایسے حالات میں جب کوئی بندہ اپنے رب پر توکل کرتا ہے تو قدرت اسے ہر قسم کے مصائب کو برداشت کرنے کی قوت اور ہمت بخش دیتی ہے اور اسے صابر و متحمل انسان بنا دیتی ہے۔

صغر سنی میں ہی آپ کی والدہ وفات پا گئیں تھیں۔ وہ رقیق القلب اور شفیق ہستی تھیں۔ زمخشری نے اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان کیا

Marfat.com

کہا ہے کہ "میں نے ایام طفولیت میں ایک چڑیا کو پکڑ لیا، اس کے پاؤں کو دھاگے سے باندھ دیا چڑیا نے رہائی کی کوشش کی اور وہ میرے ہاتھوں سے نکل گئی لیکن میں نے اسے دھاگہ بندھے ہونے کے باعث دوبارہ پکڑ لیا اور اپنے حجرہ میں ڈال کر مضبوطی سے کھینچا جس سے چڑیا کا ایک پاؤں ٹوٹ گیا جب میری والدہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ مجھ پر بہت ناراض ہوئیں۔ زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا کہ خدا کرے تیرا پاؤں بھی اسی طرح ٹوٹے جس طرح تم نے ایک مجبور و بے بس چڑیا کا پاؤں توڑ دیا ہے۔"
اتفاقاً ایام جوانی میں آپ کا پاؤں ٹوٹ گیا جسے آپ نے اپنی والدہ کی بد دعا سے تعبیر کیا ہے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی والدہ کتنی رحمدل، نیک اور پارسا خاتون تھیں کہ ایک چڑیا کی تکلیف دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں اور اپنے لخت جگر کے لیے ان کے منہ سے یہ سخت الفاظ نکلے جو بارگاہ ایزدی میں قبول ہو گئے اور مستقبل میں زمخشری کے سامنے حقیقت کا جامہ پہن کر آ گئے۔

آپ کی والدہ کی دلی تمنا تھی کہ میرا بیٹا بچپن سے ہی خدا سے ڈرنے والا اور مخلوق خدا پر رحم کرنے والا ہو چنانچہ انہوں نے زمخشری کے دل میں خوف خدا پیدا کرنے کے لیے انہیں اپنے اس فعل کی عقوبت سے ڈرایا اور انہیں کہا کہ چونکہ تم نے ایک معصوم چڑیا پر ظلم کیا لہذا خداوند تعالی تمہیں اس ظلم کی سزا ضرور دے گا۔ ان کا پاؤں ٹوٹنے کے متعلق اور بھی بہت روایات ہیں جن کو طوالت کے ڈر سے چھوڑا جاتا ہے۔

تعلیم: جب آپ کے والد ماجد نے یہ دیکھا کہ زمخشری ایک پاؤں سے ناکارہ ہو بیٹھا ہے اور اب چلنے پھرنے سے بھی لاچار ہے۔ تو انہوں نے سوچا کہ اس کے لیے کوئی ایسا ہنر فائدہ مند رہے گا جس میں

Marfat.com

انہیں چلنے پھرنے کی مشقت برداشت نہ کرنی پڑے۔ چنانچہ انہوں نے زمخشری کے لیے سب سے زیادہ موزوں کام سلائی کا مناسب سمجھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ وہ درزیوں کا کام سیکھ لے تاکہ اپنی روزی کمانے کے قابل ہو جائے لیکن آپ نے اپنے والد بزرگوار کو جواب دیا کہ آپ مجھے کسی شہر میں لے چلیں تاکہ میں علم حاصل کر سکوں۔ زمخشری کی اس درخواست پر ان کے والد رضامند ہو گئے اور انہیں بخارا لے گئے۔ جو ان دنوں علم و ادب اور فصیح و بلیغ عربیت کا مرکز تھا۔ علماء کی کثرت اور اہل علم کی فراوانی دیکھ کر زمخشری کو وہیں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد زمخشری کے والد ماجد اسی نظر بندی میں اس قید حیات سے نجات پا گئے اس وقت زمخشری سن بلوغت کو پہنچ چکے تھے اور حصول علم کے لیے زمخشر سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ باپ کی وفات کی خبر سنی تو خدا سے صبر کی دعا کی اور ایک نہایت دردناک مرثیہ لکھا۔ یہاں انہوں نے مختلف اساتذہ سے علوم عربیہ کی تحصیل کی۔ اور امام وقت بن گئے۔

اس مرد مجاہد نے زندگی میں غیر مساعد اور ناسازگار حالات کے باوجود ہمت نہ ہاری بلکہ اپنے عزم اور بلند حوصلے سے ایک عالی مرتبت مقام حاصل کر لیا اور آسمان علم و ادب پر آفتاب و مہتاب بن کر چمکے جن کی ضو پاشیوں سے آج تک دنیائے علم و ادب منور ہے۔

سب سے زیادہ مشفق اور زمخشری کی شخصیت کو اجاگر کرنے والے استاذ ابو مضر محمود بن جریر الضبی تھے وہ علم لغت و نحو میں یکتائے روزگار تھے اور اسی لیے ان کا لقب فرید العصر تھا۔ الضبی اور زمخشری میں صرف استاد اور شاگرد کا ہی تعلق نہ تھا بلکہ وہ اپنے شاگرد کی ہر طرح دیکھ بھال کرتے اور ہر ممکن طریق سے مالی امداد بھی کرتے تھے جب کبھی زمخشری کو تکالیف و مصائب اور رنج و غم کا سامنا کرنا پڑتا تو

Marfat.com

المضی اس کے ازالے کے لیے حتی الامکان کوشش کرتے۔

آپ نے بغداد میں قیام کے دوران میں ابو الخطاب بن البطر، شیخ الاسلام ابو منصور نصر الحارثی اور ابو سعد الشقانی سے حدیث سنی یہیں زمخشری نے "الفائق فی غریب الحدیث" لکھی جس میں وہ حدیث کے نادر اور غریب الفاظ کا حل پیش کرتے اور الفاظ کے متعلق بحث کرتے ہیں۔

عشق الٰہی کا یہ عالم تھا کہ دو مرتبہ مکہ معظمہ گئے اور وہیں پانچ سال قیام کیا اور اسی وجہ سے جار اللہ کا لقب پایا۔ اکثر کتب مثلاً مقامات الحواق الذہب اور معرکتہ الآراکتاب "الکشاف" خانہ کعبہ کی حدود کے اندر بیٹھ کر تصنیف کیں جو سراسر وعظ و نصیحت پر مشتمل ہیں۔

وفات:- مکہ سے واپسی کے بعد جرجانیہ میں آپ نے عرفہ کی رات ۵۳۸ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی وفات پر بہت مرثیے لکھے گئے۔ ان مرثیوں میں سے ایک مرثیہ کا ایک شعر یہ ہے:

فأرض مکۃ تذری الدمع مقلتہا   حزنا لفرقۃ جار اللہ محمود

یعنی سرزمین مکہ نے بھی جار اللہ محمود کی وفات پر غم کی وجہ سے آنسو بہائے۔

آپ ایک عالی مرتبت اور نامور عالم تھے جن کا شہرہ عرب و عجم میں تھا اور دنیائے علم و ادب میں آج بھی آپ کا نام مثل ماہ تاباں درخشاں ہے۔

زمخشری کی تمام زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزر گئی تحصیل علم جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا چونکہ اہل و عیال کے بکھیڑوں سے آزاد تھے اس لیے زندگی کا ہر لمحہ علم و ادب کی تحصیل اور خدمت میں بسر ہوتا۔ وہ اپنی تصانیف اور اپنے شاگردوں کو بہترین اولاد خیال کیا کرتے

Marfat.com

تھے۔ انہی دونوں عوامل سے ان کی آرزوئیں وابستہ تھیں اور انہی سے وہ اپنے مقصد حیات میں کامیاب و کامران ہوئے۔

علامہ زمخشر حنفی المسلک لیکن اعتزال کی جانب مائل تھے۔ اور اس وجہ سے ان کی کتابوں خصوصاً الکشاف میں بہت سی باتیں مسلک اعتزال کی آگئیں۔ علانیہ خلق قرآن کا اقرار کرتے تھے۔ وہ ہر فن مولا تھے۔ اپنے وقت کے امام، فقیہ، محدث، مفسر، مناظر، ادیب اور شاعر تھے۔ آپ نے مختلف علوم فنون مثلاً تفسیر، حدیث، لغت، نحو، ادب، عروض، امثال، جغرافیہ پر کتب تصنیف کیں۔ مشہور تصانیف یہ ہیں :۔

۱- الکشاف
۲- المحاجاة فی المسائل النحویة
۳- المجرد والمرکب فی العربیه
۴- الفائق فی تفسیر الحدیث
۵- أساس البلاغة فی اللغة
۶- المفصل فی النحو
۷- رؤوس المسائل فی الفقه

الزرکلی نے لکھا ہے کہ "کان من ائمة العلم بالدین والتفسیر واللغة والاداب"

الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوه التاویل: یہ تفسیر علامہ زمخشری کی معرکتہ الآراء تصنیف ہے۔ اس میں آپ نے معتزلہ عقائد کے تحت قرآن مجید کی تفسیر کی ہے۔ اس تفسیر کے نام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی اصل غرض و غایت یہ تھی کہ اعتزالی نقطۂ نظر سے قرآن مجید کی تفسیر کی جائے ابتداء میں تو آپ نے سوالاً جواباً طریقہ اختیار کیا لیکن جب یہ کچھ وسعت طلب کام

Marfat.com

ہے۔ تو اسے چھوڑ کر مختصر طریقہ اختیار کیا۔ تاہم علم کلام کے اکثر مسائل بڑی خوبی سے حل کیے ہیں اور قرآن مجید کے نظم ونسق سے فصاحت و بلاغت کے ایسے نکات نکالے ہیں جن سے متاثر ہو کر علامہ ابن خلدون نے بھی اس تفسیر کو علم کلام کی بنیاد قرار دیا ہے۔

الزمخشری کی یہ تفسیر معتزلہ کے ارکان خمسہ التوحید،[1] العدل،[2] الوعد والوعید،[3] المنزلۃ بین المنزلتین[4] اور الامر بالمعروف[5] والنھی عن المنکر کے اردگرد گھومتی ہے۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ الکشاف زمخشری کی ایک مایۂ ناز تصنیف ہے لیکن اس میں ایک خلش ضرور ہے کہ زمخشری جا بجا اپنے معتزلی عقائد کے مطابق دلائل دیتے ہیں۔ اس لیے انصاف سے ان کا قدم ہٹ جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ محققین اہل سنت ان کی تفسیر سے کنارہ کش رہتے ہیں اور اس کے مطالعہ کو نقصان سے خالی نہیں سمجھتے۔ گو اس کا بھی سب کو اقرار ہے کہ نفیس زبان اور بلاغت و فصاحت کی حیثیت سے الکشاف کا درجہ دیگر تفاسیر سے بہت بلند ہے اور اس میں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ہاں اگر اس کا مطالعہ کرنے والا مسلک اہل سنت سے بخوبی واقف ہو اور ساتھ ساتھ ان کے دلائل و ترجیح کی بھی معلومات رکھتا ہو تو اس کا دامن تفسیر کے گمراہ کن اثر سے بچا رہے گا اور وہ بے خوف و خطر اس کا مطالعہ کر سکتا ہے اور اس سے نایاب نکات علمیہ حاصل کر سکتا ہے۔

تاج الدین السبکی الکشاف پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ الکشاف ایک عظیم کتاب ہے اور اس کا مصنف اپنے فن کا امام ہے لیکن ایک نقص ہے کہ صاحب کشاف بدعت کی طرف مائل ہے اور علانیہ طور پر اس کا اظہار کرتا ہے۔ یہ چیز بعض مواقع پر رسول خدا کے حق میں سوء ادب کے مترادف ہو جاتی ہے لہٰذا اہل سنت والجماعت کو چاہیے کہ الکشاف میں اس قسم کی جو

Marfat.com

بدعت ان کو نظر آئے اسے دُور کر دیں۔

باوجود معتزلہ عقائد رکھنے کے زمخشری کی تفسیر کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔ اس کا ذہن نہایت براق تھا وہ ذی الحس معلم اخلاق اور فقہ لغت کا ماہر کامل تھا۔ اسی وجہ سے اس کی تفسیر کی بہت قدر کی جاتی ہے۔ مولانا عبدالمالک صاحب لکھتے ہیں کہ اصول عربیہ میں یہ تفسیر تمام متاخرین کے لیے بنیاد ہے۔ سب اسی تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں۔ قاضی بیضاوی اپنی تفسیر کشاف ہی سے لیتے ہیں۔

علامہ زمخشری خود الکشاف کی یوں مدح کرتے ہیں:۔

تفاسیر فی الدنیا بلا عدد — ولیس فیها لعمری مثل کشافی

ان کنت تبغی الهدی فالزم قراءته — فالجهل کالداء والکشاف کالشافی

ترجمہ:۔ قرآن مجید کی تفسیریں دنیا میں تو بے شمار ہیں لیکن میری تفسیر کشاف بے مثال ہے۔ حقیقت پسند کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے کیونکہ یہ تفسیر مرض جہل کا علاج ہے۔

زمخشری کا انداز تفسیر قرآن میں: الکشاف میں زمخشری کی شخصیت کے بہت سے پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔

یعنی ایک معتزلی متکلم، ایک قابل قدر مفسر، ایک عالم لغت، نحوی، عالم قراءات مختلفہ، فقیہہ، ادیب، ایک روحانی مربی، ایک اجتماعی مصلح غرض ہر حیثیت سے زمخشری کو دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی شخصیت کا اعتزالی پہلو سب پر غالب ہے وہ گویا ایک ایسا شخص ہے جو سب سے پہلے عقل پہ ایمان رکھتا ہو اور باقی سب چیزیں اس کے بعد آتی ہوں۔

حیثیت معتزلی مفسر: وہ تاویل کے قائل ہیں اور چونکہ ایک معتزلی عالم ہیں اس لیے وہ ہمیشہ کوشش کرتے ہیں کہ تفسیر کو ایک ایسے انداز میں ڈھال دے جو اس کے اعتزالی عقائد و نظریات کے مطابق

Marfat.com

ہو اس سلسلے میں وہ اپنے سہارے علوم و معارف کو خرچ کر ڈالتے ہیں، مثلاً

(۱) وہ اپنے فلسفہ و منطق اور فکری ریاضت کو آیت کے ایسے معانی پیدا کرنے میں استعمال کرتے ہیں، جس سے ان کے اعتزالی مذہب کی خدمت ہو سکے۔ اس سلسلے میں ان کا سب سے بڑا اعتبار عقل ہے۔

۲۔ وہ اپنے مذہب و عقیدہ کی نصرت کے قائل ہیں، چنانچہ وہ قرآن مجید کی مختلف قراءات سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور ایسی قراءات استعمال کرتے ہیں جو ان کے عقیدہ میں مددگار ہو سکیں۔

۳۔ لغت سے بھی خدمت لیتے ہیں اور اسے اعتزالی عقیدے کے لئے مغلوب کر لیتے ہیں۔

۴۔ اعتزال کی خدمت کے لیے وہ علم معانی اور علم بیان سے بھی اعانت طلب کرتے ہیں، چنانچہ جہاں کہیں آیت کے ظاہری معانی اعتزالی رائے کے مددگار نظر نہیں آتے وہ وہاں آیت کو مجازی معنی پہنا دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ آیت باب مجاز میں سے ہے۔

۵۔ وہ اپنے اعتزالی مذہب کی نصرت و تائید کے لیے ضعیف تیسین اور موضوع احادیث سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۶۔ وہ نحو کو اعتزال کی خدمت کے لیے لاتے ہیں، چنانچہ اگر کہیں وہ دیکھتے ہیں کہ کسی آیت کا ظاہر یا اس کی تاویل اعتزالی عقیدے کے مطابق نہیں ہے تو وہ راہ سے ہٹے ہوئے نحوی نظر آتے ہیں اور الفاظ کو ایسے معانی پر محمول کر دیتے ہیں جس سے ان کا مقصد حاصل ہو جائے۔ اسی طرح انہوں نے اسلوب تمثیل اور تخییل کو معتزلہ کے عقیدہ توحید کے ثبوت کے لیے خادم بنا دیا ہے۔

الغرض زمخشری نے جو آیت عقیدہ اعتزال کے خلاف پائی ہے اسے کلام طویل اور تاویلات رکیک سے اعتزال کے موافق بنانے کی کوشش کی

Marfat.com

ہے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے اولیاء اللہ پر طعن کیا ہے تیسرے یہ کہ اہل السنّت کو سخت سُست لکھا ہے۔

الکشاف فنون عربیّت میں بے مثل تفسیر ہے اور اس بارہ میں متاخرین کے لیے ماخذ ہے گو زمخشری معتزلی عقائد مطابق تاویل کی ہے۔ تاہم علماء میں بہ سبب حد مقبول ہے کسی نے اس کی شرح لکھی ہے کسی نے تلخیص، کسی نے حاشیہ، کسی نے مدح کی ہے کسی نے تنقید۔

مولانا عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ "اس کتاب میں علوم عربیت کو نہایت عمدہ طور پر جمع کیا ہے بلکہ علوم ادبیہ میں یہ کتاب سند ہے۔ البتہ منقولات میں اس شخص کا پایہ بلند نہیں اور کہیں کہیں مذہب معتزلہ کی تائید بھی کرتا ہے اس لیے امام ناصر الدین احمد بن محمد اسکندری نے اس پر ایک حاشیہ لکھا ہے جس کا نام "انتصاف" ہے۔ اس میں اس کے مذہب اعتزال کی باتوں پر گرفت کر کے کتاب کو درست کر دیا ہے۔ اس طرح اس کتاب پر علماء محققین کے بے شمار حواشی ہیں منجملہ ان کے قطب الدین محمود بن مسعود شیرازی اور فخر الدین احمد بن حسن جاربردی و شرف الدین حسن بن محمد طیبی و سعد الدین علامہ تفتازانی و سید شریف علی بن محمد جرجانی وغیرہم کے حواشی ہیں۔ یہ کتاب علماء میں نہایت مشہور ہے۔ اگر اس میں اعتزال کی باتیں اور روایات میں زیادہ احتیاط ہوتی تو بے نظیر کتاب تھی تاہم لبا غنیمت ہے"۔

۷۔ تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل معروف بہ تفسیر بیضاوی

مؤلف کے حالات زندگی: اس تفسیر کے مؤلف کا نام قاضی القضاۃ ابوسعید (ابو الخیر) ناصر الدین عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی البیضاوی شافعی ہیں مضافات شیراز کے ایک قصبہ بیضاء نامی میں

پیدا ہوئے اور اسی گاؤں کی نسبت سے بیضاوی کے نام سے مشہور ہوئے آپ نے اپنے زمانے کے متبحر علماء سے تحصیل علم کی اور علوم ظاہری و باطنی میں اعلیٰ مقام حاصل کیا آپ شیراز میں قاضی کے عہدے پر بھی فائز رہے آخر عمر میں اس عہدے کو ترک کر کے شیخ محمد بن تحتانی کی خدمت میں رہے اور انہی کے ایماء سے تفسیر لکھی آپ ایک بہت بڑے عالم اور مصنف تھے آپ نے ۶۸۵ ہجری اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۶۹۱ ہجری میں تبریز میں وفات پائی اور شیخ محمد بن محمد الکتھ... کے مزار کے برابر دفن کیے گئے۔ آپ کی مشہور تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل معروف بہ تفسیر بیضاوی

۲۔ کتاب المنہاج

۳۔ کتاب الطوالع فی اصول الدین

۴۔ شرح الکافیۃ (نحو)

۵۔ مختصر الوسیط (فقہ)

۶۔ شرح مختصر ابن الحاجب (اصول فقہ)

۷۔ شرح المصابیح (حدیث)

آپ کی سب سے زیادہ مشہور کتاب تفسیر بیضاوی ہے جس سے آپ کا نام رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔

تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل:۔ یہ نہایت جامع اور نافع تفسیر ہے اس کے فوائد اور لطائف احاطہ سے خارج ہیں۔ عنوان کے اعتبار سے بظاہر ایک کتاب ہے لیکن درحقیقت بہت سی عظیم الشان تفاسیر کا لب لباب اور جوہر ہے۔ قواعد عربیہ اور معانی و بیان سے تعلق رکھنے والے حقائق و معارف تفسیر کشاف سے ماخوذ ہیں۔ علوم عقلیہ اور حکمت و کلام اور اسرار کلام اللہ سے متعلق مباحث تفسیر کبیر سے ماخوذ ہیں اور لغات قرآن کی تحقیق میں ان کی یہ تفسیر مفردات القرآن امام راغب الاصفہانی کا

ہے خود اپنی طبعی اور ذہنی پرواز اور فن کلام میں مہارت کے باعث تفسیر قرآن میں جن محاسن اور خوبیوں کا جگہ جگہ اضافہ فرماتے ہیں وہ اپنی جگہ منفرد یکتا معلوم ہوتے ہیں پھر ان لطیف اور دقیق مباحث کو جن اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس سے اہل نظر و فکر متحیر ہیں اور معترف ہیں۔

اس تفسیر میں صرف بھی ہے نحو بھی، فقہ بھی ہے کلام بھی، روایت بھی ہے درایت بھی، ادب بھی ہے تاریخ بھی اور اختلاف قرأت پر بھی بحث ہے، خوارج و معتزلہ کے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

قاضی بیضاوی نے زیادہ زور نحو پر دیا ہے اسی لیے بعض علماء کا یہ قول ہے کہ تفسیر بیضاوی کوئی تفسیر نہیں اس میں تو صرف نحو ہے۔

اسرائیلی روایات بہت کم لاتے ہیں، اگر کہیں کوئی روایت بیان بھی کی ہے تو اس سے متنبہ کر دیا ہے۔ بہر حال تفسیر بیضاوی متداول تفاسیر میں ایک امتیازی شان کی حامل ہے اور ہر زمانے کے علماء نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ علمی و ادبی حلقوں میں اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر دور کے علماء امت اس تفسیر کے حواشی اور شروح لکھتے رہے ہیں کوئی تقریباً چالیس حاشیے اس تفسیر پر لکھے گئے ہیں جن میں حاشیہ قاضی زادہ، حاشیہ شہاب خفاجی اور حاشیہ قونوی بہت متداول اور مقبول ہیں

مشہور مستشرق نولڈیکے لکھتا ہے "سنی مسلمانوں کے نزدیک اس تفسیر کو بہترین بلکہ قریباً مقدس خیال کیا جاتا ہے۔" انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا

تفسیر بیضاوی اسلامی دنیا میں بکثرت پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ محمد حسین الذہبی میں لکھتے ہیں "تفسیر بیضاوی کو تفاسیر کا ماخذ قرار دیتے ہیں اور اس کے مطالعہ سے قرآن مجید کے معانی اور اسرار و رموز سے واقفیت ہو جاتی ہے" فالکتاب من امہات کتب التفسیر التی لا یستغنی عنہا من یرید ان یفہم کلام اللہ تعالیٰ و یقف علی اسرارہ و معانیہ"

Marfat.com

۸۔ مفاتیح الغیب

مؤلف کے حالاتِ زندگی:۔ اس تفسیر کے مؤلف کا نام ابوعبداللہ محمد بن عمر بن حسین بن حسن بن علی تمیمی، بکری، طبرستانی، رازی ہے اور لقب فخرالدین ہے اور ابن الخطیب شافعی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ ۵۴۴ ہجری میں رے میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد ضیاءالدین جو خطیب رے کے نام سے مشہور ہیں سے اور کمال سمعانی اور شیخ مجدالدین حنبلی جو امام غزالی کے شاگرد تھے سے تعلیم حاصل کی۔

امام رازی ابتداءً تنگدست رہے پھر ان کے لڑکوں کی شادی ایک سوداگر کی لڑکی سے ہو گئی۔ سوداگر کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس طرح تمام دولت سوداگر کی وفات کے بعد امام صاحب کے گھر آ گئی۔

آپ شافعی فقہ کے جیّد عالم اور علم الکلام و منقولات میں یگانہ عصر تھے محمد حسین الذہبی لکھتے ہیں: "کان رحمہ اللہ فرید عصرہ، ومتکلم زمانہ، جمع کثیراً من العلوم ونبغ فیها، فکان اماماً فی التفسیر والکلام، والعلوم العقلیۃ وعلوم اللغۃ" آپ ایک اعلیٰ پایہ کے خطیب تھے کہا جاتا ہے کہ آپ عربی اور عجمی زبان میں وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ دورانِ وعظ میں آپ پر اتنی رقت اور وجد طاری ہو جایا کرتا تھا کہ رونے لگ جایا کرتے تھے۔ آپ کے پاس دور دراز سے کثرت سے طالب علم آتے تھے۔ تین سو شاگرد ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ شیخ زین الدین الکشی، شیخ ابوبکر بن ابوبکر اصفہانی، شیخ قطب الدین مصری، شیخ شہاب الدین نیشاپوری آپ کے خاص شاگرد تھے۔

آپ نے رے میں ۶۰۶ ہجری میں وفات پائی۔

آپ کی مختلف علوم و فنون پر مثلاً تفسیر، فقہ، کلام اور لغت میں بہت سی

Marfat.com

تصانیف ہیں - اہم تصانیف یہ ہیں :-

۱ - مفاتیح الغیب معروف بہ تفسیر کبیر

۲ - تفسیر سورۃ فاتحہ (شاید یہ آپ کی تفسیر مفاتیح الغیب میں داخل ہے یا علیحدہ)

۳ - علم کلام میں - مطالب العالیۃ -

۴ - کتاب البیان والبرہان فی الرد علی اہل الزیغ والطغیان

۵ - اصول فقہ میں - المحصول -

۶ - حکمت میں - الملخص، شرح اشارات ابن سینا، شرح عیون الحکمۃ -

۷ - طلسمات میں - السر المکنون -

۸ - شرح الوجیز فی الفقہ للغزالی -

مفاتیح الغیب :- اسے تفسیر کبیر یا تفسیر رازی بھی کہتے ہیں اس میں فلسفیانہ اور متکلمانہ مباحث کے ساتھ ساتھ صوفیانہ حقائق و معارف بھی پائے جاتے ہیں - امام صاحب کا عقلی طریقہ تفسیر خالص فلسفیانہ طریقہ تفسیر سے بالکل مختلف ہے - انہوں نے جو کچھ لکھا ہے الفاظ و معانی کے باہمی ربط کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے - آپ کی تفسیر میں فلسفہ زیادہ غالب ہے اور فلسفہ قدیم کے رو میں اکثر مقصد سے دور نکل جاتے ہیں - اس بات سے بعض ناقدین بزرگوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا ہے کہ "ان کی تفسیر میں سب کچھ ہے - بجز تفسیر کے" مولانا عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں کہ "اس تفسیر میں سب کچھ ہے مگر روایت میں کم پایہ ہے"، مگر یہ صحیح نہیں - امام رازی کے زمانہ میں گزشتہ دو صدیوں کے اندر فلسفہ و منطق کی ترقی سے لوگوں کے دلوں میں جو شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے اس کو رفع کرنے کے لیے امام رازی یہ طریقہ اختیار کرنے پر مجبور تھے اس کا یہ قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی لیکن اہل منقول نے اسے پسند نہ کیا کیونکہ علاوہ اس کے کہ اس میں بعض باتیں ان کے قدیم خیالات کے مطابق نہ تھیں

Marfat.com

ان کو آیات کے ساتھ ان متکلمانہ مباحث جو ان کے ذیل میں لکھے گئے ہیں ربط نظر نہ آیا۔

اس تفسیر کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ اس زمانے میں علوم عقلیہ کی رو سے اسلام پر اعتراضات ہو رہے تھے، ان کے اس میں جوابات ہیں۔

۲۔ اس میں مفسرین کے اقوال مختلفہ پر تنقید کی گئی ہے جو قول پسند آیا ہے اسی کا انتخاب کیا ہے۔

۳۔ اس میں کلامی بحثوں کا زور ہے۔ اشعریت کی حمایت دل کھول کر کی ہے اور معتزلہ کا رد کیا ہے۔

ہر تفسیر اپنے وقت کی علمی و ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں سے متاثر ہوتی ہے۔ اس زمانے کے فکری رجحانات کا علم ہمیں اس تفسیر کے پڑھنے کے بعد ہوتا ہے۔ امام رازی کے زمانہ میں دو مدرسہ فکر معتزلہ اور اشعریہ کے افکار کی زبردست ٹکر تھی اور امام صاحب اشعریہ خیال کے زبردست حامی تھے اسی وجہ سے معتزلہ کے عقائد کی رد میں حد سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ امام صاحب کا راہ اعتدال سے ہٹ جانے سے یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ ان کی تفسیر بلند پایہ نہیں۔ اس تفسیر کا مقام ساتویں صدی ہجری کے ماحول کو مدِ نظر رکھ کر متعین کرنا چاہیے۔

مولانا عبدالمالک صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ تفسیر علوم عقلیہ اور معارف حکم کا ایک عظیم الشان ذخیرہ اور بہترین خزانہ ہے۔ لطائف و اسرار کلام اللہ اور اصول دین کی تحقیق میں ایسی تفسیر امت میں شاید کسی نے تصنیف نہ کی ہو۔ فلاسفہ اور ملحدین کا رد دلائل عقلیہ اور اصول کلام سے خوب کیا ہے۔ اثبات ربوبیت و الوہیت کے وہ نادر اور گراں قدر مباحث ہیں کہ ان کی برتری اور اظہار عظمت کے لیے بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ امام صاحب کا امت مسلمہ

Marfat.com

یہ ایک ایسا احسان ہے جس کا بدلہ صرف حق تعالیٰ کی رحمتیں ہی ادا کر سکتی ہیں۔

فلاسفہ کے رد میں بعض ضمنی مسائل اور مباحث سے بعض لوگوں کو یہ محسوس ہوتا دیتا ہے کہ یہ امور تفسیر سے خارج ہیں۔ اس لیے اس طرز پر نکتہ چینی اور کتاب کی عظمت پر اعتراض کرتے ہیں۔ حضرت شاہ انور ؒ نے فرمایا کہ تفسیر کبیر کے بارے میں یہ کہنا کہ فیہ کل شیءٍ الا التفسیر (یعنی اس میں سب کچھ ہے سوائے تفسیر کے) اس کے بلند ترین مرتبہ سے گرانا ہے۔

تفسیر کبیر کا تکملہ: سید مرتضیٰ الزبیدی شہاب کی شرح الشفا سے نقل کیا ہے کہ امام رازی نے سورۃ فاتحہ سے سورۃ انبیاء تک تفسیر لکھی تھی کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ باقی تفسیر شہاب الدین خلیل احمد الدمشقی (م ۶۳۹ھ) اور شیخ نجم الدین المخزومی القمولی (م ۷۲۷ھ) نے یکے بعد دیگرے تفسیر تکمیل کی۔ شبلی کا قول ہے کہ سورۃ فتح تک تو امام صاحب کی تفسیر یقینی ہے اور باقی تفسیر ان کے بعد لکھی گئی۔ لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ تفسیر کا کچھ حصہ تکملہ نگاروں نے ضرور لکھا ہے اور اس خوبی سے یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے کہ شروع سے آخر تک یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ایک ہی مفسر نے لکھی ہے۔

۱۲۸۹ھ میں مصر سے اور ۱۳۰۷ھ میں استانبول سے ۸ ضخیم جلدوں میں طبع ہوئی۔

۹۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل

مؤلف کے حالاتِ زندگی: اس تفسیر کے مؤلف کا نام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی ہے۔ آپ ماوراء النہر کے قصبہ نسف میں پیدا ہوئے اور اسی قصبہ کی نسبت سے نسفی مشہور ہوئے۔ حنفی المسلک اور اصول فقہ میں اپنے دور کے یکتا امام اور محقق شمار ہوتے تھے۔ محمد حسین الذہبی آپ کے علم وفضل کے بارے میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

"کان إماما کاملاً عدیم النظیر فی زمانه، رأساً فی الفقه والأصول، بارعاً فی الحدیث ومعانیه، بصیراً بکتاب اللہ تعالیٰ" آپ کی مختلف علوم وفنون مثلاً فقہ، اصول وغیرہ پر بہت سی تصانیف ہیں اور وہ سب کی سب اہل علم کے ہاں مستند اور معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ چند تصانیف یہ ہیں:۔

۱۔ متن الوافی فی الفروع

۲۔ شرحہ الکافی

۳۔ کنز الدقائق فی الفقہ

۴۔ المنار فی اصول الفقہ

۵۔ العمدۃ فی اصول الدین

۶۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل

آپ نے ۷۰۱ ہجری میں وفات پائی اور ایذج کے شہر میں مدفون ہوئے۔

مدارک التنزیل وحقائق التاویل:۔ اگرچہ یہ تفسیر مختصر ہے لیکن نہایت مفید اور عمدہ تفسیر ہے۔ نسفی نے تفسیر بیضاوی اور تفسیر کشاف کو مختصر کیا اور کشاف سے اعتزالی چیزیں نکال باہر پھینکیں۔ گویا یہ دونوں تفاسیر کا خلاصہ ہے۔ اس میں اہل سنت والجماعت کے عقائد اور فقہ حنفی کے دلائل کا ذکر ہے۔

نسفی نے نحوی، مختلف قراءات، فقہی مسائل کو اس تفسیر میں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اہل سنت والجماعت کے مسلک کی تائید کرتا دکھائی دیتا ہے اور مخالفین کی تردید کرتا ہے۔

اسرائیلیات کا ذکر اس تفسیر میں بہت کم آیا ہے۔ اگر کسی جگہ کوئی اسرائیلی روایت آئی ہے تو اس پر کبھی تو تنقید کر جاتا ہے اور کبھی

Marfat.com

ویسے ہی نقل کر کے چھوڑ جاتا ہے۔

یہ تفسیر اہل علم کے ہاں متداول ہے۔ ہر زمانے کے علماء نے اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔

اس تفسیر کا خلاصہ شیخ زین الدین ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن علیٰ (م ۸۹۴ ہجری) نے لکھا ہے۔ مولانا عبد الحق مہاجر مکی نے شرح "الاکلیل علی مدارک التنزیل" آٹھ جلدوں میں لکھی ہے۔

۱۰۔ تفسیر جلالین

اس تفسیر کو دو جلیل القدر اماموں نے تالیف کیا۔ آخری حصہ سورۃ اسراء سے ختم قرآن تک جلال الدین محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم محلی شافعی نے تصنیف کیا۔ شیخ موصوف کی وفات کے بعد اسے حافظ ابو الفضل جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد سیوطی شافعی نے کچھ سال بعد اسی طرز پر حصہ اوّل کی ۔ ۔ ۔ تفسیر کر کے تفسیر قرآن مکمل کر دی۔ الحمد للہ کی تفسیر بھی آپ ہی نے لکھی۔ اسی وجہ سے یہ کتاب تفسیر جلالین کے نام سے مشہور ہے۔

جلال الدین سیوطی کے حالات زندگی: آپ موضع اسیوط (علاقہ مصر) میں رجب ۸۴۹ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر ابھی پانچ سال سات ماہ کی تھی کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھ لیا اور اس کی بہت سی سورتیں یاد کر لی تھیں۔ آپ نے اپنے زمانے کے متبحر علماء سے جن کی تعداد آپ کے شاگرد داودی نے ۵۱ بتائی ہے۔ مختلف علوم و فنون کی تحصیل کی۔ ان میں شیخ الاسلام علم الدین بلقینی، شیخ تقی الدین شمنی خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

Marfat.com

چالیس سال کی عمر میں آپ دنیا اور اہل دنیا کو چھوڑ کر عبادت خدا وندی میں مصروف منہمک ہو گئے۔ اور درس و تدریس اور افتاء کو بھی چھوڑ دیا اور روضۃ المقیاس میں تازندگی سکونت پذیر رہے۔ آپ نے ۹ جمادی الاول ۹۱۱ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی مختلف علوم و فنون پر کوئی پانچ سو کتابیں ہیں جن میں الدر المنثور فی تفسیر المأثور، الاتقان بہت مشہور ہیں۔
آپ کو علم حدیث پر کامل عبور تھا چنانچہ محمد حسین الذہبی لکھتے ہیں کہ "کان اعلم اھل زمانہ بعلم الحدیث وفنونہ، رجالاً وغریباً، ومتناً، وسنداً، واستنباطاً للاحکام۔ ولقد اخبر عن نفسہ انہ یحفظ مائتی الف حدیث"

جلال الدین محلی:- آپ مصر میں ۷۹۱ ہجری میں پیدا ہوئے۔ تمام علوم و فنون خصوصاً فقہ، کلام، اصول، نحو اور منطق میں آپ یگانہ روزگار تھے۔ آپ نے کئی اساتذہ خصوصاً بدر محمود الاقصرائی، برہان بیجوری، شمس البساطی، علاء بخاری سے علم حاصل کیا۔ آپ اپنی ذکاوت اور فہم کے لحاظ سے بہت مشہور تھے۔ آپ کے اہل عصر میں سے کسی نے آپ کے بارے میں کہا ہے "ان ذھنہ یثقب الماس، وکان ھو یقول عن نفسہ ان فہمی لا یقبل الخطاء، ولم یکن یقدر علی الحفظ ...."
آپ نے مختلف علوم و فنون پر بہت سی تصانیف چھوڑی ہیں جن کی بناء پر آپ کا نام تا قیامت زندہ رہے گا۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:-

۱۔ شرح جمع الجوامع فی الاصول۔
۲۔ شرح المنہاج فی فقہ الشافعیۃ۔
۳۔ شرح الورقات فی الاصول۔

Marfat.com

۲۔ تفسیر جلالین (آخر کا حصہ)

آپ نے ۸۶۴ ہجری میں وفات پائی۔

جلالین: یہ تفسیر بہت متداول اور مقبول ہے، درس میں پڑھائی جاتی ہے۔ آسان طرز سے آیات کا مطلب اور مفہوم بیان کیا گیا ہے، گو اس تفسیر کو دو آدمیوں نے لکھا ہے لیکن اس خوبی سے لکھی گئی ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیا دو آدمیوں کی تفسیر ہے یا ایک کی۔ ماسوائے چند مقامات کے - - - - - - - - -

نہایت اختصار بلکہ چند الفاظ اور کلمات ہی سے آیات کی تفسیر کی گئی ہے اپنے اس طرز میں یہ کتاب بے نظیر ہے۔ اس مختصر تفسیر میں سب کچھ ہے، گویا کوزے میں دریا بند کر دیا گیا ہے۔

اس کے اختصار و ایجاز کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یمن کے کسی عالم نے حاجی خلیفہ سے کہا کہ میں نے قرآن اور تفسیر جلالین کے حروف شمار کئے تو سورۂ مزمل تک دونوں کو برابر پایا۔

مثلاً جلال الدین محلی کے سورۂ حج میں "صابئون" کے لفظ کے تحت بتایا ہے کہ یہ یہود میں سے ایک فرقہ تھا۔ امام سیوطی نے سورۂ بقرہ میں اسی لفظ کی تشریح میں مزید یہ لکھا ہے کہ یا وہ نصاریٰ میں سے ایک فرقہ تھا۔ اس طرح ان دونوں مصنفین میں قلیل اختلاف پایا جاتا ہے۔

اس تفسیر کے بہت سے حواشی اور شرحیں لکھی گئیں جن میں حاشیہ الجمل، حاشیہ الصاوی بہت مقبول اور متداول ہیں۔

کشف الظنون میں ہے کہ اس تفسیر پر شمس الدین محمد بن علقمی نے بھی ایک حاشیہ لکھا جس کا نام "قبس النیرین" ہے۔ اس حاشیہ کو علقمی نے ۹۵۲ ہجری میں تالیف کیا۔

۳۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھئے:

Marfat.com

۱۔ تفسیر رحمانی ۲۔ سواطع الالہام ۳۔ تفسیر محمدی ۴۔ تفسیر البحر المحیط ۵۔ تفسیر قرطبی ۶۔ معالم التنزیل ۷۔ تفسیر فتح القدیر

ج۔ **تفسیر رحمانی :۔** اس کا اصل نام تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان ببعض ما یشیر الی اعجاز القرآن ہے۔ لیکن تفسیر رحمانی اور تفسیر مہائمی کے ناموں سے زیادہ مشہور ہے۔ اس تفسیر کے مؤلف کا نام ملا مخدوم علاؤ الدین علی بن احمد مہائمی ہے۔ آپ بمبئی کے قریب قصبہ مہائم میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے مہائمی مشہور ہوگئے۔ مہائم اب ریلوے سٹیشن بھی ہے۔ آپ کا تعلق قبیلہ نوائت سے تھا جو قبیلہ قریش کی ایک شاخ ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ ان عربوں کی اولاد ہیں جو حجاج بن یوسف کے ظلم سے تنگ آکر ہندوستان بھاگ آئے تھے۔ موصوف علوم اسلامیہ میں یگانۂ روزگار تھے اور عالم باکمال تھے۔ کثیر التصانیف ہیں۔ شافعی مسلک رکھتے تھے اور محی الدین ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کے پیرو تھے۔ ان کی تفسیر رحمانی کے علاوہ دوسری مشہور تصانیف موسوم بہ "فقہ مخدومی" شافعی فقہ میں ہے۔ آپ کی وفات مہائم ہی میں ۸۳۵ ہجری میں ہوئی۔ تفسیر رحمانی سادہ عربی زبان میں متوسط تفسیر ہے۔ یہ کتاب ۱۲۹۵ ہجری میں مصر سے پہلی دفعہ دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ حیدر آباد دکن سے بھی دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

یہ تفسیر بعینہٖ تفسیر جلالین کی طرح شرح ممزوج کی ترکیب پر ہے مگر جلالین سے زیادہ مشرح اور جامع ہے۔ تمام قرآنی قصص کے ساتھ مذکور ہیں اور آیات کا شانِ نزول بھی درج ہے اس کے علاوہ آیات کا باہمی ربط بھی دیا گیا ہے۔ فاضل مؤلف نے دو خصوصیتیں اوّل سے آخر تک بالالتزام برقرار رکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر سورۃ کے آغاز میں سورۃ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ سورۃ کے مضمون کے مطابق بسم اللہ کی تضمین کرتے ہیں۔ مثلاً قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کی بسم اللہ کی تضمین اس طرح کی ہے :۔

Marfat.com

بسم اللہ المتجلی بکمالاتہ فی لنور الفالق
الرحمٰن باشاعۃ ذلک المنور
الرحیم باعاذہ من عاذبہ من الشرور

اس تفسیر کے بارے میں اس وقت شیخ ازہر الفاضل الشیخ محمد السیبوانی نے تقریظ میں لکھا ہے " انی فی تفسیرہ بما لم یحوہ تفسیر کشف سرّ الکشاف حتیٰ انہ ترکہ اقل من فتیل وقطمیر وقفنی علی اقافی لبیف حزمہ الھندی الماضی"

مولانا عبدالمالک صاحب لکھتے ہیں کہ " تبصیر الرحمٰن نہایت ہی عجیب غریب تفسیر ہے۔ نہایت ہی لطیف انداز میں ربط آیات وسور کا التزام کیا ہے اور صوفیانہ معارف و لطائف بھی بکثرت ہیں۔ قرآن کریم کی معجزانہ شان کے لیے ایک آئینہ ہے۔ مشہور ہے کہ انہوں نے روحانی طور پر حضرت خضر علیہ السلام سے علوم حاصل کیے جو اسرار تکوینیہ کی تفہیم میں حضرت موسیٰ ع کے لیے معلم بنائے گئے تھے۔

۲۔ **سواطع الالہام**:۔ یہ علامہ شیخ ابوالفضل فیضی متوفی ۱۰۰۴ ہجری کی تصنیف ہے۔ جلال الدین اکبر شہنشاہ ہندوستان کے مصاحب تھے۔ فیضی فارسی شاعری میں تو ید طولیٰ رکھتا تھا۔ لیکن عربی ادب پر بھی پورے طور سے قادر تھے۔ اس تفسیر کے علاوہ ایک اور کتاب بھی اسی التزام کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اس کا نام موارد الکلم وسلک درر الحکم ہے۔ اس میں مذہبی مسئلے اور اخلاقی مقولے صنعت مہملہ میں درج ہیں۔

سواطع الالہام خاصی ضخیم کتاب ہے اس کی دو جلدیں ہیں مصنف کے کمال ادب عربی کی شاہد عادل ہے۔ دو برس اس کی تصنیف پر صرف ہوئے۔ باعتبار ادب ایسی تفسیر نہ پہلے لکھی گئی اور نہ شاید آئندہ بھی لکھی جائے۔

سواطع الالہام کے شروع میں ایک بسیط مقدمہ موسوم بہ سواطع ہے جو دو حصوں

میں منقسم ہے ایک حصے میں خود مصنف کا حال درج ہے اور دوسرے میں علوم قرآنیہ کا ذکر ہے۔ ہر ایک حصہ کئی کئی ٹکڑوں میں منقسم ہے اور ہر ٹکڑے کا نام ساطع رکھا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا ساطع ایک سطر کا ہے اور بڑے سے بڑا تیس یا چالیس سطور پر مشتمل ہے۔ طویل ترین ساطع مصنف نے اپنے باپ کی شان میں لکھا ہے۔ مقدمے کے آخر میں ایک نظم اسی صنعت کی پابندی کے ساتھ ہے۔ جس میں مصنف نے اپنی تصنیف کی تعریف کی ہے۔

ابوالفضل فیضی کو عام طور سے ملحد کہا جاتا ہے مگر اس تفسیر میں اول سے آخر تک کوئی بات الحاد کی نہیں ملتی۔ اہل سنت والجماعت کے صحیح عقائد کے مطابق یہ تفسیر لکھی گئی ہے۔

ادبی اہمیت کے علاوہ تفسیر کے نقطہ نظر سے سواطع الالہام کو کوئی رفعت حاصل نہیں۔ ایک طرح کی عبارت آرائی ہے اور فن تفسیر اور دیگر تحقیقات سے بالکل بے بہرہ ہے۔

صنعت مہملہ کی پابندی کی وجہ سے تفسیری جملے بہت مختصر ہیں بلکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ جہاں کہیں بلا ضرورت مضمون غیر منقوطہ الفاظ میں ادا ہوتا چلا گیا ہے۔ وہاں تو خاصے طویل طویل فقرے ہیں اور جہاں یہ ممکن نہ ہوا وہاں صرف ایک آدھ لفظ بڑھا کر ٹرخا دیا گیا ہے۔ اختصار کے لحاظ سے یہ تفسیر جلالین کے ہم پلہ کہی جا سکتی ہے مگر مضمون اور افادیت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی نسبت نہیں۔

مشہور ہے کہ لوگوں نے فیضی پر اعتراض کیا کہ بے نقطہ تفسیر لکھنا بدعت ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ واہ بے نقط لکھنا کیونکر بدعت ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہمارا کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اسی صنعت مہملہ میں ہے۔

۲۔ تفسیر محمدی:۔ یہ شیخ محمد بن احمد بن میاں جی بن شیخ نصیر الدین گجراتی

Marfat.com

کی تصنیف ہے۔ شیخ موصوف گجرات کے شہر احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد گجرات کے بلند پایہ عالم تھے۔ شیخ محمد ظاہری و باطنی دونوں علوم کے جامع تھے۔ تفسیر قرآن میں کافی مہارت حاصل تھی۔ شیخ موصوف نے تفسیر محمدی کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ تفسیر آیات کا باہمی ربط ظاہر کرنے کے لیے لکھی ہے۔ یہ تفسیر بہت مختصر ہے اور ہنوز شائع نہیں ہوئی۔ اس کا قلمی نسخہ برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

تفسیر کے علاوہ شیخ موصوف نے تفسیر بیضاوی پر حاشیہ بھی لکھا۔ احمد آباد ہی میں ۹۸۲ ہجری میں وفات پائی۔

۴۔ **البحر المحیط**:۔ یہ تفسیر شیخ ابو عبداللہ اثیر الدین محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان اندلسی غرناطی کی تصنیف ہے۔ آپ ابن حیان کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ غرناطہ میں ۶۵۴ ہجری میں پیدا ہوئے۔ طلب علم کے لیے افریقہ وغیرہ دور دراز علاقوں کا سفر کیا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ ان کے اساتذہ کی تعداد چار سو پچاس ہے۔ سلف صالحین کے مقلد اور متبع تھے۔ کئی کتابیں لکھیں۔ جن میں قرآن کریم کی تفسیر البحر المحیط بہت مشہور ہے۔ اس میں آپ نے تفسیر کشاف اور ابن عطیہ سے استفادہ تو کیا ہے لیکن قابل اعتراض مقامات پر زمخشری کے دلائل کی تردید کر کے صحیح توجیہات کی ہیں۔ بقول علامہ ابن حجر عسقلانی:۔

ابن حیان ان علماء میں سے ہیں جن کی تصانیف ان کی زندگی میں مقبول اور ہر دلعزیز ہو چکی تھیں۔ اس تفسیر کے علاوہ آپ کی کتاب غریب القرآن بھی بہت مشہور ہے۔ آپ کا انتقال ۲۸ صفر ۷۴۵ ہجری میں ہوا اور قاہرہ میں دفن ہوئے۔

یہ تفسیر دس جلدوں میں ہے پھر خود ہی اس تفسیر کو دو جلدوں میں مختصر کیا اور اس کا نام النھر الماد من البحر رکھا۔

Marfat.com

علامہ موصوف اپنی تفسیر کے تالیف کے سبب میں خود فرماتے ہیں کہ:

"اور یہ بات میرے ذہن میں بار بار آتی رہی اور میرے افکار پہ ابھر کہ جب میں پختگی کی ایسی عمر کو پہنچوں گا جب کہ انسان خلوت پسند ہو جاتا ہے میں خدا تعالیٰ کی پناہ لیتے ہوئے تفسیر قرآن لکھنا شروع کروں گا۔ خدا تعالیٰ نے یہ خواہش اس وقت سے قبل ہی پوری کر دی اور مجھے اس ارادہ کو عملی جامہ کی اس طرح توفیق دی کہ مجھے سلطان الملک منصور کے عہد میں مدرسہ میں علم پڑھانے پر فائز کر دیا گیا۔ اور یہ ۷۱۰ ہجری کا آخر تھا اور میری عمر ۵۷ سال پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ "بحر المحیط کی تالیف سے قبل میں نے تمام مشہور متداول کتب تفسیر غور و خوض سے پڑھیں، ان کا خلاصہ کیا" تفسیر کا طریقہ یہ ہے:-

۱۔ پہلے مشکل الفاظ کی لغت بیان کرتے ہیں۔
۲۔ بعد ازاں ان آیات کا شانِ نزول درج کرتے ہیں۔
۳۔ آیات کا باہمی ربط اور تعلق بیان کرتے ہیں۔
۴۔ پھر قراءت شاذہ و مستعملہ کا ذکر کرتے ہیں۔
۵۔ معانی کی وضاحت کے لیے سلف صالحین کے اقوال نقل کرتے ہیں۔
۶۔ ادبی دقائق بھی ساتھ ساتھ بیان کرتے جاتے ہیں۔
۷۔ فقہاء اربعہ کا مسلک اور ان کے دلائل بیان کرتے ہیں۔
۸۔ تفسیر مکمل کرنے کے بعد آخر میں اس کی تلخیص بیان کرتے ہیں۔
۹۔ صوفیاء کے کلام کو ترجیح دیتے ہیں۔

۵۔ تفسیر قرطبی:- اس تفسیر کے مؤلف کا نام امام شیخ ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری اندلسی قرطبی مالکی ہے آپ کو قرآن کریم سے دلی لگاؤ بلکہ عشق تھا۔ دیگر علوم میں بھی آپ بہرہ مند حاصل تھی۔ نہایت ہی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اکثر اوقات مصروف

Marfat.com

ے میں چلا پھرا کرتے تھے، شوال ۶۷۱ ہجری میں وفات پائی اور منیہ بن خصیب
قبرستان میں دفن ہوئے۔ محمد حسین الذہبی لکھتے ہیں کہ "کان رحمہ اللہ
من عباد اللہ الصالحین، والعلماء العارفین، الزاھدین فی الدنیا،
المشغولین بما یعنیھم من امور الآخرۃ وبلغ من زھدہ لاآف
طرح التکلف" آپ کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں شرح اسماء اللہ الحسنیٰ،
کتاب التذکار فی افضل الاذکار، کتاب التذکرہ، بامور الاخرۃ بہت مشہور ہیں۔
کی تفسیر کا نام جامع احکام القرآن ہے لیکن تفسیر قرطبی کے نام سے زیادہ مشہور
ہے۔ آپ نے اس تفسیر میں قصص اور تاریخی واقعات سے قطع نظر کر کے صرف
آیات احکام کو ہی زیر تفسیر لائے ہیں۔ یہ تفسیر بارہ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے
ان کا انداز محدثانہ ہے، تحقیق کے ساتھ قرآن و حدیث سے بکثرت دلائل
نقل کیے ہیں، مگر فقہ میں بھی کامل اقتدار ہے۔ پہلے قرآن مجید کی آیت پھر اس
کی لغوی و معنوی تشریح، پھر اس پر متعلق احادیث، پھر اقوال صحابہ اور اس
کے بعد استنباط مسائل فقہی کرتے ہوئے ضمناً امام مالکؒ کے مسلک کی حمایت
اور دوسرے مذاہب کی تردید کرتے رہیں مگر دوسرے ائمہ کا نام نہیں لیتے معتزلہ
قدریہ، روافض اور فلاسفہ کی تردید بھی کرتے رہیں۔

۶۔ **معالم التنزیل**:- اس تفسیر کے مؤلف کا نام شیخ الاسلام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد الفراء بغوی ہے۔
فرو پوستین کو کہتے ہیں، یہ پوستین بنایا کرتے تھے۔ آپ بغوی کے نام سے
ان علماء میں سے تھے جن کو حدیث، کتاب اللہ پر کامل عبور تھا۔ بہت
بڑے عابد اور شب بیدار تھے، شافعی مسلک کے پیرو تھے۔ آپ نے شیخ
قاضی حسین سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور انہیں سے حدیث سنی۔ آپ اپنے
زمانے کے بہت بڑے فقیہہ، محدث اور مفسر تھے۔ عمر بھر صرف ایک خشک
روٹی پر گزارہ کیا۔ بعد میں احباب اور شاگردوں کے اصرار پر زیتون کے ساتھ
کھا لی

Marfat.com

لکھنا شروع کر دیا تھا۔ حدیث کی کتاب المصابیح جس کو عالم اسلام میں قبولیت کاملہ کا درجہ حاصل ہے آپ ہی کی مرتب کی ہوئی ہے۔

آپ نے ۸۰ سال کی عمر میں شوال ۵۱۰ ہجری میں مرو روذ کے مقام میں وفات پائی اور اپنے استاد شیخ قاضی حسین کے پاس دفن ہوئے۔

آپ تفسیر، حدیث، فقہ میں امام تھے۔ تاج السبکی نے آپ کو علمائے شافعیہ کے اعلام میں شمار کیا ہے۔

"کان اماماً جلیلاً، ورعاً زاهداً فقیهاً، محدثاً مفسراً، جامعاً بین العلم والعمل سالکاً سبیل السلف"

آپ نے مختلف علوم و فنون پر کئی کتب تصنیف کیں۔ حدیث میں شرح السنۃ اور المصابیح، فقہ میں تہذیب بہت مشہور ہیں۔

معالم التنزیل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں تفسیر القرآن بالقرآن کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ تفسیری اسناد باقاعدگی سے منضبط فرما کر نقل کر دی ہیں۔ کسی قدر بے اصل اور غیر معتبر قصے بھی اس تفسیر میں مذکور ہیں۔

اہل علم کے ہاں یہ تفسیر بہت معروف ہے۔ متوسط کتاب ہے۔ شائع شدہ ہے اور عام طور پر مل جاتی ہے۔

تفسیر بغوی کا خلاصہ شیخ تاج الدین، ابو نصر عبد الوہاب بن محمد الحسینی متوفی ۸۷۵ ہجری نے کیا ہے۔

سننے میں آیا ہے کہ اس تفسیر کا دار العلوم دیوبند کا ایک ادارہ زبان میں ترجمہ شائع کر رہا ہے۔

۷۔ تفسیر فتح القدیر: اس تفسیر کے مصنف کا نام علامہ قاضی محمد بن علی بن محمد یمنی شوکانی ہے۔ آپ شوکان میں ۱۱۷۲ ہجری میں پیدا ہوئے۔ حافظ علی بن ابراہیم ابن عامر وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ آپ اپنے زمانہ

Marfat.com

کے ایک جید عالم تھے۔ آپ نے مختلف علوم و فنون پر کئی تصانیف چھوڑی ہیں۔ تفسیر فتح القدیر جو عربی میں ہے۔ ان کے علم و فضل کی عکاسی کرتی ہے۔ آپ نے تفسیر بیضاوی، کشاف اور ابو سعود کو اپنی تفسیر کا ماخذ بنایا ہے۔ اس تفسیر میں محدثانہ طرز پر علوم کلام اللہ کو واضح فرمایا ہے۔ نقلیات میں بہت احتیاط کی ہے۔ علماء میں بے حد مقبول ہے۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم ۱۳۰۷ ہجری کی تفسیر فتح البیان کا ماخذ علامہ شوکانی کی یہی تفسیر ہے۔ علامہ موصوف نے ۱۲۵۵ ہجری میں وفات پائی۔

س۔ اردو کی اہم تفاسیر پر ایک شذرہ قلمبند کیجیے۔

ج۔ اردو میں پہلا تشریحی ترجمہ حکیم محمد شریف خان (متوفی ۱۲۲۲ ہجری/۱۸۰۷ عیسوی) کے بیٹے محمد اکمل خاں نے لکھا۔ ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں حضرت شاہ عبدالقادر ابن شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء) نے موضح القرآن کے نام سے ترجمہ و حواشی لکھے۔ حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ تحت اللفظ ہے گو اس ترجمے کے تحت اللفظ ہونے کی وجہ سے عوام الناس کیلئے فہم مراد میں صعوبت ہوتی ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ کلام اللہ کی حقیقی عظمت و ہیبت اور کلام الٰہی کا جمال و جلال اگر کسی ترجمے میں محسوس کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف حضرت شاہ عبدالقادر رح ہی کا ترجمہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ گویا اردو زبان کا قرآن ہے۔ ترجمہ کے ساتھ حواشی بھی ہیں جو نہایت ٹھوس اور جامع ہیں اور تنقیح مطالب میں ایک مختصر تفسیر کے قائم مقام ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر رح کے بھائی شاہ رفیع الدین دہلوی (متوفی ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء) نے ترجمہ لکھا۔ یہ بھی نہایت مفید اور جامع ترجمہ ہے اور کلام اللہ کے لطائف و حقائق کی طرف ارباب بصیرت کے لیے بڑی رہنمائی کرتا ہے۔"

۱۲۵۲ھ/۱۸۳۷ء میں سید علی مجتہد (متوفی ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۲ء) بن سید دلدار علی نے توضیح مجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید کے نام سے ترجمہ اور تفسیر لکھی جو اسی زمانے میں لکھنؤ میں چھپی۔ دکن میں قاضی بدر الدولہ خلف شرف الملک (متوفی ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) نے فیض الکریم کے نام سے ایک تفسیر لکھی۔ سر سید احمد خان (متوفی ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء) نے تفسیر قرآن لکھنا شروع کی اور اسکی پہلی جلد ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں چھاپ دی۔ ابھی چھ جلدیں ہی شائع ہوئی تھیں کہ لوگوں کا احتجاج کرنے لگا۔ اسکے باوجود تفسیر سورۃ جن، تفسیر السموات، اذا الشمس کورت، ابطال غلامی، تفسیر الجن والجان عن قصۃ ہابیل … المرقیم وغیرہ شائع کر کے تحریک …

Marfat.com

ہے علماء نے انکے خیالات، عقائد اور تالیفات کے رد میں کتابیں لکھیں اور مفسرین نے اردو میں تفسیریں لکھنا شروع کیں جن میں تفسیر عمدۃ البیان تالیف عمار علی رئیس سونی پت (متوفی ۱۳۱۲ھ/ اکتوبر ۱۸۹۴ء) مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی (متوفی ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء) تفسیر فتح المنان (تفسیر حقانی) نے بڑی شہرت پائی۔

سرسید احمد خاں کی تفسیر اردو میں ہے جو نا تمام ہے شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کو بدل کر لکھا ہے اور باقی اپنے خیالات باطلہ کو جو ملحدین یورپ سے حاصل کیے ہیں اور جن کا اتباع ان کے نزدیک قومی ترقی اور فلاح اسلام کا نام ہے درج کیا ہے اور نامناسب آیات و احادیث و اقوال علماء کو اپنی تائید میں لاکر الہام الٰہی کی تحریف کی ہے، دراصل یہ کتاب تحریف قرآن ہے، ان کی بیباکی اور الحاد کی وجہ سے تمام علمائے ہند نے تکفیر کا فتویٰ دیا ہے، مگر چونکہ وہ اور ان کی ذریت جنت و دوزخ کے منکر اور الہامی باتوں کو لغو سمجھتے ہیں اس لئے اس تکفیر کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے بلکہ مضحکہ اڑاتے ہیں۔

فتح المنان بتفسیر القرآن المعروف بہ تفسیر حقانی:

ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی (متوفی ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء) کی تصنیف ہے۔ مولانا عبدالحق محدث خود اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کتاب میں روایت کو کتب حدیث سے اور درایت کو اس فن کے علماء محققین سے نہایت احتیاط کے طور پر لے کر جمع کیا ہے چند امور کو خاص طور پر مد نظر رکھا ہے۔

۱۔ اردو میں اصل مطالب قرآن کو واضح کیا۔

۲۔ شان نزول کو بروایت صحیحہ لکھا۔

۳۔ آیات احکام میں اول مسئلہ منصوصہ کو ذکر کر کے پھر اختلاف مجتہدین اور ان کے دلائل کو بیان کیا۔

۴۔ غیر ضروری سمجھ کر فقط ایک ہی قرأت کے موافق وجہ اعراب کو بیان کیا۔

۵۔ وجوہ مختلفہ میں سے ایک کو سب سے قوی سمجھ کر ذکر کیا۔

۶۔ معانی اور بلاغت کے متعلق نکات قرآنیہ کو ظاہر کیا۔

۷۔ کوئی حدیث بغیر سند کتب صحاح [illegible] وغیرہ کے نہ لایا۔

Marfat.com

۸۔ قصص میں جو کچھ بروایت صحیحہ یا کتب سابقہ سے ثابت ہے یا خود قرآن میں کئی جگہ بیان وارد ہے وہاں سے ملخص کر کے بیان کر دیا۔

۹۔ آیات میں ربط دیا۔ (۱۰) مخالفین کے شکوک و شبہات جن قدر تاریخی واقعات یا مبداء و معاد کے متعلق وارد ہوتے رہے سب کا جواب الزامی اور تحقیقی دیا۔ اور نفس ترجمہ میں بھی تفسیر کو دو قوسوں کے درمیان بیان کیا۔

یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے۔ معتبر تفسیر ہے مولانا عبدالمالک صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ اردو زبان میں بےنظیر تفسیر ہے جس میں حل لغات، اعراب، فصاحت و بلاغت کے نکات مطالب قرآن اور ان کی تشریح معترضین و مخالفین کے اعتراضات کے جواب کا خاص اہتمام ہے گویا متقدمین کے علوم کو اس تفسیر میں بڑی خوبی کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ زیادہ تر تفسیر کا ماخذ تفسیر امام رازی، تفسیر بیضاوی اور کشاف ہے ان خوبیوں کے علاوہ اس تفسیر کی امتیازی شان یہ ہے کہ زمانہ حال کے فلسفہ اور یورپ کے مستشرقین کے مقابلہ میں اصول اسلام کا ایک مکمل مجموعہ ہے۔"

الغرض یہ بیان شان نزول، ترکیب نحوی، تفسیر، تفصیل و حواشی پر مشتمل ہے۔ مسائل تصوف، واعظانہ انداز، اور مناظرانہ اسلوب کی وجہ سے کتاب بڑی مقبولیت حاصل کی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (متوفی ۶۳ ۱۳ھ/۱۹۴۳ء) کی تفسیر بیان القرآن بھی اردو زبان میں متقدمین کے علوم کا اعلیٰ درجہ ہے۔ نہایت ہی پاکیزہ اسلوب ہے معانی کلام اللہ کی توضیح و تفصیل کی گئی ہے۔ آیات کا شان نزول اور مسائل فقہیہ اور لطائف و معارف کے بیان کا اہتمام و التزام فرمایا ہے۔ تفسیر در منثور تالیف جلال الدین سیوطی، تفسیر کبیر، کشاف، بیضاوی اور تفسیر روح المعانی اس کا ماخذ ہیں۔ بہت مقبول ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اپنی تفسیر میں زیادہ تر اسی سے استفادہ کیا ہے۔

مولانا محمود الحسن دیوبندی (متوفی ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) کا ترجمہ اور حواشی علوم قرآن کا ایک بہترین خزانہ ہے جس کو مولانا شبیر احمد عثمانی (متوفی ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) نے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ بڑے ہی محققانہ انداز میں مطالب کلام اللہ کی تشریح کی

لطائف و معارف کا ایک سمندر ان حواشی میں جمع کر دیا ہے۔ بہت سے اشکالات جن کے حل کے لیے بڑے بڑے دفتر بھی شاید کفایت نہ کر سکیں اُن کا حل نہایت سہل اور لطیف انداز میں موتیوں کی طرح چند پاکیزہ کلمات میں جمع کر دیا ہے۔ بالخصوص اہل باطل اور ملحدین نے اپنی تفاسیر میں جو تحریفات کی تھیں ان کا اس حُسن اسلوب سے رد فرمایا کہ پڑھنے والے کو اس کے مطالعہ کے بعد ادنیٰ تردّد اور التباس نہیں رہتا۔

اپنے اختصار و جامعیت کی بناء پر اس قدر مقبول ہے کہ اکابر علماء درس کے لیے بھی اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ حکومت افغانستان نے بڑے اعلیٰ پیمانے پر خاص اہتمام سے اس ترجمہ و تفسیر کا فارسی ترجمہ بھی شائع کرایا ہے۔

تفسیر ماجدی: مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی تصنیف ہے۔ قدیم و جدید علوم کا مرقع ہے۔ مخالفین اسلام کے شکوک و شبہات کا عقلی و نقلی دلائل سے رد کیا ہے۔ موجودہ زمانہ کی بہترین تفاسیر میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ تفسیر کبیر، بیضاوی، تفسیر ابن جریر، روح المعانی، بیان القرآن، تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر سے استفادہ کیا ہے۔ گو مختصر ہے لیکن بڑی مقبول ہے۔

تفہیم القرآن: مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تصنیف ہے۔ ابھی نامکمل ہے۔ اس تفسیر میں مولانا نے موجودہ دور کے شکوک و شبہات اور دورِ حاضر کے جدید ترین مسائل کو متکلمانہ انداز سے نہایت شافی و واضح طریقہ پر حل کیا ہے۔ اس تفسیر کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا نے ایسی بحث چھیڑنے سے پرہیز کیا ہے جو ناظر کی توجہ قرآن سے ہٹا کر دوسری چیز کی طرف پھیر دے۔ اختلافی مسائل میں فقہائے اربعہ اور علمائے سلف کے اقوال درج کر دیئے ہیں اور آخر میں اپنی رائے بیان کی ہے اور اس کے ثبوت میں عقلی و نقلی استدلال کیا ہے۔

ہر سورت کے آغاز میں سورۃ کے نام اور وجہ تسمیہ، زمانہ نزول، شان نزول، مباحث وغیرہ پر تفصیل سے بحث کی ہے گویا ان ابتدائی چیزوں کو پڑھنے کے بعد ناظر کے لیے اس سورت کو سمجھنا نہایت سہل ہو جاتا ہے۔ عام فہم ہے۔ ہر شخص اپنی استطاعت علمی کے مطابق اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔

(تمت بالخیر والحمد للہ رب العٰلمین ط)

Marfat.com

جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا
۲۵ : ۳۳

رِیَاضُ التَّفْسِیْر

(متنِ قرآن، اصولِ تفسیر، تاریخِ تفسیر)

برائے

ایم۔اے اسلامیات

از

پروفیسر محمد سرور ایم۔اے (عربی) ایم۔اے (اسلامیات) بی ایڈ

ناشر

ملک نذیر احمد پبلشرز اینڈ تاج بک ڈپو

اردو بازار لاہور

Marfat.com